# الفرق بین الفرق

تالیف

صدر الاسلام الامام ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی

الشافعی والاشعری متوفی ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۷ء



ترجمہ اردو مع مقدمہ وحواشی

از

## پروفیسر علی محسن صدیقی

پروفیسر (ریٹائرڈ) تاریخ اسلام ومعارف اسلامیہ
کراچی یونیورسٹی کراچی

قرطاس
ادارہ تصنیف و تالیف و ترجمہ

مکتبہ دار العلوم المحمدیہ

كتاب ق

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب

# اَلۡفَرۡقُ بَیۡنَ الۡفِرَقِ

## تالیف

صدر الاسلام الامام ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی،
الشافعی والاشعری متوفی ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۷ء

### ترجمہ اردو مع مقدمہ و حواشی

### از

پروفیسر علی محسن صدیقی

پروفیسر (ریٹائرڈ) تاریخ اسلام و معارف اسلامیہ
کراچی یونیورسٹی کراچی

قرطاس

سلسلۂ مطبوعات۔ ۶۸

طبع اوّل : ستمبر ۲۰۰۵ء

طبع ثانی : جون ۲۰۰۸ء

قیمت : -/۴۰۰ روپے

کمپوزنگ : ہاشمی برادرز

سرورق : ثنا نوید

کراچی اسکول آف آرٹس

زیر اہتمام:

قرطاس

پوسٹ بکس نمبر 8453

کراچی یونیورسٹی: کراچی-75270

موبائل#:0300-9245853

ISBN: 969 - 8448 - 47 - 0

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

مکتبہ دار العلوم المحمدیہ
کراچی

# انتساب

والد مرحوم و مغفور

## مولوی محمد فاروق صدیقی

﴿ولادت: غازی پور، ۱۸۸۲ء......وفات: کراچی، ۱۹۵۸ء﴾

کے نام نامی

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ تُوامَ
وگر کشادہ جبینم، گلِ بہارِ توام

محسن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

# فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

# مقدمہ مترجم

ا۔ تمہید:

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۲ھ میں فتنۂ ارتداد کے فرو ہوتے ہی اسلامی افواج نے پڑوسی عراق کی جانب پیش قدمی کی اور اس وقت کی ایک مضبوط اور منظم شہنشاہی سے نبرد آزمائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اگلے سال غازیانِ اسلام نے عرب کے دوسرے پڑوسی ملک شام پر یلغار کی۔ یوں ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ سرزمین عرب سے اللہ تعالیٰ کے ان غازیوں کا جہاد کی غرض سے ہلالِ خصیب میں داخل ہونا، اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں ''ظہورِ اسلام'' کہلاتا ہے۔ ان آویزشوں کا حلقہ پھیلتا گیا اور سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں شام، الجزیرہ و مصر اور عراق، میدیا (جبال، ایران) وغیرہ مسخر ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی افواج مغربی محاذ پر مصر سے گزر کر طرابلس الغرب، لیبیا و تونس تک اور مشرقی محاذ پر خراسان، سیستان، کابل و زابل تک فاتحانہ پہنچیں اور یہ وسیع و عریض خطے اسلام کی عمل داری میں سوب ہوئے۔ اُس عہد کی ایک قومی و منظم سلطنت کہ اکابرۂ عجم کے زیر نگیں تھی، شکست و ریخت کا شکار ہو کر اپنی عمر طبعی کو پہنچی اور دنیا کے نقشہ سے یکسر محو ہو گئی۔ دوسری عظیم قوت جو بازنطینی قیصریت سے عبارت تھی، اپنے زرخیز مشرقی صوبوں میں شام، آذربیجان و آرمینیہ اور شمالی افریقہ کے علاقوں میں مصر، تونس، طرابلس وغیرہ سے محروم ہو گئی۔ یہ عظیم فتوحات سکندر مقدونی کی فتوحات کی طرح وقتی نہ تھیں، ایک تند و تیز طوفان نے ملکوں کو تہ و بالا کر دیا اور سارے خطے میں جھاڑو پھر گئی، بلکہ یہ اسلامی فتوحات دیرپا اور تادیر باقی رہنے والی تھیں، انہوں نے مفتوحہ ممالک میں ایک نئی سیاسی تنظیم، ایک جدید تہذیب اور ایک ترقی پذیر

فکری وروحانی، انقلاب کی بنیاد رکھی۔ یہ عملِ تسخیر آبادانی، مادی خوش حالی اور روحانی بالیدگی اور فکری وذہنی نشوو ارتقاء کا پیغام لے کر آیا، جس سے ان علاقوں کی تاریخ یکسر بدل گئی گویا ایک نئی قوم نئے ولولوں کے ساتھ وجود میں آئی اور ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جو اپنی ہمہ گیری، عالم گیری وپائیداری کے لیے شہرۂ آفاق تھا۔

کشور کشائی کے دوش بدوش کشور آرائی کا عمل بھی شروع ہوا۔ مفتوحہ ممالک میں قدیم شہروں میں عربوں کی آبادکاری کا بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ فلسطین، اردن، دمشق وحمص میں عربوں کی ایک بڑی تعداد کو آباد کیا گیا۔ ان شہروں کو جُند (فوجی چھاؤنی) کا نام دیا گیا۔ ان پرانی آبادیوں کے علاوہ نئے شہر بھی آباد کئے گئے۔ عراق میں بصرہ اور کوفہ کے نئے عسکری شہر (جند) اور مصر میں فُسطاط وجیزہ کے شہر بسائے گئے۔ ان شہروں میں عرب مقاتلہ کو قبائلی تقسیم کے مطابق آباد کیا گیا۔ جلد ہی تمدنی ومعاشی تقاضوں کے پیش نظر قرب وجوار کی مقامی آبادیوں کے اہل مرفہ اور تاجروں نے ان شہروں خصوصاً بصرہ اور کوفہ کی جانب نقل مکانی شروع کر دی، یوں عربوں کے ساتھ مقامی لوگوں کا ایک بڑا جتھ یہاں آباد ہوگیا۔ اس کے علاوہ مقاتلہ کے ساتھ اسیرانِ جنگ کی ایک بڑی کھیپ ان نئے شہروں میں آ کر بس گئی۔ ایک اندازے کے مطابق بصرہ اور کوفہ کے نو آباد شہروں کی آبادی کی اکثریت غیر عرب باشندوں پر مشتمل تھی۔ ان میں بیشتر ایران اور ایرانی کسرویت کے زیر تسلط ممالک کے لوگ تھے، مزید برآں عراق کی قدیم آبادی جو شہروں میں آ کر آباد ہوئی، وہ بھی ایرانی حکومت کی سابق رعایا ہی تھی۔ یہ نئے لوگ جو عربوں کے ساتھ آ کر یہاں بسے، ان کی ایک تہذیب تھی، ایک زبان تھی، ایک مذہبی وابستگی تھی اور ایک قدیم تر روایت تھی۔ ان میں نصاریٰ بھی تھے، یہود بھی تھے اور مجوسی وصابئی بھی۔ یوں عرب اور اسلام کا عجم ومذاہب عجم سے براہ راست سابقہ پڑا۔ اس امتزاج اور اختلاط سے ایک نئی فکری وتہذیبی آمیزش وآویزش کا آغاز ہوا۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے امتزاج وتوالد کا بھی آغاز ہوا۔ عربوں نے نو مفتوحہ ممالک کی خواتین، سے کہ سُریہ اور اسیر جنگ تھیں، رشتۂ ازدواج قائم کیا اور آزاد زنانِ عجم سے بھی انہوں نے شادیاں کیں۔ یوں گھریلو زندگیوں میں بھی عرب و

عجم کی ترکیب سے ایک نئی صورت وجود میں آئی۔ اور جب بقول سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ''لونڈیوں نے اپنے آقاؤں کو جنا''، عین ان عجمی خواتین سے عربوں کے بیٹے، بیٹیاں پیدا ہوئیں، تو ایک ایسی نسل وجود میں آئی جس میں عربی اور عجمی خون کی آمیزش تھی اور جو اپنے آباء واجداد سے یکسر مختلف تھی۔ یہی نہیں ان نوجوان عربوں سے بھی یہ نسل مختلف تھی جن کی مائیں ''الدھناء'' سے تعلق رکھتی تھیں اور عرب تھیں۔ اس طور سے فتوحات اسلامی کی پہلی صدی گزرنے سے پہلے ہی امتزاج واختلاط کے عمل کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ ایک نئے رنگ میں رنگ گیا اور عربوں کی سادگی کے ساتھ ساتھ عجمیوں کی پرکاری سے ایک ایسا آمیزہ تیار ہوا جو نہ عرب بہت تھا، نہ عجم نما تھا، بلکہ ان دونوں کی خصوصیات کا مجموعہ تھا۔

فتوحات اور عمل تولید کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ میں جو تبدیلیاں آئیں، ان سے صرف عراق اور نو مفتوحہ ممالک میں آباد عرب ہی متاثر نہ ہوئے بلکہ حجاز پر بھی اس کے واضح اثرات پڑے۔ مدینۃ الرسول ﷺ کو بھی تقسیم غنائم کی غرض سے ایک ''جند'' قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس مقدس شہر میں بھی غیر عرب اقوام غلاموں اور موالی کی شکل میں بس گئی تھیں، اور عہد خلفاء راشدین کے اختتام تک یہاں بھی بڑی تعداد میں غیر عرب آباد تھے۔ پہلی صدی ہجری کے آخر ہوتے ہوتے یہاں بھی عجم کے تہذیبی اثرات مجلسی زندگی میں نمایاں ہوگئے تھے۔ تعمیرات میں پُرکاری آئی، ایرانی ورومی معماروں اور کاریگروں نے گچ اور چونے سے پختہ عمارات تعمیر کیں، ان میں میناکاری اور نقش ونگار کا اضافہ کیا گیا، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر جدید جو ولید اوّل کے عہد میں ہوئی اور اموی دور ہی میں مسجد حرام کی توسیع وتزئین میں جو اہتمام کیا گیا وہ عربوں کی سادگی کے بجائے روم وایران کی تعمیرات کا طرۂ امتیاز تھا۔ القدس کی مسجد صخرہ، کوفہ کی جامع مسجد اور دمشق کی مسجد اموی کی تعمیری ہیئت میں عربوں کی سادگی کے ساتھ ساتھ روم وایران کے تعمیری خصائص بھی موجود تھے۔ یہی نہیں حجاز میں رہائشی مکانات بھی پتھر اور گچ سے بنائے جانے لگے تھے۔ مدینۃ النبی ﷺ میں ایسی عمارتوں کی کمی نہ تھی، حتیٰ کہ مدینہ سے باہر وادی عقیق میں بھی قصر نما حویلیاں تعمیر ہونے لگی تھیں، غلاموں کی کثرت، وظائف کی رسد اور بڑی

بڑی زرعی جاگیروں کے سبب حجاز کی زندگی، ایک نئے انداز اور نئے ڈھنگ سے دوچار ہوگئی تھی۔ دولت کی فراوانی، بے کاری اور سہل انگاری کے باعث وہ فنون جو ذہنی و مادی تعیّشات کو مہمیز کرتے ہیں، پروان چڑھنے لگے تھے۔ موسیقی، فیشن اور سفلی جذبات کو ابھارنے والی شاعری کا چلن ہوگیا تھا، موسیقی کی بڑی بڑی محفلیں برپا کی جاتی تھیں، فسق آمیز شاعری سے ادب کو متبذل بنایا جارہا تھا اور نت نئے فیشن خواتین و حضرات میں عام ہوتے جارہے تھے، یوں پہلی صدی ہجری کے اختتام تک اسلامی سلطنت کی معاشرتی، معاشی، فکری و ذہنی سطح ایک نئے انداز سے تغیر و تبدل سے دوچار اور نئی ہیئت سے ہم کنار ہوچکی تھی۔

ان نئے تطورات و تغیرات سے زندگی کے سبھی مظاہر متاثر ہورہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اسلامی عقائد، عبادات و اخلاقیات بھی نئے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ عراق، شام و الجزیرہ میں جن دیاناتِ قدیمہ سے فاتحین کا واسطہ پڑا ان میں یہودیت، نصرانیت، صابیت اور مجوسیت نمایاں تھیں۔ ان میں دو مذاہب یعنی یہودیت و نصرانیت فلسفہ یونان سے اتصال کے سبب عقلی موشگافیوں اور فکری ریاضتوں سے مسلح ہوچکے تھے۔ جب مسلمانوں کا نومفتوحہ ممالک میں ان مذاہب کے احبار و قسیسین سے رابطہ ہوا تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں ان کے پاس اپنے مذہب کی حمایت و صیانت کے لئے عقلی دلائل نہ ہونے کے برابر ہیں اور یہ کہ تلوار نے ان کی سیاسی قوت کو یقیناً مسخر کرلیا ہے مگر ان لوگوں کی عقلی و ذہنی کاوشوں کے آگے تلوار کی طاقت سے بند نہیں باندھا جاسکتا اور اس محاذ پر ان سے نبرد آزما ہونے کی غرض سے ان ہی اسلحہ سے مسلح ہونا ضروری ہے، جن سے وہ لوگ مسلح ہوچکے ہیں۔ یوں یہ صورتِ حال یکسر مختلف تھی اور اسلام کا کامیاب دفاع جن امور کا تقاضہ کرتا تھا وہ انہیں ہم دست نہیں تھے۔

یہود و نصاریٰ کی فلسفیانہ بحثوں اور عقلی موشگافیوں سے اگر ایک طرف اسلام پر زد پڑتی تھی تو دوسری طرف مزدک، مانی اور دیگر مجوسی اقوام کی بدعقیدگی اور فاسد افکار، ان نومسلموں کے ذریعہ اسلامی معاشرہ میں عام ہونے لگے تھے، جو اپنی قدیم دیانات سے نکل کر اسلام کے

دائرے میں داخل ہو رہے تھے، مزید برآں مفتوحہ اقوام نے اپنی سیاسی شکست کا انتقام لینے کی غرض سے اسلام پر بدعقیدگی، پراگندہ ذہنی اور بدعات سیئہ کے سیل بے پناہ سے حملہ کیا۔ ان وجوہ سے اسلام ایک نئی افتاد سے دوچار ہوا، فاسد افکار کی آمیزش نے اسلامی معاشرہ کو متاثر کرنا شروع کیا اور اسلام کی سادگی و عملی تعلیمات کو ژولیدہ خیالی سے نقصان پہنچنے لگا۔ اس خطرناک صورت حال سے نبرد آزما ہونا اور اسلام کی کشتی کو کامیابی سے ساحل نجات تک پہنچانا، عرب مقاتلہ کے بس میں نہ تھا۔ اس میدان کے وہ مرد نہ تھے، ہر کسے را بہر کارے ساختند۔

پہلی صدی ہجری کے آخر ہوتے ہوتے مسلمان اہل علم کا ایک گروہ وجود میں آیا، ان میں ایسے لوگ تھے جو اسلامی علوم کے حامل ہونے کے ساتھ ہی فلسفہ یونان سے بھی واقف تھے۔ ان لوگوں نے اس لادینی فلسفۂ یونان کا مطالعہ کیا اور اس کے اصول موضوع پر ایک نئے فن کی بنیاد رکھی جسے ''علم کلام'' کا نام دیا گیا۔ انہوں نے اس عقل کی تلوار سے اسلام کا دفاع کیا اور یہودیت و نصرانیت کو فلسفہ یونان کے تعقل سے جو نقصان پہنچا تھا، اسلام کو اس سے بچانے کی بھی کوشش کی۔ اس گروہ کو ہم ''متکلمین'' کے نام سے جانتے ہیں۔

عہد اموی کے اختتام تک ''متکلمین'' کا گروہ وجود میں آ چکا تھا۔ بنوعباس کے برسر اقتدار آتے ہی اہل عجم کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں تیزی آ گئی اور انہوں نے داخلی و خارجی محاذوں پر اسلام پر یورش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس تیزی سے گروہ متکلمین میں بھی نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا اور انہوں نے اسلام کے دفاع میں اپنے قلم اور اپنی زبان سے یکساں کام کیا۔ عقائد اسلام کے اثبات میں کتابیں لکھیں اور مخالفین سے مناظرے کیے۔

گروہ متکلمین عرب جس نے اسلام کی مدافعت میں دشمنان اسلام سے قلمی اور لسانی جہاد کیا اسلام میں عقل کے کردار پر پرزور مقالے تحریر کیے، اور دین کو عربوں کے توہمات اور عجمیوں کی خرافات سے پاک کیا، ان معتزلی علماء پر مشتمل تھا، جن کے سید الطائفہ واصل بن عطاء الغزالی اور عمرو بن عبید تھے۔ عہد عباسی کے آغاز سے انہوں نے اسلام کی حمایت میں جاں فشانیاں کیں، فلسفہ یونان کی یورش سے، یہود و نصاریٰ کی سازش سے اور مزدکی، مانوی و برہمنی

اباحیت سے، اسلامی عقائد و عبادات کو منزہ کیا۔ ان میں ابوہذیل علاف (۲۳۵ھ) نظام (۲۳۱ھ) جاحظ (۲۵۵ھ) زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا تعلق بصرہ کے مدرسۂ اعتزال سے تھا۔ جس کے استاذ الکل جناب حسن بصری (۱۱۰ھ) تھے۔ ان لوگوں نے آزادیٔ رائے، حریت فکر اور جرأت اظہار کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور زنادقہ و دہریہ سے مناظرے کئے اور ان کے ابطال میں کتابیں لکھیں، بلکہ ان علماء پر بھی سخت تنقید کی جو روایات کے شیدائی اور رائے و درایت کے انکاری تھے۔ انہوں نے صدرِ اسلام کے سیاسی احزاب سے متعلق واضح موقف اختیار کیا اور اعاظم پرستی سے کنارہ کش ہوکر، ہر بڑے کے بارے میں کھل کر اظہار خیال کیا۔ یوں ایک ایسی علمی فضاء قائم ہوئی جس میں مذہب کلام اور عقائد ہی زیر بحث نہ آئے بلکہ عربی زبان و ادب بھی اس سے متاثر ہوئے۔ تعقل پسندی کی یہ تحریک ریاستی جبر سے آزاد تھی اور اس کے عمائد نے حکومت کی حاشیہ نشینی سے اجتناب کیا۔ عمرو بن عبید (۱۴۴ھ) نے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کی پیش کش کو شانِ بے نیازی سے ٹھکرا دیا اور حکومتی سرپرستی کو اس حریت فکر کے حق میں سم قاتل سمجھا، جس کے لئے معتزلہ دوسرے گروہوں سے ممتاز تھے۔

مگر یہ صورتِ حالات تادیر باقی نہ رہی۔ المامون کی بغداد آمد کے بعد (۲۰۴ھ تا ۲۱۸ھ) بغداد کے معتزلی علماء نے اپنے بصرہ کے پیش رؤں کے برعکس حکومت سے قربت اختیار کی۔ المامون کی تعقل پسندی نے بشر بن معتمر (۲۱۰ھ)، احمد بن ابی دواد (۲۴۰ھ) اور ثمامہ ابن اشرس کی پذیرائی کیلئے حکومت کے دروازے چوپٹ کھول دیئے اور معتزلی علماء و معقولی خلفاء کی کوششوں سے معتزلی عقائد بجبر مسلط کئے جانے لگے، یوں وہ حریت فکر اور آزادی رائے جس کے یہ علماء مدعی تھے، دم توڑ گئی اور مامون اور اس کے جانشینوں المعتصم (۲۱۸ تا ۲۲۷ھ) اور الواثق (۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ) کے زمانے میں اہل اعتزال کے افکار کو حکومت کا رئیس مذہب بنا دیا۔ محدثین اور معتزلہ مخالف علماء پر جبر واستبداد کے ذریعہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے عقائد سے تائب ہوکر معتزلہ کے افکار کو اپنا لیں۔ اس جبر کو ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر علماء و خلفاء

نے لوگوں پر مسلط کیا اور آزادئ رائے و جرأت اظہار جس کے علم بردار اہل اعتزال تھے، انہیں کے ہاتھوں اپنی موت مرگئی۔ علم و عقل کی یہ ہیرا پھیری ان دو خلفاء کے عہد میں ہوئی جو اپنے علم وفضل کے لئے مشہور ہیں، یعنی المامون اور الواثق۔ لیکن جبر، جبر کو جنم دیتا ہے، چنانچہ جب المتوکل (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) مسند آرائے خلافت ہوا تو حالات معتزلہ کے حق میں حد درجہ ناساز گار ہوگئے۔ اپنی تمام تر جفاکشی کے باوجود المتوکل علی اللہ کو محدثین اور معتزلہ کے مخالفوں نے ''محی السنّت'' کا لقب دیا اور یہاں تک غلو کیا کہ ان کے نزدیک خلفاء تو تین ہی گزرے ہیں، ایک سیدنا ابوبکر صدیقؓ کہ فتنہ ارتداد و مدعیان نبوت کے قامع تھے، دوسرے جناب عمر بن عبدالعزیز کہ اموی استحصال کے حامی تھے اور تیسرے المتوکل کہ سنت کو زندہ کرنے والے اور فتنۂ اعتزال کے استیصال کے بانی مبانی تھے۔ المتوکل نے صفات باری پر مباحثہ و مناظرہ کو بند کردیا، محدثین اور معتزلہ کے مخالفین کو نوازا اور معتزلی علماء میں سے احمد بن ابی دواد اور ثمامہ بن اشرس وغیرہ کو اس طرح ہدف ستم بنایا، جس طرح کہ یہ معتزلی علماء اپنے مخالفین کو ہدف ستم بناتے تھے۔ معتزلہ کی یہ تباہی خود انہیں کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ہوئی، سو وہی اپنے زوال اور تعقل و تدبر کے رجحانات کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔

المتوکل کے عہد کے ساتھ معتزلہ کا زوال اور محدثین کا عروج شروع ہوتا ہے۔ بعد کے دور میں خلافت عباسیہ کا ضعف ملکی سیاسی تفرق و تشتت کا سبب بنا اور یہ انتشار ذہنی تنزل و فکری پس ماندگی کا موجب ہوا۔ معتزلی علماء کی کتابیں ضائع کی جاتی رہیں اور انہیں اپنی آزادئ اظہار و جرأت گفتار کی بھاری قیمت اداء کرنی پڑی۔ مگر معتزلہ کو اس سرکاری قدغن و ابتلاء سے اتنا نقصان نہ پہنچا جتنا نقصان انہیں اپنے ہی گروہ میں سے ایسے فضلاء کے ہاتھوں پہنچا جو انہیں کے اسلحہ سے لیس مگر ان کے عقائد و افکار کے مخالف اور محدثین کے حامی تھے۔ چوتھی صدی ہجری کے مشہور معتزلی عالم ابوعلی الجبائی (۳۰۳ھ) کے مدرسۂ اعتزال سے امام ابوالحسن اشعری (۳۲۴ھ) جیسے نابغۂ عصر پیدا ہوئے، انہوں نے محدثین کو عقل کی اہمیت کا احساس دلایا اور معتزلہ پر نقل کی ثقاہت مبرہن کی۔ عقل و نقل کا یہ امتزاج تاریخ تعقل پسندی میں جن علماء کے

ہاتھوں انجام پذیر ہوا، انہیں امام ابوالحسن اشعری کے انتساب سے ''اشاعرہ'' کہا جاتا ہے۔ امام اشعری نے عقائد پر ''مقالات الاسلامیین'' نامی کتاب تحریر کی اور معتزلہ و دیگر مخالف فرقوں کی ذہنی قلابازیوں کو طشت از بام کیا۔ ان باتوں کا جواب دینا معتزلہ کے لئے نہایت دشوار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشاعرہ کے گروہ میں بڑے بڑے فضلاء پیدا ہوتے رہے جو معتزلہ اور دیگر مخالفین کے افکار و عقائد کا ابطال کرتے تھے۔ ایسے ہی فضلاء میں ہمارے فاضل مصنف امام ابوالمنصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی بھی ہیں۔ جنہوں نے مخالف فرقوں کے ابطال پر مستند کتابیں تحریر کیں۔ وہ ایک واسطے سے امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد تھے اور قدیم و جدید علوم کے بہت بڑے عالم بھی تھے۔

## ۲۔ مصنف کے حالاتِ زندگی:

تذکرہ نگاروں نے کتاب ''الفرق بین الفرق'' کے مصنف کے ذکر میں بڑے بخل سے کام لیا ہے۔ طبقات الشافعیہ، وفیات الاعیان، فوات الوفیات اور دیگر مصنفین نے ان کے حالات زندگی سرسری بیان کئے ہیں یا پھر ان کا ذکر سرے سے کیا ہی نہیں ہے۔ مجھے تلاشِ بسیار کے بعد جو معلومات ہم دست ہوسکیں اور ان کے علاوہ مصنف کی اپنی تصانیف سے جو معلومات اخذ کی جاسکیں، ان سب کو جمع کر کے میں نے ایک بیانیہ ترتیب دیا ہے، اس سے کسی حد تک، اس نابغۂ عصر اور علامۂ فاضل سے قارئین کرام کا تعارف کرانے کی کوشش کی ہے، گویا چیونٹیوں کے منہ سے دانے نکال کر ایک انبار بنایا ہے، یا دریا کو ایک حباب میں بند کر دیا ہے۔

ہمارے مصنف کا نام عبدالقاہر اور کنیت ابومنصور ہے۔ والد کا نام طاہر اور دادا کا نام محمد ہے۔ انہیں الاستاد کے لقب سے متعارف کرایا گیا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ انہیں درس و تدریس سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ ان کے نام کے ساتھ تمیمی کی نسبت بیان کی گئی ہے، یعنی ان کا تعلق بنوتمیم سے تھا۔ بنوتمیم عرب کے مضری قبائل میں نہایت اہم اور کثیر التعداد قبیلہ تھا، تذکرہ نگاروں نے اس نسبت کے متعلق یہ تصریح نہیں کی ہے کہ یہ وہ بنوتمیم کے ''صریح'' فرد تھے اور

اس قبیلہ سے ان کا نسبی تعلق تھا یا وہ اس کے ''غیر صریح'' فرد تھے اور یہ تعلق ''ولا'' و ''حلف'' کا تھا۔

تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ وہ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں تحصیل علم کی۔ تعلیم کے مزید حصول کی غرض سے ان کے والد انہیں خراسان کے مشہور علمی مرکز نیشاپور لے گئے۔ استاد ابومنصور نے تکمیل علم کے بعد وہیں طرح اقامت ڈالی اور درس و تدریس میں منہمک ہوگئے۔ اخیر اخیر انہوں نے نیشاپور میں واقع اسفرائین کے قلعہ بند شہر کی سکونت اختیار کر لی اور وہاں پیر توڑ کر ایسا بیٹھے کہ مر کر ہی اٹھے۔ مگر بغدادی کی نسبت ان کے نام کا جزو بن گئی اور وہ اسفرائنی نہ کہلا سکے۔ کسی تذکرہ سے یہ پتا نہیں چلتا کہ استاد عبدالقاہر کا سال ولادت کیا تھا۔ کتاب ''الفرق بین الفرق'' (ص۲۲۴) میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ:

> ۳۷۰ھ میں دولت سامانیہ کے صاحب الجیش (سپہ سالار) ناصر الدولہ ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن سمجور کے دربار میں انہوں نے فرقہ کرامیہ کے ''شیخ'' و مقتدیٰ، ابراہیم بن مہاجر سے اسمائے باری تعالیٰ کے 'اعراض' ہونے کے مسئلہ پر بحث کی اور اسے مناظرہ میں بند کر دیا۔

اس بیان سے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اس وقت وہ پختہ عمر اور کامل علم کے مالک ہوں گے۔ اندازاً ان کی عمر تیس (۳۰) سال کے لگ بھگ ہونا چاہیے۔ ان کی وفات کے بارے میں تمام تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۴۲۹ھ میں واقع ہوئی، سو اگر وہ ۳۷۰ھ میں تیس (۳۰) سال کے ہوں گے تو ان کی تاریخ ولادت ۳۴۰ھ ہوگی اور ۴۲۹ھ میں انتقال کے وقت ان کی عمر کوئی ۹۰ (نوے) برس کے قریب ہوگی۔

استاد عبدالقاہر کے تذکرہ میں اس بات کا ذکر تمام تذکرہ نویسوں نے کیا ہے کہ وہ نہایت صاحب ثروت اور متمول تھے۔ اس تونگری کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے، قیاس کہتا ہے کہ عراق میں ان کی خاندانی زرعی جاگیر ہوگی اور اس کی آمدنی سے وہ بے ہمہ اور باہمہ زندگی گزارتے ہوں گے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا خاندان بغداد میں معزز اور رودار ہوگا۔

تحصیل علم کے سلسلہ میں تمام تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ وہ استاد ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن مہران اسفرائین کے شاگرد رشید تھے۔ یہ شیخ ابو اسحاق فقہ میں امام شافعیؒ کے مقلد اور کلام میں امام ابوالحسن اشعری (۳۲۴ھ) کے تلمیذ خاص تھے اور ان کا شمار "اشاعرہ" کے طبقہ اولیٰ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ۴۱۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کے دوسرے تلامذہ میں شیخ احمد بن حسین بیہقی (۴۵۸ھ) شیخ ابوالطیب طبری (۴۵۰ھ) اور حاکم نیشاپوری (۴۱۸ھ) نمایاں ہیں۔ یہ لوگ جو اصول و فروع کے امام ہیں، ہمارے مصنف کے ہم درس و ہم استاد ہیں۔ امام عبدالقاہر کے دوسرے استاد ابوسہل بشر بن احمد اسفرائین (۳۷۰ھ) تھے جن سے انہوں نے علم حدیث کا درس لیا۔ امام ابومحمد عبداللہ بن محمد نیشاپوری (۳۶۰ھ) سے بھی انہوں نے حدیث کی روایت کی سند لی۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ سترہ (۱۷) علوم کے ماہر تھے اور ان علوم میں تدریس و تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ مصنف نے اپنی کتاب الاصول الدین (ص ۳۰۶) اور الفرق (۳۹۴) میں بیان کیا ہے کہ جن اشعری متکلمین سے انہوں نے ملاقات کی ان میں ابوعبداللہ بن مجاہد، قاضی القضاۃ محمد بن طیب، محمد بن حسین بن فورک، ابراہیم بن محمد ہمدانی اور حسین بن محمد بزازی جیسے آئمۂ فن و فضلاء عصر شامل ہیں۔ ان کے علاوہ قاضی بغداد حسین بن علی المعروف بہ ابن ماکولا شافعی (۴۴۷ھ) قاضی ابوالحسن علی ماوردی (۴۵۰ھ)، ابوبکر باقلانی (۴۰۳ھ) اور قاضی یعلی الفراء حنبلی (۴۵۸ھ) ان کے ہم عصر و ہم مسلک علماء ہیں، بغداد میں قیام کے زمانے میں ان حضرات سے استاد ابومنصور عبدالقاہر کے دوستانہ تعلقات تھے۔

ہمارے مصنف تمام عمر تصنیف و تدریس میں مشغول رہے اور طلبہ کی کھلے ہاتھوں سے مالی دست گیری کرتے رہے، وہ علم فروع یعنی فقہ و فرائض میں اور علم اصول یعنی علم کلام میں مہارت تامہ رکھتے تھے، انہیں "الاصولی" بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی کتاب "الفرق بین الفرق" سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریس و تصنیف کے علاوہ اپنے مخالفوں سے وہ مناظرے بھی کرتے تھے۔ مثلاً معتزلہ کے فرقہ متدرکہ سے (ص ۲۱۰)، کرامیہ کے شیخ ابن مہاجر (۴۲۴) سے اور فرقہ حلمانیہ سے (۲۵۹) انہوں نے مناظرے کئے، وہ شعر بھی کہتے تھے اور کیسانہ، خوارج وغیرہ کے ابطال میں

انہوں نے اشعار کہے ہیں۔ الفرق بین الفرق (۴۳:۹۳) میں ان کے اشعار ہیں۔

ان کی تصنیف میں الفرق بین الفرق کے علاوہ اصول الدین زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور علم کلام کی نہایت اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ ایک کتاب ''الملل والنحل'' کا انہوں نے کتاب الفرق میں (۲۳۰) میں ذکر کیا ہے۔ بہرکیف ایک بھرپور علمی زندگی گزار کر انہوں نے ۴۲۹ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اسفرائین میں پیوند خاک ہوئے۔ البقاء للّٰہ۔

## ۳۔ کتاب الفرق بین الفرق کا تعارف:

کتاب ''الفرق بین الفرق'' ترتیب و تنسیق میں بے مثال ہے۔ اس کا اسلوب منطقی وکلامی ہے۔ یہ کتاب ایک مختصر مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ باب اوّل میں امت محمدیہ ﷺ میں فرقہ بندیوں سے متعلق حدیث ماثور کے اسانید و طرق کا بیان ہے۔

۲۔ باب دوم میں ان تمام فرقوں کی اہم شماری کی گئی ہے، جو دائرہ اسلام میں داخل یا اس کے دائرہ سے خارج ہیں۔ اس باب میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں اسلام میں داخل فرقوں کے معنی جامع کا بیان ہے اور دوسری فصل میں اختلاف امت محمدیہ ﷺ کی کیفیت اور مختلف فرقوں کے ظہور پذیر ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان فرقوں کے نام گنوائے گئے ہیں۔

۳۔ باب سوم میں ان فرقوں کا بیان ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہیں۔ مصنف نے اس موقع پر ان میں سے ہر فرقہ کے عقائد پر اعتراضات کئے ہیں اور ان کی سخت گرفت کی ہے۔ یہ باب آٹھ فصلوں پر محیط ہے۔ پہلی فصل شیعی فرقوں، دوسری فصل خارجی فرقوں اور تیسری فصل معتزلی قدری فرقوں، ان کے فروع اور اہم عقائد کے بیان پر مشتمل ہیں۔ اس طرح چوتھی فصل میں مرجئہ، پانچویں فصل میں فرقہ ہائے نجاریہ، چھٹی فصل میں فرقہ جہمیہ، ساتویں فصل میں فرقہ ہائے کرامیہ اور آٹھویں فصل میں فرقہ ہائے مشبہہ کا بیان اور ان کے عقائد کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ باب چہارم اُن فرقوں کے بیان کے لئے مختص ہے، جو اگرچہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن مصنف کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہاں فاضل مصنف نے ان فرقوں کے تذکرہ کے ساتھ، ان کے اسلام سے خارج ہونے پر بھی کلامی انداز میں استدلال کیا ہے۔ اس باب میں کل سترہ (۱۷) فصلیں ہیں۔ یہ فصلیں مندرجہ ذیل فرقوں کے بیان میں ہیں:۔

(۱) فرقۂ سبئیہ، (۲) فرقۂ بیانیہ، (۳) فرقۂ المغیریہ، (۴) فرقۂ حربیہ، (۵) فرقۂ منصوریہ، (۶) فرقۂ جناحیہ، (۷) فرقۂ خطابیہ، (۸) فرقہ ہائے غرابیہ، مغوضہ اور ذمیہ، (۹) فرقہ ہائے الشریعیہ والنمیریہ، (۱۰) فرقہ ہائے الحلولیہ، (۱۱) اصحاب الاباحات، (۱۲) اصحاب التناسخ، (۱۳) فرقۂ الخابطیہ، (۱۴) فرقۂ الحماریہ، (۱۵) فرقۂ الیزیدیہ، (۱۶) فرقۂ المیمونیہ، (۱۷) فرقۂ الباطنیہ۔

۵۔ باب پنجم میں فرقہ الناجیہ کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ اس باب میں سات (۷) فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں اہل السنّت والجماعت میں شامل مختلف طبقات کا ذکر ہے۔ دوسری فصل میں اہل السنّت کے نجات یافتہ ہونے کا اثبات کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں اہل السنّت کے متفق علیہ اصول کا بیان ہے۔ یہ اصول تعداد میں پندرہ (۱۵) ہیں۔ چوتھی فصل میں اسلاف صالحین کے متعلق اہل السنّت والجماعت کے اقوال اور عقائد کی تفصیل دی گئی ہے۔ پانچویں فصل میں یہ بیان ہے کہ اہل السنّت والجماعت ایک دوسرے کو نہ تو کافر کہتے، نہ ان کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے اور نہ انہیں گمراہ قرار دے کر ان کی تضلیل کرتے ہیں۔ اس باب کی چھٹی فصل میں اہل السنّت والجماعت کے فضائل ومحاسن کا بیان ہے۔ اور ساتویں فصل میں مصنف کے عہد تک کے اہل السنّت کے فضائل اور ماثر (یادگاروں) کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ہی کتاب اختتام پذیر ہوتی ہے۔

مصنف کا اسلوب بیان متکلمانہ ہے۔ انہوں نے مختلف فرقوں کے عقائد وافکار بیان کرنے کے دوران ان کا رد کیا ہے۔ وہ فرقے جو تاریخی وسیاسی اسباب کی وجہ سے وجود میں آئے، مثلاً الشعیہ اور الخوارج، ان کے ذکر میں انہوں نے تاریخی واقعات کا اختصار کے ساتھ

حوالہ بھی دیا ہے۔ فرقۂ باطنیہ کے بیان میں انہوں نے مصر کے عبیدی (فاطمی) خلفاء، قرامطہ اور ابوسعید جنابی کے عقائد تحریر کرتے وقت ان کے سیاسی احوال کا بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔ اس فرقہ کا حال انہوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان کی تبلیغ کے طریقوں اور اہل دعوت کے مختلف مدارج کو بھی واضح کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عبیداللہ بن حسین قیروانی (پہلا مصری و افریقی خلیفہ عبیداللہ المہدی (۲۹۷ھ تا ۳۲۲ھ) کے ایک مکتوب کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، جو اس نے عرب و شام کے قرمطی سردار سلیمان بن حسن بن سعید جنابی کے نام لکھا تھا۔ اس خط کی روشنی مس قرامطہ و باطنیہ کو مصنف نے دہریہ اور زندیق کیا ہے اور انہیں مجوسی مذہب کا پیرو اور مجوسیت کی نشاۃِ ثانیہ کا داعی قرار دیا ہے۔ فرقۂ باطنیہ کے پوست کندہ حالات تحریر کرنے میں انہیں بعض ایسے افراد سے بھی مدد ملی ہے، جنہوں نے اس فرقہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ باطنیہ مشرق یا حسن بن صباح کی دسیسہ کاریوں کا کتاب زیر نظر میں کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ ہمارے مصنف کے زمانہ کے کوئی پچاس، ساٹھ سال بعد ان کا الاموت میں ظہور ہوا تھا۔

مصنف نے اپنی کتاب میں معتزلی وقدری علماء پر سخت نکیر ہے۔ ابوہذیل علاف، ابراہیم بن سیار نظام، معمر بن عباد سلمی، ہشام بن عمرو فوطی، الجاحظ، ابوعلی الجبائی و ابوہاشم کہ روساء معتزلہ ہیں، مصنف نے ان کے مقالات کو فضائح (فضیحت، رسوائی، ذلت) کے عنوان سے قلم بند کر کے ان پر تفصیلی اعتراضات کیے ہیں۔ اس کے علاوہ معتزلہ کی داخلی پریشاں نظری اور باہم تکفیر کا بھی ذکر بہت مسرت کے ساتھ کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی کتاب ''الفرق بین الفرق'' اپنے موضوع پر نہایت اہم و وقیع کلاسیکی دستاویز ہے۔

۴۔ کچھ ترجمہ کے متعلق :

کتاب ''الفرق بین الفرق'' جیسا کہ سطور گزشتہ میں عرض کیا گیا، تاریخ و عقائد مذاہب کے موضوع پر ایک نہایت مستند کلاسیکی دستاویز ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے مختلف فرقوں کے عقائد وافکار کا صرف ذکر ہی نہیں کیا ہے، بلکہ ان پر نقد و جرح بھی کی ہے۔ خصوصاً معتزلہ کے افکار پر انہوں نے مناظرانہ بحثیں کی ہیں۔ ان کے عقائد وافکار کے بیان میں، ان کی خامیوں اور خرابیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ انہیں ''الفضائح'' کا نام دیا ہے۔ اور ان کی تردید میں نہایت سخت لب ولہجہ اختیار

کیا ہے۔ان فلسفیانہ مباحث کو اردو میں اس طرح منتقل کرنا کہ عام قاری کے لئے ان کی تفہیم ممکن ہو اور زبان کی درشتی سے اسے تکلیف نہ پہنچے، بڑا مشکل کام تھا۔ مترجم نے اس سے پہلے امام رازی کی ''عقائد مسلمین و مشرکین'' کا امام عبدالکریم شہرستانی کی کتاب ''الملل والنحل'' کا اور عطا ملک جوینی کی کتاب ''جہاں گشائی جلد سوم کا'' جو اسماعیلیان ''الاموت'' کے عقائد کا بیان ہے، اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور اسے تاریخ عقائد و مذاہب سے دلچسپی رہی ہے، اسی لئے اس نے کتاب حاضر یعنی ''الفرق بین الفرق'' کے ترجمہ کے اس ''نعمت خوان'' کو اپنے سابق تجربوں کی بنیاد پر، طے کرنے کی سعی کی ہے، نیز مصنف کے تند و تیز جملوں کی درشتی کو کم کرنے اور اس کے موضوع سے قریب تر رہنے کی ہر امکانی کوشش کی ہے۔ بایں ہمہ مترجم کو اپنی کم سوادی کا اعتراف ہے اور اہل علم سے اصلاح کا طالب ہے۔ ترجمہ کو متن کتاب کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا گیا ہے اور اس ''مستند کلاسیکی'' دست آویز کو اردو خواں حضرات تک بعینہ پہنچانے کی سعی کی گئی ہے۔ اس لئے اگر تفہیم کی غرض سے کوئی اضافہ کیا گیا ہے، تو اسے قوسین میں درج کیا گیا ہے، تاکہ مصنف اور مترجم کے الفاظ میں خلط مبحث نہ ہو۔

امام عبدالقاہر بغدادیؒ کا تعلق اشاعرہ کے کلامی مکتبۂ فکر اور اہل السنت والجماعت سے ہے۔ انہوں نے اہل السنت والجماعت کے محامد و محاسن گنوانے میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے، اور اپنے مخالف فرقوں کے خلاف زبان کے تند و تیز تیر چلائے ہیں، مترجم نے ''حکایت واقعہ'' کے طور پر اور متن سے قریب تر رہنے کی وجہ سے، ان درشت جملوں کو باقی رکھا ہے، مگر ہر چند کہ وہ بھی اہل السنت والجماعت سے وابستہ ہے، درشت کلامی اور سخت گوئی اس کا مسلک نہیں ہے، بناء بریں وہ ان درشت جملوں کا صرف ناقل ہے اور ان سے وہ ہرگز متفق نہیں ہے، تاریخ عقائد و افکار میں امام شہرستانی اور امام رازی کے اسالیب، جو صرف بیان تک محدود ہیں اور مناظرانہ نہیں ہیں، انسب و ارجح ہیں، مگر کیا کیا جائے کہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

ترجمہ میں حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ حواشی زیادہ تر سوانحی اور توضیحی ہیں۔ ان حواشی کے باعث ان اشخاص و علماء کے متعلق قاری کو ضروری معلومات حاصل ہو جائیں گی اور اسے ان حضرات کے علمی مرتبہ سے واقفیت بہم پہنچے گی۔ توضیحی حواشی سے کسی علمی اصطلاح کی

وضاحت مقصود ہے تاکہ اس سے یک گونہ آگہی ہو اور اس سے متعلق کسی خاص گروہ کے نظریہ کی تفہیم میں سہولت ہم دست ہو۔ حواشی میں کسی فرقے کے افکار کا اثبات یا کسی عقیدہ کا انکار نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ ایسا کرنا مترجم کے منصب سے تجاوز کے مترادف ہوگا۔ بہرکیف ان حواشی کے ذریعہ قاری کو متن پر مزید معلومات ملیں گی اور مترجم کا یہی مقصد بھی ہے۔ مترجم کے حواشی کو مصنف کے متن سے الگ کرنے کی غرض سے ہر فصل کے بعد انہیں درج کیا گیا ہے، تاکہ خلطِ مبحث نہ ہو۔

کتاب الفرق بین الفرق کا پہلا مصری ایڈیشن ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا، مگر وہ مجموعۂ اغلاط اور آخر سے ناقص تھا، اس کے بعد استنبول سے اور مصر سے اس کے ایڈیشن شائع ہوئے مگر وہ بھی اغلاط سے پاک نہ تھے اور ناقص الآخر ہی تھے۔ کتاب کا سب سے عمدہ ایڈیشن مصر سے فاضل محمد محی الدین عبدالحمید نے شائع کیا اور استاذ زاہد الکوثری کے مطبوعہ ایڈیشن سے انہوں نے تصحیح اغلاط میں کافی مدد لی۔ یہ آخرالذکر مصری ایڈیشن مکمل اور صحیح تر تھا، اس لئے مترجم نے ترجمہ میں اسی پر انحصار کیا ہے۔ اس نسخہ میں بھی بعض مقامات پر غلطی موجود تھی۔ مترجم نے حتی الامکان اسے دور کر کے صحیح ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہرکیف کتاب "الفرق بین الفرق" کا اردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے، امید ہے کہ اس سے مصنف کی روح شرمندہ نہ ہوگی، مترجم اس طمانیت کے ساتھ ترجمہ کو علماء کی خدمت میں پیش کر رہا ہے کہ وہ نظر اصلاح کا طالب اور کسی تسامح کے لئے عذر خواہ ہے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

مترجم اپنی اس حقیر علمی کوشش کو اپنے والد مرحوم و مغفور مولوی محمد فاروق صدیقی غازی پوری کے نام نامی سے معنون کر رہا ہے کہ وہ آج جو کچھ بھی ہے انہیں کی تربیت و تعلیم کی وجہ سے ہے۔

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم، گل بہار توام

# ترجمہ

# متن کتاب

# الفرقُ بین الفِرق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمۂ مصنف

**مقدمہ:**

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، کہ مخلوقات کا خالق وموجود ہے، حسن کو ظاہر و غالب کرنے والا اور اس کا حامی و ناصر ہے۔ اس نے حق پر اعتقاد رکھنے والوں کے لئے حق کو ملجاء و ماویٰ بنایا، جس نے اس پر اعتماد کیا اس کے لئے حق کو زندگی قرار دیا۔ جس نے باطل کی طلب کی اس کے لئے باطل کو وجہ گمرہی، ٹھہرایا، اور جس نے اس کی پیروی اختیار کی اس کے لئے باطل کو ذلت ورسوائی کا وسیلہ بنایا۔ اور صلوۃ وسلام ہو اس ذات گرامی پر کہ ارباب صفا کے خلاصہ واصحاب ہدایت کے سردار ہیں، یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کہ دنیا کے اخیار اور ہدایت کے مینار ہیں۔

تم نے، اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند کرے، ہم سے اس حدیث نبوی ﷺ کے متعلق دریافت کیا ہے جس میں "امت" کے (۷۳) فرقوں میں بنٹ جانے کا ذکر ہے اور یہ کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے جبکہ بقیہ (۷۲) فرقے حق سے ہٹے ہوئے ہیں اور آتش دوزخ ان کا انجام اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والے فرقہ) کے درمیان جس کے پاؤں راہ حق سے نہ پھسلیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس سے کبھی نہ چھنیں گی، اور گمراہ فرقوں کے درمیان، جو ظلم کی تاریکی کو روشنی سمجھتے ہیں اور سچے عقیدہ کو ہلاکت سمجھتے ہیں کہ وہ جلد ہی دوزخ میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار اور حامی نہ پائیں گے۔ تم نے فرق دریافت کیا ہے۔ چنانچہ میں نے ضروری خیال کیا کہ تمہارے سوال کا تفصیل سے جواب دوں، یعنی دین حق کو واضح کروں، اور راہ مستقیم کو وضاحت کے ساتھ بیان کروں اور اسے غلط خیالات

اور مبہم آراء سے نمایاں کروں، تاکہ جو ہلاک ہو وہ بھی دلیل و برہان سے ہلاک ہو اور جو زندہ بچے وہ بھی دلیل و برہان سے زندگی پائے۔ میں نے تمہارے اس مطلوب و مقصود کو اس کتاب کا موضوع و مضمون قرار دیا ہے اور اس مضمون کو متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے، جن کے عنوانات یہ ہیں:۔

تقسیم ابواب:

۱۔ باب (اول) اس حدیث ماثورہ کے بیان میں جس میں کہا گیا ہے کہ ''امت'' (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔

۲۔ باب (دوم) اس بیان میں کہ کون کون سے فرقے ''امت'' میں داخل ہیں اور کون کون سے اس میں شامل نہیں ہیں۔

۳۔ باب (سوم) گمراہ فرقوں کے فضائح (رسوا کن عقائد) کے بیان ہیں۔

۴۔ باب (چہارم) ان فرقوں کے بیان میں جو اسلام کی جانب منسوب تو ہیں مگر دراصل اسلام میں داخل نہیں ہیں۔

۵۔ باب (پنجم) فرقہ ناجیہ کے بیان، اس کی نجات کی تحقیق اور دین اسلام کے محاسن کے بیان ہیں۔

تو یہ ہیں اس کتاب کے تمام ابواب۔ ہم ہر باب میں اس کی مناسبت سے امور کا ذکر کریں گے۔

باب اوّل (صفحہ ۴۔۱۱)

# "اختلاف امت (مسلمہ) سے متعلق حدیث ماثورہ کا بیان"

احادیثِ ماثورہ:

(ہم اس مضمون کی احادیث کو ان کی اسانید کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔)

۱۔ مجھے ابوسہل بشر بن احمد بن بشر اسفرائینی نے، ان کو عبداللہ بن ناجیہ نے، انہیں وہب بن بقیہ نے خالد بن عبداللہ کے حوالہ سے، ان کو محمد بن عمرو نے ابوسلمہ کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنائی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "یہود اکہتر (۷۱) فرقوں میں بنٹ گئے، نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہوگئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بنٹ جائے گی۔"

۲۔ مجھے ابومحمد عبداللہ بن محمد بن علی بن زیاد السمّزی المعذّل الثقہ نے، ان کو احمد بن حسن بن عبدالجبار نے، انہیں ہیثم بن خارجہ نے، ان کو اسماعیل بن عیاش نے، انہیں عبدالرحمان بن زیاد بن انعم نے، انہیں عبداللہ بن یزید نے حضرت عبداللہ بن عمرو (بن عاص) رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "میری امت پر بھی وہی وقت آئے گا جو بنواسرائیل پر آیا۔ بنواسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بنٹ گئے اور میری امت عنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہوجائے گی، اور بنواسرائیل سے میری امت کا

ایک فرقہ زیادہ ہوگا۔ یہ سارے فرقے ایک کو چھوڑ کر دوزخ میں جائیں گے۔"

صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کونسا فرقہ ہوگا جو سب پر غالب آ جائے گا اور نجات پائے گا؟ فرمایا:

"یہ فرقۂ ناجیہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے اصحاب کے مسلک پر ثابت قدم رہے گا۔"

۳۔ قاضی ابومحمد عبداللہ بن عمر مالکی نے مجھ سے یہ حدیث اپنے والد اور دادا کے حوالہ سے بیان کی کہ ان سے ولید بن مسلم نے، الاوزاعی اور قتادہ کے حوالہ سے روایت کی کہ حضرت انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا کہ:

"بنواسرائیل اکہتر (۷۱) گروہوں میں منقسم ہوگئے اور میری امت بہتر (۷۲) فرقوں میں بنٹ جائے گی۔ ان میں سے سبھی ایک کے سوا جو (اہل السنّت و) الجماعۃ ہے، دوزخی ہوں گے"۔

۴۔ عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کے گروہوں میں بنٹ جانے سے متعلق حدیث کی سندیں بکثرت ہیں، اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے صحابہؓ نے، مثلاً انسؓ بن مالک، ابوہریرہؓ، ابوالدرداءؓ، جابرؓ بن عبداللہ، ابوسعید خدریؓ، اُبی بن کعب، عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص، ابوامامہؓ، واثلہؓ بن اسقع وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔[1]

## اقوال خلفاء راشدین:

۵۔ خلفاء راشدین سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بعد امت مسلمہ کے گروہوں میں منقسم ہو جانے کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان میں نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا، بقیہ تمام فرقے دنیا میں گمراہ اور آخرت میں ہلاک ہوں گے۔

## گمراہ فرقوں کی مذمت:

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "فرقۂ قدریہ" کی مذمت مروی ہے اور یہ کہ وہ اس امت کے "مجوس" ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "قدریہ" کے ساتھ "مرجئہ" کی برائی بھی روایت کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "مارقین" (دین سے نکل جانے والوں) کی مذمت بھی منقول ہے اور یہ لوگ "خوارج" ہیں۔

۷۔ اعلام (بڑے) صحابہ سے "قدریہ"، "مرجئہ" اور "خوارج مارقہ" کی برائی و مذمت کی روایتیں مروی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا ذکر اپنے خطبہ میں کہ "الزہراء" کے نام سے مشہور ہے، کیا ہے اور اس میں اہل نہروان سے بیزاری و برائت کا اظہار فرمایا ہے۔

## اختلاف فقہاء کی حقیقت:۔

۸۔ اسلام کی جانب منسوب اصحاب مقالات (علماء عقائد) میں سے ہر صاحب عقل و خرد کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذموم فرقوں سے جو جہنم میں جائیں گے، فقہاء کے فرقوں کو، جو فروعی فقہی مسائل میں باہم دگر مختلف الخیال اور اصول دین میں متفق الخیال ہیں، مراد نہیں لیا ہے، کیونکہ اہل اسلام مسائل فروعیہ میں حلت و حرمت سے متعلق جو اختلاف رائے رکھتے ہیں، ان کے بارے میں دو اقوال ہیں:

﴿ا﴾ ایک جماعت کے نزدیک فقہ کے فروعی مسائل میں تمام مجتہدین برسر حق ہیں اور ان کے ہاں تمام فقہی فرقے مصیب و صحیح ہیں۔

﴿ب﴾ ایک جماعت کے خیال میں ہر فروعی مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں میں سے ایک برسر حق و مصیب ہے اور دوسرے خطاء و غلطی پر ہیں، لیکن غلطی کرنے والا (مخطئ) ان کے خیال میں گمراہ اور غلط رو نہیں ہے۔

## مذموم فرقے:

۹۔ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے "مذموم" فرقوں کا ذکر فرما کر اہل الاہواء،

والضلالت (گمراہ اور خود ساختہ عقائد کے حامل) کے گروہوں کی تفصیل بیان فرمادی اور ان میں فرقہ ناجیہ سے نمایاں وعلیحدہ کر دیا۔ ان (مذموم فرقوں) نے نجات پانے والے فرقہ (فرقہ ناجیہ) کی العدل والتوحید، الوعد والوعید، القدر والاستطاعۃ، یا خیر وشر، یا ہدایت وضلالت یا ارادہ ومشیئت یا رویت وادراک یا صفات، اسماء واوصاف الٰہی یا تعدیل (عدل الٰہی) وتجویر (جور وظلم) کے ابواب، یا نبوت اور اس کے شرائط کے موضوعات یا ان جیسے دوسرے معاملات میں جن پر اہل السنت والجماعت کے اہل الرای واصحاب الحدیث کے دونوں فریق ہم خیال ومتفق ہیں، مخالفت کی ہے۔ ان میں ''قدریہ''، خوارج'' روافض''، ''النجاریہ''، ''الجہمیہ''، ''المجسمہ''، ''المشبہہ'' اور ان کے ہم خیال اہل الاہواء والضلالۃ شامل ہیں، جنہوں نے فرقۂ ناجیہ کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ ''العدل والتوحید''، ''القدر والاستطاعۃ''، ''رویۃ وصفات''، ''تعدیل وتجویر'' اور ''نبوت'' و''امامت'' کے شرائط کے اصول ومقالات میں اختلاف کرنے والے، ایک دوسرے کو کافر سمجھتے ہیں (اور ان اختلافات کو کفر واسلام کی بنیاد قرار دیتے ہیں)۔

## فقہی اختلافات موجب تکفیر نہیں ہیں:

یوں وہ حدیث جوامت مسلمہ کے تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جانے کے متعلق ہے، اس کی تاویل اس قسم کے اختلاف (کفر وایمان) کے متعلق درست اور صحیح ہے۔ اس حدیث کا اطلاق ان اختلافی گروہوں پر نہیں ہوسکتا، جن میں ائمہ فقہ مسائل حرام وحلال کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں، کیونکہ اس کے درمیان ایک دوسرے کو کافر قرار دینے اور گمراہ سمجھنے کی کوئی بات نہیں اور یہ اختلافات فروعی ہیں اور اس نوعیت کے نہیں ہیں جن کی بناء پر ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ قرار دیا جائے۔

اب ہم ان فرقوں کا ذکر کریں گے جوامت مسلمہ کے فرقوں میں منقسم ہو جانے سے متعلق حدیث کا مصداق ہیں۔ یہ ذکر اس بات سے متصل باب میں کیا جاتا ہے۔

## حواشی............... باب اول

(۱) اس حدیث کی صحت، ثقاہت و استناد سے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ سند کے اعتبار سے ان روایتوں میں بعض راوی ضعیف ہیں، اور ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی (م ۴۵۶ھ) نے اپنی کتاب الفصل فی الملل والنحل میں اس پر بحث کی ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے متعدد طرق سے روایت پر اکتفا کیا ہے اور انہیں اسانید اور طُرق کی کثرت کی بناء پر اسے صحیح، قوی اور مستند قرار دیا ہے۔ پھر جس اختلاف کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس کا تعلق ''اصول الدین'' یعنی عقائد کے اختلاف سے ہے، کیونکہ عقائد پر دین کی بنیاد ہے، اور ان کے اختلاف سے ہدایت و ضلالت، جنت و جہنم اور حق و باطل کے مابین فرق واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے قائم کردہ منہج صدق و عقیدہ صحیحہ سے تمسک ذریعہ نجات اور ان سے انحراف باعث ہلاکت ہے۔ فروعی مسائل میں اختلاف یا عام دنیوی و معاشرتی امور میں اختلاف رائے کا اس حدیث کے مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ وہ زمانہ، مزاج اور فوائد رسمیہ کے تحت بدلتے رہتے ہیں اور یہ تبدیلی فطرت انسانی و ارتقائے کائنات کے اصول کے تحت ہوتی رہتی ہے۔ اجتہادات جو اصول الدین پر مبنی ہوں، مثبت تبدیلی اور تغیرات زمانہ کے تحت ہوتے رہیں گے اور دین میں تجدید کا قوی ترسبب یہی ہیں۔ چنانچہ اگر یہ اسناد قوی اور ان کے راوی ثقہ ہیں تو اس کے مضمون کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے ہوگا اور اسے جزوی یا گروہی اختلافات سے الگ رکھنا ہوگا۔ مصنف نے، جیسا کہ کتاب کے اگلے مباحث سے واضح ہوگا، اس حدیث کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا ہے اور چونکہ وہ ''اشعری'' کلامی مسلک سے وابستہ ہے، اس لئے اپنے ''کلامی مخالفین'' کو جن میں ''قدریہ''، ''مرجئہ'' وغیرہ شامل ہیں، محض ''عقلی موشگافیوں'' کے سبب سے دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ عقائد پر لکھنے والے بیشتر ''اشعری'' علماء کی یہی روش ہے۔ اس سے امام رازی کی ذات مستثنیٰ ہے۔ دیکھئے ان کی کتاب ''اعتقادات فرق

المسلمین' میرے ترجمہ کیساتھ۔

(۲) مصنف کی یہ دلیل کہ اصول میں اختلاف کرنے والے چونکہ اپنے مخالفوں کو کافر و گمراہ کہتے ہیں، اس لئے وہ حدیث نبوی علیہ السلام کے مطابق تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں، جن میں سے ایک نجات پانے والا اور بقیہ ہلاک ہو جانے والے ہیں، چنداں قوی نہیں ہے۔ فرقہ ناجیہ یعنی اہل السنّت والجماعت کا شمار بھی ان تہتر (۷۳) فرقوں میں ہوتا ہے، مگر چونکہ وہ ان عقائد و اصول پر ثابت قدم ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، اس لئے وہ ناجی و ہدایت یافتہ ہیں۔ ان میں فروعی احکام میں جو اختلافات ہیں وہ کفر و ایمان کی تحدید نہیں کرتے، اس لئے قابل ذکر نہیں اور یہ اختلاف جوہری نہیں ہے، چنانچہ وہ فرقہ واحدہ ہیں اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔

باب دوم (صفحہ ۱۱۔۲۸)

# امت کے تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جانے کی کیفیت

اس ضمن میں ان فرقوں کا بھی مجمل بیان آئے گا جو "ملت اسلام" کے نام سے موسوم ہیں اور ان کے اسلام پر اتفاق ہے۔

اس باب میں دو فصلیں ہیں:۔

۱۔ فصل اوّل: ملت اسلامیہ کے نام پر جو مختلف فرقے اکٹھا ہیں، ان سے متعلق اجمال کے ساتھ جامع و مانع تعریف کا بیان اس پہلی فصل میں ہوگا۔

۲۔ فصل دوم: اس فصل میں امت کے باہم وگر اختلافات اور ان کے تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جانے کا ذکر کیا جائے گا۔

انشاءاللہ ہم ان دونوں فصلوں میں ضروری مباحث کا ذکر کریں گے۔

باب دوم............فصل اول

# معنی جامع جس میں مختلف فرقے ملت اسلامیہ کے نام میں داخل ہیں

اہل اسلام کے علماء اس امر میں مختلف الرائی ہیں کہ وہ کون سے امور ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر مختلف مسلمان فرقے اسلام میں داخل ہیں اور انہیں مسلمان کہا جاتا ہے۔

## کعبی کی رائے:

۱۔ابوالقاسم کعبی معتزلی (متوفی ۳۱۹ھ) نے اپنے ''مقالات'' میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ''ملت اسلام'' کی تعریف میں ہر وہ شخص داخل ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتا ہے اور یہ ایمان رکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش کیا وہ حق ہے۔اس اقرار وایمان کے بعد خواہ وہ کچھ بھی کہے۔(وہ ملت اسلامیہ کا فرد ہے)۔

## ایک اور رائے:

۲۔کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ''کعبہ'' کی جانب ''صلوٰۃ'' کے وجوب کا معتقد ہے، امت اسلامیہ میں داخل ہے۔

## کرّامیہ کی رائے:

۳۔''فرقۂ کرّامیہ'' کہ خراسان کے ''مجسمہ'' ہیں، اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ ''امت اسلامیہ'' کا اطلاق ہر اس آدمی پر ہوگا جو اسلام کی دونوں ''شہادتوں'' کا لفظی طور سے (یعنی

زبان سے) اقرار کرتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص "لا الہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ" کہے وہ مومن برحق ہے اور اہل اسلام میں شمار ہوگا۔ خواہ وہ اس اقرار میں مخلص ہو، خواہ منافق ہو اور کفر و زندقہ (بدعقیدگی) کو چھپائے ہوئے ہو۔ اسی بناء پر ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافقین تھے، وہ سچے مومن تھے۔ اور ان کا ایمان جبرئیل و میکائیل اور انبیاء و ملائکہ جیسا تھا۔ اگرچہ وہ لوگ "نفاق" کا عقیدہ رکھتے تھے اور ظاہری طور پر دونوں شہادتوں (توحید و نبوت) کا اقرار کرتے تھے۔

## ان آراء کا تجزیہ:

۴۔ (کرّامیہ کا) یہ عقیدہ اور "ملت اسلام" کی تعریف سے متعلق کعبی کا موقف، اصفہان کے یہودی فرقے "العیسویہ"[۱] کے عقیدہ سے متناقض ہے کیونکہ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اور وہ جو شریعت لائے وہ بھی حق ہے، لیکن وہ اہل عرب کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے تھے نہ کہ بنی اسرائیل کی طرف (سو بنو اسرائیل کے لئے ان پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے) ہر چند کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ 'العیسویہ' کو (اس عقیدہ کے باوجود) اہل اسلام میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح یہودیوں کے فرقہ "الموشکانیہ"[۲] نے اپنے سربراہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، عربوں کی جانب اور تمام اہل عالم کی جانب ماسوا یہود کے۔ اس کا قول ہے کہ "قرآن" حق ہے اور اذان، اقامت، صلوات خمسہ، صیام ماہ رمضان اور حج کعبہ یہ سب کے سب برحق ہیں۔ لیکن یہ تمام احکام مسلمانوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں، یہود کو ان پر عمل کرنے کا مکلف نہیں کیا گیا۔ "فرقہ موشکانیہ" کے یہود کبھی کبھی اسلام کے ان احکام پر عمل بھی کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دین اسلام برحق ہے۔ ان تمام عقائد کے باوجود یہ "موشکانیہ" ملت اسلام میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ان کے لئے ضروری نہیں اور وہ اس کے پابند نہیں ہیں۔

۵۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملت اسلام کے نام میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو ''مکہ'' میں نصب کردہ ''کعبہ'' کی جانب ''صلوۃ'' کے ''وجوب'' کے قائل ہیں۔ ''حجاز'' کے بعض ''فقہاء'' کو یہ بات پسند ہے، لیکن ''اہل الرائی'' نے اسے ناپسند کیا ہے۔ (امام) ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وہ اس شخص کے ایمان کو درست قرار دیتے ہیں جو ''کعبہ'' کی جانب ''وجوب صلوۃ'' کا تو قائل ہے مگر اسے ''مکہ'' کے محل وقوع کے بارے میں شک ہے۔ جبکہ اصحاب الحدیث (فقہاء حجاز) اس شخص کے ایمان کو جو ''کعبہ'' کے محل وقوع میں شک کرتا ہے بالکل اسی طرح صحیح نہیں سمجھتے، جس طرح کہ وہ ایسے شخص کے ایمان کو درست نہیں خیال کرتے جو ''کعبہ'' کی جانب ''وجوب صلوٰۃ'' میں شک کرتا ہے۔

## صحیح بات کیا ہے؟:

٦۔ ہمارے نزدیک (یعنی مصنف کتاب اور اشاعرہ کے ہاں) صحیح بات یہ ہے کہ ''امت اسلام'' کے زمرہ میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو ''حدوث عالم'' (دنیا فانی ہے)، صانع و خالق دنیا کی توحید اور اس کی ''قدامت'' اس کے ''عدل'' اس کی ''حکمت'' اور اس سے ''تشبیہ'' کی نفی و انکار کے قائل ہیں (اسی طرح وہ لوگ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ''نبوت'' کے تمام اہل عالم کی جانب آپ ﷺ کی ''رسالت'' کے، آپ ﷺ کی شریعت کی ''ابدیت'' کے اور آپ ﷺ جو کچھ لائے ان سب کی حقانیت کے، قائل ہیں۔ (ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ) قرآن، احکام شرعیہ کا منبع ہے، ''کعبہ'' ہی وہ ''قبلہ'' ہے جس جانب رخ کرکے ''صلوٰۃ'' کی ادائیگی ''واجب'' ہے۔ یوں وہ تمام افراد جو ان باتوں کا اقرار کرتے اور ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں ایسی ''بدعت'' سے ملوث نہیں کرتے جو کفر کی طرف لے جاتی ہے، تو وہ لوگ ''سنی موحد'' ہیں۔

۷۔ اگر ایسا شخص ان عقائد پر ایمان لانے کے باوصف کسی ''بُری اور رسوا کن بدعت'' کو ان کے ساتھ ضم کر دیتا ہے تو اس پر غور کیا جائے گا:۔

(ا)۔ اگر ایسا شخص ''باطنیہ'' یا ''مغیریہ'' یا ''بیانیہ'' یا ''خطابیہ'' کی بدعت کا معتقد ہو، کہ وہ سب اپنے ''ائمہ'' کی ''الوہیت'' یا بعض ''ائمہ'' کی الوہیت کے قائل ہیں، یا پھر وہ شخص

''حلول'' کی بدعت پر اعتقاد رکھتا ہو یا ''تناسخ'' کے ماننے والوں کے مذہب سے وابستہ ہو، یا وہ خوارج کے فرقہ ''مونیہ'' کا ہم عقیدہ ہو، کہ وہ لوگ اپنی نواسیوں اور پوتیوں سے نکاح کو حلال و جائز سمجھتے ہیں یا ''فرقۂ اباضیہ'' میں سے گروہ ''یزمویہ'' کی بدعت کا ماننے والا ہو کہ وہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آخری زمانہ میں ''شریعت محمدیہ'' منسوخ ہو جائے گی، یا پھر اس شخص نے ان امور کو مباح و جائز کر لیا ہو جنہیں قرآن نے واضح نص سے حرام قرار دیا ہے یا اس کے برعکس قرآن کے حلال کو حرام قرار دیا ہو اور وہاں کسی قسم کی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، تو ایسا شخص ہرگز ملت اسلام میں داخل نہیں ہے اور خارج از اسلام ہے۔

(ب)۔ اگر اس شخص کی بدعت ''معتزلہ'' یا ''خوارج'' یا ''روافض امامیہ'' یا ''زیدیہ'' کے مبتدعانہ بدعات کی قسم کی ہو، یا اس بدعت کا تعلق ''النجاریہ'' یا ''الجہمیہ'' یا ''الضراریہ'' یا ''المجسمہ'' کی بدعات سے ہو، تو وہ امت اسلامیہ میں بعض احکام کی حد تک داخل ہوگا، یعنی مسلمانوں کے قبرستانوں میں اسے دفن کرنا جائز ہوگا، اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرے تو فئے اور مال غنیمت میں اس کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اسے مساجد میں صلوٰۃ اداء کرنے سے نہیں روکا جائے گا، ایسا شخص ان امور کے علاوہ امت مسلمہ میں شامل نہیں سمجھا جائے گا، مثلاً اس پر درود نہیں بھیجا جائیگا، اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کی اقتداء و امامت میں صلوٰۃ اداء کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، کسی سنّی عورت سے اس کا نکاح حلال و جائز نہ ہوگا، اسی طرح کسی سُنّی مرد کے لئے ایسے لوگوں کی کسی عورت سے جو ان کے اعتقاد پر قائم ہو، نکاح کرنا جائز و حلال نہ ہوگا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ''خوارج'' سے فرمایا:

> ''ہم پر تمہارے تین حق ہیں:۔ ہم تم سے قتال و جنگ خود سے شروع نہیں کریں گے، ہم تمہیں اللہ کی مساجد میں ذکر الٰہی (صلوٰۃ کی ادائیگی) سے نہیں روکیں گے اور جب تک تم ہمارے ساتھ رہو گے اور جہاد کرو گے ہم مال فئی کو تم سے منع نہیں کریں گے۔'' واللہ اعلم بالصواب

## حواشی ........... باب دوم۔ فصل اوّل

(۱)۔ ''العیسویہ'' یہود کا یہ فرقہ اصفہان کے ایک یہودی بنام ابوعیسیٰ اسحاق بن یعقوب کا پیرو تھا۔ اس نے اپنا لقب ''عوفید الوہیم'' یعنی پرستار خدا رکھا تھا۔ بنوامیہ کے آخری دور میں خلافت اسلامیہ کے وسطی و مشرقی حصوں میں لاقانونیت اور انتشار کی کیفیت تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر بہت سے طالع آزماؤں نے حصول اقتدار کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ان میں ایران کے یہودی بھی تھے۔ چنانچہ ابوعیسیٰ یہودی کہ شعبدہ باز و جادوگر تھا، ایک نئی دعوت لے کر اٹھا۔ اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ وہ ''مسیح'' ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ایسے پانچ ''مسیح'' یکے بعد دیگرے مبعوث ہوں گے۔ یہ ''مسیح'' تمام اولاد آدم میں سب سے افضل ہوں گے اور چونکہ وہ خود بھی ''مسیح'' تھا، اس لئے افضل خلائق و اولاد آدم تھا۔ یہود کی کثیر تعداد نے اس کی دعوت قبول کر لی اور حکومت وقت کے خلاف شورش برپا کر دی اور اعلان کیا کہ وہ بنواسرائیل کا نجات دہندہ ہے اور گمراہ و ظالم اقوام کی قید سے انہیں نجات دلانے کی غرض سے مبعوث کیا گیا ہے۔ ابوعیسیٰ نے ہر قسم کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا اور کسی چرند یا پرند کے گوشت کھانے کی سختی سے ممانعت کر دی، یہ غالباً ایران اور شرق کی بدھ و مجوسی اقوام کے زیر اثر کیا گیا تھا۔ اس کے مذہب میں دس (۱۰) وقتوں کی نماز فرض تھی، جن کے اوقات مقرر تھے۔ فرقہ ہائے یہود کے تمام عقاید سے اس ابوعیسیٰ کے عقائد مختلف تھے۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہوئی ہے اور اس کے احکام اس میں مندرج ہیں۔ کافی کشت و خون کے بعد ابوعیسیٰ اور اس کے حامیوں کو عباسی خلیفہ المنصور (۱۳۶ھ۔ ۱۵۸ھ) کے عہد میں قتل کر کے اس کے فتنہ کو فرو کیا گیا (الشہرستانی، کتاب الملل والنحل، جلد اوّل، صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶)

(۲)۔ ''الموشکانیہ'':۔ یہود کا یہ فرقہ موشکان نامی ایرانی یہودی کی جانب منسوب ہے۔ یہ

شخص پہلے ''فرقہ یوذ نانیہ'' کا پیروکار تھا، مگر بعد میں اس سے اختلاف کر کے ایک علیحدہ فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ ان کے نزدیک اپنے مخالفوں کے خلاف ''خروج'' یعنی مسلح بغاوت ضروری ہے، چنانچہ موشکان اپنے انتیس (۲۹) حامیوں کے ہمراہ قم (ایران) میں برسر بغاوت آیا اور مارا گیا۔ یہ لوگ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیؐ برحق مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام اہل جہاں کے نبی اور رسول ہیں، مگر یہود کے لئے آپ ﷺ کی دعوت نہیں ہے اور بنی اسرائیل آپ ﷺ کی اتباع کرنے کے مکلف نہیں ہیں (الشہرستانی، کتاب الملل والنحل، جلد اوّل، صفحہ ۲۱۷)۔

باب دوم.................فصل دوم

# اختلاف امت کی کیفیت اور تہتر (۷۳) فرقوں کے وجود میں آنے کا ذکر

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تمام مسلمان دین کے اصول وفروع میں ایک ہی منہاج وروش پر تھے۔ ماسوا ان لوگوں کے جو اسلام سے اپنا تعلق تو ظاہر کرتے تھے، لیکن دل میں ''نفاق'' کو چھپائے رکھتے تھے۔

پہلا اختلاف:

۲۔ مسلمانوں کے مابین جو پہلا اختلاف واقع ہوا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''موت'' سے متعلق تھا۔ ان میں سے ایک کا یہ خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرے نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح اپنے پاس اٹھالیا ہے جس طرح کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا تھا۔ مگر یہ اختلاف اس وقت ختم ہوگیا اور سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''موت'' کا اقرار کرلیا، جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کے بارے میں یہ قول سنایا:

''بیشک آپ ﷺ مرجائیں گے جس طرح کہ وہ سب لوگ مرجائیں گے'' (القرآن: سورۃ الزمر: آیت ۳۰)

اور مسلمانوں سے فرمایا:

''اگر کوئی محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو سن لے کہ وہ مر گئے۔ اور جو محمد ﷺ کے رب کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہ آئے گی۔''

دوسرا اختلاف:

۳۔ اس کے بعد مسلمانوں میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے۔ مکہ والوں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو ''مکہ'' واپس لے جائیں، کیونکہ وہ آپ ﷺ کا مقام پیدائش، جائے بعثت، قبلہ اور انکی نسل وقوم کی بستی ہے اور وہیں پر ان کے جد بزرگوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر بھی ہے۔ مگر مدینہ والوں نے یہ ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کو مدینہ میں دفن کیا جائے، کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''دار ہجرت'' ہے اور وہیں آپ ﷺ کے ''انصار'' رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ کو ''بیت المقدس'' میں ان کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کے قریب دفن کیا جائے۔ یہ اختلاف بھی یوں دور ہو گیا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ:

''انبیاء جس جگہ مرتے ہیں، انہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔''

یوں مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں آپ کے حجرۂ مبارک میں سپرد خاک کیا۔

تیسرا اختلاف:

۴۔ بعد ازاں مسلمانوں میں مسئلہ امامت سے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ ''انصار'' نے حضرت سعد بن عبادہ، خزرجی (متوفی ۱۵ھ) کی امامت کی بیعت کر لینی چاہی۔ ''قریش'' نے کہا ''امامت'' کا منصب صرف ''قریش'' میں ہوگا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی گئی کہ:

''امام قریش میں سے ہوں گے''۔

تو ''انصار'' نے اسے قبول کرلیا۔مگر یہ اختلاف آج تک باقی ہے۔ کیونکہ ''فرقہ ضراریہ'' اور''خوارج'' قریش کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی''امامت'' کو جائز سمجھتے ہیں۔

چوتھا اختلاف:

۵۔پس ازاں مسلمانوں میں ''فدک[۲]'' اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ''ترکہ'' کی میراث سے متعلق اختلاف ہوا۔مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ کے فیصلہ سے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر مبنی تھا کہ:

''انبیاء کے ترکہ کے وارث نہیں ہوتے'' یہ اختلاف بھی رفع ہوگیا۔

پانچواں اختلاف:

۶۔اس کے بعد ''زکوٰۃ'' کی فرضیت سے انکار کرنے والوں کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ لیکن اہل اسلام جلد ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس رائے پر متفق ہوگئے کہ ''مانعین زکوٰۃ'' سے قتال واجب ہے۔

چھٹا اختلاف:

۷۔ پھر مسلمان ''طلیحہ'' (اسدی) سے جنگ میں مشغول ہوگئے، جس نے اسلام سے مرتد ہوکر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ یہ شخص سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں دوبارہ مسلمان ہوا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۵ھ) کی قیادت میں ''جنگ قادسیہ'' میں شریک ہوا بعد میں اس نے ''جنگ نہاوند'' میں حصہ لیا اور اسی لڑائی میں (۲۱ھ میں) جام شہادت نوش کیا۔

ساتواں اختلاف:

۸۔ بعدازاں مسلمان مُسیلمہ کذاب (مقتول ۱۲ھ) سے (کہ یمامہ عرب میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا) جنگ میں الجھے تا آنکہ وہ مارا گیا اور اس کا فتنہ فرو ہوا۔ اسی طرح (عراق کی عیسائی عورت) ''سجاح'' نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسے بھی مسلمانوں نے شکست دے کر بھگا دیا۔ اسی طرح (یمن

میں) اسود عنسی (مقتول ۱۲ھ) نے نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

### اختلافات کا خاتمہ:

۹۔ پھر مسلمانوں نے تمام مرتدین سے جنگ کر کے اس فتنہ کا خاتمہ کر دیا۔

۱۰۔ بعد ازاں مسلمان رومیوں اور ایرانیوں سے قتال میں مشغول ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شاندار فتوحات سے نوازا۔ اس سارے عرصہ میں مسلمانوں میں مکمل اتفاق رہا۔ یعنی اصول سے متعلق کہ عدل وتوحید، وعد و وعید، اور دیگر ارکان پر مشتمل ہے ان میں ہم خیالی وہم آہنگی رہی۔ ہاں ''فقہ'' کے فروعی مسئلوں میں ان کے مابین اختلاف رائے تھا۔ مثلاً میت کے حقیقی (عینی) بھائی بہنوں یا علاتی بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں دادا کی میراث کا مسئلہ، یا ''عول'' اور'' کلالہ'' یا ''رد'' یا بیٹی یا پوتی کے ساتھ عینی بھائیوں یا علاتی بھائیوں کو''عصبہ'' قرار دینا وغیرہ۔ اسی طرح ''ولاء'' ایک ''مولا'' سے دوسرے کو کیسے منتقل ہوگی، اور ایسے ہی حرام و حلال سے تعلق رکھنے والے مسائل میں اختلاف ہوا مگر ایسے اختلافات سے تضلیل و گمراہی اور فسق و فجور لازم نہیں آتا۔ مسلمانوں کے اتفاق کی یہی کیفیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت کے ابتدائی چھ سالوں میں رہی۔

### شہادت عثمانؓ اور نئے اختلافات:

۱۱۔ اس کے بعد مسلمانوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تعلق سے ان کے بعض احکام پر کچھ لوگوں کی ناراضگی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔ اور ظالموں نے انہیں شہید کر دیا۔

۱۲۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دینے والوں کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا، جواب تک باقی ہے۔

۱۳۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ، اصحاب جمل (حضرت عائشہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم) حضرت معاویہ (م ۶۰ھ) رضی اللہ عنہ و اصحاب صفین (جنگ صفین میں حصہ

لینے والے مسلمانوں) اور دونوں ثالثوں یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری (م۴۴ھ) وحضرت عمرو بن عاص (م۴۳ھ) رضی اللہ عنہما کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا جواب تک باقی ہے۔

۱۴۔ متاخرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں معبد جہنی (م۸۰ھ) غیلان دمشقی اور جعد بن درہم کے ہاتھوں "قدر" اور "استطاعت" کے مسئلہ میں ایک نیا اختلاف پیدا ہوا۔ ان لوگوں سے متاخرین صحابہ نے بیزاری اور برائت کا اظہار کیا۔ ان برائت کرنے والے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر (م۷۳ھ)، حضرت جابر بن عبداللہ (م۷۸ھ) حضرت ابوہریرہ (م۵۷ھ)، حضرت عبداللہ بن عباس (م۶۸ھ)، حضرت انس بن مالک (م۹۰ھ)، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ (م۸۷ھ)، حضرت عقبہ بن عامر جہنی (م۵۸ھ) اور ان کے معاصر و مماثل صحابہ کرامؓ شامل ہیں۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ ان بزرگوں نے اپنے بعد میں آنے والوں کو یہ وصیت کی کہ وہ "قدریہ" کو نہ سلام کریں، نہ ان کے جنازے پڑھیں، اور نہ ان کے بیماروں کی عیادت ہی کریں۔

۱۵۔ پس ازاں "خوارج" میں آپس میں اختلاف پھوٹ پڑا۔ اور ان میں بیس (۲۰) کے قریب فرقے ہوگئے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے تمام خارجی فرقوں کو کافر سمجھتا ہے۔

۱۶۔ حضرت حسن بصری (م۱۱۰ھ) کے زمانہ میں (ان کے شاگرد) واصل بن عطاء الغزال سے "قدر" اور "المنزلۃ بین المنزلتین" کے مسائل میں ان کا اختلاف ہوا۔ اس کی "بدعت" (غلط وخود ساختہ عقیدہ) میں عمرو بن عبید بن باب اس کا ہم خیال ہوگیا۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا۔ تو یہ دونوں بصرہ کی جامع مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف کنارہ کش ہوکر بیٹھ گئے۔ اس لئے انہیں اور ان کے پیروؤں کو "معتزلہ" کہا جانے لگا، کیونکہ انہوں نے یہ دعویٰ کرکے کہ امت اسلام کا فاسق (گناہ گار) نہ تو مومن ہے اور نہ ہی کافر ہے (اور وہ اسلام و کفر کی دو منزلوں کے درمیان میں معلق ہے۔ المنزلۃ بین المنزلتین)، امت کے عقیدہ کو چھوڑ دیا۔

۱۷۔ جہاں تک "روافض" کا تعلق ہے، تو ان میں سے "فرقہ سبیئہ" نے اپنی "بدعت"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ظاہر کی۔ اور ان میں سے کچھ نے حضرت علیؓ سے کہا: ''آپ اللہ ہیں'' (انت الالہٗ)۔ اس بدعقیدگی کی پاداش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے گروہ کے کچھ لوگوں کو آگ میں جلوا دیا۔ اور ابن سبا (یہودی) کو ''ساباط مدائین'' جلاوطن کر دیا۔ اس فرقہ کا شمار اسلامی فرقوں میں نہیں ہوتا، کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ کو الاہ (اللہ، خدا) بنا دیا ہے اور انہیں خدا سمجھتے ہیں۔

۱۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد کے بعد ''روافض'' چار بڑے بڑے فرقوں یعنی ''زیدیہ''، ''امامیہ''، ''کیسانیہ'' اور ''غلاۃ'' میں منقسم ہو گئے۔ پھر ''زیدیہ''، ''امامیہ'' اور ''غلاۃ'' متعدد فرقوں میں بٹ گئے، اور ان میں سے ہر فرقہ دوسرے تمام فرقوں کی تکفیر کرتا ہے اور انہیں کافر سمجھتا ہے۔ ''روافض'' کے ''فرقۂ غلاۃ'' کے تمام ''فرقے'' اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔ لیکن ''زیدیہ'' اور ''امامیہ'' کے فرقے امت مسلمہ کے فرقوں میں محسوب ہوتے ہیں۔

۱۹۔ ''الزعفرانی'' کے بعد ''فرقہ نجاریہ'' کے ری (ایرانی شہر نزد تہران) کے نواح میں متعدد فرقے ہو گئے جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔

۲۰۔ ''البکریہ'' کے اختلافات عبدالواحد بن زیاد کے خواہرزادہ ''بکر'' نامی شخص سے ظاہر ہوئے۔ اسی طرح ''الضراریہ'' کے مابین اختلافات ضرار بن عمرو سے اور ''الجہمیہ'' کے اختلافات جہم بن صفوان سے پیدا ہوئے۔ یہ جہم، بکر و ضرار اس زمانے میں نمایاں ہوئے، جس زمانے میں کہ واصل بن عطاء اپنی گمراہیوں کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔

۲۱۔ (عباسی خلیفہ) المامون (۱۹۸ تا ۲۱۸ھ) کے عہد میں حمدان قرمط اور عبداللہ بن میمون القداح کے ہاتھوں ''فرقہ باطنیہ'' کی دعوت ظاہر ہوئی۔ یہ ''فرقہ باطنیہ'' ملت اسلامیہ کے فرقوں میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ مجوسی فرقوں سے تعلق رکھتا ہے، اس کا سبب اپنے موقع پر ہم بیان کریں گے۔ (امیر خراسان) محمد بن طاہر بن عبداللہ (متوفی ۲۵۳ھ) کے دورِ امارت میں خراسان میں ''فرقہ کرّامیہ'' مجسمہ'' کا ظہور ہوا۔

## فرقہ زیدیہ:

۲۲۔شیعوں کے ''فرقہ زیدیہ'' کے تین بڑے فرقے ''الجارودیہ''، ''السلیمانیہ'' جسے ''الجریریہ'' بھی کہا جاتا ہے اور ''البتریہ'' ہیں۔ یہ تینوں فرقے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی امامت کے عقیدہ پر متفق الرائے ہیں۔ ان زید نے (اموی خلیفہ) ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ تا ۱۲۵ھ) کے عہد میں حکومت وقت کے خلاف بغاوت کی تھی۔

## فرقہ کیسانیہ:

۲۳۔''روافض'' کے ''فرقۂ کیسانیہ'' کے بہت سے فرقے ہیں۔ مگر ان سب کے عقائد کا ماحصل دو فرقوں تک محدود ہے۔ ان میں سے ایک کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ زندہ ہیں، مرے نہیں ہیں۔ یہ لوگ ان کی رجعت کا انتظار کر رہے ہیں، یہ فرقہ انہیں ''مہدئ منتظر'' سمجھتا ہے۔ ''کیسانیہ'' کا دوسرا فرقہ محمد بن حنفیہ کی امامت کا ان کے زمانہ میں اقرار کرتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ مر گئے اور ان کی موت کے بعد امامت ایک اور امام کو منتقل ہو گئی، مگر یہ امامت کے منتقل ہوئی، اس بارے میں ان میں اختلافات ہیں۔

## فرقہ امامیہ:

۲۴۔''امامیہ'' جو ''زیدیہ'' اور ''کیسانیہ'' اور ''غلاۃ'' سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کے پندرہ (۱۵) فرقے ہیں۔ ان کے نام ہیں: المحمدیہ، الباقریہ، النادوسیہ، الشمیطیہ، العماریہ، الاسماعیلۃ، المبارکیہ، الموسویہ، القطعیہ، الاثناعشریہ، الہشامیہ، جو ہشام بن حکم یا ہشام بن سالم جوالیقی کے پیروکار ہیں، الزراریہ، کہ زُرارہ بن اعین کے متبع ہیں، الیونسیہ، جو یونس القمی کے پیرو ہیں، الشیطانیہ، جو شیطان الطاق کے متبع ہیں اور الکاملیہ متبعین ابوکامل۔ یہ الکاملیہ حضرت علیؓ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں سب سے زیادہ فحش کلامی کرتے ہیں۔

۲۵۔روافض کے بیس (۲۰) فرقے ہیں۔ ان میں سے تین کا ''زیدیہ'' سے، دو کا ''کیسانیہ'' سے اور پندرہ (۱۵) کا تعلق ''امامیہ'' سے ہے۔

فرقہ غلاۃ:

۲۶۔روافض کے ''غُلاۃ'' (غالی، حد اعتدال سے متجاوز، انتہاء پسند)، جو اپنے اماموں کی ''الوہیت'' کے قائل ہیں، ''شریعت'' نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان کو حلال و جائز قرار دیا ہے اور ''شریعت'' کے ''فرائض'' کے ''وجوب'' کو انہوں نے ساقط کر دیا ہے، مثلاً ''البیانیہ''، ''المغیر یہ''، ''الجناحیہ''، ''المنصوریہ''، ''الخطابیہ'' اور ''الحلولیۃ'' اور ان جیسے دوسرے فرقے، اسلامی فرقوں میں شمار نہیں کیے جاسکتے۔ خواہ وہ اسلام کی جانب اپنے کو منسوب ہی کیوں نہ کریں۔ ہم ایک علیحدہ ''باب'' میں اس کا ذکر کریں گے۔

فرقہ خوارج:

۲۷۔ ''خوارج'' میں اختلاف پیدا ہوا اور ان کے بیس (۲۰) فرقے بن گئے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) الحکمۃ الاولیٰ، (۲) الازارقہ، (۳) النجدات، (۴) الصفریہ، (۵) العجاردۃ، عجاردہ میں شدید اختلافات پھوٹ پڑے اور ان کے بہت سے فرقے بن گئے۔ مثلاً (۶) ''الخازمیہ''، (۷) ''الشعبیہ''، (۸) ''المعلومیہ''، (۹) ''المجہولیہ''، (۱۰) ''المعبدیہ''، (۱۱) ''الرشیدیہ''، (۱۲) ''المکرّمیہ''، (۱۳) ''الحمزیہ''، (۱۴) ''الابراہمیہ'' اور (۱۵) ''الواقفہ''۔ (۱۶) الاباضیہ۔ ان کے بھی کئی فرقے ہو گئے۔ (۱۷) ''حفصیہ''، (۱۸) ''حارثیہ''، (۱۹) ''یزیدیہ'' اور (۲۰) ''اصحاب طاعت'' جس سے اطاعت اللہ مراد نہ ہو۔ خوارج کے ''فرقہ یزیدیہ'' سے تعلق رکھنے والے لوگ کہ یزید بن ابی انیسہ کے متبع ہیں، اسلام کے فرقوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک عجمی نبی مبعوث ہوگا اور اس کی بعثت سے شریعت اسلامی منسوخ ہو جائے گی۔ اسی طرح العجاردہ کے زمرہ میں ایک فرقہ جو ''المیمونیہ'' کہلاتا ہے، اسلام کے دائرے سے خارج ہے اس لئے کہ وہ لوگ نواسیوں اور پوتیوں سے نکاح کو مباح و جائز سمجھتے ہیں اور مجوسیوں کی روش پر عمل کرتے ہیں۔ ہم آگے چل کر

''الیزیدیہ'' اور ''المیمونیہ'' کا ذکر ان لوگوں کے ضمن میں کریں گے جو اسلام کی نسبت سے پکارے تو جاتے ہیں، لیکن وہ مسلمان نہیں ہیں اور ان کا شمار مسلمان فرقوں میں نہیں کیا جا سکتا۔

## فرقہ ہائے قدریہ:

۲۸۔فرقہ ''القدریہ'' کہ حق سے علیحدہ ہو گئے (المعتزلہ عن الحق) بیس (۲۰) فرقوں میں منقسم ہیں۔ اور ان میں ہر فرقہ دوسرے تمام فرقوں کی تکفیر کرتا ہے۔ ان فرقوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) الواصلیہ، (۲) العمرویہ، (۳) الھذیلیہ، (۴) النظامیہ، (۵) المرداریہ، (۶) المعمریہ، (۷) الثمامیہ، (۸) الجاحظیہ، (۹) الخابطیہ، (۱۰) الحماریہ، (۱۱) الخیاطیہ، (۱۲) الشحامیہ، (۱۳) صالح قبہ کے متبعین، (۱۴) المریسیہ، (۱۵) الکعبیہ، (۱۶) الجبائیہ، (۱۷) البھشمیہ، کہ ابو ہاشم بن الجبائی کی جانب منسوب ہیں، یہ کل بائیس (۲۲) فرقے ہیں۔ مگر ان میں سے دو فرقے، کہ الخابطیہ والحماریہ ہیں، اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں اور ان کا ملت اسلام کے فرقوں میں شمار نہیں ہے۔ ہم ان کا ان فرقوں کے ضمن میں ذکر کریں گے جو اگرچہ اسلام کی جانب منسوب ہیں، لیکن دراصل اس کے فرقوں میں سے نہیں ہیں۔ ؎

## فرقہ المرجئہ:

۲۹۔ جہاں تک فرقہ ''المرجئہ'' کا تعلق ہے تو ان کی تین قسمیں ہیں:۔

ا۔ ان میں سے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو ایمان میں ''ارجاء'' (تاخیر، عمل سے تاخیر) اور ''القدریہ'' کے مذہب کے مطابق ''القدر'' (المعتزلہ) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا ''القدریہ'' اور ''المرجئہ'' میں شمار ہوتا ہے۔ مثلاً ابو شمر المرجئی، محمد بن شبیب البصری اور الخالدی۔

۲۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو ایمان میں ''الارجاء'' کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ''اعمال'' (عمل، فعل) اور ''اکساب'' (بندوں کے اپنے عمل و فعل) میں جہم کی جانب مائل ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ''الجہمیہ'' اور ''المرجئہ'' میں محسوب ہوتے ہیں۔

۳۔ان کی تیسری قسم خالص مرجئہ ہے جس میں قدریہ کی آمیزش نہیں ہے۔ان کے پانچ فرقے ہیں،''یونسیہ''، ''غسانیہ''، ''ثوبانیہ''، ''تومینہ'' اور ''مریسیہ''۔

فرقہ النجاریہ:

۳۰۔''النجاریہ'' جو (ایران کے شہر) ری، میں آج کل (بزمانہ مصنف) ہیں دس (۱۰) سے زیادہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔مگر ان کے بنیادی فرقے تین (۳) ہیں۔ان کے نام ہیں ''برغوثیہ''، ''زعفرانیہ'' اور ''مستدرکہ''۔

فرقہ البکریہ والضراریہ:

۳۱۔''البکریہ'' اور ''الضراریہ'' کے فرقے ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں اور ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔اسی طرح ''الجہمیہ'' بھی ایک علیحدہ فرقہ ہے۔

فرقہ الکرامیہ:

۳۲۔خراسان کے ''الکرامیہ'' تین (۳) فرقوں میں منقسم ہیں۔ ان کے نام ہیں ''الحقائقیہ''، ''الطرائقیہ'' اور ''اسحاقیہ''۔چونکہ یہ تینوں فرقے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے، اسی لئے ہم نے انہیں ایک ہی فرقہ شمار کیا ہے۔

فرقوں کی کل تعداد:

۳۳۔ان تمام فرقوں کا ہم نے جو ذکر کیا ہے، ان کی تعداد بہتر (۷۲) بنتی ہے۔ان میں سے ''روافض''، ''خوارج''، ''القدریہ'' اور ''المرجئہ'' میں سے ہر ایک کے بیس، بیس فرقے ہیں۔ اسی طرح ''النجاریہ'' کے تین اور ''البکریہ''، ''الضراریہ''، ''الجہمیہ'' اور ''الکرامیہ'' ایک ایک فرقے ہیں۔ یوں یہ کل بہتر (۷۲) فرقے ہوئے۔[۲]

فرقہ ناجیہ:

۳۴۔تہترواں (۷۳) فرقہ ''اہل السنت والجماعت'' [۷] کا ہے۔اس میں ''اصحاب

الحدیث'' اور''اصحاب الرائ'' دونوں ہی شامل ہیں۔ ان دونوں کے فقہاء، قراء، محدثین اور متکلمین اہل حدیث، سب کے سب توحید باری، صفات الٰہی، عدل خداوندی، حکمت الٰہی اور اسماء وصفات خالق حقیقی کے تعلق سے ایک اور یکساں عقیدہ پر متفق ہیں۔ اسی طرح نبوت، امامت، احکام آخرت اور تمام اصول دین میں ان کا ایک ہی عقیدہ ہے اور باہم دگران میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں ان میں فروعی احکام کے حلال وحرام میں اختلاف رائے موجود ہے، مگر اس اختلاف کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق نہیں گردانتے۔ ان لوگوں کا تعلق ''فرقہ ناجیہ'' سے ہے اور نجات انہیں کے لئے مقدر ہے۔ ان کے متفقہ عقائد یہ ہیں:۔ اللہ کی وحدانیت، اس کی قدامت، اس کی ازلی صفات کی قدامت، کسی تشبیہ وتعلیل کے بغیر رویت باری کا جواز، اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان، شریعت اسلامیہ کی ابدیت، حلال قرآن کی حلت اور حرام قرآن کی حرمت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صحیحہ کی اتباع، حشر ونشر کا اعتقاد، قبر میں دو فرشتوں کا مردہ سے سوال کرنے کا اقرار اور روز قیامت میں ''حوض'' و''میزان'' کی حقانیت کا اقرار۔

پس جو شخص مذکورہ بالا عقائد پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو خوارج، روافض، القدریہ اور دوسرے تمام ہوائے نفسانی کے پیرو فرقوں کی بدعات سے خلط ملط نہ کرے، تو وہ ''فرقہ ناجیہ'' میں شامل ہے، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ انہیں عقائد پر اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔ اس فرقہ ناجیہ میں امام مالک ۸، امام شافعی ۹، امام ابوحنیفہ ۱۰، امام اوزاعی ۱۱ وامام ثوری ۱۲، کے متبعین اور اہل الظاہر ۱۳، کا سواد اعظم اور جمہور امت داخل ہیں۔

اس (دوسرے) باب میں ہم نے جو کچھ بیان کیا، وہ مجمل ومختصر ہے۔ انشاء اللہ عزوجل ہم اس سے متصل (تیسرے) باب میں ''اہل الاہواء'' کے ہر فرقہ کے عقائد تفصیل سے بیان کریں گے۔

## حواشی .........باب دوم۔ فصل دوم

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: اشعری کی مقالات الاسلامیین (عربی یا اردو ترجمہ)، السفرائینی کی التبصیر (عربی)، شہرستانی کی الملل والنحل (عربی واردو) اور رازی کی اعتقادات فرق المسلمین (عربی واردو)

(۲) فدک، خیبر کے نواح میں حجاز کی ایک بستی ہے، جہاں کوئیں اور نخلستان ہیں۔ ۷ھ میں کسی جنگ کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آیا۔ آپ ﷺ اس کی آمدنی مسلمانوں کے مصالح پر صرف فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کی میراث کا دعویٰ کیا، لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس دعویٰ کو خارج کر دیا اور عہد رسالت کی طرح اس کی آمدنی مسلمانوں کے مصالح اور سرکاری کاموں میں خرچ کی جاتی رہی۔ فدک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت میں تھا، آپ کی ذاتی ملکیت نہ تھا کہ آپ کے وارثوں میں جن میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، چچا اور صاحب زادی تھیں، تقسیم کر دیا جاتا۔ بہرکیف یہ معاملہ آج تک سنیوں اور شیعوں میں مابہ النزاع ہے۔ مزید تفصیل کے لئے نواب محسن الملک مرحوم کی آیات بینات اور دوسری تاریخی کتابوں سے رجوع کیجئے۔

(۳) ان اصطلاحات کے لئے کتب فرائض وفقہ سے رجوع کرنا چاہئے۔ ہم قارئین کے لئے ان کا اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

ا۔ دادا کی میراث: دادا، اصحاب الفرائض میں شامل ہے اور قرآن کی رو سے اس کا حصہ متعین ہے۔ اس کے ساتھ وہ عُصبہ کی حیثیت سے بھی میراث میں حقدار ہے۔ اس کی پانچ حالتیں ہیں، اگر میت کے فرع ذکور نہ ہوں تو دادا کو چھٹا (۱/۶) اور عصبہ کی حیثیت سے حصہ ملے گا، اگر فرع ذکور ہوں تو صرف چھٹا (۱/۶) حصہ ملے گا، اگر میت کی فرع ذکور واناث نہ ہوں

تو اسے عصبہ کی حیثیت میں وراثت ملے گی، اگر میت کا باپ زندہ ہو تو دادا محروم ہو جائے گا، اگر میت کے عینی یا علاتی بھائی ہوں، تو یہاں فقہاء میں اختلاف رائے ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دادا بھائیوں کو محجوب کر کے سارا حصہ پا جائے گا، یہی رائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہؓ کی بھی ہے، مگر دیگر ائمہ وصحابہ کے خیال میں بھائیوں کو بطور اصحاب فرائض حصے ملیں گے اور دادا عصبہ کی حیثیت میں باقی حصہ پائے گا۔

عول: علم فرائض کی اصطلاح میں ورثاء کے مجموعہ سہام (حصوں) میں اضافہ کرنا جس سے وارثوں کے حصے کم ہو جاتے ہیں، مثلاً اگر میت نے چار بیویاں، ماں، باپ، ایک بیٹی اور دو پوتیاں وارث چھوڑی ہیں، تو اصل مسئلہ کی تصحیح چوبیس سہام سے ہوگی، لیکن وارثوں میں صحیح تقسیم کی غرض سے اس مسئلہ کو ستائیس سہام کی طرف عول (لوٹا دیا جائے گا) کر دیا جائے گا یعنی بہ تفصیل ذیل:۔

| چار بیویاں، | ماں، | باپ، | بیٹی، | دو پوتیاں، | تصحیح مسئلہ | عول |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱/۸ | ۱/۶ | ۱/۶۔وباقی | ۱/۲ | ۱/۶ | ۲۴ | ۲۷ |
| ۳ | ۴ | ۴ | ۱۲ | ۴ | | |

رد:۔ یہ ہے کہ وارثوں کے سہام سے جو زائد بچ جائے اسے انہیں پر لوٹا دیا جائے مثلاً۔

| ماں، | ۲۔اخیافی بھائی | تصحیح مسئلہ | رد |
|---|---|---|---|
| ۱/۶ | ۱/۳ | ۶ | ۳ |
| ۱ | ۲ | | |

(تفصیل کے لئے دیکھئے حکم المیراث از عطیہ الجبوری، بغداد ۱۹۸۶ء، والشریفیہ السید شریف الجرجانی)۔

(۴) ابو سعید حسن بن یسار بصری، ۲۱ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ بعد میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۱۱۰ھ میں انتقال کیا۔ علم وزہد میں بے مثال اور اجلہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے تلامذہ کا سلسلہ دراز ہے۔

(۵) مصنف نے بائیس (۲۲) ''قدری'' فرقوں میں سے دو کو خارج از اسلام قرار دے کر اسلامی فرقوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ پندرہ (۱۵) قدری، فرقوں کی اسم شاری کی ہے اور پانچ (۵) کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ''قدری'' فرقوں کا مزید حال باب سوم کی فصل سوم میں آئے گا۔ جہاں ان پانچ فرقوں کے نام مذکور ہیں، یعنی الاسودیہ، البشریہ، الھشامیہ، الجعفریہ اورالاسکافیہ۔

(۶) مصنف نے جو تعداد درج کی ہے اس سے اسلامی فرقوں کی تعداد ستاسی (۸۷) بنتی ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ یہ بہتر (۷۲) فرقے ہیں۔ یہ اشکال مصنف کی پوری بحث کو سمیٹنے سے دور ہو جاتا ہے۔ المرجئہ کے ذکر میں پندرہ ایسے فرقوں کا ذکر ہے جو القدریہ میں مشترک ہیں، یوں خالص مرجئی فرقے صرف پانچ ہیں۔ ستاسی (۸۷) میں سے پندرہ (۱۵) مرجئی وقدری فرقوں کو وضع کرنے کے بعد یہ تعداد بہتر (۷۲) ہو جاتی ہے۔ مزید وضاحت کی غرض سے ہم اس تعداد کا ذیل میں علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں:

فرقے ہائے روافض: ۲۰، فرقہ ہائے خوارج: ۲۰، فرقہ ہائے قدریہ بشمول مشترک فرقہ ہائے مرجیہ: ۲۰، فرقہ ہائے مرجئہ خالص: ۵، فرقہ ہائے نجاریہ: ۳، فرقہ بکریہ: ۱، فرقہ جہمیہ: ۱، فرقہ کرامیہ: ۱، فرقہ ضراریہ: ۱، اس تفصیل سے بہتر (۷۲) فرقوں کا جو نجات نہ پائیں گے اور گمراہ ہیں، ذکر مکمل ہوا۔

(۷) الاشعری نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' میں ''فرقہ ناجیہ'' کے ذکر میں ایک علیحدہ فصل تحریر کی ہے۔ مصنف نے اور دیگر مصنفین ''مقالات وعقائد'' نے انہیں کی خوشہ چینی کی ہے۔ مزید معلومات کے لئے کتاب مذکور کی جلد اول (عربی) دیکھئے یا اس کا اردو ترجمہ ازمولانا محمد حنیف ندوی مرحوم شائع کردہ ''ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور'' ملاحظہ فرمایئے۔

(۸) مالک بن انس بن مالک اصبحی ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ آپ اہل السنت کے چار فقہی مسالک میں سے دوسرے مسلک کے بانی ہیں۔ اپنے عہد کے عظیم محدث، مفسر اور فقیہہ تھے۔ حدیث وفقہ میں آپ سے ''الموطاء'' یادگار

ہے۔ آپ کے پیرو مصر، شمالی افریقہ اور نائجیریا وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں۔

(۹) محمد بن ادریس الشافعی المطلبی القرشی ۱۵۰ھ میں فلسطین میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔ آپ اہل السنّت کے اس فقہی مسلک کے امام ہیں جو آپ کے نام سے منسوب ہے اور شافعی کہلاتا ہے۔ آپ اپنے عہد کے عظیم محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ کتاب الام، الرسالۃ الاصولیۃ اور دیوان شعر آپ سے یادگار ہے۔ آپ کے متبعین مصر، شام، عرب، افریقہ اور انڈونیشیا و ملائشیا میں بکثرت ہیں اور ''احناف'' کے بعد مقدار میں تمام اسلامی فرقوں سے زیادہ ہیں۔

(۱۰) امام اعظم ابوحنیفہؒ بن نعمان ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں منصور عباسی کی قید میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ تفسیر، فقہ و حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ اہل السنّت کے فقہی مسلک ''الاحناف'' کے امام و مرجع ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر سے آپ کی فقہ کا نشو نما ہوا۔ کتاب الفقہ الاکبر اور کتاب الاثار و مسند امام اعظم آپ سے یادگار ہیں۔ آپ کے متبعین کی تعداد تمام اسلامی فرقوں کے پیروکاروں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔ احناف، ترکی، وسط ایشیاء، افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، افریقہ، مصر و شام اور عراق میں بکثرت آباد ہیں اور دنیائے اسلام کے بہت بڑے علاقے پر ان کے مذہبی، سیاسی و اقتصادی اثرات غالب ہیں۔

(۱۱) ابوعمرو عبدالرحمان بن عمرو اوزاعی شامی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۷ھ میں بیروت میں انتقال کیا۔ حدیث و فقہ میں سرآمد روزگار تھے اور ایک مستقل فقہی مسلک کے بانی تھے۔ یہ مسلک شام، شمالی افریقہ اور اندلس میں پھیلا مگر بعد میں مالکی اور شافعی مسالک کے ہاتھوں اس کا اثر ختم ہوگیا اور آج ان کے مسلک کے ماننے والے مفقود ہو چکے ہیں۔

(۱۲) ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری کوفی ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ فقیہہ و محدث اور ایک مستقل فقہی مسلک کے بانی تھے، لیکن یہ فقہی مسلک بھی ختم ہوگیا اور آپ کے ماننے والے اب کہیں موجود نہیں ہیں۔

(۱۳) یہ لوگ داؤد بن علی بن خلف اصبہانی متوفی ۲۷۰ھ کے متبعین ''اہل الظاہر'' کہلاتے ہیں اور ایک مستقل فقہی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن یہ مسلک بھی ختم ہو گیا اور اب اس کے پیروکار کہیں موجود نہیں ہیں۔

باب سوم (صفحہ ۲۸۔۲۳۰)

# اہل الاہواء کے فرقوں کے عقائد کی تفصیل

اس باب میں آٹھ فصلیں ہیں، جن کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔فصل اول: روافض کے فرقوں کے عقائد کے بیان ہیں۔

۲۔فصل دوم: خوارج کے فرقوں کے عقائد کے بیان ہیں۔

۳۔فصل سوم: معتزلہ اور قدریہ سے تعلق رکھنے والے فرقوں کے عقائد کے بیان ہیں

۴۔فصل چہارم: مرجئہ کے فرقوں کے عقائد کے ذکر ہیں۔

۵۔فصل پنجم: فرقہ ہائے نجاریہ کے عقائد کے بیان ہیں۔

۶۔فصل ششم: فرقہ ہائے ضراریہ، بکریہ اور جہمیہ کے عقائد کے بیان ہیں۔

۷۔فصل ہفتم: فرقہ کرامیہ کے عقائد کے تذکرہ ہیں۔

۸۔فصل ہشتم: فرقہ، مشبہہ کے عقائد کے ذکر میں جو مذکورۂ بالا فرقوں کے زمرے میں داخل ہے۔

انشاءاللہ عزوجل ہم ہر فصل میں ضروری مباحث کو بیان کریں گے۔

فصل اوّل

# فرقہ ہائے روافض کا بیان

ہم اس سے پہلے اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ ''زیدیہ'' کے تین فرقے ہیں، ''کیسانیہ'' کے دو فرقے ہیں اور ان میں سے ''امامیہ'' کے پندرہ فرقے ہیں۔ ہم پہلے ''زیدیہ'' کا بعد ازاں ''امامیہ'' کا اور پھر ''کیسانیہ'' کا ترتیب وار ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ عزوجل:

## ۱: فرقہ زیدیہ

۱۔ فرقہ زیدیہ کا فرقہ ''جارودیہ'':

یہ لوگ ابو الجارود ؒ کے متبعین ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر ان کے وصف کے ساتھ نص کی تھی اور ان کا نام نہ لیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علیؓ کی بیعت (خلافت) نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ بن علیؓ منصب امامت پر فائز ہوئے اور ان کے بعد یہ منصب ان کے بھائی حضرت حسینؓ کو تفویض ہوا۔

امامت کی اس ترتیب میں ''جارودیہ'' میں اختلاف ہوا اور ان کے دو فرقے ہوگئے۔ ایک فرقہ نے کہا کہ حضرت علیؓ نے اپنے بعد اپنے صاحب زادہ حضرت حسنؓ کی امامت پر نص کی (انہیں امام مقرر کیا)۔ بعد ازاں حضرت حسنؓ نے اپنے بعد حضرت حسینؓ کی امامت پر نص کی۔ پھر حضرات حسنؓ و حسینؓ کے بعد امامت ان دونوں کی اولاد میں بطریق شوریٰ قائم ہوگئی۔ چنانچہ ان دونوں کی اولاد میں جو کوئی تلوار بلند کر کے اپنے دین کی دعوت دیتے ہوئے خروج کرے

(حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے) اور وہ عالم و عارف بھی ہو، تو وہ امام (برحق) ہے۔ ان کے دوسرے فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ کی امامت پر اور ان کے بعد حضرت حسینؓ کی امامت پر نص کی تھی۔

اس اختلاف کے بعد ''جارودیہ'' میں ''امام منتظر'' کے متعلق کئی گروہ ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی ''امام منتظر'' نہیں ہے۔ بلکہ حضرات حسنؓ و حسینؓ کی اولاد میں سے جو شخص تلوار بلند کرے (جہاد کرے) اور لوگوں کو اپنے دین کی جانب بلائے، وہی امام (برحق) ہے۔

۲۔ ایک دوسرا گروہ [۲] محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (کی رجعت) کا منتظر ہے اور اس کی موت اور قتل کو سچ نہیں مانتا۔ اس گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ یہی وہ ''مہدی منتظر'' ہے جو (دوبارہ) ظاہر ہو کر ملک پر قابض و حکمران ہو جائے گا۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ شیعہ امامیہ کے فرقہ ''محمدیہ'' کی طرح ہے کہ وہ بھی اس محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب (کی رجعت) کے منتظر ہیں۔

۳۔ (جارودیہ کا) ایک گروہ ''طالقان'' کے حاکم محمد بن قاسم [۴] (کی رجعت) کا منتظر ہے اور اس کی موت کو سچ نہیں مانتا۔

۴۔ ان لوگوں کا ایک فرقہ محمد بن عمر [۵] کو امام منتظر مانتا ہے۔ اور اس کے قتل اور موت کو سچ نہیں سمجھتا۔ اس شخص نے کوفہ میں خروج کیا تھا (حکومت عباسیہ کے خلاف بغاوت کی تھی)۔

یہ ''جارودیہ'' کے عقائد ہیں۔ چونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو کافر سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی تکفیر واجب ہے۔

## ۲۔ زیدیہ کا فرقہ ''سلیمانیہ'' یا ''جریریہ'':

یہ سلیمان بن جریر زیدی [۶] کے پیروکاروں کا فرقہ ہے۔ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ امامت شوریٰ (سے منعقد ہوتی) ہے اور امت (محمدی) کے نیکوکاروں میں سے دو اشخاص کے عقد و

بیعت سے منعقد ہو جاتی ہے۔اس نے مفضول کی امامت کو جائز قرار دیا ہے اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کا اثبات کیا ہے۔اس کا عقیدہ ہے کہ امت (مسلمہ) نے حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیعت (خلافت) کر کے ''اصلح'' (صالح ولائق تر) کو چھوڑ دیا کیونکہ حضرت علیؓ ان دونوں سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے۔مگر ان دونوں حضرات کی بیعت امامت کفر یا فسق نہیں ہے۔لیکن سلیمان بن جریر نے ان الزامات کی بنا پر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر معترضین نے لگائے تھے، ان کی تکفیر کی ہے۔اہل السنّت اس سلیمان بن جریر کو اس لئے کافر سمجھتے ہیں کہ اس نے حضرت عثمانؓ کو کافر قرار دیا ہے۔

### ۳۔''زیدیہ'' کا فرقہ ''بُتریّہ'':

یہ فرقہ حسن بن صالح بن حی ہے اور کثیر النواء الابتر نامی دو اشخاص کے متبعین پر مشتمل ہے۔تشیع میں ان دونوں کا وہی عقیدہ ہے جو سلیمان بن جریر کا ہے۔لیکن ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں توقف کیا اور نہ ان کی برائی اور نہ ان کی تعریف ہی کی ہے۔ یہ لوگ اہل سنت کے نزدیک سلیمان بن جریر کے ہم خیالوں سے زیادہ اچھے ہیں۔مسلم بن حجاج (قشیری) نے اپنی مسند صحیح (صحیح مسلم) میں حسن بن صالح بن حی کی روایت درج کی ہے لیکن محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں اس حسن بن صالح بن حی کی روایت نہیں لی ہے۔ ہاں انہوں نے کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں لکھا ہے کہ: ''حسن بن صالح بن حی کوفی نے سماک بن حرب سے حدیث روایت کی۔اس نے ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔اس کا تعلق قبیلہ ''ہمدان'' کی شاخ ''ثور'' سے ہے۔اس کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔''

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ شیعوں کے فرقہ زیدیہ کے یہ ''بُتریّہ'' و ''سلیمانیہ'' گروہ فرقہ ''زیدیہ'' کی شاخ ''جارودیہ'' کو کافر سمجھتے ہیں۔کیونکہ یہ ''جارودیہ'' حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی تکفیر کے قائل ہیں۔اسی طرح ''جارودیہ'' ''سلیمانیہ'' اور ''بتریہ'' کو کافر سمجھتے ہیں، کہ انہوں نے اس بناء پر حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی تکفیر کو ترک کر دیا ہے۔ہمارے شیخ

(استاد) ابوالحسن الاشعری نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' میں فرقہ ''زیدیہ'' کی ایک شاخ کا ذکر کیا ہے، جسے ''یعقوبیہ'' کہا جاتا ہے اور جو یعقوب نامی شخص کے متبعین کا گروہ ہے۔ یہ لوگ حضرات ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما سے ''تولاء'' کرتے ہیں (دوستی اور عقیدت رکھتے ہیں) مگر ان دونوں صاحبوں سے ''تبراء'' (برائت و بیزاری) کرنے والوں سے اظہار بیزاری نہیں کرتے۔

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ ''فرقہ زیدیہ'' کے تینوں مذکورہ بالا فرقے اس عقیدے پر متفق ہیں کہ امت (محمدیہ ﷺ) کے ایسے تمام اشخاص جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کریں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یوں یہ لوگ اس اعتبار سے ''خوارج'' کی طرح ہیں، جنہوں نے بروں اور گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا ہے، حالانکہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید و مایوس ہوتے ہیں۔''[۸]

زیدیہ کی وجہ تسمیہ:

ان تینوں فرقوں اور ان کے متبعین کو اس لئے ''زیدیہ'' کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ زید بن علی بن، حسین بن علی بن ابی طالب (م ۱۲۲ھ) کی زندگی میں ان کی امامت کے قائل تھے۔ اور ان کے بعد ان کے بیٹے یحیٰی بن زید کو امام مانتے تھے۔ کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں نے ان زید کی امامت کی بیعت کی تھی۔ زید نے ان لوگوں کو لے کر خلیفہ ہشام بن عبدالملک (اموی ۱۰۵۔۱۲۵ھ) کے عراق کے گورنر یوسف بن عمر ثقفی (م ۱۲۷ھ) کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جب زید اور یوسف ثقفی کے مابین جنگ چھڑ گئی تو اہل کوفہ نے ان سے کہا: ''ہم تمہارے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد اس وقت کریں گے جب تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں، جنہوں نے تمہارے دادا علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ زیادتی کی تھی، اپنے خیالات سے ہمیں آگاہ کرو گے۔'' اس کے جواب میں زید نے کہا: ''میں ان دونوں کے بارے میں صرف نیک خیالات کا اظہار کروں گا۔ اور میں نے اپنے والد کو ان صاحبوں کے متعلق اچھی باتیں ہی کہتے سنا ہے۔

میں نے بنی امیہ کے خلاف اس لئے خروج کیا ہے کہ انہوں نے میرے دادا حضرت حسینؓ (۶۱ھ) کو شہید کیا، حرہ کی جنگ میں مدینہ میں لوٹ مار کی اور خانہ کعبہ پر منجنیق سے سنگ باری کی اور اسے آگ لگا دی"۹۔ زید کا یہ جواب سن کر کوفہ والوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا جس پر انہوں نے کہا "رفضتمونی" (تم لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا)۔ اسی دن سے یہ لوگ "رافضی" کہلانے لگے۔ زید کے ساتھ نصر بن خزیمہ عبسی، اور معاویہ بن اسحاق بن یزید بن حارثہ دوسو (۲۰۰) آدمیوں کے ہمراہ ثابت قدم رہے اور یوسف ثقفی کے لشکریوں سے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ یہ سب کے سب مارے نہ گئے۔ زید بھی مارے گئے۔ بعد ازاں ان کی قبر کھود کر ان کی لاش نکالی گئی اور انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ بعد میں ان کی لاش کو جلا کر (راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی)۔

زید کا بیٹا یحییٰ بھاگ کر خراسان چلا گیا۔ اس نے "جوز جان" (بجستان) کے علاقہ میں خراسان کے (اموی) گورنر نصر بن سیار (م ۱۳۱ھ) کے خلاف بغاوت کی۔ نصر نے اس کے مقابلہ پر مسلم بن احوز مازنی کو تین ہزار سپاہ کے ہمراہ بھیجا۔ یحییٰ کو ان لوگوں نے (شکست دے کر) مار ڈالا۔ جوز جان میں اس کی قبر مشہور ہے۔

## روافض کوفہ کی بے وفائی:

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ کوفہ کے "روافض" بے وفائی اور بخل میں مشہور ہیں۔ اور ان دونوں (برائیوں) میں وہ لوگ ضرب المثل ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے "أبخلُ من کوفی" (کوفی سے بھی زیادہ بخیل) اور "اغدر من کوفی" (کوفی سے بڑھ کر بے وفا)۔ ان کوفہ والوں کی بے وفائی کے تین واقعات نہایت مشہور ہیں۔

۱۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے صاحب زادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کی۔ جب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لئے نکلے، تو ان لوگوں نے ساباط مدائن (عراق کا ایک شہر) کے مقام پر ان سے بے وفائی اور

عہد شکنی کی اور سنان جعفی نامی ایک کوفی نے ان (حضرت حسنؓ) کے پہلو میں نیزہ مارا جس سے وہ اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے جو صلح کر لی اس کا ایک سبب یہی واقعہ تھا۔

۲۔ اہل کوفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر یزید بن معاویہؓ (۶۰۔۶۴ھ) کے خلاف ان کی مدد کرنے کے وعدہ پر کوفہ آنے کی دعوت دی۔ وہ ان لوگوں کے جھانسے میں آ گئے (فاغتر بہم) اور ان کے ہاں آنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ جب وہ کربلا پہنچے تو کوفیوں نے ان سے وعدہ خلافی اور بے وفائی کی اور ان کے خلاف (عراق کے اموی گورنر) عبیداللہ بن زیاد (م ۶۷ھ) کے ساتھ مل گئے۔ یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلاء میں شہید ہو گئے اور ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ بھی مارے گئے۔

۳۔ اہل کوفہ کی تیسری بے وفائی یہ ہے کہ انہوں نے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے ساتھ عہد شکنی کی۔ یہ لوگ ان کے ہمراہ (عراق کے اموی گورنر) یوسف بن عمر ثقفی کے خلاف جنگ کی غرض سے نکلے، مگر ان کی بیعت فسخ کر دی، جنگ کی شدت کے وقت ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ مارے گئے اور ان کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

## ب: فرقہ کیسانیہ

روافض کے فرقہ کیسانیہ[1] کا بیان۔ یہ لوگ مختار بن ابی عبید ثقفی (م ۶۷ھ) کے پیروکار ہیں۔ یہ شخص حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے انتقام خون کی دعوت لے کر اٹھا اور جن لوگوں نے حضرت حسینؓ کو کربلاء میں شہید کیا تھا، ان میں سے اکثر کو اس نے قتل کروا دیا۔ اس مختار کو "کیسان" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس نے یہ نام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام سے اخذ کیا جس کا نام ''کیسان'' تھا۔

مشترک عقائد:

''کیسانیہ'' کئی فرقوں میں بنٹ گئے مگر ان سب میں دو عقیدے مشترک ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ سبھی محمد بن حنفیہ !! (م ۸۱ھ) کی امامت کے قائل ہیں۔ اور مختار بن ابی عبید ان ہی کی امامت کی دعوت دیتا تھا۔ دوسری بات جس پر سارے ''کیسانیہ'' متفق ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ عز و جل پر ''البداء'' !۲! جائز ہے۔ اس بدعت کی بناء پر ان تمام فرقوں نے جو اللہ تعالیٰ پر ''البداء'' کو جائز نہیں سمجھتے، ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے۔

اختلاف کا آغاز:

''کیسانیہ'' میں محمد بن حنفیہ کے بعد اس بات پر اختلاف ہوا کہ محمد بن حنفیہ کو امامت کیسے عطاء ہوئی۔ کچھ نے یہ کہا کہ محمد بن حنفیہ اپنے والد جناب علی رضی اللہ عنہ کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے۔ ان لوگوں کا اس پر یہ استدلال ہے کہ حضرت علیؓ نے ''جنگ جمل'' کے موقع پر محمد بن حنفیہ کو علم جنگ عنایت کیا اور کہا:

> ''مخالفوں پر اپنے باپ کی نیزہ بازی جیسی نیزہ زنی کر، تاکہ تو قابل ستائش ٹھہرے۔ اس جنگ میں جو جھاگ نہ چھوڑے کوئی خوبی نہیں ہے۔''

لیکن کیسانیہ کے دوسرے گروہ نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ حضرت علیؓ کے بعد امامت ان کے صاحب زادہ جناب حسنؓ کو منتقل ہوئی۔ پھر حسنؓ کے بعد ان کے بھائی حضرت حسینؓ امام ہوئے۔ ان کے بعد امامت محمد بن حنفیہ کو ان کے بھائی حضرت حسینؓ کی وصیت کی رو سے تفویض ہوئی۔ اور ایسا اس وقت ہوا جب وہ یزید کی بیعت کے مطالبہ کی وجہ سے مکہ چلے گئے تھے۔

بعد ازاں محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل گروہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ ان میں سے ایک فرقہ نے کہ ''کربیہ'' کہلاتا ہے۔ اور ابو کرب نابینا کے ہم خیالوں پر مشتمل ہے، اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ محمد بن حنفیہ زندہ ہیں، مرے نہیں ہیں اور وہ (حجاز۔ عرب) کے رضویٰ نامی پہاڑ میں

روپوش ہیں۔ ان کے قریب دو چشمے، ایک شہد کا اور دوسرا پانی کا، جاری ہیں۔ ان سے وہ اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ ان کے دائیں جانب ایک شیر اور بائیں جانب ایک چیتا موجود ہے جو ان کے خروج (ظہور) کے وقت تک ان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ اور وہی ''مہدی منتظر'' ہیں۔

بقیہ گروہ ''کیسانیہ'' نے اس امر کا اقرار کیا کہ محمد بن حنفیہ مر چکے ہیں۔ مگر ان کے بعد کون امام ہوا اس بارے میں ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ سو کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے بعد امامت ان کے بھتیجے علی بن حسین ملقب بہ ''زین العابدین'' (م ۹۴ھ) کی جانب واپس ہوگئی۔ ایک دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ محمد بن حنفیہ کے بعد امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ ۱۳ کو تفویض ہوئی۔ ان لوگوں میں ابو ہاشم کی موت کے بعد پھر اختلاف ہوا کہ اس کا جانشین کون ہوا۔ چنانچہ ان میں ایک فرقہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ابو ہاشم کے بعد اس کی وصیت کی رو سے امامت محمد بن ۱۴ علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم کو منتقل ہوگئی۔ یہ عقیدہ ''فرقہ راوندیہ'' کا ہے لیکن کیسانیہ کے ایک اور گروہ نے اس عقیدہ کو اپنے اختلاف کی بنیاد بنایا کہ ابو ہاشم کے بعد امامت بیان بن سمعان ۱۵ کو ملی۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم میں ''روح الٰہی'' حلول کر گئی تھی اور اس سے یہ ''روح خداوندی'' بیان کے جسم میں در آئی۔ ان میں ''کیسانیہ'' کے ایک دوسرے گروہ نے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ وہ ''روح الٰہی'' ابو ہاشم سے عبداللہ بن عمرو بن حرب میں منتقل ہوئی۔ اس بناء پر اس فرقے نے عبداللہ بن عمرو بن حرب ۱۶ کی الوہیت کا دعویٰ کیا۔

''البیانیہ'' اور ''الحربیہ'' کیسانیہ کے یہ دونوں فرقے ''فرقہ غلاۃ'' میں محسوب ہوتے ہیں۔ ہم ان کا ذکر اس باب میں کریں گے جو ''فرقہ ہائے غلاۃ'' کے تذکرہ کے لئے مخصوص ہے۔ (دیکھئے باب چہارم کی فصل دوم)

## کثیّر شاعر:

کثیر ۱۷ نامی شاعر ''فرقہ کیسانیہ'' کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو حیات محمد بن حنفیہ کا قائل تھا اور ان کی موت کو بیچ نہ جانتا تھا۔ اسی بناء پر اس نے اس قصیدہ میں (اپنے خیالات کا

یوں) اظہار کیا ہے۔

''آگاہ ہو جاؤ کہ قریش سے ائمہ جو والی برحق ہیں، چار ہیں اور وہ سب کے سب مرتبہ میں یکساں اور برابر ہیں۔ وہ ہیں علیؓ اور ان کے تین بیٹے۔ یہی ''اسباط'' ہیں اور ان سے متعلق کوئی ابہام واشکال نہیں۔ سو ان میں ایک ''سبط'' ایمان و نیکو کاری کے پیکر ہیں (یعنی حسنؓ) اور دوسرے ''سبط'' وہ ہیں جنہیں کربلاء نے غائب کر دیا۔ (یعنی حسینؓ) اور تیسرے ''سبط'' وہ ہیں۔ جنہیں اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ دستۂ سواراں کی جن کے آگے پرچم ہوگا قیادت نہ کرلیں گے۔ وہ غائب ہوگئے اور لوگوں میں ایک مدت تک دیکھے نہ جائیں گے۔ وہ ''جبل رضوی'' میں روپوش ہیں اور ان کی غذاء کے لئے شہد اور پانی موجود ہے۔

کثیر کو جواب:

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ ہم نے کثیر کا جواب ان اشعار میں دیا ہے:

''والیان برحق چار ہیں مگر ''ثانی اثنین'' (حضرت ابوبکر صدیقؓ) علو ورفعت میں سب سے آگے ہیں۔ دوسرے امام فاروق (حضرت عمرؓ) ہیں اور ان کے بعد ذوالنورین (حضرت عثمانؓ) امام برحق ہیں۔ ان تینوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اور امامت کی یہ ترتیب قضاء الٰہی کے مطابق ہے۔ ہم نے جن امامانِ برحق کا ذکر کیا ہے ان سے عداوت رکھنے والے لعین ہیں اور دوزخ کی آگ ان کا برا بدلہ ہے۔ اور رافضی نصاریٰ جیسی قوم ہیں، کہ حیران وسرگرداں ہیں اور ان کی اس حیرت کا کوئی مداوا وعلاج نہیں ہے۔''

کثیرؔ کے اشعار:

کثیر نے اپنے رفض سے متعلق یہ اشعار بھی کہے ہیں۔

''میں ''اروی'' (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن) کے بیٹے (حضرت عثمانؓ) کے دین سے اور تمام خوارج کے دین سے اظہار برأت کرتا ہوں۔

اور میں عمرؓ سے اور عتیق (حضرت ابوبکر صدیقؓ) سے جب انہوں نے اپنے کو ''امیر المومنین'' کہا بیزاری اور برأت کا اعلان کرتا ہوں۔''

## کُثیّر کا جواب:

ہم (عبدالقاہر) نے کثیر کی ان دونوں بیتوں کے جواب میں یہ اشعار کہے ہیں۔

''ایک ایسی قوم کی عداوت میں، جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حیات بخشی، تو اللہ سے بیزار و لاتعلق ہو گیا۔

تیری عداوت سے ''اروی'' کے بیٹے (حضرت عثمانؓ) کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور نیکوکاروں سے عداوت رکھنا کافروں کا دین اور مذہب ہے۔

ابوبکرؓ ہمارے امام برحق ہیں. تمام روافض کے برخلاف ابوبکرؓ ہمارے سچے اور برحق امام ہیں۔

اور (عمر) فاروقؓ کو جو امیر المومنین کہا جاتا ہے، وہ درست و برحق ہے۔''

## کُثیّر کے مزید اشعار:

کُثیّر نے اپنے ایک قصیدہ میں کہا ہے۔

''وصی'' (محمد بن حنفیہ) سے، جن پر میری جان قربان، ذرا جا کر کہہ دو کہ آپ نے اس پہاڑ (جبل رضویٰ) پر اپنے قیام کو بڑا طویل کر دیا۔ یہ امر ہمارے جتھ کے لئے جنہوں نے آپ سے تولاء (دوستی) کیا، آپ کو خلیفہ اور امام کہا، بڑی تکلیف کا باعث ہے۔

آپ کے ان حامیوں نے آپ کے لئے تمام اہل زمین سے دشمنی مول لی، ان کے عقیدہ کے مطابق آپ کو وہاں (جبل رضویٰ) میں ساٹھ سال تک قیام فرمانا تھا (مگر یہ مدت تو بڑی طویل ہو گئی)۔

خولہ (بنی حنیفہ کی باندی) کے بیٹے (محمد بن حنفیہ) نے نہ موت کا مزا چکھا اور نہ ان کی

ہڈیوں کو زمین نے ڈھانپا۔

وہ رضویٰ کی گھاٹی کے گھاٹ پر مقیم ہیں اور فرشتوں سے ان کی بات چیت ہوتی رہتی ہے۔

انہیں ہر روز روزی بہم پہنچائی جاتی ہے اور مشروبات دیئے جاتے ہیں جو وہ کھانے کے دوران بار بار پیتے ہیں۔''

**کُثَیِّر کا رد:**

ہم (عبدالقاہر) نے کُثَیِّر کے ان اشعار کا جواب اپنے ان شعروں سے دیا ہے۔

''تو نے اپنی عمر اس شخص کے انتظار میں گزار دی، جس کی ہڈیوں کو مٹی (قبر) نے کب کا ڈھانپ لیا ہے۔

سو رضویٰ کی گھاٹی میں کوئی امام نہیں ہے، جس سے فرشتے گفتگو کرتے رہتے ہوں۔

اور نہ وہاں وہ شخص ہے جس کے پاس شہد اور پانی اور ایسے مشروبات ہیں جو طعام کے دوران ان کو بار بار پلائے جاتے ہیں۔

خولہ کے بیٹے (محمد بن حنفیہ) نے موت کا مزا چکھ لیا، اسی طرح جس طرح ان کے باپ (علیؓ) نے موت کا مزا چکھا تھا۔

اگر کمال بزرگی اور علوئے منزلت کی بناء پر کسی آدمی کو حیات جاوداں ملتی، تو یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتے اور انہیں دوام نصیب ہوتا!''

**سید حمیری:**

ایک دوسرا شاعر جو سید الحمیری کے نام سے مشہور ہوا، وہ بھی ''فرقہ کیسانیہ'' کے اس گروہ کا ہم مذہب تھا، جو محمد بن حنفیہ (کی رجعت) کے منتظر ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ''جبل رضویٰ'' میں اُس وقت تک قید ہیں جب تک کہ انہیں وہاں سے نکلنے (حکومت قائمہ کے خلاف بغاوت کرنے) کی اجازت نہ دی جائے۔ اسی لئے وہ اپنے اس شعر میں لکھتا ہے۔

''لیکن وہ تمام لوگ جو زمین پر ہیں مٹ جانے والے ہیں، جس ذات نے اس دنیا کو

پیدا کیا ہے اس نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔"

## مختار بن ابی عبید:

"فرقہ کیسانیہ" کی دعوت، کہ محمد بن حنفیہ کی امامت سے عبارت ہے، سب سے پہلے جو شخص لے کر اٹھا، وہ مختار بن ابی عبید ثقفی تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جب (کوفہ کا اموی گورنر) عبیداللہ بن زیاد مسلم بن عقیل (م ۶۰ھ) اور جناب حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے قتل سے فارغ ہوا۔ تو اس کو یہ شکایت ملی کہ جو لوگ مسلم بن عقیل کے ہمراہ شورش میں سرگرم تھے، ان میں مختار بن ابی عبید بھی تھا، لیکن وہ بعد میں روپوش ہو گیا تھا۔ ابن زیاد نے مختار کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ اس کے سامنے آیا تو اس نے مختار کو ایک عمود (گرز) (بقول طبری چھڑی) سے جو اس کے ہاتھ میں تھی، مارا جس سے اس کی آنکھ کے پوٹے پھٹ گئے اور اسے قید کر دیا۔ بعد میں لوگوں نے ابن زیاد سے اس کی سفارش کی، چنانچہ ابن زیاد نے اسے قید سے رہا کر دیا اور یہ دھمکی دی کہ:

"میں تجھے کوفہ میں قیام کی تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اس مدت میں تو یہاں سے نکل جا ورنہ تیری گردن مار دوں گا۔"

یوں مختار کوفہ سے بھاگ کر مکہ چلا آیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما [18] کی خلافت کی بیعت کر لی۔ وہ ان کے ساتھ رہا اور ان کی حمایت میں یزید بن معاویہؓ کے اس لشکر سے جنگ کی جو حصین بن نمیر سکونی کی قیادت میں روانہ کیا گیا تھا۔ مختار نے ان معرکوں میں شامی افواج کو بھاری نقصانات پہنچائے۔ اسی دوران میں یزید نے انتقال کیا اور اس کی فوج شام واپس چلی گئی۔ اس طرح حجاز، یمن، عراق اور فارس پر ابن زبیرؓ کی حکومت قائم ہو گئی، لیکن مختار کو ابن زبیرؓ کی بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ وہ بھاگ کر کوفہ واپس چلا آیا۔ اس وقت ابن الزبیرؓ کی جانب سے کوفہ کا والی (گورنر) عبداللہ بن یزید انصاری تھا۔ مختار نے کوفہ پہنچ کر وہاں اور نواحی کوفہ کے مدائن تک کے شیعوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی، اس نے ان لوگوں سے وعدہ

کیا کہ وہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے خون کے انتقام لینے کی غرض سے خروج کرے گا۔ اس نے محمد بن حنفیہ کی امامت کی دعوت دی اور یہ کہا کہ انہوں نے اس کو اپنا نمائندہ و نائب مقرر کیا ہے۔ اور شیعوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اسی دوران میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کوفہ کی گورنری سے عبداللہ بن یزید انصاری کو معزول کر کے اس کے بجائے عبداللہ بن مطیع عدوی کو اس عہدہ پر مقرر کیا۔ اب وہ سب لوگ جنہوں نے مختار کی خفیہ طور سے بیعت کی تھی، اکٹھا ہوئے، یہ لوگ سترہ (۱۷) ہزار کے لگ بھگ تھے۔ مختار کی اس بیعت میں اس عہد کا بہادر ترین شخص عبداللہ بن حر اور ابراہیم بن مالک اشتر، کہ شیعان کوفہ میں اس سے زیادہ باوقار حسین اور ہر دل عزیز و مقبول کوئی دوسرا نہ تھا، مختار کی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کی مدد سے مختار نے کوفہ کے گورنر عبداللہ بن مطیع عدوی کے حامیوں سے جو بیس (۲۰) ہزار تھے، جنگ شروع کر دی۔ ان دونوں میں کئی دن تک ہنگامہ کارزار گرم رہا اور انجام کار حامیان ابن زبیرؓ کو شکست ہوئی۔ یوں کوفہ اور اس کے نواحی علاقوں پر مختار قابض ہو گیا۔ اس نے قاتلین حسینؓ میں سے جو لوگ کوفہ میں تھے، انہیں چن چن کر مروا دیا۔ بعد ازاں اس نے لوگوں کو خطاب کیا اور اپنے خطبہ میں کہا:۔

''تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جس نے اپنے ولی (دوست) سے اپنی مدد کا وعدہ فرمایا، اپنے عدو (دشمن) کے لئے محرومی و ناکامی مقدر کی اور اسے انتہاء دنیا تک کے لئے قضاء مبرم و عہد محکم قرار دیا۔ لوگو! ہم نے پکارنے والے (داعی) کی پکار کو سنا اور اس کی بات کو قبول کیا۔ چنانچہ کتنے باغی مرد اور باغی عورتیں اور مقتولین ہیں سوائے اللہ کے بندو! ہدایت (یافتہ) کی بیعت اور دشمنوں سے جہاد کی طرف جلد آؤ! مجھے حرام کو حلال کرنے والوں پر مسلط کیا گیا ہے اور میں خاتم النبیین کے نواسہ (حضرت حسینؓ) کے خون کا بدلہ لینے والا ہوں۔''

اس کے بعد مختار منبر سے اترا اور اپنے افسر شرط (پولس افسر) کو عمر بن سعد کے گھر روانہ کیا۔ اس نے اس کو اور اس کے بیٹے جعفر کو قتل کر کے ان کے سر اس کے سامنے پیش کئے (صحیح یہ ہے کہ عمر بن سعد اور اس کے بیٹے کو مختار کے روبرو قتل کیا گیا تھا۔ دیکھئے تاریخ طبری ج ۵ ص ۶۱،

مگر عمر بن سعد کے بیٹے کا نام حفص ہے نہ کہ جعفر) یہ جعفر بن عمر بن سعد، مختار کی بہن کا بیٹا تھا۔ مختار نے کہا کہ عمر بن سعد کا سر، حضرت حسینؓ کے سر کے بدلہ میں اور اس کے بیٹے کا سر حضرت حسینؓ کے بڑے بیٹے (علی اکبر بن حسینؓ بن علیؓ) کے سر کے عوض ہے۔ بعد ازاں اس نے ابراہیم بن اشتر کو چھ (۶) ہزار سپاہ کے ہمرکاب عبید اللہ بن زیاد سے جنگ کی غرض سے روانہ کیا۔ اس وقت ابن زیاد ''موصل'' کے مقام پر اسی (۸۰) ہزار شامی سپاہ کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ (اموی خلیفہ) عبد الملک بن مروان (۷۳ھ تا ۸۶ھ) نے اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا (اور اسے عراق پر پیش قدمی کرنے کا حکم دیا تھا) ان دونوں لشکروں کا ''دروازہ، موصل'' پر مقابلہ ہوا اور شامی لشکر کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ میدان جنگ میں ان کے ستر (۷۰) ہزار سپاہ کھیت رہے۔ عبید اللہ بن زیاد اور (شامی سورما) حصین بن نمیر سکونی لڑائی میں کام آئے، اور ابراہیم نے ان کے سر مختار کے پاس بھیج دیئے۔

## مختار کے سجع:

جب مختار کا کوفہ، جزیرہ، عراقین (کوفہ و بصرہ، صحیح یہ ہے کہ مختار کا بصرہ پر کبھی قبضہ نہیں ہوا) پر ارمینیہ کے حدود تک قبضہ مکمل ہو گیا اور وہ ان علاقوں کا حاکم بن گیا، تو اس کے بعد وہ کاہن (پیش گوئیاں کرنے والا اور غیب کی خبر دینے والا) ہو گیا اور پیشین گوئیاں کرنے لگا۔ کاہنوں کی طرح سجع (پُر تکلف و مقفٰی عبارتیں) بنانے لگا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ مختار نے جو اسجاع (سجع کی جمع) وضع کیے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

''اماو الّذی اَنزلَ القرآن و بَیَّنَ الفرقان وشَرَعَ الادیان و کَرِہَ العصیان، لَا قْتُلَنَّ الْبغاۃَ مِن اَزدِ عُمانٍ وَ مَذْحجَ وَھَمَدان و نَھَد و خَولان و بکرٍ و ھَزّان و ثُعلَ و نبھان وَ عَبَسَ وَ ذُبیان و قیس عَیلان۔''

لیکن قسم ہے اس ذات کی جس نے قرآن نازل کیا، فرقان کو واضح کیا،

ادیان کی تشریح کی اور عصیان کو سخت ناپسند فرمایا، میں ازدعمان، مذحج، ہمدان، ہند، خولان، بکر، ہزان، ثعل، نبہان، عبس، ذبیان اور قیس عیلان کے سرکشوں اور باغیوں کو ضرور ضرور قتل کردوں گا۔

مختار نے اس کے بعد کہا:

"وحقِّ السميعِ العليمِ، العليِّ العظيمِ، العزيزِ الحكيمِ، الرحمٰن الرحيمِ، لَأُعَرِّكَنَّ عَرْكَ الأدِيمِ، أشرافَ بني تميمِ"۔

قسم اللہ کی، کہ سمیع ہے، علیم ہے اعلیٰ ہے، عظیم ہے، غالب ہے، دانا ہے، رحمان ہے اور رحیم ہے، میں بنو تمیم کے معززین کو ضرور ضرور اس طرح رگڑ رگڑ کر مٹادوں گا جیسے چمڑے کو رگڑا جاتا ہے۔

جب مختار کے ان واقعات وحالات کی محمد بن حنفیہ کو اطلاع ملی اور دین میں فتنہ وفساد برپا ہونے سے ان میں تشویش ہوئی، تو انہوں نے بنفس نفیس عراق (کوفہ) آنے کا قصد کیا، تاکہ وہ لوگ جنہوں نے ان کی امامت کی بیعت کی ہے، ان کے گرد جمع ہوجائیں (اور کسی فتنہ کے اٹھ کھڑے ہونے کا امکان باقی نہ رہے)۔ مختار کو جب اسکی خبر ہوئی تو اسے یہ ڈر ہوا کہ محمد بن حنفیہ کی عراق (کوفہ) آمد سے اس کی حکومت ختم ہوجائیگی (اس لئے اس کا توڑ کرنے اور انہیں عراق آنے سے روکنے کی غرض سے) اس نے اپنے لشکریوں سے کہا: "ہم "المہدی" (محمد بن حنفیہ) کی بیعت پر ثابت قدم ہیں۔ مگر "المہدی" کی ایک "نشانی" یہ ہے کہ ان پر تلوار کا وار کیا جائے اور اس سے ان کی جلد نہ کٹے اور تلوار ان پر اثر نہ کرے تو وہ مہدی برحق ہیں۔ مختار کی اس بات کی محمد بن حنفیہ کو بھنک پڑ گئی، انہوں نے اپنی کوفہ آمد منسوخ کردی اور اس خوف سے کہ کہیں مختار انہیں کوفہ میں مروانہ دے مکہ ہی میں مقیم رہے۔

### مختار کا دعویٰ نبوت:

بعد میں روافض کے گروہ "غلاۃ" (غالی انتہاء پسند) نے، کہ ابن سبا کے پیرو اور "سبیّہ" کہلاتے ہیں، مختار کو مکر وفریب سے یہ باور کرایا کہ وہ "اس زمانہ کی حجت" (حجۃ ھذا الزمان)

ہے اور انہوں نے اس کو نبوت کی دعویٰ پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے مخصوص اصحاب کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا، اور یہ کہا کہ اس پر ''وحی'' نازل ہوتی ہے۔ اور اس نے بعد از اں سجع'' کے انداز میں کہا:۔

"امّا و ممشي السحاب ٥ الشديدِ العقاب ٥ السريعِ الحساب ٥ العزيزِ الوهاب ٥ القديرِ الغَلاّب ٥ لَأ نبيّنَّ قبرَابنِ شهاب ٩ اِ٥ المفترِي الكذّاب ٥ المجرم المرتاب، ثُمّ وربِّ العالمين ٥ وربِّ البلدِ الامين ٥ لَأُقتلَنَّ الشاعرَ المهين ٥ وراجزَ المارقين ٥ و اولياء الكافرين ٥ و اعوان الظالمين ٥ وإخوانَ الشياطين، الذينَ اجتمعوا علٰى الاباطيلِ ٥ و تَقَوَّ لوا عليَّ الا قاويل، وليس خطابي الالِذوی الاخلاقِ الحمیدة ٥ والافعالِ السدیدة ٥ والآراءِ العتیدة ٥ والنفوسِ السعیدة ٥ "

قسم ہے اس کی جو بادلوں کو چلاتا ہے، سخت سزا دیتا ہے، جلد حساب لیتا ہے، غالب اور عطاء کرنے والا ہے، قدرت والا اور بہت بڑا غلبہ پانے والا ہے، میں ابن شہاب کی قبر ضرور کھود دوں گا، کہ مفتری اور جھوٹا ہے، مجرم اور شک کرنے والا ہے پھر قسم ہے اہل عالم کے رب کی، مکہ کے شہر کے رب کی، میں ضرور قتل کروں گا ذلیل شاعر کو، جو دین سے باہر نکل جانے والوں کا رجز خواں ہے وہ لوگ کافروں کے دوست، ظالموں کے مددگار، شیاطین کے بھائی ہیں، کہ جھوٹ باتوں پر متفق ہوگئے ہیں، مجھ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں اور نہیں ہے میرا خطاب مگر ستودہ اخلاق والوں، درست افعال والوں، عمدہ آراء والوں اور با سعادت نفوس کے لئے۔

مختار نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں کہا:۔

"الحمدُ اللّٰهِ الذی جعلنی بصیراً ٥ ونور قلبی تنویراً ٥

تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کے لئے جس نے مجھے صاحب بصارت بنایا، میرے قلب کو روشن کیا۔

والله لا حرقن بالمصر دُوراً ○ والأ نبشَنَّ بها قُبوراً ○ ولأ شفِيَنَّ منها صدوراً ○ و كفٰى باللّٰهِ هادِياً و نَصِيراً ○

قسم ہے اس اللہ کی، میں شہر (کوفہ) کے بہت سے گھروں کو جلوا دوں گا، وہاں بہت سی قبروں کو کھدوا کر ان کے مردوں کو نکلوالوں گا، یوں اپنے پیروں کے سینوں کو شفا عطاء کروں گا۔ اللہ ہادی و مددگار کے بطور کافی ہے۔

بعد ازاں اس نے قسم کھا کر کہا:۔

برَبِ الحرم ○ والبيتِ المحرَّم ○ والركنِ المكرَّم ○ والمسجدِ المعظَّم ○ وحقِّ ذِی القلم ○ لَيُر فعنّ لی عَلَم ○ مِن هنا الٰى اِضم ○ ثمَّ اِلىٰ اكنافِ ذی سَلَم ○ "

قسم ہے حرم کعبہ کے رب کی، بیت حرام کے رب کی، رکن مکرم کے رب کی، مسجد معظم کے رب کی، اور قسم ہے صاحب قلم کی میرے لئے علَم ضرور بالضرور بلند کئے جائیں گے، یہاں (کوفہ) سے اضم (جبل مکہ) تک پھر مکہ (کی وادیٔ) ذی سلم کے اطراف و جوانب تک۔

مختار نے مزید کہا:۔

"امَّا و ربُّ السماء ○ لتنزلَنَّ نارٌ من السماء ○ فلتحرقَنَّ دار اسماء ○

آسمان کے پالنے والے کی قسم، آسمان سے ایک آگ ضرور اترے گی، جو اسماء کے گھر کو جلا کر خاک سیاہ کر دے گی۔

مختار کا یہ سجع (کوفہ کے قیسی سردار) اسماء بن خارجہ (فزاری) تک پہنچا تو اس نے کہا: "ابواسحاق (مختار) نے یہ سجع میرے متعلق کہا ہے اور وہ عنقریب میرے گھر کو جلوا دے گا۔" یہ کہہ کر اسماء اپنے گھر سے بھاگ نکلا۔ مختار نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر اسماء کے گھر کو رات

میں جلوادیا اور یہ ظاہر کیا کہ آسمان سے ایک آگ اتری اور اس نے اسماء کے گھر کو جلا دیا ہے۔

## مختار کے خلاف بغاوت:

جب مختار نے کہانت کا ڈھونگ رچایا، تو کوفہ والوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ ''فرقہ سبئیہ'' اور اہل کوفہ کے غلام اس کی حمایت میں جمع ہو گئے۔ ان غلاموں سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں ان کے آقاؤں کے مال واسباب دے دے گا۔ ان لوگوں سے مل کر مختار نے اپنے خلاف خروج کرنے والوں سے جنگ کی اور کامیاب رہا۔ مخالفین کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور ایک بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا۔ انہیں گرفتار شدگان میں سراقہ بن مرداس البارقی نامی شخص بھی تھا۔ اسے مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ البارقی ڈرا کہ کہیں مختار اسے قتل نہ کرا دے، اس لئے اس نے ان لوگوں سے جنہوں نے اسے گرفتار کیا تھا، اور مختار کے پاس لائے تھے، کہا: ''نہ تم لوگوں نے مجھے گرفتار کیا ہے اور نہ تم نے اپنی تیاری سے مجھے شکست دی ہے۔ ہمیں تو ان فرشتوں نے شکست دی ہے، جنہیں ہم نے تمہارے لشکر کے سروں پر ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھا تھا۔'' مختار کو اس کی یہ بات بہت اچھی لگی اور اسے رہا کر دیا۔ آزاد ہو کر البارقی بھاگ کر (بصرہ کے زبیری گورنر) مصعب بن زبیرؓ (م ۷۲ھ) کے ہاں بصرہ چلا گیا اور وہاں سے یہ اشعار مختار کو لکھ بھیجے۔

''ابواسحاق (مختار) کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں نے ابلق، شب دیز اور یک رنگ گھوڑے دیکھے۔

میری دونوں آنکھوں کو وہ دکھایا گیا جو انہوں نے نہ دیکھا تھا۔ ہم دونوں ہی باطل چیزوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے تمہاری ''وحی'' کا انکار کیا اور یہ منت مانی ہے کہ موت آنے تک تم سے جنگ کرتا رہوں گا۔''

## مختار کا خاتمہ:

مختار نے اللہ عزوجل پر ''البداء'' کے جواز کا جو عقیدہ ظاہر کیا، اس کا سبب یہ ہے کہ

جب ابراہیم بن اشتر کو یہ خبر ملی کہ مختار ''کاہن'' ہونے کا مدعی اور اپنے پر نزول وحی کا قائل ہے، تو اس نے اس کی مدد و نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا، اور ''جزیرہ'' کے علاقہ پر مستولی ہوگیا۔ جب مصعب بن زبیر کو یہ پتا لگا کہ اب ابراہیم بن اشتر مختار کی مدد نہ کرے گا تو اس کے دل میں مختار کو مغلوب کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسی اثناء میں عبیداللہ بن حر جعفی، محمد بن اشعث کندی اور کوفہ کے اکثر رؤساء جو مختار سے اس بناء پر سخت ناراض تھے کہ اس نے ان کی جائیداد اور غلاموں پر تغلب کر لیا ہے، مصعب سے آن ملے اور اسے کوفہ پر زبردستی قبضہ کر لینے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ مصعب بصرہ سے اپنے سات (۷) ہزار فوجیوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ یہ تعداد اس کے ساتھ آ کر مل جانے والے اشراف کوفہ کے علاوہ تھی۔ مصعب نے مہلب بن ابی صفرہ کو (متوفی ۸۲ھ) جس کے ہمراہ ''ازدعمان'' کے لوگ تھے اپنے ''مقدمۃ الجیش'' کا افسر مقرر کیا، عبیداللہ بن معمر تیمی کو سواروں کے رسالہ کا افسر بنایا اور احنف بن قیس (متوفی ۷۲ھ) کو ''بنوتمیم'' کا افسر رسالہ مقرر کیا۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ملی تو اپنے ایک قائد کو جس کا نام احمد بن شمیط تھا مصعب کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس کی کمان میں اپنی فوج کے منتخب تین ہزار سپاہی کر دیئے اور ان سے یہ پیش گوئی کر دی کہ فتح انہیں کی ہوگی اور یہ کہا کہ اس پر اس مضمون کی وحی نازل ہوئی ہے۔ دونوں لشکر ''مدائن'' کے مقام پر ایک دوسرے کے مدمقابل ہوگئے، مختار کے حامیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کا سردار احمد بن شمیط اور اکثر سالار میدان جنگ میں کھیت رہے۔ جنگ کے بچے کھچے سپاہی مختار کے پاس بھاگ کر آئے اور اس سے یہ سوال کیا: ''تم نے ہم سے ہمارے دشمنوں پر فتح کا وعدہ کیوں کیا تھا؟'' مختار نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمایا تھا مگر اسے ''بداء'' ہوگیا۔ (یعنی پہلے وعدہ کی غلطی واضح ہوگئی اور اس نے مصلحت سے کام لے کر اپنا پہلا فیصلہ بدل دیا)۔ اس نے اس پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا: ''یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (سورۃ الرعد، آیت ۳۹)۔ یعنی اللہ جس بات کو چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔'' (مختار کا یہ استدلال قرآن کی معنوی تحریف ہے اور ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے مصداق ہے)۔ بہرکیف

''کیسانیہ'' اسی وجہ سے ''البداء'' کے قائل ہیں۔

بعد ازاں مختار نے کوفہ کے قریب ''مذار'' کے مقام پر مصعب سے بنفس نفیس مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جنگ میں محمد بن اشعث کندی مارا گیا اور مختار نے اس پر خوش ہو کر کہا: ''اس کے مارے جانے سے مجھے بڑی مسرت ہوئی، کیونکہ حسینؓ کے قاتلوں میں سے اس کے علاوہ کوئی زندہ نہ بچا تھا۔ اس کے بعد مجھے موت کی کوئی پروا نہیں۔'' اس جنگ میں آخر کار مختار اور اس کے حامیوں کو ہزیمت ہوئی۔ اور یہ لوگ کوفہ کے ''دارالامارت'' تک پسپا ہوئے۔ یہاں مختار اپنے چار سو آدمیوں کے ساتھ محصور ہو گیا۔ مصعب نے یہاں ان لوگوں کا تین روز تک محاصرہ جاری رکھا۔ جب مختار اور اس کے پیروکاروں کا سامانِ خورد و نوش ختم ہو گیا، تو چوتھے روز وہ لوگ جان پر کھیل کر اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ''قصرِ امارت'' سے باہر نکلے۔ یہ سب کے سب مارے گئے، انہیں مرنے والوں میں مختار بھی تھا۔ مختار کو طارف اور طریف نامی دو بھائیوں نے جو قبیلہ بنی حنیفہ کے عبداللہ بن دجاجہ نامی شخص کے بیٹے تھے، قتل کیا۔ اعشیٰ ہمداں شاعر نے اس کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے۔

''مجھے خبر دی گئی، اور خبریں پھیلتی ہی رہتی ہیں، ان غم انگیز واقعات کی، جن سے ''مذار'' کے مقام پر لوگ دوچار ہوئے۔

مجھے میری قوم کی بربادی اور ہلاکت سے کوئی خوشی نہ ہوئی، ہر چند کہ وہ لوگ تیرے حق کی قسم نقصان میں رہے۔

لیکن مجھے واقعی بڑی مسرت ہوئی، ابو اسحاق (مختار) کے رسوائی، ذلت و عار سے ہم کنار ہونے کی وجہ سے۔''

''کیسانیہ'' جو اللہ تعالیٰ پر ''البداء'' کے جواز کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کا یہ مفصل بیان ہے۔

## کیسانیہ میں اختلافات:

''کیسانیہ'' میں سے جو لوگ محمد بن حنفیہ کی رجعت کے منتظر ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں

کہ وہ اس وقت تک ''جبل رضویٰ'' میں اسیر ہیں، جب تک کہ (اللہ کی طرف سے) انہیں وہاں سے نکلنے کی اجازت نہ ملے، اس امر میں باہم دگر مختلف الخیال ہیں۔ وہ لوگ اس بارے میں بھی کہ انہیں ''جبل رضویٰ'' میں کیوں اسیر کیا گیا ہے، مختلف اسباب بیان کرتے ہیں۔

ان ''کیسانیہ'' میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ کا یہ راز ہے اور اسے وہی جانتا ہے۔ اور ان کے اسیر ہونے کا سبب معلوم نہیں۔

بعض ''کیسانیہ'' کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے محمد بن حنفیہ کو قید کی سزا اس لئے دی ہے کہ وہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید بن معاویہؓ کے ہاں گئے، اس سے اپنے لئے امان طلب کی اور اس سے عطیہ حاصل کیا تھا۔ (ان کی اسیری کا) دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کے خوف سے مکہ سے بھاگ کر (اموی خلیفہ) عبدالملک بن مروان کے پاس جانے کا قصد کر رہے تھے۔ ان کیسانیہ کا یہ کہنا ہے کہ محمد بن حنفیہ کے ساتھی عامر بن واثلہ کنانی ؒ ان کے ساتھ روانہ ہوئے اور اس سفر کے دوران ان کے پیروؤں سے کہا: ''اے میرے بھائیو! اے میرے شیعوں! دور نہ ہوجیو، ''المہدیٰ'' کی مدد و نصرت کرو تاکہ تم رہ راست پا سکو۔ بھلائیوں کے محمد! اے محمد (ابن حنفیہ) آپ طاہر اور رہ راست پر گامزن و ہدایت یافتہ امام و پیشوا ہیں۔ نہ ابن زبیر، کہ سامری (یہودی ساحر) اور ملحد (کافر) ہے اور نہ ہی وہ جس کے ہاں ہم جانے کا قصد و ارادہ کر رہے ہیں، برحق و ہدایت یافتہ امام و پیشوا ہیں۔''

ان ''کیسانیہ'' نے کہا کہ محمد بن حنفیہ پر لازم تھا کہ وہ ابن الزبیرؓ سے قتال کرتے، مگر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ابن الزبیر سے قتال نہ کر کے اللہ کی نافرمانی کی، اسی طرح انہوں نے عبدالملک بن مروان کے ہاں بھاگ کر چلے جانے کا ارادہ کر کے بھی گناہ کا ارتکاب کیا۔ اسی طرح وہ اس سے پہلے یزید بن معاویہ کے ہاں جا کر اللہ کے حکم سے سرتابی کا جرم کر چکے تھے۔ بعدازاں عبدالملک بن مروان کے ہاں جانے کے بجائے وہ طائف چلے گئے۔ اسی اثناء میں وہاں عبداللہ بن عباس نے انتقال کیا اور انہیں ابن حنفیہ نے طائف میں دفن کیا۔ اور وہاں سے مقام ''الذر'' چلے آئے، جب وہ جبل رضویٰ کی گھاٹی میں پہنچے تو ان کیسانیہ

میں اختلاف پیدا ہوا۔ جو لوگ ان کی موت کے قائل ہیں انہوں نے کہا کہ وہ وہیں مر گئے۔ اور جو لوگ ان کی ''رجعت'' کے منتظر ہیں انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اللہ نے ان کو وہیں قید کر کے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا ہے۔ اور ایسا ان گناہوں کی پاداش میں کیا ہے۔ جنہیں ''کیسانیہ'' نے ان کی جانب منسوب کیا ہے۔ یہ قید اس وقت تک رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو وہاں سے نکلنے اور حکومت کے خلاف ''خروج'' کرنے کی اجازت نہ مل جائے گی۔ اور یہی محمد بن الحنفیہ ''مہدیٔ منتظر'' ہیں۔

## ج۔ فرقہ الامامیہ

شیعوں کا ''فرقہ امامیہ'' جو ''فرقہ زیدیہ''، ''فرقہ کیسانیہ'' اور ''فرقہ غلاۃ'' کا مخالف اور ان کے خلاف عقائد رکھتا ہے، پندرہ گروہوں اور فرقوں میں بٹ گیا ہے۔ یہ فرقے ''الکاملیہ''، ''المحمدیہ''، ''الباقریہ''، ''الناووسیہ''، ''الشمیطیہ''، ''العماریہ''، ''الاسماعیلیہ''، ''المبارکیہ''، ''الموسویہ''، ''القطعیہ''، ''الاثناعشریہ''، ''الہشامیہ''، ''الزراریہ''، ''الیونسیہ'' اور ''الشیطانیہ'' ہیں۔ (ہم ذیل میں ان فرقوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں):

### ا۔ الامامیہ کا فرقہ الکاملیہ:

یہ لوگ ابو کامل نامی شخص کے پیروکار ہیں۔ اس کا عقیدہ تھا کہ صحابہ کرامؓ حضرت علیؓ کی بیعت نہ کر کے کافر ہو گئے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے جنگ نہ کر کے کفر کا ارتکاب کیا، حالانکہ ان کو ان لوگوں سے اسی طرح قتال کرنا ضروری تھا، جس طرح اہل صفین (حضرات معاویہؓ و عمرو بن عاصؓ) سے قتال ضروری تھا۔ بشار بن برد[۱] نامی شاعر کہ آنکھوں کا اندھا تھا، یہی عقیدہ رکھتا تھا، روایت ہے کہ بشار سے دریافت کیا گیا کہ صحابہؓ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ سب کے سب کافر ہو گئے۔ پھر اس سے پوچھا

گیا کہ حضرت علیؓ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اس نے شاعر (عمرو بن کلثوم تغلبی) کا یہ شعر اس کے جواب میں پڑھا۔

''اے اُمّ عمرو (محبوبہ) تیرا ساتھی جسے تو جام ے نہیں دے رہی ہے، تینوں میں سب سے بُرا نہیں ہے۔''

عقائد پر لکھنے والے مصنفین نے بشار کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے صحابہ کرامؓ اور حضرت علیؓ کی تکفیر پر دو دوسری گمراہیوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ روز قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئے گا۔ یہ خیال روافض کے اس گروہ کے مطابق ہے جو ائمہ کی رجعت (واپسی) کے قائل ہیں۔ بشار کی دوسری گمراہی یہ ہے کہ وہ ابلیس کی اس بات کو کہ آگ (نار) مٹی (ارض) سے افضل ہے، درست اور صحیح سمجھتا تھا۔ بشار کے اس شعر سے اس کی اس گمراہی پر مصنفین عقائد نے استدلال کیا ہے۔

''مٹی تیرہ و تار ہے جبکہ آگ رخشاں و تاباں ہے۔ آگ جب سے آگ ہوئی معبود ہے اور اسے پوجا جاتا ہے۔''

صفوان انصاری نے بشار کی تردید میں ایک قصیدہ کہا ہے۔[۲۳]

اس طرح حماد[۲۴] عجرد شاعر نے بھی بشار بن برد کی ہجو کہی ہے۔ اس میں یہ شعر بھی ہے۔

''اے کہ بندر سے بھی زیادہ بدصورت
اور وہ بھی اس وقت جب وہ بندر آنکھوں سے اندھا ہو۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ بشار کو حماد عجرد کے کسی شعر سے اتنی تکلیف نہ پہنچی جتنی کہ اس شعر سے ہوئی اور بولا وہ مجھے دیکھتا ہے، سو میری شکل اور میرے سراپا کا بیان کرتا ہے، لیکن میں اسے دیکھ نہیں سکتا کہ اس کی تصویر کشی کروں۔

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ ''الکاملیہ'' دو اسباب سے کافر ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ لوگ تمام صحابہ کرامؓ کو بلا استثناء کافر سمجھتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ لوگ آگ (نار) کو زمین (ارض) سے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں۔

ہم نے بشار بن برد کے بعض رسوا کن افکار و افعال کا ذکر کیا۔ اللہ نے اس کے ساتھ وہی کچھ کیا جس کا وہ مستحق تھا۔ اور واقعہ یہ ہوا کہ اس نے خلیفہ المہدی کی ہجو لکھی، چنانچہ اسے دریائے دجلہ میں غرق کرا دیا گیا۔ یہ اس کی دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور اس کی گمراہی کے پیروکاروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

## ۲۔ الامامیہ کا فرقہ المحمدیہ:

یہ لوگ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کی رجعت کے منتظر ہیں اور اس کی موت یا قتل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ''نجد'' کے پہاڑ ''حاجر'' میں اس وقت تک روپوش ہے جب تک کہ اسے وہاں سے باہر آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ مغیر بن سعید عجلی ''تشبیہہ'' سے متعلق اپنے گمراہ کن عقیدہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیروؤں سے کہتا تھا کہ ''مہدیٔ منتظر'' یہی محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ہے۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اس کا نام ''محمد'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اور اس کے والد ''عبداللہ'' کا نام جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کے نام کی طرح ہے اور حدیث میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مہدی کا نام میرے نام کی طرح اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام جیسا ہوگا۔'' جب اس محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے اپنی امامت کی ''دعوت'' ظاہر کی تو وہ مکہ اور مدینہ پر قابض ہوگیا۔ اور اس کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے بصرہ پر قبضہ کرلیا۔ (ایک عرصہ کے بعد) ان کے تیسرے بھائی ادریس بن عبداللہ نے ''المغرب'' (شمالی افریقہ) کے کچھ علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرلیا (محمد بن عبداللہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی یہ بغاوت عباسی خلیفہ) ابوجعفر المنصور (۱۳۶ھ۔ ۱۵۸ھ) کے عہد خلافت میں ہوئی۔ چنانچہ المنصور نے محمد بن عبداللہ سے جنگ کرنے کی غرض سے (اپنے بھتیجے) عیسیٰ بن موسیٰ (بن محمد بن علی) کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ محمد سے مدینہ کے قریب مصاف ہوا اور محمد مارا گیا۔ بعد ازاں اسی عیسیٰ بن موسیٰ کو ابراہیم بن عبداللہ کے مقابلہ میں بصرہ روانہ کیا گیا۔ جنگ ہوئی اور عباسی افواج نے ابراہیم کو کوفہ (صحیح بصرہ) سے سولہ (۱۶) میل کے

فاصلہ پر واقع مقام ''حمرین'' (صحیح باخمریٰ) کے دروازہ پر قتل کر دیا۔ اسی فتنہ میں ''المغرب'' (شمالی افریقہ) میں ادریس بن عبداللہ نے جان دی۔ یہ بھی روایت ہے کہ ادریس کو زہر دے دیا گیا تھا۔ ان تینوں بھائیوں کے والد عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب) نے منصور کے قید خانہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کی قبر بنام ''قادسیہ'' میں ہے جہاں زائرین زیارت کی غرض سے آتے رہتے ہیں۔ ۲۵

جب محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو مدینہ میں قتل کر دیا گیا تو اس کے تعلق سے ''المغیریہ'' دو فرقوں میں منقسم ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ نے اس کی موت کا اقرار کیا اور مغیرہ بن سعید عجلی سے اپنی برائت کا اظہار کیا اور کہا کہ اس نے یہ کہہ کر کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی ''مہدی'' ہیں جو دنیا پر حکومت کریں گے، جھوٹ کا ارتکاب کیا کیونکہ یہ محمد مار ڈالے گئے اور دنیا پر اس نے حکومت نہیں کی۔

۲۔ ان کا دوسرا فرقہ مغیرہ بن سعید عجلی کی ''موالات' (حمایت، دوستی) پر ثابت قدم رہا اور کہا کہ اس نے سچ کہا ہے کہ ''مہدی'' محمد بن عبداللہ ہے۔ وہ مارے نہیں گئے بلکہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں اور ''نجد'' کے مضافات میں واقع کوہ ''حاجر'' میں مقیم ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں وہاں سے باہر آنے کا حکم دیا جائے گا، وہ وہاں سے نکل کر دنیا پر حکمرانی کریں گے۔ ان کی بیعت ''مکہ'' میں ''رکن'' (یمانی) اور ''مقام'' (ابراہیم) کے درمیان لی جائے گی۔ اس کے لئے (۱۷) مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کو ''اسم اعظم'' کا ایک ''حرف'' عطاء کیا جائے گا۔ جس سے یہ لوگ دشمنوں کے جتھوں کو شکست دے دیں گے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس شخص کو عیسیٰ بن موسیٰ (عباسی) کے لشکر نے قتل کیا تھا۔ وہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی نہ تھا۔

اس فرقہ کو ''المحمدیہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ محمد بن عبداللہ کی واپسی (رجعت) کا انتظار کر رہے ہیں۔ جابر بن یزید جعفی (متوفی ۱۲۷ھ۔۱۳۳ھ) کا تعلق اس مذہب سے تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیامت سے پہلے ہی مردے، دنیا میں واپس آ جائیں گے۔ اس فرقہ کے ایک

شاعر نے اس کا یوں اظہار کیا ہے۔

''اس دن تک کہ لوگ اپنی دنیا میں، قیامت سے پہلے واپس آ جائیں گے۔''

(عبدالقاہر مصنف کتاب کہتے ہیں کہ) اس فرقہ کے بارے میں ہمارے فضلا کہتے ہیں کہ ۔

اگر تم لوگ اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ جو شخص مدینہ میں قتل کیا گیا وہ محمد بن عبداللہ کے علاوہ کوئی اور تھا اور تم اس بات کو بھی درست قرار دیتے ہو کہ وہاں جو قتل ہوا وہ شیطان تھا جو لوگوں کے سامنے محمد بن عبداللہ کے روپ میں ظاہر ہوا، تو اس بات کو بھی صحیح مان لو کہ ''کربلاء'' میں جو حسینؓ اور ان کے ساتھی مارے گئے۔ وہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سوا دوسرے لوگ تھے۔ وہ دراصل شیطان تھے جو لوگوں کے سامنے حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ چنانچہ تم لوگوں پر لازم ہے کہ جس طرح محمد بن عبداللہ کی رجعت کے منتظر ہو، اسی طرح حسینؓ کی رجعت کا انتظار کرو۔ یا پھر تم لوگ اپنے ساتھی ''سبیئہ'' کی طرح جو حضرت علیؓ کی واپسی کے منتظر ہیں، ان کی رجعت کا انتظار کرو۔ ان ''سبیئہ'' کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بادلوں میں ہیں، اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے جسے قتل کیا تھا وہ شیطان تھا۔ جو لوگوں کے سامنے حضرت علیؓ کے روپ میں ظاہر ہوا تھا۔ اور یہ ایسا اعتراض ہے جس سے ان لوگوں کے لئے کوئی برائت کی گنجائش نہیں ہے۔ اس پر اللہ کی حمد و شکر واجب ہے۔ (اور اس عقیدہ فاسدہ رکھنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو)۔

### ۳۔ الامامیہ کا فرقہ الباقریہ:

یہ فرقہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں نے امامت کو حضرت علیؓ کی اولاد میں محمد بن علی المعروف بہ باقر تک منتہی کہا ہے۔ [۲۶] ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد اپنے صاحب زادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی امامت پر نص کی (امام مقرر کیا)، حضرت حسنؓ نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی امامت پر نص کی، حضرت حسینؓ نے اپنے بیٹے جناب علی بن حسین زین العابدین کی امامت پر نص کی اور جناب زین العابدین نے اپنے بیٹے محمد بن علی المعروف بہ ''باقر'' کی امامت پر نص کی۔ ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق وہی

''المہدی المنتظر'' ہیں، کیونکہ ان لوگوں کی ایک روایت کی رو سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''تم اسے (مہدی منتظر) کو دیکھو گے اور انہیں میرا سلام پہنچا دینا۔'' حضرت جابرؓ مدینہ میں وفات پانے والے صحابہؓ میں آخری شخص تھے اور اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ وہ مدینہ میں پیدل چلتے تھے اور پکارتے تھے: ''اے باقر! اے باقر! میں تم سے کب ملوں گا؟'' وہ ایک روز مدینہ کی کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ انہیں ایک باندی نے ایک بچہ دیا جو اسکی گود میں تھا، اس سے جناب جابرؓ نے پوچھا یہ کون ہے؟ لونڈی بولی یہ محمد بن علی بن حسین بن علی ہیں۔ یہ سن کر حضرت جابرؓ نے بچہ کو اپنے سینے سے لگا لیا، سر اور ہاتھ چومے اور کہا: ''اے میرے بیٹے! تمہارے نانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں سلام کہتے ہیں۔'' جناب جابرؓ نے یہ بھی کہا: ''تم نے میری موت کی خبر سنا دی۔'' چنانچہ وہ اسی رات میں مر گئے۔

اس طریقہ سے الباقریہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام محمد الباقر کو سلام کہلایا، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ ''المہدی المنتظر'' ہیں۔ ہم (مصنف کتاب) اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا۔ ''اویس ۲۷ کو ہمارا سلام پہنچانا۔'' مگر اس سے ان کا مہدیٔ منتظر ہونا ثابت نہیں ہوا اور کوئی انہیں ایسا نہیں مانتا، اس کے برخلاف امام الباقر کی موت کی خبریں متواتر ہیں، جس طرح کہ اویس قرنی کے جنگ صفین میں مارے جانے کی روایات تواتر سے ثابت ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کسی کی ''رجعت'' کا انتظار صحیح نہیں ہے۔

۴۔ الامامیہ کا فرقہ الناد وسیۃ:

یہ فرقہ بصرہ کے ایک شخص نادوس ۲۸ کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امام محمد الباقر نے اپنے بعد اپنے صاحب زادہ امام جعفر الصادق ۲۹ کی امامت پر نص کی۔ وہ مرے نہیں ہیں اور وہی مہدی منتظر ہیں۔ ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگوں کے سامنے

''جعفر'' کی صورت میں ظاہر ہوا، وہ ''جعفر'' نہ تھے بلکہ لوگوں کے لئے ان کی اس صورت میں متصور ہو گئے تھے۔ اس فرقہ میں ''سبیئہ'' کی ایک جماعت بھی آ کر مل گئی اور یہ کہا کہ جناب جعفر عقلی اور شرعی علوم سے متعلق تمام دینی علوم کے عالم تھے۔ چنانچہ جب اس گروہ کے کسی شخص سے دریافت کیا جاتا ہے کہ: ''تم قرآن، یا رؤیت باری یا کسی دوسرے دین کے اصول یا فروع کے متعلق کیا کہتے ہو؟ تو اسکا جواب ہوتا ہے: ''میں ان مسائل کے بارے میں وہی کہوں گا جو امام جعفر الصادق کہتے ہیں۔''

۵۔ الامامیہ کا فرقہ الشمیطیہ:

یہ لوگ یحییٰ بن شمیط کی جانب منسوب ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں امام جعفر الصادق کی موت کے بعد امامت ان کے صاحب زادہ محمد بن جعفر کو ملی، ان کا عقیدہ ہے کہ جناب جعفر وفات پا گئے اور ان کی وصیت کے مطابق امامت میں ان کے جانشین ان کے بیٹے محمد ہوئے۔ اس کے بعد امامت ان محمد بن جعفر کی اولاد میں وراثتاً جاری رہی اور مہدی منتظر انہیں کی اولاد میں ہو گا۔

۶۔ الامامیہ کا فرقہ العمّاریہ:

یہ لوگ اپنے سردار عمار کی جانب منسوب ہیں۔ ان کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد امامت ان کے بیٹے عبداللہ بن جعفر کو تفویض ہوئی۔ یہ عبداللہ ان کی سب سے بڑی اولاد تھا اور اس کے دونوں پاؤں ٹیڑھے اور الٹے (افطح) تھے۔ اسی لئے اس کے متبعین کو ''الافطحیہ'' کہا جاتا ہے۔

۷۔ الامامیہ کا فرقہ الاسماعیلیہ[۳۰]:

ان لوگوں نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ امام جعفر صادق کے بعد امامت ان کے بیٹے اسماعیل کو ملی۔ بعد میں ان کے دو فرقے ہو گئے۔

ا۔ ایک گروہ اسماعیل بن جعفر کی رجعت کا منتظر ہے، حالانکہ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں مر گئے تھے۔

ب۔ دوسرے گروہ نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ امام جعفر صادق کے بعد اُن کا پوتا محمد بن اسماعیل منصب امامت پر فائز ہوا۔ کیونکہ امام جعفر الصادق نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنے بعد امام مقرر کیا تھا، لیکن جب اسماعیل باپ کی زندگی میں مر گئے تو ہم نے دلالتہً یہ جان لیا کہ امام جعفر الصادق نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اس کے بیٹے محمد بن اسماعیل کی امامت کی دلالت کے لئے امام مقرر کیا تھا۔ اسی عقیدہ پر "الباطنیہ" کے "الاسماعیلیہ" قائم ہیں۔ ہم ان لوگوں کا فرقہ ہائے غلاۃ کے زمرے میں ذکر کریں گے۔

## ۸۔ الامامیہ کا فرقہ الموسویہ:

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ بن جعفر امام ہوئے۔ ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق یہ موسیٰ مرے نہیں ہیں، بلکہ زندہ ہیں، اور وہی مہدی منتظر ہیں۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ "یہ موسیٰ (عباسی خلیفہ ہارون) الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کے قصر میں داخل ہوئے۔ مگر وہاں سے باہر نہ آئے، ہم ان کی امامت کے قائل ہیں، مگر ان کی موت میں ہمیں شک ہے۔ اس لئے ہم ان کی موت کے بارے میں یقین سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔" اس فرقہ سے پوچھا گیا "کہ اگر تمہیں ان کی حیات و موت سے متعلق شک و شبہ ہے، تو تم پر لازم ہے کہ ان کی امامت پر بھی شک و شبہ ظاہر کرو اور یہ بات یقین کے ساتھ نہ کہو کہ وہ باقی ہیں اور وہی "مہدی منتظر" ہیں۔ کیونکہ تمہیں یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کا مزار بغداد کے مغربی حصہ میں معروف و مشہور ہے اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔"

اس فرقہ کو "الموسویہ" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جناب موسیٰ کی رجعت کے منتظر ہیں۔ ان لوگوں کو "الممطورۃ" کا نام بھی دیا جاتا ہے، کیونکہ یونس بن عبدالرحمٰن قمی جو شیعوں کے فرقہ "القطعیہ" سے تعلق رکھتا تھا اس نے "الموسویہ" کے کچھ لوگوں سے مناظرہ کیا اور گفتگو کے دوران کہا: "تم لوگ میری نگاہ میں "بارش زدہ کتوں" سے بھی زیادہ ذلیل ہو۔" (الکلاب الممطورۃ: بارش میں بھیگا ہوا کتا) [۳۱]۔

**۹۔ الامامیہ کا فرقہ البارکیہ:**

اس فرقہ کے لوگ ''الباطنیہ'' کی طرح محمد بن اسماعیل بن جعفر کی اولاد میں ''امامت'' کے معتقد ہیں۔ حالانکہ علماء انساب نے اپنی کتابوں میں یہ بات بالاتفاق لکھی ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر لاولد مرے اور ان کی نسل باقی نہیں رہی۔

**۱۰۔۱۱۔ الامامیہ کا فرقہ القطعیہ (والاثنا عشریہ):**

ان لوگوں کے نزدیک امام جعفر الصادق کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ امام ہوئے۔ موسیٰ کی موت کے یہ لوگ قطعیت کے ساتھ قائل ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے بعد محمد بن حسن امام ہیں جو علی بن موسی الرضا کے پوتے ہیں۔ ان لوگوں کو ''الاثنا عشریہ'' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نسل کا بارہواں شخص ہی ''امام منتظر'' ہے۔ ان کے ہاں اس بات پر کہ امام کی موت کے وقت اس بارہویں امام کی عمر کیا تھی، اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کے خیال میں ان کی عمر چار (۴) سال تھی جبکہ بعض دوسروں کے نزدیک وہ آٹھ (۸) سال کے تھے۔

اس بارے میں بھی کہ اس وقت ان کی حیثیت کیا تھی، ان لوگوں کے مابین اختلاف رائے ہے۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ وہ اس کم سنی میں بھی امام تھے اور تمام وہ امور جن کا امام کے لئے جاننا ضروری ہے، وہ انہیں جانتے تھے۔ اور لوگوں پر ان کی اطاعت فرض تھی۔ ایک دوسرے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس معنی میں صغرسنی کے وقت بھی امام تھے کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص امام نہ تھا۔ اور اس وقت سے ان کے سن بلوغ کو پہنچنے تک احکام کے اجراء و نفاذ کی ذمہ داری ان کے مذہب کے علماء پر تھی۔ جب وہ بالغ ہوگئے تو ان کی امامت متحقق اور ان کی اطاعت واجب ہوگئی اور ہرچند کہ وہ غائب ہیں مگر امام وہی ہیں اور لوگوں پر ان کی طاعت واجب ہے۔۳۲

**۱۲۔ الامامیہ کا فرقہ الہشامیہ:**

''الہشامیہ'' نام کے دو فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ ہشام بن حکم رافضی کی جانب

منسوب ہے جبکہ دوسرے کی نسبت ہشام بن سالم جوالیقی کی طرف ہے۔ ان دونوں ہی فرقوں نے امامت سے متعلق اپنے پریشان خیالات کے ساتھ ''تجسیم'' اور ''تشبیہ'' کی گمراہی کو مدغم کردیا ہے''۔

ا۔ ہشام بن حکم کے عقیدہ کا بیان:

ہشام بن حکم کا عقیدہ ہے کہ اس کا معبود (اللہ) ''جسم'' ہے جس کی ''حد'' اور ''نہایت'' ہے اور وہ ''طویل''، ''عریض'' اور ''عمیق'' ہے۔ اس کا ''طول'' اس کے ''عرض'' کی طرح ہے اور اس کا ''عرض'' اس کے ''عمق'' جیسا ہے۔ وہ ''طول'' کو ''طویل'' کے سوا اور ''عرض'' کو ''عریض'' کے سوا کچھ اور ثابت نہ کرسکا اور کہا طول کی سمت اس کا جانا عرض کی جانب اس کے جانے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس نے اس عقیدہ کا بھی اظہار کیا کہ اس کا معبود ''نور ساطع'' (نور تاباں) ہے۔ کہ چاندی کے صاف وشفاف ڈلے کی طرح جگ مگ کررہا ہے اور اس موتی کے مانند ہے جو تمام اطراف سے گول ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا معبود رنگ دار (ذولون)، مزیدار (ذوطعم)، بودار (ذورائحۃ) اور چھویا جاسکتا ہے۔ اس کا لون (رنگ) اس کا طعم (مزہ) ہے، اس کا طعم اس کا رائحۃ (مہک) اور اس کی مہک (رائحہ) اس کا لمس ہے۔ وہ ''لون'' و ''طعم'' کا معبود کی ذات کے سوا کوئی اثبات نہ کرسکا۔ بلکہ یہ کہا کہ وہی (معبود) ''لون'' ہے اور وہی ''طعم'' ہے۔ بعد ازاں اس نے یہ بھی کہا: ''اللہ تھا اور ''لامکان'' تھا۔ پھر اس نے ''مکان'' کی یوں تخلیق کی کہ اپنی جگہ سے ہلا اور اس کے اس ہلنے کی سبب ''مکان'' وجود میں آ گیا، اور وہ اس میں داخل ہوگیا اور اس کا مکان اس کا ''عرش'' ہے''۔

بعض علماء نے ہشام کا اپنے ''معبود'' کے متعلق یہ بیان نقل کیا ہے کہ: ''وہ اپنے بالشت سے سات بالشت ہے۔'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ''معبود'' کو انسان پر قیاس کیا ہے کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنے بالشت سے سات بالشت کا ہوتا ہے۔ ابوالہذیل (العلاف المعتزلی) نے اپنی بعض کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ اس نے ''مکہ'' میں ''جبل ابوقبیس''

کے نزدیک ہشام بن حکم کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا: ''اس کے معبود اور جبل ابوقبیس میں سے کون بڑا ہے؟'' اس نے اشارہ سے کہا جبل ابوقبیس اللہ تعالیٰ سے بڑا ہے اور یہ پہاڑ اس سے عظیم ہے۔

ابن الراوندی ۲۴۳ھ نے اپنی بعض کتابوں میں ہشام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''اللہ اور اجسام محسوسہ کے درمیان، بعض وجوہ سے تشابہ و مماثلت ہے۔'' اگر ایسا نہ ہوتا تو (اجسام محسوسہ) اس (اللہ) کے وجود پر دلالت اور رہ نمائی نہ کرتے۔''

الجاحظ (البصری المعتزلی) نے اپنی کسی کتاب میں ہشام کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: ''اللہ عزوجل اس شعاع کے ذریعہ جو اس سے متصل اور زمین کی گہرائی میں پیوست ہوگئی ہے، تحت الثریٰ (زمین کے اندر) کے حالات جانتا ہے۔'' ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر اللہ کی شعاع، ''اجسام سائرہ'' کے ماوراء، سے، متصل و ہم پہلو نہ ہوتی، تو اللہ اس کے پرے (ناوراء) کو نہ دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی جان سکتا تھا۔

ابوعیسی الوراق نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ ہشام کے کچھ پیروکاروں نے اسے بتایا کہ: ''اللہ عزوجل اپنے عرش کے ''مماس'' ہے، نہ تو عرش اس سے زیادہ ہے اور نہ وہ عرش سے زیادہ ہے۔''

یہ بھی روایت ہے کہ ہشام توحید باری میں اپنی گمراہیوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی صفات سے متعلق گمراہ عقائد کا حامل تھا اور اس بات کو محال و ناممکن خیال کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اشیاء کا عالم ہے۔ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کہ وہ اپنے علم سے اشیاء کا عالم نہ تھا، اشیاء کا علم حاصل کیا اور علم، صفت ہے جو نہ تو اللہ ہے اور نہ اس کا غیر ہی ہے اور نہ ہی اس کا بعض و جزو ہے۔ ہشام نے یہ بھی کہا: ''اللہ کے علم کے متعلق نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ قدیم ہے اور نہ یہ کہ وہ حادث (محدث) ہے کیونکہ ''علم'' صفت ہے اور صفت کو کسی اور صفت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے اللہ کی قدرت، سمع، بصر، حیات وارادہ کے بارے میں کہا کہ وہ نہ قدیم ہیں اور نہ ہی حادث ہیں۔ کیونکہ یہ سب صفتیں ہیں اور انہیں کسی اور صفت سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ اس

نے اس عقیدہ کا بھی اظہار کیا کہ یہ صفات نہ تو ذاتِ الٰہی ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں۔ ہشام نے یہ بھی کہا کہ اگر اللہ ازل سے ''معلومات'' کا ''عالم'' ہوتا، تو یہ ''معلومات'' بھی ازل ہوتیں، کیونکہ معلومات موجودہ کے بغیر کسی کا ''عالم'' ہونا صحیح نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک علم کا ''معدوم'' سے تعلق محال ہے۔ اس کا یہ بھی قول ہے کہ اگر اللہ کو بندوں سے افعال کے سرزد ہونے سے پہلے ہی اُن کا علم ہو جاتا، تو بندوں کے صاحب اختیار ہونے اور ان کے مکلّف ہونے کی بات درست نہ ہوتی۔ وہ قرآن کے بارے میں کہتا تھا: ''وہ نہ تو خالق ہے اور نہ مخلوق ہے، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ غیر مخلوق ہے، کیونکہ (مخلوق ہونا) ایک صفت ہے اور اس کے عقیدہ کی رو سے صفت کو کسی اور وصف کے ساتھ متصف نہیں کیا جا سکتا۔

بندوں کے افعال سے متعلق ہشام کی کیا رائے ہے، اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ ایک روایت کی رو سے اس کے نزدیک افعال عباد، اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں (مخلوق للہ)۔ اس سے یہ بھی مروی ہے کہ افعال عباد، معانی ہیں، اشیاء و اجسام نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کے عقیدہ میں ''شئ'' کا ''جسم'' ہونا ضروری ہے۔

ہشام اس بات کا قائل تھا کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ائمہ گناہوں سے معصوم ہیں۔ اس کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی رہائی کے عوض فدیہ کی رقم لے کر اللہ عزوجل کی نافرمانی کی (نعوذ باللہ) مگر اللہ عزوجل نے انہیں معاف کر دیا۔ اس نے اللہ کے ارشاد: ''اللہ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا۔'' (سورۃ الفتح، آیت ۲) کی یہ تاویلِ فاسد کی ہے، اس نے ''عصمت'' کے متعلق نبی اور امام کے مابین یہ فرق کیا کہ جب نبی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو وحی کے ذریعہ اس کی تنبیہ کر دی جاتی ہے، مگر امام پر وحی نازل نہیں ہوتی، اس لئے اس کا گناہ سے معصوم و پاک ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ امامت میں یہ ہشام ''الامامیہ'' کے مسلک و روش پر تھا۔ مگر تمام الامامیہ نے اس کی اس لئے تکفیر کی ہے کہ وہ انبیاء سے گناہوں کے سرزد ہونے کو جائز سمجھتا تھا۔

ہشام جسم کے اجزاء کی ''نہایت'' (انتہاء) کی ''نفی'' کرتا تھا۔ النظام (معتزلی) نے اسی سے ''جزء لایتجزا'' کے ابطلال (باطل ہونے) کا نظریہ اخذ کیا۔

زرقان (معتزلی) نے اپنی کتاب عقائد میں ہشام کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ وہ اس بات کا قائل تھا کہ ''اجسام'' ایک دوسرے میں داخل ہو جاتے ہیں (مد اخلة الاجسام بعضها فی بعض) یہی عقیدہ نظام (معتزلی) کا بھی ہے کہ اس کے نزدیک دو لطیف جسموں کا ایک مقام (حز) میں تداخل جائز ہے۔

زرقان نے ہشام کا یہ عقیدہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کے خیال میں ''انسان'' دو چیزوں کا مجموعہ ہے، یعنی بدن اور روح۔ بدن بے حس و مردہ ہے جبکہ روح، حساس ہے، ادراک کرنے والی ہے اور کارگزار و فعال ہے اور انوار میں سے ایک نور و روشنی ہے۔

زلزلہ کے بارے میں ہشام کا قول ہے کہ زمین مختلف طبائع (طبیعت، مزاج) سے مرکب ہے، کہ ان میں سے بعض دوسری بعض کو پکڑے اور تھامے ہوئے ہیں، جب ایک طبیعت کمزور پڑتی ہے تو دوسری غالب آ جاتی ہے۔ اور یوں زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور اگر طبیعت میں ضعف و کمزوری بڑھ جاتی ہے تو زمین دھنس جاتی ہے۔

زرقان نے ہشام کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ غیر نبی کا پانی پر چلنا ممکن اور جائز ہے۔ حالانکہ اس کے نزدیک کسی غیر نبی سے بڑے بڑے معجزوں کا ظہور درست نہیں ہے۔

## ب۔ ہشام بن سالم جوالیقی کا تذکرہ:

یہ جوالیقی الامامیہ کے مذہب پر اپنی رافضیت کے ساتھ ساتھ، تجسیم اور تشبیہہ کے عقائد میں حدّ اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے، کیونکہ اس کے خیال میں اس کا معبود انسان کی صورت رکھتا ہے، لیکن وہ گوشت، خون سے نہیں بنا ہے بلکہ وہ ایک سفید نور تاباں ہے۔ اس کے خیال میں اللہ کے انسان کی طرح ''حواس خمسہ'' ہیں، اس کے ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں، آنکھیں ہیں، کان ہیں، ناک ہے اور منہ ہے۔ وہ سنتا ہے مگر ان چیزوں سے نہیں، جن کے ذریعہ سے سنا جاتا ہے، اس طرح اس کے سارے حواس، انسانی حواس سے متغائر و جدا ہیں۔ اس کے جسم کا اوپری نصف

حصہ کھوکھلا اور نیچے کا نصف دھڑ ٹھوس ہے۔

ابو عیسیٰ الوراق کا بیان ہے کہ الجولیقی کے خیال میں اس کے معبود کی سیاہ زلفیں ہیں کہ ''نور سیاہ'' (نور اسود) ہیں اور اس کے جسم کا بقیہ حصہ ''نور سپید'' (نور ابیض) ہے۔

ہمارے شیخ ابو الحسن الاشعری نے اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین) میں بیان کیا ہے کہ ہشام بن سالم (جوالیقی) کا ''اللہ کے ارادہ'' سے متعلق وہی عقیدہ ہے جو ہشام بن حکم کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کا ارادہ ایک قسم کی حرکت ہے اور یہ ایک ''معنیٰ'' ہے جو اللہ نہیں ہے اور نہ اس کا غیر ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی ''شئی'' کا ''ارادہ'' کرتا ہے تو وہ ''حرکت'' کرتا ہے جس سے وہی ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ اس عقیدہ پر کہ اللہ کا (ارادہ ایک قسم کی حرکت ہے، ان دونوں (ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم) سے ابو مالک الحضرمی اور علی بن ہیثم نے کہ ''روافض'' کے شیوخ میں تھے، اتفاق کیا ہے اور یہ دونوں ان کے ہم عقیدہ ہیں یہاں اتنا فرق ہے کہ ان متاخر الذکر دونوں کے ہاں اللہ کا ارادہ اس کا غیر ہے۔

الجوالیقی (ہشام بن سالم) کا یہ قول بھی (اشعری نے) نقل کیا ہے کہ ''افعال عباد'' اجسام ہیں، کیونکہ (وہ شئی ہیں) اور دنیا میں جو شئی بھی ہے وہ ''اجسام'' ہے۔ اس نے اس بات کو جائز ٹھہرایا ہے کہ بندے ''اجسام'' کو کرتے ہیں (پیدا کرتے ہیں)۔ اس قول جیسی بات ''شیطان طاق'' سے بھی مروی ہے۔

## ۱۳۔ الامامیہ کا فرقہ الزُّرارِیَّہ:

یہ لوگ زرارہ ۳۴ بن اعین کے پیروکار ہیں۔ یہ زُرَارَہ ابتداء میں ''الافطحیہ'' کے مذہب پر تھا، جو عبداللہ بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں، بعد ازاں یہ شخص ''الموسویہ'' کے مذہب میں شامل ہو گیا۔ اس کی جانب جو ''بدعت'' منسوب ہے، وہ اُس کا یہ قول وعقیدہ ہے کہ اللہ عز وجل ازل سے حیّ، قادر، سمیع، بصیر، عالم اور مرید (صاحب ارادہ) نہیں تھا، تا آنکہ اس نے اپنے لئے حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع اور بصر پیدا کیا، یوں اپنے لئے ان ''صفات'' کی تخلیق کے بعد وہ حی، قادر، عالم، مرید، سمیع وبصیر ہو گیا۔

اس گمراہ شخص کی روش پر بصرہ کے ''قدریہ'' نے ''کلام اللہ'' کے ''حادث'' ہونے کا عقیدہ گھڑا۔ اسی طرح زُرارہ کے منہاج کی اتباع کرتے ہوئے ''کرامیہ'' نے اللہ کے قول، اس کے ارادہ اور اس کے ادراکات کے ''حدوث'' کے عقیدہ کا تانا بانا بنا۔

۱۴۔ الامامیہ کا فرقہ الیونسیۃ:

یہ فرقہ یونس بن عبدالرحمٰن القمی کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ یہ شخص امامیہ کے ''فرقہ القطعیہ'' سے جو موسیٰ بن جعفر کی موت کے قائل ہیں، تعلق رکھتا تھا۔ مگر اس یونس نے ''تشبیہ'' کے عقیدہ میں انتہاپسندی سے کام لیا اور یہ عقیدہ پیش کیا کہ اللہ عزوجل کو اس کے عرش کے اٹھانے والے (باربردار) اوپر اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ ان (حاملین) سے قوی تر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کرکی (ایک پرندہ) کو اس کی ٹانگیں اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں اور وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اسی امر پر کہ اللہ کو اوپر اٹھایا گیا ہے (انہ محمول) اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ''اور اس دن ان کے اوپر تمہارے ''رب'' کے ''عرش'' کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔'' (القرآن، سورۃ الحاقہ، آیت ۱۶)''۔ مگر ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسے اوپر اٹھایا گیا ہے وہ ''عرش'' ہے، خود اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں ہے۔

۱۵۔ الامامیہ کا فرقہ الشیطانیۃ:

یہ لوگ پیروکار ہیں محمد بن نعمان الرافض ۳۵ھ کے، جس کا لقب ہے ''شیطان الطاق''۔ یہ شخص امام جعفر الصادق کے زمانہ میں تھا اور ان کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ اس نے ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کو امام مانا اور ان کی موت کا قطعیت سے اقرار کیا اور ان کے بعض پوتوں (اسباط) کی امامت کا منتظر رہا، یہ شخص ہشام بن سالم جوالیقی کے اس ادعاء میں کہ ''افعال عباد'' اجسام ہیں اور وہ ''عبد'' (بندہ) ''جسم'' کو کرتا ہے (یعنی بندہ کا فعل مجسم ہے) برابر کا شریک اور اس کا ہم عقیدہ ہے۔ اسی طرح وہ ہشام بن سالم کا ہم عقیدہ شریک اور ہم

خیال ہے کہ اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ ''اشیاء'' کو اس وقت جانتا ہے، جب وہ اس کا اندازہ لگائے اور اس کا ارادہ کرے۔ وہ ''اشیاء'' کی تقدیر (اندازہ، حدوث، خلق) سے قبل اس کا ''عالم'' نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہو تو بندوں کو مکلف قرار دینا درست نہ ہوگا۔

......❁......❁......❁......

## شیعوں کی مصنف کے زمانے میں کیفیت:

عبدالقاہر (بغدادی، مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ ہم نے اس فصل میں ''روافض'' کے فرقے ''الزیدیہ''، ''الکیسانیہ'' اور ''الامامیہ'' کا ذکر کیا ہے۔ ہمارے زمانہ میں ''الکیسانیہ''، ''الزیدیہ''، ''والامامیہ'' کے جم غفیر میں مدغم ہو گئے ہیں۔ اور ان کا کوئی علیحدہ وجود باقی نہیں ہے۔ لیکن ''الزیدیہ'' اور ''الامامیہ'' میں نہایت سخت عداوت ہے، جس کے نتیجہ میں وہ ایک دوسرے کی تضلیل کے قائل ہیں اور ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ ''الامامیہ'' کے کسی شاعر نے ''الزیدیہ'' کی ہجو میں یہ اشعار کہے ہیں:

''اے زیدیہ، کہ مہمل، لایعنی اور جاہل ہو! تمہارا امام آفات ارضی وسماوی کا شکار ہوتا ہے اور مر جاتا ہے۔

اے فضاء کے رحم وکرم پر رہنے والے لوگو! تم ہلاک و برباد ہو جاؤ، تم نے قطع و برید کی اور ہمارے لئے پتھر کی چٹان نکالی۔''

ان اشعار کے جواب میں زیدیوں کے شاعر نے کہا:

''ہمارا امام اپنے منصب پر فائز اور قائم ہے۔ اس کی طرح نہیں جسے ڈھونڈھنے کی غرض سے چھلنی سے چھان پھٹک کی ضرورت ہو۔ ہر وہ امام جو کھلی آنکھوں سے علانیہ نظر نہ آئے۔ اس کی ہماری نگاہوں میں رائی کے دانہ کے برابر بھی وقعت نہیں ہے۔''

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں فریقوں کے جواب میں یہ اشعار کہے ہیں۔

''اے باطل پرست رافضیو! امامت سے متعلق تمہارا ادعاء بے اصل اور باطل ہے۔

تمہارا امام اندھیروں میں کھو گیا ہے۔ اس گم گشتہ کو مشال (مشعل) لے کر ڈھونڈھو۔ اگر اسکی عمر لمبی اتنی ہی ہے، جتنی کہ تمہاری عمریں ہیں۔ تو اس عمر رسیدہ کو چھلنی سے پھٹک کر باہر نکالو۔ ہمارے عقیدہ کی رو سے امام برحق وہ ہے: جس کا تقرر سنت محمدی ﷺ یا آیت قرآنی سے ثابت ہو۔ اور قرآن وسنت میں ہدایت یافتہ شخص کے لئے کفایت ہے اور یہ دونوں ہمارے لئے کافی ووافی ہیں۔"

## حواشی ............ باب سوم۔ فصل اوّل

## ا۔ الزیدیة

(۱)۔ مسعودی (مروج الذہب ج ۳ ص ۲۲۰) کے بیان کے مطابق "زیدیہ" کے آٹھ فرقے ہیں۔ ابوالحسن اشعری (مقالات الاسلامیین ج ۱، ص ۱۳۲) نے "زیدیہ" کے فرقوں کی تعداد چھ بتائی ہے۔ اسفرائینی (التبصیر ص ۱۶) نے فرقہ ہائے "زیدیہ" کی تعداد تین ہی بیان کی ہے۔ شہرستانی (الملل والنحل ج ۱، ص ۱۵۴) نے ان کی تعداد تین بتائی ہے اور رازی (عقائد المسلمین ص ۳۴) میں "زیدیہ" کی تعداد تین ہی بیان کی گئی ہے۔

(۲) سید مرتضیٰ زبیدی نے (تاج العروس ج ۲، ص ۲۱۸) میں اس ابوالجارود کے متعلق لکھا ہے کہ امام محمد الباقر اسے "سرحوب" یعنی "سمندری شیطان" کہتے تھے۔ ابن حجر (تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۳۸۶) نے لکھا ہے کہ یہ شخص کوفہ کا باشندہ اور نابینا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی ہجو میں جھوٹی حدیثیں وضع کرتا تھا اور اہل بیت کے مناقب میں وضعی روایات بیان کرتا تھا۔ ائمہ حدیث اس کی روایات کو متروک اور ناقابل استناد سمجھتے تھے۔ فرقہ جارودیہ کے عقائد کے لئے کتب مقالات دیکھئے۔

(۳) محمد بن عبداللہ کا لقب النفس الزکیہ ہے۔ انہوں نے عباسی خلیفہ المنصور کے عہد میں مدینہ میں خروج کیا۔ عباسی سپہ سالار عیسیٰ بن موسیٰ اور حمید بن قحطبہ نے انہیں شکست دے

کر ۱۴۵ھ میں قتل کر دیا۔ مزید تفصیل کے لئے کتب تاریخ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۴) ابوجعفر محمد بن قاسم بن عمر الاشرف بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ۲۱۹ھ میں عباسی خلیفہ المعتصم باللہ (۲۱۸ھ۔ ۲۲۷ھ) کے عہد میں خراسان کے علاقہ طالقان میں بغاوت کی۔ وہاں کے عباسی گورنر عبداللہ بن طاہر نے اسے گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔ وہ سامرا میں قید کر دیا گیا، مگر محافظوں کو رشوت دے کر قید خانہ سے بھاگ نکلا، پھر اسکا کہیں پتا نہ چلا۔ ''زیدیہ'' کا ایک گروہ اس کی رجعت کا قائل ہے۔ مزید تفصیل کے لئے تاریخ طبری جلد نہم ص ۷ و بعد ملاحظہ فرمایئے۔

(۵) مقالات الاسلامیین (ج ۱ ص ۱۳۵ و ۱۵۱) اور التبصیر (ص ۱۷) میں اس شخص کا صحیح نام ''یحیٰ بن عمر'' درج ہے۔ اس کا پورا نام اور کنیت ہے ابوالحسین یحیٰ بن عمر بن یحیٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ اس شخص نے عباسی خلیفہ المستعین کے عہد میں کوفہ میں علم بغاوت بلند کیا اور مارا گیا۔ دیکھیئے طبری ج ۹، ص ۲۶۶، کامل ج ۷، ص ۴۳، مسعودی ج ۴، ص ۱۴۷، طبری کے مطابق یحیٰ نے ۲۵۰ھ میں بغاوت کی اور اسی سال مارا گیا۔

(۶) مزید مطالعہ کے لئے اشعری جلد اوّل، اسفرائینی، شہرستانی جلد اول درازی کی کتابوں کا حوالہ مفید ہوگا۔ ان لوگوں نے اس فرقہ کا نام ''سلیمانیہ'' لکھا ہے۔

(۷) شہرستانی (الملل والنحل ج ۱، ص ۱۶۱) نے اس فرقہ کے گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ حسن بن صالح بن حی کے متبعین کو ''صالحیہ'' اور کثیر النواء ملقب بہ ابتر کے پیروکاروں کو ''بتریہ'' کہا ہے۔ ابن الندیم (الفہرست ۲۶۷) نے لکھا ہے کہ حسن بن صالح بن حی ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۶۸ھ میں فوت ہوا۔ اس کا فرقہ زیدیہ کے بڑے علماء و متکلمین میں شمار ہوتا ہے۔ وہ کتاب التوحید، کتاب امامۃ ولد علی اور کتاب الجامع فی الفقہ کا مصنف ہے۔ اس کا ذکر ذہبی نے العبر فی خبر من غبر ج ۱، ص ۲۴۹ میں اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲، متیٰ ۸۹، ۲۸) میں کیا ہے اور اس کی اختلافی شخصیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

(۸) القرآن، سورۂ یوسف، آیت ۸۷۔

(۹) حرہ مدینہ کے قریب ایک مشہور مقام ہے۔ یہاں ۶۳ھ میں اہل مدینہ کی بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے بھیجی جانے والی شامی فوج سے جنگ ہوئی تھی۔ جس میں اہل مدینہ کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ زید بن علی نے اسی جنگ اور اہل مدینہ کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔ دوسری بات جو خانہ کعبہ پر سنگ باری اور پردہائے حرم میں آتش زنی سے متعلق کہی گئی ہے۔ اس کا تعلق بھی یزید بن معاویہ کے دور ہی سے ہے۔ جنگ حرہ کے بعد اموی لشکر مکہ آیا جہاں عبداللہ بن زبیرؓ نے حکومت وقت کے خلاف پناہ لے رکھی تھی۔ یہاں ان کی اور اموی لشکر کی لڑائی ہوئی۔ محاصرہ کے دوران ۶۴ھ اور بعد میں لشکر شام نے منجنیق سے سنگ باری کی اور آخر کار ۷۳ھ میں عبداللہ بن زبیرؓ کو شکست ہوئی اور وہ مارے گئے۔ اس امر میں کہ خانہ کعبہ کے پردوں میں کیسے آگ لگی، روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات کی رو سے یہ آتش زنی افواج شام کی نفط اندازی کے سبب ہوئی تھی اور بعض روایتوں کے مطابق ابن زبیرؓ کے آدمیوںؓ کی مشعلوں سے یہ آگ لگی تھی۔ حصار مکہ ۶۴ھ میں یزید کے عہد میں ہوا۔ اس کی موت اور اس کے لشکر کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری کی ہلاکت کے باعث یہ محاصرہ ختم ہوا۔ دوسرا محاصرہ عبدالملک بن مروان کے سرعسکر حجاج بن یوسف ثقفی (م ۹۶ھ) نے کیا اور جو ۷۳ھ میں ابن زبیر کی شکست پر منتج ہوا۔ واقعہ حرہ اور حصار مکہ کے دونوں ہی واقعات افسوس ناک ہیں، مگر اس کی ذمہ داری بڑی حد تک اہل مدینہ کے سرکش عناصر پر جو حامیان ابن زبیرؓ تھے اور خود ابن زبیرؓ پر عائد ہوتی ہے۔ ''الملک عقیم'' کوئی حکمراں بھی فوجی قوت کی موجودگی میں، اپنی مملکت کے حدود پر دست اندازی کرنے والوں کے استیصال کی کوشش ضرور کرے گا اور یہی قانون قدرت ہے۔ مزید مطالعہ کے لئے تاریخ طبری، مسعودی و کامل کا مطالعہ مفید ہوگا۔

## ب۔ الکیسانیہ

(۱۰) فرقہ کیسانیہ کے متعلق مزید تفصیل کے لئے مسعودی کی مروج الذہب ج ۳، ص ۸۷، اشعری کی مقالات الاسلامین ج ۱، ص ۸۹، رازی کی اعتقادات فرق المسلمین۔ (میرا ترجمہ اردو) اور شہرستانی کی الملل والنحل (میرا ترجمہ اردو) دیکھئے۔

(۱۱) محمد بن حنفیہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ان کی ماں خولہ کا تعلق قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ جو جنگ یمامہ میں ۱۲ھ میں اسیر ہو کر حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی۔ محمد ۱۶ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ جنگ جمل وصفین میں اپنے والد کے ہم رکاب و شریک جنگ رہے۔ بنو ہاشم اور قریش کے فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے ہر چند کہ ابن الزبیر کی بیعت سے انکار کیا لیکن عبد الملک بن مروان کی بیعت کی۔ ملک کے سیاسی معاملات سے دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح عملاً الگ رہے۔ ۸۱ھ میں طائف کے مقام پر انتقال کیا اور وہیں سپرد خاک ہوئے (مزید مطالعہ کے لئے ذہبی کی العبر و ابن حجر کی تہذیب التہذیب دیکھئے)۔

(۱۲) ''البداء'' کے معنی ہیں کسی ایک مسئلہ کے متعلق اللہ کا ایک فیصلہ کرنا اور امام کو اس سے آگاہ کر دینا، مگر بعد میں کسی مصلحت کے پیش نظر اس فیصلہ کو بدل دینا اور اس کے برخلاف فیصلہ کر دینا۔ دراصل اس عقیدہ کی ضرورت جھوٹی پیش گوئی کے لئے عذر تلاش کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس سے ذاتِ باری پر کذب و افتراء لازم آتا ہے، مگر ہوائے نفس کی تکمیل کے لئے اس سے احتراز نہ کیا گیا۔

(۱۳) ابو ہاشم عبداللہ، محمد بن حنفیہ کا بیٹا اور حضرت علیؓ کا پوتا تھا۔ کیسانیہ کے گروہ ''ہاشمیہ'' کا امام تھا۔ اس نے اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں شام سے واپسی میں ''حمیمہ'' کے مقام پر محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے ہاں قیام کیا اور یہیں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے محمد بن علی مذکور کو امامت میں اپنا جانشین مقرر کیا اور اسی وقت سے

عباسی بھی خلافت کے حصول کی تگ و دو میں شامل ہوگئے۔(مزید مطالعہ کے لئے طبری، مسعودی، یعقوبی اور خضری کی تاریخوں کا مطالعہ مفید ہوگا)۔

(۱۴) محمد بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس کا پوتا اور عباسی خلفاء السفاح والمنصور کا باپ ہے۔ عباسی خلفاء کا جداعلیٰ یہی ہے۔ اسی نے ''دعوت عباسیہ'' کو منظم کیا اور اپنے ''داعی'' خراسان بھیجے۔۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ابراہیم اس کا جانشین ہوا۔ ابراہیم کی ہلاکت کے بعد محمد بن علی کا دوسرا بیٹا عبداللہ السفاح فرقہ ہاشمیہ کا امام ہوا اور بنوامیہ کے زوال کے بعد ۱۳۲ھ میں اس کی خلافت کی بیعت کی گئی (مزید مطالعہ کے لئے کتب تاریخ خصوصاً خضری کی ''تاریخ الامم الاسلامیہ'' جلد سوم کا مطالعہ کیجئے)

(۱۵) بیان بن سمعان تمیمی نہدی، نے یہ دعویٰ کیا کہ اول ''جزء الٰہی'' حضرت علیؓ میں ان کے بعد ان کے بیٹے محمد میں اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابوہاشم میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد خود اس کے جسم میں ''جزء الٰہی'' نے حلول کیا۔ اس نے اس کے بعد ''نبوت کا بھی دعویٰ کیا۔ ان بدعات کی پاداش میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے گورنر عراق خالد بن عبداللہ قسری نے اسے قتل کرادیا۔ (بیان کی خرافات کے لئے بغدادی کی کتاب کے علاوہ اشعری، شہرستانی، رازی اور اسفرائینی کی کتب تاریخ عقائد اور عام کتب تاریخ مثلاً طبری و ابن اثیر کی کتابوں سے رجوع کیجئے)۔

(۱۶) عبداللہ بن عمرو بن حرب کندی، پہلے ''بیان'' کا پیروکار تھا۔ اس کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا ''جزء الٰہی'' (روح خداوندی) اس میں حلول کرگئی ہے۔ (مندرجہ بالا کتب عقائد میں اس کے مزید حالات ملیں گے)۔

(۱۷) کثیّر عہد اموی کا مشہور شاعر تھا۔ یمنی قبیلہ ''ازد'' سے نسبی تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص ''تناسخ ارواح'' کا قائل اور اپنے ائمہ کی ''رجعت'' پر ایمان رکھتا تھا۔ (اس کے حالات کے لئے الاغانی ج ۸، ص ۱۵، وفیات الاعیان) ۵۱۹، نویری کی خزانۃ الادب، ج ۲، ص ۲۷۶ وابن لسلام جمحی کی طبقات الشعراء ص ۱۸۴ کا مطالعہ مفید ہوگا)

(۱۸) عبداللہؓ بن زبیرؓ کی کنیت ابوبکر اور ابوخبیب تھی۔ ان کے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابیِ رسول، عشرہ مبشرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد، ہم زلف اور ''حواری'' تھے۔ ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں۔ عبداللہ ہجرت کے پہلے سال مدینہ میں پیدا ہوئے۔ عالم، فاضل، شجاع اور عابد و زاہد تھے۔ یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کرنے والوں میں یہ بھی تھے اور اس کی مخالفت میں سرگرم رہے۔ یزید کی موت کے بعد ۶۴ھ تا ۷۳ھ قریباً نو سال مصر و شام کے علاوہ تمام دنیائے اسلام کے خلیفہ رہے۔ ۷۳ھ میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے سپہ سالار حجاج بن یوسف کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا۔ اموی و عباسی ملوکیت جو اسلامی دنیا کا مقدر بن گئی، اس کی آخری کامیاب مزاحمت انہیں عبداللہ بن زبیر نے کی (مزید مطالعہ کے لئے کتب تاریخ سے مراجعت کیجئے)۔

(۱۹) غالباً مختار کا اشارہ مشہور محدث و فقیہ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری قرشی متوفی ۱۲۴ھ کے والد مسلم بن عبیداللہ کی جانب ہے، کیونکہ وہ عبداللہ بن زبیر کے حامیوں میں تھے۔ (دیکھئے المعارف لابن قتیبہ ص ۴۷۲)

(۲۰) ابوالطفیل عامر بن واثلہ کنانی کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا انتقال سب سے آخر میں یعنی ۱۰۰ھ میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ مختار کے حامیوں میں تھے۔ (مزید تفصیل کے لئے ابن الاثیر جزری کی اسد الغابہ، ابن عبدالبر کی الاستعیاب، ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ، ابن قتیبہ کی المعارف اور ذہبی کی العبر دیکھئے)۔

## ج۔ الامامیۃ

(۲۱) شیعوں کے فرقہ الامامیہ کے متعلق مزید معلومات کے لئے اشعری کی مقالات الاسلامیین، اسفرائینی کی التبصیر، شہرستانی کی الملل والنحل اور رازی کی اعتقادات فرق المسلمین کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ان میں سے اشعری کی کتاب کا اردو ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی نے اور شہرستانی ورازی کی کتابوں کے ترجمے میرے قلم سے شائع ہوچکے ہیں۔

(۲۲) بشار بن برد، بنوعقیل کی ایک خاتون کا غلام اور عجمی النسل تھا۔ وہ عہد اموی کے اواخر اور عہد عباسی کے اوائل کا شاعر اور ان دونوں ادوار کا جامع تھا۔ مذہبی عقائد میں متشکک تھا۔ معتزلہ سے ابتداء میں متاثر تھا، پھر ایرانی دیانات کی صداقت کا قائل ہوا اور اس کے بعد شیعوں کا ہم خیال ہوگیا۔ وہ بہت بڑا شاعر اور بہت بڑا خطیب تھا، ہجو نگاری میں بھی اسے بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اپنے فاسد عقائد اور فحش کلامی کے باعث تیسرے عباسی خلیفہ المہدی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) کے حکم سے ۱۶۷ھ میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ (ابن معتز کے طبقات الشعراء ص۲۱، جاحظ کی البیان والتبیین ج ۱، ص۳۲ و۳۳ اور دوسری کتب تاریخ ادب عربی مثلاً جرجی زیدان کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۲، ص۶۳ دیکھئے)

(۲۳) مصنف نے صفوان انصاری کے اس قصیدہ کے صرف بیس (۲۰) اشعار نقل کئے ہیں۔ جاحظ نے اپنی کتاب "البیان والتبیین" میں اس کے تینتیس (۳۳) اشعار لکھے ہیں۔ دیکھئے کتاب مذکور جلد اوّل صفحہ ۲۹ و ۳۰۔ ان اشعار میں زمین کی فضیلت، اس کی اہمیت اور ہرشئے کی اصل ہونے کا مدلل بیان ہے بلکہ خود آگ (نار) کی اصل وہی ہے کہ زمین ہی سے آگ کے پتھر، چقماق نکلتے ہیں۔ چونکہ ان اشعار کا موضوع کتاب یعنی عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی لئے ہم نے ان کا ترجمہ قلم زد کردیا ہے۔

(۲۴) حماد عجرد مولیٰ تھا۔ کوفہ میں پیدا ہوا اور واسط میں اس کی نشوونما ہوئی۔ بنوامیہ کے آخری اور بنوعباس کے ابتدائی زمانہ سے اس کا تعلق ہے۔ نہایت قادر الکلام شاعر تھا، مگر خبیث

اللسان اور دون فطرت تھا۔ ساتھ ہی بشار کی طرح بدعقیدہ اور زندیق بھی تھا۔ بشار سے بدکلامی و ہجوگوئی میں مقابلہ رہا۔ اخیراخیر بصرہ کے عباسی رئیس محمد بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس کی ہجوگوئی کی پاداش میں دربدر مارا مارا پھرا اور اسی آوارگی میں شیراز کے مقام پر ۱۶۱ھ میں مرگیا (دیکھئے جرجی زیدان کی تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۱، ص ۸۴ و ۸۵)۔

(۲۵) محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائیوں کے متعلق مصنف کے بیان سے ایک طرح کا ابہام پیدا ہوگیا ہے۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ خلیفہ المنصور عباسی کو محمد اور ان کے بھائی ابراہیم کی جانب سے بغاوت کا سخت خطرہ تھا، اس لئے اس نے ان لوگوں کی تلاش شروع کر دی۔ محمد حجاز ونجد کے ریگستانی وکوہستانی مقامات میں اور ابراہیم عراق میں روپوش ہوگئے۔ المنصور نے انتقاماً ان کے والد عبداللہ بن حسن اور دیگر اعزہ کو گرفتار کرکے عراق بھجوادیا اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ ان لوگوں نے المنصور کی قید میں وفات پائی۔ محمد نے مدینہ میں بغاوت کی اور ۱۴۵ھ میں مارے گئے۔ دوسرے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا اور اسی سال قتل ہوئے۔ تیسرے بھائی ادریس نے ۱۶۹ھ میں عباسی خلیفہ الہادی کے عہد میں حجاز سے بھاگ کر المغرب الاقصیٰ (شمالی افریقہ) میں پہلی آزاد علوی حکومت قائم کی۔ انہیں ہارون کے فرستادہ شماخ خادم نے زہر دیدیا اور وہ مارے گئے، لیکن ان کے پیروکاروں نے ان کی حمایت ترک نہ کی اور جب ان ادریس کے بیٹا پیدا ہوا کہ اس کا نام بھی ادریس تھا، تو انہوں نے اسے منصب امامت پر متمکن کر دیا۔ یوں ''ادارسہ'' (آل ادریس) کی ایک خودمختار حکومت قائم ہوئی جو ۳۱۵ھ تک قائم رہی اور ''فاس'' (موجودہ فیض) اس کا دارالحکومت رہا، بغدادی نے ان تین بھائیوں کے ایک اور بھائی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کا نام یحییٰ تھا، انہوں نے ہارون کے عہد میں ۱۷۶ھ میں دیلم میں بغاوت کی۔ مشہور عباسی وزیر فضل برمکی انہیں امان دے کر بغداد لایا مگر انہیں قید کر دیا گیا اور اسی قید میں انہوں نے جان دی۔ آل حسن میں سے متعدد افراد نے حکومت وقت کے خلاف خروج کیا، جن کی تفاصیل کتب تاریخ میں دیکھنی چاہیے۔ مزید معلومات کے لئے تاریخ طبری، تاریخ مسعودی، تاریخ ابن اثیر، تاریخ ابن کثیر، النجوم الزاہرہ

اور تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی جلد سوم و چہارم دیکھئے۔

(۲۶) ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت علی بن حسین زین العابدین کے بیٹے ہیں۔ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے وقت کے بلند پایہ عالم، محدث وفقیہ تھے۔ شیعہ اثناعشریہ کے پانچویں امام ہیں، ۱۱۴ھ میں مدینہ میں انتقال کیا (دیکھئے ذہبی کی العبر ج۱، ص۱۴۲ و دیگر کتب انساب اردو میں شاہ معین الدین احمد ندوی کی ''تابعین'' کا مطالعہ زیادہ مفید ہوگا۔

(۲۷) اویس بن عامر قرنی یمنی قبیلہ بنومراد سے تعلق رکھتے تھے، اسلامی فتوحات کے آغاز میں یمن سے آ کر کوفہ میں بس گئے تھے، وہ عبادت گزار اور متدین فاضل تھے۔ ان کی وفات سے متعلق روایات مختلف ہیں۔ الباقریہ نے سلام پہنچانے کی جو روایت نقل کی ہے، وہ موضوع اور جعلی ہے، اسی طرح اویس قرنی کو سلام پہنچانے والی روایت بھی لایعنی اور موضوع ہے۔ ایک تو دعویٰ مہدیت بے اصل ہے اور اس کی تردید میں بے اصل دراتیوں سے استدلال بناء الفاسد علی الفاسد کے مصداق ہے۔

(۲۸) اس فرقہ کا انتساب کس کی جانب ہے، اس میں اختلاف ہے۔ اشعری کے خیال میں عجلان بن نادوس بصری اس فرقہ کا بانی تھا۔ دوسرے علماء کے نزدیک نادوس بانی فرقہ کا یا اس کی جائے سکونت کا نام ہے۔ مزید معلومات کے لئے التبصیر، الملل والنحل، مقالات الاسلامیین اور اعتقادات فرق المسلمین سے رجوع کیجئے۔

(۲۹) امام ابوعبداللہ جعفر الصادق ۸۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۴۸ھ میں انتقال کیا۔ وہ اپنے عہد میں بنوہاشم کے سردار اور علم وفضل میں سرآمد روزگار تھے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے امام سادس ہیں۔

(۳۰) الاسماعیلیہ: کے متعلق مزید معلومات کے لئے مقالات الاسلامیین جلد اول، الملل والنحل جلد اول، التبصیر اور اعتقادات فرق المسلمین کا مطالعہ کیجئے۔ ان کے علاوہ جوینی کی تاریخ جہاں گشائی جلد سوم (فارسی اور میرا اردو ترجمہ) بھی پُر از معلومات ہے۔ مگر یہاں جن اسماعیلیہ

کا ذکر ہے ان کا تعلق دعوتِ قدیم سے ہے، دعوت جدیدہ کا تعلق حسن بن صباح سے ہے۔

(۳۱) ان لوگوں کو "الممطورۃ" کا نام ان کے مخالف شیعی فرقوں نے دیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے مقالات الاسلامیین جلد اول، التبصیر، الملل والنحل جلد اول اور نوبختی کی فرق الشیعہ اور اعتقادات فرق المسلمین دیکھئے۔ مصنف نے اشعری کے بیان کی تقلید کی ہے۔

(۳۲) "اثناعشریہ" کے ائمہ کے ناموں میں بغدادی کے ہاں کسی قدر ابہام ہے۔ ہم ان ناموں کو رفع ابہام کی غرض سے یہاں ترتیب وار درج کرتے ہیں: حضرات علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم، زین العابدین، باقر، صادق، کاظم، الرضاء، الجواد التقی، الہادی النقی، حسن الزکی العسکری، محمد المہدی المنتظر رحمہم اللہ تعالیٰ۔ "المہدی المنتظر" سلسلہ نسب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بارہویں نہیں ہیں بلکہ دسویں ہیں۔

(۳۳) ابوالحسین احمد بن یحییٰ، معروف بابن الراوندی، علم عقائد وکلام میں بہت سی کتابوں کا مصنف ہے، ان میں سب سے اہم کتاب "فضیحۃ المعتزلہ" ہے۔ راوند متصل اصفہان میں پیدا ہوا اور وہیں ۲۴۵ھ میں انتقال کیا۔ ابن خلکان کی وفیات الاعیان اور طبقات المعتزلہ کا مطالعہ مزید مفید ہوگا۔

(۳۴) زُرارہ اس کا لقب ہے اور نام عبدربہ ہے۔ شیعہ راویان حدیث میں اسے اہم مقام حاصل ہے۔ اس کا بیٹا اعین بن زرارہ بھی رواۃ شعیہ میں نمایاں حیثیت کا مالک ہے۔

(۳۵) "طاق" بغداد کا ایک محلّہ تھا، یہ شخص وہیں کا رہنے والا تھا۔ اس کے مخالفین اسے "شیطان الطاق" یعنی محلۂ طاق کا شیطان کہتے تھے۔ جبکہ اس کے ہم مذہب اسے "مومن الطاق" یعنی محلّہ، طاق کا مومن کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا زبان دراز تھا، اس عہد کے اکثر ائمہ وعلماء سے اس کے مناظرے ہوئے جن کی تفصیل کتب عقائد میں ملے گی۔

# خارجی فرقوں کے عقائد کا بیان

ہم نے اس سے پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ ''خوارج[1]'' کے بیس (۲۰) فرقے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: المحکمۃ الاولیٰ، الازارقہ، النجدات، الصُفریہ، العجاردۃ جوکئی فرقوں میں بنٹ گئے ہیں، یعنی الخازمیہ، الشعیبیۃ، المعلومیۃ، المجہولیۃ، اصحاب طاعت جس سے اللہ تعالیٰ کی طاعت مراد نہ ہو، الصلتیۃ، الاخنسیۃ، الشبیبیۃ، الشیبانیۃ، المعبدیۃ، الرشیدیۃ، المکرّمیہ، الحمزیۃ، الشمراخیۃ، الابراہمیۃ، الواقفۃ اور الاباضیۃ، الاباضیۃ کے کئی فرقے ہوگئے جن میں بڑے الحفصیۃ اورالحاوثیۃ ہیں۔ الاباضیۃ کا فرقہ الیزیدیۃ اور العجاردۃ کے فرقے المیمونیۃ کا شمار ''غلاۃ'' میں ہوتا ہے، جوکافر اور امت اسلامیہ کے فرقوں سے خارج ہیں۔ ان شاء اللہ عزوجل ہم ان کا ذکراس باب کے بعد ''غلاۃ'' کے فرقوں کے ضمن میں کریں گے۔

## خوارج کن عقائد پر متفق ہیں:

مصنفین عقائد کا اس امر میں اختلاف ہے کہ وہ کون سے عقائد ہیں جن پر اپنے شدید انتشار کے باوجود تمام خارجی متفق ہیں۔ الکعبی نے اپنی کتاب عقائد میں بیان کیا ہے کہ خوارج کے فرقوں کے افتراق کے باوصف جو عقائد ان سب میں مشترک ہیں، وہ یہ ہیں۔ (۱) حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما، ''دونوں ثالثوں'' (حضرات ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما)، ''اصحاب جمل'' (حضرات عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم) اور ہر وہ شخص جو دونوں ثالثوں کے فیصلہ سے راضی ہوا، وہ سب کے سب کافر ہیں۔ (۲) گناہ کا ارتکاب کرنے والوں

کی تکفیر اور (۳) ظالم حکمران کے خلاف ''خروج'' و بغاوت۔

ہمارے شیخ امام ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ وہ عقائد جو تمام خارجی فرقوں میں مشترک ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) حضرات علیؓ، عثمانؓ، اصحاب جمل، دونوں ثالثوں، جو شخص تحکیم پر راضی ہوا اور دونوں یا کسی ایک ثالث کو صحیح و درست قرار دیا وہ سب کے سب کافر ہیں، (۲) ظالم حکمران کے خلاف ''خروج'' و بغاوت کرنا واجب ہے۔ امام اشعری، کعبی کے اس بیان سے متفق نہیں ہیں کہ خوارج کا اس بات پر اجماع ہے کہ گناہ کے مرتکبین کافر ہیں۔ ہمارے شیخ ابوالحسن اشعری نے خوارج کے جن متفقہ عقائد کو بیان کیا ہے وہی درست ہیں اور کعبی نے یہ کہہ کر غلطی کی ہے کہ مرتکبین گناہ کو خوارج کافر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ خوارج کا ''فرقہ النجدات'' اپنے ہم خیالوں میں سے ''اصحاب حدود'' (حدود شرعیہ یعنی زنا، سرقہ اور قذف کے مرتکبین) کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں۔

''خوارج'' کے ایک گروہ کا قول ہے کہ ان گناہوں کے ارتکاب سے، جن کے لئے مخصوص وعید و سزا نہیں ہے، تکفیر لازم آتی ہے، لیکن جن گناہوں کی سزا کے طور پر قرآن کریم میں وعید یا حد ہے، تو جو شخص ان کا ارتکاب کرے گا، اس پر اس نام سے زیادہ کسی اور سزا کا اضافہ نہ کیا جائے گا، جو قرآن کریم میں ان کے لئے وارد ہوا ہے، مثلاً زانی، سارق وغیرہ۔

النجدات کا عقیدہ ہے کہ ان کے ہم عقیدہ لوگ جب گناہ کبیرہ کا ارتکاب کریں تو انہیں ''کافر نعمت'' (اللہ کی نعمت کو چھپانے والا) کہا جائے گا، ''کافر دین'' (دین کا منکر) نہیں کہا جائے گا۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کعبی کا یہ خیال کہ خوارج اپنے اور غیروں میں سے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کو بالاتفاق کافر سمجھتے ہیں، درست اور صحیح نہیں ہے۔ خوارج کے متفق علیہ عقائد وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے شیخ امام ابوالحسن اشعری نے کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ حضرات علیؓ، عثمانؓ، اصحاب جمل، دونوں ثالثوں اور جو شخص ان دونوں کو صحیح سمجھتا ہو یا دونوں میں سے ایک کو برسرِ حق خیال کرتا ہو یا ''تحکیم'' پر راضی ہوا ہو، وہ سب کے سب کافر ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اب ہم انشاء اللہ عزوجل خوارج کے ہر فرقہ (کے عقائد) کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں:۔

## ۱۔ خارجیوں کا فرقہ المحکمۃ الاولیٰ:

خارجیوں کو "المحکمۃ" اور "الشراۃ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس امر میں کہ خوارج میں سے سب سے پہلے کس نے اپنا نام "شراۃ" (شاری کی جمع ہے بمعنی بیچ دینے والے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی جانوں کو بیچ دینے والے) رکھا، روایتیں مختلف ہیں۔ کہا گیا ہے کہ عُروہ بن حُدیر ۲ نے کہ مرداس خارجی ۳ کا بھائی تھا سب سے پہلے یہ نام اختیار کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید بن عاصم محاربی شراۃ کا پہلا فرد تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ قبیلہ ربیعہ کی شاخ بنو یشکر کا ایک آدمی جو جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، جب اس نے یہ دیکھا کہ فریقین تحکیم (ثالثی) پر راضی ہو گئے ہیں تو اپنے گھوڑے پر اکڑ کر بیٹھ گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں میں سے ایک کو قتل کر دیا پھر وہ پلٹا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں پر حملہ کر کے ان کے ایک لشکری کو قتل کر دیا اور بعد ازاں زور سے چلا کر کہا: "آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے علیؓ اور معاویہؓ کی اطاعت سے کنارہ کشی کر لی ہے اور ان دونوں کے مقرر کردہ ثالثوں سے برائت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔" پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں سے جنگ شروع کر دی، آخر کار قبیلہ ہمدان کے لوگوں نے گھیر کر اسے مار ڈالا (یہی شخص شراۃ کا پہلا آدمی تھا)۔

بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے کوفہ واپس آئے تو ان کے لشکر سے بارہ (۱۲) ہزار آدمی نکل کر (کوفہ کے مضافاتی قصبہ) "حروراء" میں جمع ہو گئے۔ اس وجہ سے خوارج کو "حروریہ" بھی کہا جانے لگا۔ اس موقع پر عبداللہ بن الکواء ۴ اور شبث بن ربعی ۵ ان کے سرغنہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر ان لوگوں سے بات چیت کی، جب ان کے دلائل سے خوارج لاجواب ہو گئے تو ابن الکواء دس سواروں کے ساتھ حضرت علیؓ سے امن حاصل کر کے ان کے پاس آ گیا۔ مگر بقیہ لوگ "نہروان" چلے گئے۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب راسبی اور حرقوص بن زہیر بجلی عرف "ذی الثدیہ" کو اپنا امیر بنالیا۔ (صحیح صورت حال یہ

ہے کہ حضرت علیؓ کے نمائندوں کے سمجھانے سے قریب قریب چھ ہزار حروری کوفہ واپس آ گئے، بقیہ چھ ہزار نے حضرت علیؓ کا کہنا نہ مانا اور بغاوت کر کے نہروان چلے گئے، جہاں بعد میں حضرت علیؓ کو ان سے لڑنا پڑا اور خوارج کا یہ گروہ چھ آدمیوں کے سوا میدان جنگ میں کٹ مرا)۔ نہروان جاتے ہوئے انہیں ایک صاحب ملے جو وہاں سے بھاگ رہے تھے۔ ان لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور نام دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ: میں ''عبداللہ بن خباب بن ارت ؓ'' ہوں۔ خوارج نے کہا: ''ہمیں کوئی حدیث سنایئے جسے آپ کے والد (خباب) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جلد ہی ایک ایسا فتنہ برپا ہوگا، جس میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے آدمی سے، کھڑا شخص چلنے والے سے اور چلنے والا آدمی دوڑنے والے سے بہتر ہوگا'' سو اگر بس میں ہو تو آدمی مقتول ہو جائے، لیکن قاتل نہ بنے۔'' یہ سن کر مسمع نامی ایک خارجی نے انہیں تلوار مار کر شہید کر دیا۔ ان کا خون تسمہ کی طرح دھار کی صورت میں نہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہہ گیا۔ پھر یہ لوگ ان کے گھر میں، جو اس گاؤں میں تھا جس کے دروازہ (موہانہ) پر ان لوگوں نے ان کو قتل کیا تھا۔ گھس گئے اور ان کے بیٹے اور بیٹے کی ماں کو قتل کر دیا۔ اور ''نہروان'' میں مورچہ بند ہو گئے، (صحیح واقعہ یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن خباب بن ارت اپنی حاملہ ''ام ولد'' کے ساتھ گدھے پر سوار گزر رہے تھے کہ خوارج نے انہیں دھر لیا اور میاں بیوی کو قتل کر دیا)۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان خوارج کی فتنہ انگیزیوں کی اطلاع ملی، تو آپ چار ہزار سپاہ کے ہمراہ نہروان پہنچے۔ ان کے سامنے (روبرو) حضرت عدی بن حاتم طائی (متوفی ۶۶ھ) تھے جو یہ اشعار پڑھ رہے تھے:۔

''جب کوئی قوم ٹیڑھی ہو جائے اور حماقت کا مظاہرہ کرے، تو ہم اس کی جانب سچائی کے جھنڈے لے کر شکار پر جھپٹ پڑنے والے کرگسوں کی طرح جاتے ہیں۔

وہ شراۃ کی بدترین قوم ہے، جس نے گروہ بندی کر لی ہے اور خدائے برتر کی، جو

مشرق ومغرب کا رب ہے، دشمنی پر کمر ہمت باندھی ہے۔

یہ لوگ سرکش، اندھے اور رہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں، اور اپنے عقیدہ میں جھوٹے ہیں۔

ہم میں صاحب معالی ومحاسن جناب علی (رضی اللہ عنہ) ہیں، جو ان سرکشوں کی جانب ہمیں چمک دار تلواروں کیساتھ علی الاعلان لے جا رہے ہیں۔''

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ''خوارج'' کے لشکر کے قریب پہنچے تو آپؓ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ ''عبداللہ بن خباب کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو''۔ اس کے جواب میں ''خوارج'' نے کہلا بھیجا کہ: ''ہم سب نے انہیں قتل کیا ہے اور اگر ہم موقع پا جائیں تو آپ کو بھی قتل کر دیں گے۔'' اس کے بعد حضرت علیؓ اور خوارج'' کے لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے۔ جنگ سے پہلے حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا: ''تم لوگوں نے ہماری کس غلطی کی وجہ سے ہماری مخالفت کی ہے؟'' خوارج نے جواب دیا: ''ہمیں آپ کی پہلی بات جو غلط نظر آئی وہ یہ ہے کہ جنگ جمل میں ہم نے آپ کی حمایت میں لڑائی کی، جب ''اصحاب جمل'' بھاگ گئے تو آپ نے ان لوگوں کے لشکر گاہ میں جو مال واسباب تھا، اسے ہمارے لئے مباح کر دیا، مگر ان کے بچوں اور عورتوں کو لونڈی بنانے سے ہمیں منع کر دیا۔ ذرا بتایئے کہ آپ نے کس اصول کے تحت ان کے مال کو ہمارے لئے حلال ومباح کر دیا، لیکن عورتوں اور بچوں کو اسیر کرنے سے ہمیں روک دیا؟'' حضرت علیؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ میرے بصرہ آنے سے پہلے اصحاب جمل نے وہاں کے بیت المال کو لوٹ لیا تھا، ہم نے اسی کے معاوضہ کے طور پر ان کے مال کو لوٹنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن جہاں تک عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنانے کا معاملہ ہے تو انہوں نے ہم سے قتال نہیں کیا تھا، ان کی حیثیت دارالاسلام میں آباد مسلمانوں کی تھی اور ان میں سے کوئی اسلام سے نہیں پھرا تھا (مرتد نہیں ہوا تھا)۔ اگر کوئی کافر نہ ہوا ہو تو اسے غلام باندی بنانا جائز نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر میں تمہارے لئے اصحاب جمل کی عورتوں کو مباح بھی کر دیتا تو ہم میں سے کون عائشہؓ کو اپنے حصہ میں لیتا؟'' اس بات سے

خوارج شرمندہ ہو کر چپ ہو گئے۔ اب خوارج نے کہا: ''ہم آپ سے اس لئے بھی ناراض ہوئے کہ جب معاویہ نے آپ سے مسئلہ خلافت میں نزاع کیا تو آپ کے اور ان کے مابین جو تحریر لکھی گئی، اس میں آپ نے اپنے نام سے ''امیر المومنین'' کے الفاظ کیوں خود مٹا دیئے؟'' حضرت علیؓ نے فرمایا: ''اس وقت ہم نے وہی کیا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حدیبیہ'' میں کیا تھا۔ (یعنی قریش سے معاہدہ کی تحریر کے موقع پر، قریش کے نمائندہ) سہیل بن عمروؓ کے اس اعتراض پر کہ: ''اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ سے اختلاف کیوں کرتے، آپ اپنا اور اپنے ساتھ اپنے والد کا نام لکھیے، یعنی یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان ہوا۔'' اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا تھا کہ: ''ایک دن قریش کے ساتھ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا، تو اس مسئلہ میں ان (قریش) کے بیٹوں سے انہیں حالات کا سامنا کرنا پڑا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے باپوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔'' اب خوارج نے یہ اعتراض کیا: ''اگر آپ حق پر تھے تو آپ نے دونوں ثالثوں سے یہ کیوں کہا کہ ''اگر میں خلافت کا اہل ہوں تو تم دونوں مجھے اس منصب پر باقی رکھنا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی اہلیت خلافت میں شک و شبہ تھا۔ تو دوسروں کو اس میں شک کرنے کا آپ سے بہت زیادہ حق ہے۔'' حضرت علیؓ نے اس کا یہ جواب دیا: ''میں نے معاویہ کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا چاہا اور اگر میں دونوں ثالثوں سے یہ کہتا کہ میری خلافت کے حق میں فیصلہ دو، تو اس پر معاویہؓ ہرگز راضی نہ ہوتے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نجران (یمن کا ایک شہر) کے عیسائیوں کو ''مباہلہ'' کی دعوت دی اور ان سے کہا: ''آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی بیویوں کو اور تم اپنی بیویوں کو اور ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو بلاؤ، پھر ہم سب ''مباہلہ'' کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں (القرآن، سورۂ آل عمران، آیت ۶۱)۸، یہ فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ اپنی جانب سے انصاف اور برابری کا معاملہ کیا۔ اگر آپ ﷺ یہ فرماتے کہ تم لوگ ''مباہلہ'' کر کے اپنے اوپر لعنت بھیجو'' تو نجران کے عیسائی اس پر راضی نہ

ہوتے۔ اسی وجہ سے میں نے معاویہ کے ساتھ اپنی جانب سے برابری کا سلوک کیا، مگر عمرو بن عاص کے فریب کو میں نے نہ جانا۔" خوارج نے پھر یہ اعتراض کیا: "آپ نے اپنے حق سے متعلق جسے آپ اپنا حق سمجھتے تھے ثالثوں کے تقرر کا کیوں فیصلہ کیا؟" حضرت علیؓ بولے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے بارے (مشہور صحابی حضرت) سعد بن معاذ (اوسی، انصاری) کو ثالث مقرر فرمایا تھا، آپ ﷺ اگر چاہتے تو ایسا نہ کرتے۔ میں نے ایک حکم (ثالث) مقرر کیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ ثالث نے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا، جبکہ میرے ثالث نے دھوکہ دیا، اور جو واقعہ ظہور پذیر ہوا اس کا سب کو علم ہے۔ اب بتاؤ! کہ کیا تم لوگوں کے پاس اس کے علاوہ بھی کوئی قابل اعتراض بات (دلیل) ہے؟" یہ دلائل سن کر خوارج لاجواب ہو گئے۔ ان کی اکثریت بول اٹھی، "اللہ کی قسم علیؓ نے سچ کہا ہے"۔ پھر انہوں نے اپنے کرتوت سے توبہ کی اور ان میں سے آٹھ ہزار آدمی امان طلب کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آ گئے، مگر ان میں سے چار ہزار آدمی عبداللہ بن وہب راسبی اور حرقوص بن زہیر کی قیادت میں حضرت علیؓ سے جنگ پر ڈٹے رہے۔ جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے امان طلب کی تھی ان سے انہوں نے کہا: "اس معرکہ میں تم لوگ ہم سے الگ ہو جاؤ" اور اپنے ساتھیوں سے کہا: خوارج سے قتال کرو، اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے دس آدمی بھی مارے نہیں جائیں گے اور ان کے دس افراد بھی زندہ نہ بچ سکیں گے۔" اس معرکہ میں حضرت علیؓ کے لشکر کے نو آدمی کام آئے جن کے نام تھے: ذویبہ بن وبرہ بجلی، سعد بن مجالد سبیعی، عبداللہ بن حماد الجریری، رفاعہ بن وائل ارجبی، فیاض بن خلیل ازدی، کیسوم بن سلمہ جہنی، عتبہ بن عبید خولانی، جمیع بن جشم کندی، اور حبیب بن عاصم اودی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرچم تلے لڑنے والوں میں سے صرف یہی نو افراد قتل ہوئے۔ (خوارج میں سے) حرقوص بن زہیر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی غرض سے آگے نکلا اور بولا: "اے پسر ابوطالب، ہم آپ سے جو جنگ کر رہے ہیں اس کا مقصد صرف اللہ اور آخرت کی رضا و سرخروئی ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: "تم لوگوں کی

مثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: ''کہہ دیجئے کہ کیا ہم لوگوں کو ان کے متعلق خبر دیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے نہایت خسارے اور نقصان میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی تگ و دو گمرہی کی نذر ہوگئی، لیکن وہ پھر بھی یہ خیال کر رہے ہیں وہ اچھے اور پسندیدہ اعمال کر رہے ہیں۔ (القرآن، سورۃ الکہف، آیت ۱۰۳)'' (اے حرقوص) رب کعبہ کی قسم تو ایسے ہی لوگوں میں سے ہے۔'' بعد ازاں ان پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حملہ کیا۔ (خوارج کا امیر) عبداللہ بن وہب راسبی مارا گیا اور ذوالثدیہ اپنے گھوڑے سے گر کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس معرکہ میں ''خوارج'' سب کے سب مارے گئے صرف نو (۹) آدمی بچ پائے۔ ان زندہ بچ جانے والوں میں سے دو آدمی ''سیستان'' بھاگ گئے۔ وہاں کے خارجی انہیں دو کے پیروکار ہیں۔ ان میں سے دو بھاگ کر ''یمن'' چلے گئے اور یمن کے ''الاباضیہ'' انہیں کے متبعین ہیں۔ دو بھگوڑے ''عمان'' پہنچے اور عمان کے خارجی انہیں کے پیرو ہیں۔ اسی طرح دو آدمی ''الجزیرہ'' چلے گئے اور وہاں کے خوارج انہیں کے متبعین میں ہیں۔ نواں آدمی ''تل موزن'' بھاگ گیا۔ جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے آدمیوں سے کہا ''ذوالثدیہ'' کی تلاش کرو۔'' چنانچہ ڈھونڈنے پر وہ ایک رہٹ کے نیچے سے نکلا۔ اس کی بغل کے نیچے گوشت کا ایسا لوتھڑا تھا جو عورت کے پستان (ثدیہ) کی طرح تھا۔ یہ دیکھ کر آپؓ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔

پھر اس کو آپؓ کے حکم سے قتل کر دیا گیا (ذوالثدیہ وہاں جان کے خوف سے چھپا ہوا تھا، سو پکڑا گیا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا)۔

''المحکمۃ الاولیٰ'' کا یہ قصہ ہے۔ ان لوگوں کا مذہب یہ تھا کہ حضرات علی، عثمان، اصحاب جمل، معاویہ اور ان کے ساتھی، دونوں ثالث اور جو تحکیم (ثالثی) پر راضی ہوا، سب کے سب کافر ہیں۔ اسی طرح ہر معصیت کار وگناہ گار کافر ہے۔

(واقعۂ نہروان کے) بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خوارج کی ایک جماعت نے، جو المحکمۃ الاولی، کے عقیدہ پر تھی خروج کیا۔ ان میں اشرس بن عوف نے ''انبار'' کے مقام

پر آپؓ کے خلاف بغاوت کی، غفلہ تیمی، کہ قبیلہ تیم عدی سے تعلق رکھتا تھا، مقام ماسبذ ان میں باغی ہوگیا، اشہب بن بشرانی نے مقام ''جرجرایا'' میں علم بغاوت بلند کیا اور سعد بن قفل مقام مہران میں آمادۂ فتنہ وفساد ہوا۔ اسی طرح ابومریم سعدی ''سواد کوفہ'' میں حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان شورش پسندوں میں سے ہر ایک کے خلاف علیحدہ علیحدہ دستہ ہائے فوج روانہ کئے اور یہ تمام خوارج مار ڈالے گئے۔ اس کے بعد اس سال ماہ رمضان ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے۔ ۹

جب (۴۱ھ میں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر لوگوں کا اتفاق ہوگیا تو ان کے خلاف اور ان کے بعد ہونے والے خلفاء کے خلاف ''الازارقہ'' کے ظہور سے قبل، خوارج نے کہ ''المحکمۃ الاولیٰ'' کے عقیدہ پر قائم تھے پے در پے بغاوتیں کیں۔ ان باغیوں میں سے عبداللہ بن جوشا طائی نے ''سواد کوفہ'' میں بمقام ''نخیلہ'' بغاوت کی۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی سرکوبی کے لئے کوفہ والوں کا ایک دستہ بھیجا، جس نے ان سب کو قتل کردیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے خلاف حوثرہ بن وداع اسدی نے ۴۱ھ میں بغاوت کی۔ یہ شخص جنگ نہروان کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امان طلب کرکے خوارج سے الگ ہوگیا تھا۔ اسی طرح (عراق کے گورنر) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۰ھ) کے خلاف قرہ بن نوفل اشجعی اور مستورد بن علقمہ تیمی نے خروج کیا اور وہ سب جنگ میں مارے گئے۔ (جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے) زیاد بن ابی سفیان (متوفی ۵۳ھ) عراق کے گورنر ہوئے تو ان کے خلاف زیاد بن خراش عجلی نے خروج کیا اور میدان جنگ میں کھیت رہا۔ (عراق کے گورنر) عبیداللہ بن زیاد کے زمانہ میں قریب بن مرہ اور زفاف بن زحر طائی نے حکومت کے خلاف بغاوت کی، رہزنی پر اتر آئے اور جسے پاتے تلوار کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ ان کے خلاف عبیداللہ بن زیاد نے عباد بن حصین حبطی کو ایک دستہ فوج کے ساتھ روانہ کیا، مقابلہ میں یہ خوارج مار ڈالے گئے۔

یہ وہ ''خوارج'' ہیں جنہوں نے ''الازارقہ'' کے ظہور سے قبل بغاوت کرکے ''المحکمۃ

الاولیٰ'' کی حمایت کی۔

## ۲۔خارجیوں کا فرقہ الازارقہ؎۱۰:

یہ فرقہ ابوراشد نافع بن ازرق حنفی؎۱۱ کا پیرو ہے۔خوارج کے کسی بھی فرقے کو اس فرقہ سے زیادہ پیروکاروں کی کثرت تعداد اور فوجی قوت وصولت حاصل نہیں ہوئی۔ان ازارقہ کے متفق علیہ عقائد یہ ہیں:۔

۱۔ امت اسلامیہ کے جو لوگ ان کے مخالف ہیں وہ سب ''مشرک'' ہیں، جبکہ ''المحکمۃ الاولیٰ'' انہیں ''کافر'' کہتے تھے اور ''مشرک'' نہیں کہتے تھے۔

۲۔ وہ لوگ جو خوارج کے ہم خیال ہیں مگر ہجرت کر کے ان کے ہاں نہیں آتے اور ان کے مخالفین سے قتال نہیں کرتے، وہ بھی ''مشرک'' ہیں خواہ ان کے ہم خیال وہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں۔

۳۔ اگر کوئی شخص ان کے لشکر میں آ کر یہ دعویٰ کرتا کہ وہ ان کا ہم عقیدہ ہے تو وہ لوگ اسے سخت آزمائش میں ڈال دیتے تھے اور وہ یوں کہ اپنے مخالفوں میں سے ایک قیدی کو اس کے سامنے لاکر یہ حکم دیتے تھے کہ اسے قتل کرو اگر وہ شخص اس قیدی کو قتل کر دیتا تو لوگ اُس کے اس دعویٰ کو کہ وہ ان کا ہم عقیدہ ہے صحیح مان لیتے تھے۔اور اگر وہ شخص اس قیدی کو قتل کرنے سے انکار کرتا، تو کہتے یہ شخص ''منافق'' اور ''مشرک'' ہے اور پھر اسے مار ڈالتے تھے۔

۴۔ ان کے نزدیک اپنے مخالفین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دینا مباح وحلال تھا۔ان کے خیال میں یہ بچے مشرک ہیں اور ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ ان کے مخالفوں کے بچے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلیں گے۔

اس بارے میں کہ ''ازارقہ'' کے یہ عقائد کہ جو خارجی ان کے پاس ہجرت کر کے نہ آئے اور اُن کے ساتھ ہو کر ان کے دشمنوں سے قتال نہ کرے اور یہ کہ جو اجنبی ان کے لشکر گاہ میں آ کر ان کی ہم خیالی کا دعویٰ کرے، اس کا امتحان لیا جائے، مورخین کے مابین یہ اختلاف ہے کہ

سب سے پہلے کس شخص نے یہ عقائد اُن میں رائج کیے۔ سو کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ان عقائد کو اُن میں عبدربہ کبیر نے قائم کیا۔ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ ان بدعات کا بانی عبدربہ صغیر ہے۔ کچھ اور مورخین کی رائے ہے کہ ان عقائد کی ایجاد کا سہرا عبداللہ بن وضین کے سر ہے۔ اس نے اس مسئلہ میں نافع بن ازرق کی مخالفت کی اور اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا (مگر نافع نے اسے تسلیم نہ کیا) لیکن جب ابن وضین مرگیا تو نافع اور اس کے پیروکاروں نے اس کی بدعات کو قبول کرلیا اور بولے کہ وہی صحیح بات کہتا تھا مگر نافع نے اس شخص کی زندگی میں اس کی مخالفت کرنے اور موت کے بعد اس کی رائے سے اتفاق کرنے پر اپنے کفر کا اقرار نہیں کیا، لیکن اپنے رجوع کرنے کے بعد ان عقائد سے اختلاف کرنے والوں کی اس نے تکفیر کی۔ اسی طرح نافع نے ''المحکمۃ الاولیٰ'' سے برائت نہ کی، حالانکہ وہ ان خوارج کی تکفیر کے قائل نہ تھے جو ان کے ہاں ہجرت کرکے نہ آئیں اور ان کے ساتھ ہوکر ان کے دشمنوں سے نہ لڑیں۔ اور نافع نے کہا کہ یہ عقیدہ ایسی چیز ہے جس پر ہم المحکمۃ الاولیٰ کے برخلاف ہمیشہ سے عمل کرتے رہے ہیں۔ مگر اس اعتراف کے بعد جن لوگوں نے اس مسئلہ میں اس کے خلاف عمل کیا، وہ انہیں کافر سمجھتا تھا۔

نافع اور اس کے متبعین کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے مخالفوں کا ملک ''دارکفر'' ہے۔ اور اس میں بچوں اور عورتوں کو قتل کردینا جائز ہے۔ اسی طرح ''ازارقہ'' نے (زنا میں) حد رجم (سنگ سار کرنے کی سزا) کا انکار کیا۔ اسی طرح امانت کے توڑ دینے اور اس میں خیانت کرنے کو انہوں نے حلال ٹھہرایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے اس خیانت کی دلیل یہ دی کہ ہمارے مخالف مشرک ہیں، سو ہم پر ان کی امانت کی واپسی ضروری و لازم نہیں ہے۔ اسی طرح پاک باز آدمی پر زنا کی تہمت لگانے والے (قاذف) پر ان کے ہاں کوئی حد (سزا) نہیں ہے، ہاں اگر کوئی پاک باز عورتوں پر زنا کی تہمت لگائے تو ان کے ہاں اس پر ''حد قذف'' جاری کی جائے گی، وہ چور، خواہ تھوڑا مال چرائے یا زیادہ اس کے ہاتھ کے کاٹنے

کے قائل ہیں اوراس میں کسی نصاب (ایک مقررہ مقدار) کے قائل نہیں ہیں۔

امت مسلمہ ان بدعتوں کے سبب ازارقہ کو کافر سمجھتی ہے اور یہ الحکمۃ الاولیٰ کے کفریہ عقائد میں ان کی شمولیت کے بعد ہے۔ یوں وہ لوگ کفر در کفر کے مرتکب ہیں یہ اس شخص کی طرح ہے جو ایک غیض وغضب کے بعد دوسرے غیض وغضب میں مبتلا ہوا (یعنی غضب متوالی) یقیناً کافروں کے لئے ذلت دہ عذاب ہے۔

ازارقہ نے ان بدعات پر اتفاق رائے کے بعد، نافع بن ازرق کی بیعت کی اور اسے ''امیر المومنین'' کا لقب دیا۔ عمان و یمامہ کے خوارج بھی ان سے آ کر مل گئے اور ان کی تعداد بیس (۲۰،۰۰۰) ہزار سے زیادہ ہوگئی۔ انہوں نے ''اہواز'' اور اس کے پرے فارس و کرمان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور وہاں ''خراج'' (زمین کے مالیہ) کی وصولی شروع کردی۔ اس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جانب سے بصرہ کا گورنر عبداللہ بن حارث خزاعی تھا۔ اس نے سلم بن عبس بن کریز بن حبیب بن عبدشمس (قرشی) کی قیادت میں ازارقہ سے جنگ کی غرض سے ایک لشکر روانہ کیا۔ فریقین کا مقابلہ مقام ''دولاب الاہواز'' میں ہوا۔ سلم بن عبس اور اس کے اکثر سپاہی کھیت رہے۔ اس شکست کے بعد بصرہ سے ایک اور لشکر جس کی تعداد دو ہزار سوار تھی، عمر بن عبید اللہ بن معمر تمیمی کی سرداری میں بھیجا گیا مگر ازارقہ نے اس لشکر کو بھی شکست دیدی۔ اس کے بعد تیسرا لشکر حارثہ بن بدر الغدانی کی قیادت میں ازارقہ سے جنگ کی غرض سے روانہ کیا اس میں بصرہ کی تین ہزار فوج تھی، لیکن ازارقہ کے ہاتھوں ان کو بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ان پے درپے ہزیمتوں کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے (مشہور ماہر حرب) مہلب بن ابی صفرہ (ازدی، متوفی ۸۲ھ) کو، جو ان دنوں خراسان کا گورنر تھے، ازارقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا، اس حکم کے بعد مہلب بصرہ آئے وہاں کے لشکریوں میں سے دس ہزار فوجیوں کو منتخب کیا، ان کے علاوہ ان کے ساتھ ان کی قوم ''ازد'' کے لوگ بھی آ کر مل گئے۔ یوں ان کے لشکر کی مجموعی تعداد بیس ہزار ہوگئی۔ اس لشکر کو لے کر مہلب بصرہ سے نکلے۔ پہلی جنگ ''دولاب الاہواز'' میں ہوئی۔ مہلب نے ازارقہ کو شکست دے کر وہاں سے بھگا دیا۔

خوارج نے ''الاہواز'' کو اپنا دوسرا مرکز بنایا اور وہاں اکٹھا ہو گئے۔ اس شکست کے دوران نافع چل بسا اور خوارج نے عبیداللہ بن ماموں تمیمی کی امارت کی بیعت کر لی۔ مہلب سے اس کا دوسرا معرکہ ''الاہواز'' میں ہوا، جس میں عبیداللہ بن ماموں اور اس کا بھائی عثمان بن ماموں اپنے تین سو جاں بازوں کے ساتھ مارے گئے اور بقیہ لوگ مقام ''ایدج'' بھاگ گئے۔ وہاں انہوں نے قطری بن الفجاءۃ ۱۳۱ کی بیعت کر کے اسے ''امیرالمومنین'' کا نام دیا۔ اس سے مہلب کے متعدد معرکے ہوئے جس میں کبھی ایک فریق کا اور کبھی دوسرے فریق کا پلہ بھاری رہتا تھا۔ آخر میں ازارقہ کو شکست فاش ہوئی اور وہ فارس کے علاقہ ''سابور'' کی طرف بھاگ گئے اور اسے اپنا ''دارہجرت'' قرار دیا۔ مہلب ان کے بیٹے اور ان کے حامی انیس سال تک نہایت ثابت قدمی کے ساتھ ازارقہ کے قلع قمع میں مشغول رہے۔ ان لڑائیوں میں سے چند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں اور باقی عبدالملک بن مروان کے دور خلافت اور عراق کے اموی گورنر حجاج بن یوسف کے زمانہ امارت میں لڑی گئیں۔ حجاج نے مہلب کو ازارقہ سے محاربات پر بدستور مقرر رکھا۔ چنانچہ ان سالوں میں ''فارس'' اور ''الاہواز'' کے علاقوں میں مہلب اور ازارقہ میں برابر لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں مہلب کی افواج ان پر حملے کرتیں اور ازارقہ بھاگتے اور حملہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ازارقہ میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور عبدربہ کبیر قطری سے الگ ہو کر سات ہزار آدمیوں کو لے کر ''جیرفت کرمین'' کی ایک ''وادی'' کی جانب چلا گیا۔ اسی طرح عبدربہ صغیر، قطری سے لڑ کر چار ہزار سپاہ کے ہمراہ ''کرمان'' کے ایک دوسرے علاقہ کی سمت چلا گیا۔ اور قطری سرزمین فارس میں دس ہزار سے کچھ اوپر حامیوں کے ساتھ رہ گیا۔ یہاں مہلب نے اس سے لڑ کر اسے ''کرمان'' بھاگنے پر مجبور کر دیا اور یہاں بھی قطری کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہاں سے کھدیڑ کر اسے ''ری'' بھگا دیا۔ اس کے بعد مہلب نے عبدربہ کبیر کو دھر لیا اور شکست دے کر اسے مار ڈالا۔ پھر مہلب نے اپنے بیٹے یزید بن مہلب کو عبدربہ صغیر کے استیصال کے لئے روانہ کیا۔ جس نے اسے اور اس کے لشکریوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اسی اثناء میں حجاج بن یوسف نے سفیان بن امبرد کلبی کو ایک بڑے لشکر کے ہمراہ قطری کی سرکوبی

کے لئے جو ''ری'' سے ہٹ کر ''طبرستان'' چلا گیا تھا، روانہ کیا۔ اس فوج نے خوارج کو شکست دے کر قطری کو قتل کر دیا اور اس کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا۔ عبیدہ بن ہلال یشکری نامی خارجی نے قطری سے علیحدگی اختیار کر کے ''قوس'' کا رخ کیا تھا۔ سفیان بن ابرو کلبی نے قطری کا کام تمام کرنے کے بعد اس کا پیچھا کیا اور اسے ''قوس کے قلعہ'' میں گھیر لیا، اور آخر کار اسے اور اسکے تمام پیروؤں کو جان سے مار ڈالا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ''ازارقہ'' کے وجود سے زمین کو پاک صاف کر دیا۔ اور ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

## ۳۔ خوارج کا فرقہ النجدات[۱۴]:

یہ فرقہ بنو حنیفہ کے نجدہ بن عامر[۱۵] کے متبعین پر مشتمل ہے۔ نجدہ کو خوارج کی سرداری کیسے ملی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ جب نافع بن ازرق نے اپنے ہم مسلک ایسے افراد سے جو ان کے ساتھ نہ لڑتے تھے اور نہ ان کے ''دار ہجرت'' کی جانب ہجرت ہی کرتے تھے، برائت و بیزاری کا اظہار کیا اور انہیں ''مشرک'' کا نام دیا اور اس طرح اپنے مخالفوں کے بچوں اور عورتوں کے قتل کو مباح ٹھہرایا، تو اس سے ان امور میں اختلاف کر کے ابوخدیک، عطیہ حنفی، راشد الطّویل، مقلاس، ایوب ازرق اور ان کے حامیوں نے علیحدگی اختیار کر لی اور ''یمامہ'' چلے گئے۔ وہاں ان لوگوں کی نجدہ بن عامر سے ملاقات ہوئی جو خوارج کا ایک لشکر لے کر نافع کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے نجدہ کو نافع کی ''بدعات'' سے آگاہ کیا اور اسے واپس ''یمامہ'' لائے۔ یہاں انہوں نے نجدہ بن عامر کی بیعت کر لی۔ انہوں نے ایسے لوگوں کو کافر کہا جو خوارج کے ایسے گروہ کو کافر سمجھتے تھے، جو ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے جنگ نہ کرتے تھے اور ان کے ''دار ہجرت'' کی جانب نقل مکانی بھی نہ کرتے تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کی بھی تکفیر کی جو نافع کی امامت کے قایل تھے۔ یہ لوگ نجدہ کی امامت پر ثابت قدم رہے تا آنکہ اس سے چند قابل اعتراض باتوں کے سرزد ہونے کے سبب اس کے خلاف ہو گئے اور تین فرقوں میں منقسم ہو گئے۔

(۱) ایک گروہ عطیہ بن اسود حنفی ۱۶ کے ہمراہ سیستان چلا گیا۔ یہاں کے خوارج ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسی لئے یہاں کے خارجیوں کو ''عطویہ'' کہا جاتا ہے۔

(۲) ایک گروہ ابوفدیک کے ساتھ ہو کر نجدہ سے آمادہ پیکار ہو گیا اور اسی گروہ نے آخر کار اسے قتل کر دیا۔

(۳) ایک گروہ نے نجدہ کی معذرت قبول کر لی اور اس کی امامت پر ثابت قدم رہا۔

نجدہ کے متبعین نے اس کی جن باتوں پر اعتراض کیا اور ناپسندیدگی ظاہر کی وہ یہ ہیں۔

۱۔ اس نے ایک لشکر بری (خشکی) جنگ کی غرض سے اور دوسرا لشکر بحری (سمندری) جنگ کے لئے روانہ کیا۔ اور ''بری افواج'' میں شامل لوگوں کو ''بحری فوج'' میں شریک افراد پر تنخواہوں اور عطایا میں ترجیح دی۔

۲۔ اس نے ایک فوج مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کے لئے بھیجی۔ وہاں لوٹ مار میں دیگر اموال غنیمت کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خاندان کی ایک لڑکی بھی ان کے ہاتھ لگی۔ اس لڑکی کے متعلق عبدالملک بن مروان نے نجدہ کو لکھا، نجدہ نے اس لڑکی کو، جس شخص کے حصہ میں آئی تھی، خرید کر عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اس پر خوارج نے یہ اعتراض کیا کہ تم نے ہماری ایک لونڈی کو ہمارے دشمن کے ہاں واپس کر دیا۔

۳۔ اس نے اپنے پیروں کی اجتہادی غلطی پر انہیں ناواقفیت کی بناء پر معاف کر دیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بیٹے مطرح کی قیادت میں ایک دستہ فوج (عرب کے مقام) ''قطیف'' پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے اہل قطیف پر بے خبری میں حملہ کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی باندی بنا لیا۔ ان اسیر خواتین کی انہوں نے قیمت لگا کر اپنے تصرف میں لے لیا اور مال غنیمت سے حکومت کے خمس (1/5) نکالنے سے پہلے ہی ان سے جنسی تعلقات قائم کر لئے اور بولے کہ اگر یہ عورتیں ہمارے حصے میں آئیں تو یہی ہماری دلی خواہش ہے اور اگر مال غنیمت میں ہمارے حصے سے ان کی قیمت زیادہ ہوئی تو ہم اسے اپنے ذاتی مال سے ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ جب یہ لوگ نجدہ کے پاس واپس آئے تو انہوں نے نجدہ سے

اپنے اس کرتوت کے بارے میں کہ مال غنیمت کے پانچ حصوں میں تقسیم کرنے اور ایک حصہ حکومت کے لئے نکال کر باقی چار حصے سپاہ میں بانٹنے سے پہلے ہی مال میں خورد برد اور عورتوں کے ساتھ جماع کرنے پر، دریافت کیا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ نجدہ نے کہا یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ان لوگوں نے یہ جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ایسا کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ناواقفیت کی بناء پر ان لوگوں کو معاف کر دیا گیا بعد میں اس نے کہا کہ دین دو باتوں کا نام ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے رسولوں کی معرفت کا اقرار کیا جائے، مسلمانوں کے خون کو حرام سمجھا جائے، ان کے مال پر زبردستی قبضہ کو حرام جانا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے جو احکام نازل ہوئے ہیں، ان کا مجملاً اقرار کیا جائے۔ سو یہ وہ امر ہے جس کا جاننا ہر مکلّف شخص پر واجب ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے اگر لوگ انہیں نہیں جانتے تو وہ قابل معافی ہیں۔ تا آنکہ ان کے حرام یا حلال ہونے کے بارے میں حجت و دلیل قائم نہ ہو جائے۔ چنانچہ جس نے کسی حرام چیز کو اپنے اختیار سے حلال کر لیا، تو وہ معذور و قابل معافی ہے اور جس شخص کا یہ خیال ہو کہ غلطی کرنے والے مجتہد پر حجت و دلیل قائم کرنے سے پہلے عذاب ہوگا، ایسا شخص کافر ٹھہرے گا۔

نجدہ کی بدعتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے حامیوں میں سے ''حدود'' کے مرتکبین سے تولا (دوستی) کر لی اور کہا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دے، لیکن یہ سزا آتش دوزخ کی نہ ہوگی، اس سزا کے بعد وہ لوگ جنت میں داخل کر لئے جائیں گے۔ اس کے خیال میں جہنم صرف ان لوگوں کا ٹھکانا ہوگا جو دین میں اس کے مخالف ہیں۔

نجدہ کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ اس کے نزدیک ''شراب نوشی'' میں حد (سزا) نہیں ہے۔

اس کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ اس کے خیال میں جس کسی نے ایک ہلکی سی نظر ڈالی یا چھوٹا سا گناہ کیا اور اس پر اصرار کیا یعنی اس کا بار بار ارتکاب کیا یا اسے درست جانا، تو ایسا شخص ''مشرک'' ہے۔ اسی طرح جس شخص نے زنا کی، چوری کی یا شراب پی لیکن اس کا بار بار ارتکاب نہ کیا تو وہ ''مسلم'' ہے، بشرطیکہ وہ اس کا ہم مذہب اور حامی ہے۔

جب نجدہ نے یہ نئی باتیں ایجاد کیں اور ان بدعتوں کو رواج دیا اور ناواقفیت کی بناء پر اپنے ساتھیوں کو ارتکاب معاصی کے باوجود اس نے معاف کر دیا تو اس کے ساتھیوں نے ان باتوں پر اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ مسجد میں چل کر اپنی ان بدعتوں سے توبہ کرو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ بعدازاں توبہ کا مطالبہ کرنے والوں میں سے کچھ لوگ اپنے اس فعل پر پشیمان ہوئے اور ان لوگوں سے جا ملے جو اسے معذور اور قابل معافی سمجھتے تھے اور نجدہ سے کہا کہ تم ہمارے امام ہو اور تمہیں اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ ہمارا منصب نہ تھا کہ ہم تم سے توبہ کا مطالبہ کرتے، اس لئے اپنی توبہ سے توبہ کرو اور جنہوں نے تم سے توبہ کا مطالبہ کیا تھا ان سے بھی توبہ کراؤ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہم تم سے لڑیں گے۔ نجدہ نے اس مطالبہ پر بھی عمل کیا۔ اس کے باوجود اس کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کی اکثریت نے اس کی بیعت فسخ کر کے اسے امامت سے معزول کر دیا۔ اور کہا کہ تم ہمارے لئے کوئی امام مقرر کر دو۔ چنانچہ نجدہ نے ابوفدیک کو ان کا امام مقرر کر دیا۔ راشد الطّویل ابوفدیک کا دست راست بن گیا۔ ابوفدیک کو جب ''یمامہ'' پر پوری طرح اقتدار حاصل ہو گیا، تو اسے خوف ہوا کہ جب وہ دستے جنہیں نجدہ نے لوٹ مار کے لئے بھیجا ہے، واپس آئیں گے تو وہ لوگ نجدہ کو دوبارہ اپنا امیر و امام بنالیں گے، اس لئے اس نے نجدہ کو قتل کرنے کی غرض سے ڈھونڈھنا شروع کیا، مگر نجدہ اپنے کو معذور و قابل معافی خیال کرنے والوں میں سے ایک کے گھر میں روپوش ہو گیا۔ اور اپنی فوج کے ان دستوں کا جنہیں اس نے شام کے ساحلی علاقوں اور یمن کے گرد و نواح میں بھیجا تھا انتظار کرنے لگا، نجدہ کی تلاش میں ابوفدیک نے یہ اعلان کرا دیا: ''جو شخص ہمیں نجدہ کا پتا بتائے گا اسے دس ہزار درہم انعام دیئے جائیں گے۔ اور جو غلام اس کا پتا بتائے گا وہ آزاد سمجھا جائے گا۔'' اس اعلان کے نتیجے میں نجدہ جن لوگوں کے ہاں روپوش تھا، ان کی ایک لونڈی نے اس کا پتا بتا دیا۔ ابوفدیک نے راشد الطّویل کو ایک دستہ فوج کے ہمراہ نجدہ کو بازیاب کرانے کی غرض سے بھیجا، ان لوگوں نے اسے پکڑ کر سر قلم کر لیا اور ابوفدیک کی خدمت میں اس کو پیش کر دیا۔

نجدہ کے قتل کے بعد ''نجدات'' تین فرقوں میں منقسم ہو گئے:۔

۱۔ایک فرقہ نے اس کی تکفیر کی اور ابوفدیک سے جاملا۔ان میں راشد الطویل، ابوبیہس، ابوشمراخ اور ان کے متبعین شامل ہیں۔

۲۔ایک فرقے نے اس کے کرتوت پر اسے معذور جان کر معاف کر دیا۔اور اب یہی لوگ ''نجدات'' کہلاتے ہیں۔

۳۔نجدات کا ایک گروہ جو''یمامہ'' سے دور اور بصرہ کے گرد و نواح میں مقیم تھا،نجدہ کی بدعات کی داستان کو سچ ماننے میں اسے شک و شبہ ہوا اور اس کے معاملہ میں توقف سے کام لیا (یعنی مخالفت یا موافقت ظاہر نہ کی) اور کہا کہ ہم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ آیا اس نے یہ بدعتیں ایجاد کی ہیں یا ایسا نہیں کیا ہے ہم اس سے اس وقت تک برائت اور بیزاری کا اعلان نہیں کر سکتے جب تک ہمیں اس کا یقین نہ ہو جائے۔

ابوفدیک نجدہ کے مارے جانے کے بعد بھی برسر پیکار رہا۔آخر آخر عبدالملک بن مروان نے عمر بن عبید اللہ بن معمر تمیمی کو اس کے استیصال کے لئے ایک فوج دے کر روانہ کیا۔اس فوج نے ابوفدیک کو شکست دے کر مار ڈالا اور اس کا سر عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا۔ نجدات (کے آغاز و انجام) کا یہ قصہ ہے۔

۴۔خوارج کا فرقہ الصُفریہ:

یہ لوگ زیاد بن صفر کے پیرو ہیں۔مختصراً ان کا بھی عقیدہ اس بارے میں''ازارقہ'' ہی جیسا ہے کہ مرتکبین گناہ مشرک ہیں۔لیکن صفریہ اپنے مخالفوں کے بچوں اور عورتوں کو قتل نہیں کرتے، جبکہ ازارقہ ایسا کرتے ہیں۔صفریہ کے ایک فرقہ کا عقیدہ ہے جن اعمال کے ارتکاب پر حد مقرر ہے،ان کے مرتکبین کو صرف ان ناموں سے پکارا جائے گا جو ان حدود کے ارتکاب کرنے والوں کے لئے وضع کر دیے گئے ہیں، زنا کے مرتکب کو زانی، چوری کرنے والے کو سارق، تہمت لگانے والے کو قاذف اور عمداً قتل کرنے والے کو''قاتل عمد'' کہا جائے گا، کیونکہ ان حدود کے مرتکبین نہ تو کافر ہیں اور نہ مشرک ہی ہیں۔وہ تمام گناہ جن کے ارتکاب پر حد (مقررہ سزا) نہیں

ہے، مثلاً ترک صلوٰۃ وترک صوم تو ان کا تارک اس لئے کافر ہے کہ یہ عمل کفر ہے اور اس نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔ اور دونوں صورتوں میں گناہ گار مومن پر اہل ایمان ہونے کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا (یعنی نہ تو مرتکب حدود مومن ہے اور نہ مرتکب غیر حدود ہی صاحب ایمان ہے)

صفریہ کے تیسرے گروہ نے فرقہ بیہسیہ جیسے خیالات کا اظہار کیا اور وہ یہ کہ مرتکب گناہ کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک کہ وہ حاکم کے پاس نہ لے جایا جائے اور وہ اس پر حد نہ جاری کرے۔ اس بیان کے مطابق صفریہ کے تین فرقے ہوگئے:۔

۱۔ ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب کرنے والا کافر ہے اور یہی ازارقہ کا بھی عقیدہ ہے۔

۲۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ ایسے گناہ گار پر جس میں حد (متعین سزا) نہیں ہے، کافر کے نام کا اطلاق کیا جائے گا۔ لیکن ایسا مجرم جس کے گناہوں پر حد جاری کی گئی ہو، ایمان سے خارج ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ جب مجرم پر حاکم حد جاری کر دے تو اس پر کافر کے نام کا اطلاق ہوگا۔

صفریہ کے یہ تینوں فرقے (اپنے مخالفوں کے) بچوں اور عورتوں کے قتل کے جواز پر باہم متفق اور ازارقہ کے خلاف ہیں۔ صفریہ عبداللہ بن وہب راسبی (متوفی ۳۸ھ)، حرقوص بن زہیر اور ان دونوں کے متبعین المحکمۃ الاولیٰ سے ''تولا'' کے قائل ہیں۔ اور ان کے بعد ابو بلال مرداس خارجی اور اس کے بعد عمران بن حطان سدوسی کو امام مانتے ہیں۔

ابو بلال مرداس نے خلیفہ یزید بن معاویہ (۶۰ھ تا ۶۴ھ) کے دور میں بصرہ کے والی عبیداللہ بن زیاد کے خلاف بصرہ کے گرد ونواح میں خروج کیا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے اس کی سرکوبی کے لئے زرعہ بن مسلم عامری کو دو ہزار سپاہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ زُرعہ خوارج کے عقائد کے متعلق نرم گوشہ رکھتا تھا۔ چنانچہ جب فریقین نے جنگ کے لئے صف بندی کی تو زُرعہ نے ابو بلال سے کہا: ''تم لوگ حق پر ہو مگر ہم ابن زیاد سے ڈرتے ہیں کہ مبادا ہمارے وظیفہ کو ختم کر

دے، اس لئے ہمارے لئے تم سے قتال کرنا ضروری ہے۔" اس کے جواب میں اس سے ابوبلال نے کہا: "کاش! میں نے تم لوگوں کے بارے میں اپنے بھائی عروہ کی بات مان لی ہوتی جس نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ قریب اور زحاف کی طرح میں بھی تم لوگوں کو بصرہ کی گلی کوچوں میں تلوار پر دھرلوں۔ مگر میں نے ان دونوں اور اپنے بھائی کے مشورے کے خلاف کیا۔" بعد ازاں ابوبلال اور اس کے حامیوں نے زُرعہ اور اس کی فوج پر حملہ کر کے انہیں شکست دیدی۔

اب زیاد بن عبیداللہ نے ابوبلال کے مقابلہ پر عباد بن اخضر تمیمی کو بھیجا۔ اس نے "توج" کے مقام پر ابوبلال سے جنگ کی اور اسے اور اس کے ہمراہیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ جب ابن زیاد کو ابوبلال کے قتل کی خبر ملی تو اس نے بصرہ میں "صفریہ" کو چن چن کر مروا ڈالا۔ ابوبلال مرداس کے بھائی عروہ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے روبرو پیش کیا گیا تو اس نے کہا: "تو نے اپنے بھائی مرداس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ لوگوں کو گلی کوچوں میں جہاں بھی وہ ملیں قتل کر دیا جائے، اللہ نے تجھ سے اور تیرے بھائی سے لوگوں کا انتقام لے لیا۔ پھر زیاد کے حکم سے عروہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے سولی دے دی گئی۔ مرداس کے مارے جانے کے بعد صفریہ نے عمران بن حطان [1] کو اپنا امام بنالیا۔ اس نے مرداس کا مرثیہ لکھا ہے جس میں وہ کہتا ہے:۔

"میں تیرے بعد وہ سب بھلا بیٹھا جسے میں جانتا تھا۔ اے مرداس تیرے بعد انسان، انسان نہ رہے۔"

یہ عمران بن حطان ناسک (زاہد)، شاعر اور نہایت کٹر صفری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس خبیث کو اس قدر عداوت تھی کہ اس نے عبدالرحمٰن بن ملجم (قاتل حضرت علیؓ) کا مرثیہ کہا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے۔

"اس مردِ پارسا کی ضرب شمشیر کا کیا کہنا، جس سے اس کا مقصد صرف صاحب عرش کی رضاء جوئی تھا۔

جب میں کبھی اندازہ لگاتا ہوں اور محاسبہ کرتا ہوں تو اسے (ابن ملجم کو) میزان عمل میں تمام دنیا والوں سے زیادہ پورا اور بھرپور پاتا ہوں۔"

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا ان اشعار میں جواب دیا ہے۔

''اس کافر کی ضرب شمشیر کو دیکھو جس کا مقصد آتش دوزخ میں اسے جلائے جانے کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

میں اس پر، اس کے دین پر اور اس شخص پر لعنت بھیجتا ہوں، جو اس کے لئے کبھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کی امید رکھتا ہو، وہ بدبخت تمام انسانوں سے بڑھ کر بدبخت، اللہ تعالیٰ کے ہاں میزان عمل میں سب سے ہلکا اور سب سے برا ہے۔''

### ۵۔ خوارج کا فرقہ العجاردۃ:

سارے ''عجاردہ'' عبدالکریم بن عجرد کے پیروکار ہیں۔ یہ عبدالکریم عطیہ بن اسود حنفی کے تبعین میں تھا۔ عجاردہ دس گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، مگر ان میں یہ عقیدہ مشترک ہے اور سب اسے مانتے ہیں کہ (مخالفین کے) بچے جب سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں اسلام (مذہب خوارج) کی دعوت دی جائے گی۔ اور جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں انہیں اسلام کی دعوت نہ دی جائے ان سے برائت (لاتعلقی) واجب ہے یا پھر وہ خود ہی اپنے عقائد کی کیفیت بیان کریں اور جب تک ایسا نہ کریں اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ انہوں نے ایک اور امر میں ازارقہ سے علیحدگی اختیار کی کہ ازارقہ ہر حال میں اپنے مخالفوں کے مال پر قبضہ کرنے کو مباح جانتے ہیں جبکہ عجاردہ اپنے مخالفین کے مال کو اس وقت تک ''فیئ'' نہیں قرار دیتے جب تک کہ اس کے مالک کو وہ جان سے نہ مار ڈالیں۔ عجاردہ ان متفق علیہ عقائد پر قائم تھے پھر وہ کہ متعدد فرقوں میں منقسم ہو گئے جن کا ہم ذکر کرتے ہیں:۔

### ۶۔ خوارج (العجاردہ) کا فرقہ الخازمیہ:

سیستان کے عجاردہ کی اکثریت انہیں لوگوں پر مشتمل ہے۔ ''قدر''، ''استطاعت'' اور ''مشیئت'' کے بارے میں ان کے عقائد اہل سنت جیسے ہیں، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور استطاعت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

الخازمیہ، فرقہ میمونیہ کو جو ''قدر'' و ''استطاعت'' میں ''قدریہ معتزلہ'' کے ہم عقیدہ ہیں ان عقائد کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں۔

الخازمیہ نے خوارج کی اکثریت سے ''ولایت'' (دوستی) اور ''عداوت'' (دشمنی) کے مسئلہ میں اختلاف کیا اور کہا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں۔ اور اللہ عزوجل بندے سے اس کی اس حالت کی وجہ سے محبت کرتا ہے جس کی طرف وہ آخر آخر جانے والا ہے۔ خواہ وہ عمر کے بڑے حصے میں کافر ہی کیوں نہ رہا ہو۔ اسی طرح اللہ عزوجل یہ دیکھتا ہے کہ بندہ آخر عمر میں کفر کا کیوں کرارتکاب کرتا ہے۔ خواہ وہ عمر کے بیشتر حصے میں مومن ہی کیوں نہ رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء (دوستوں، نیکوکاروں) کو ہمیشہ دوست رکھتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نہایت ناپسند کرتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ اہل السنّت کے ''عقیدہ موافاۃ'' کے عین مطابق ہے۔ (یعنی بندہ مومن ہے یا کافر اس کا فیصلہ اس کی زندگی کے آخری ایام کے عمل سے ہوگا) مگر اہل السنّت فرقہ خازمیہ کے عقیدۂ موافاۃ کو تسلیم کر لینے کے بعد ان سے کہتے ہیں کہ اس بناء پر حضرات علی، طلحہ، زبیر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو اہل جنت میں ہونا چاہئے کیونکہ وہ ''بیعت رضوان'' میں شریک تھے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ ان ایمان والوں سے راضی ہوا جو آپ ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے (سورۃ الفتح، آیت ۱۸)''۔ چنانچہ اہل السنّت نے الخازمیہ سے کہا: ''بندے سے اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان کی حالت میں مرے گا، تو ضروری ہوا کہ ''شجرہ'' کے نیچے بیعت کرنے والے صحابہ اسی صفت ایمان سے متصف ہوں۔ حضرات علی، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہاں بیعت کی تھی۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر ہو کر قریش کے پاس مکہ گئے تھے) کفار مکہ نے گرفتار کر رکھا تھا (اور اس اطلاع ملنے پر کہ کفار نے انہیں شہید کر دیا ہے، انہیں کے خون کا انتقام لینے کی غرض سے بیعت

رضوان ہوئی تھی) اور رسول اکرم علیہ السلام نے ان کی جانب سے خود اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر مار کر بیعت لی تھی۔ اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کے عوض کر دیا تھا۔ (سو وہ بھی شرکائے بیعت رضوان میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق، صاحب ایمان اور جنتی ہیں)۔ اس بات سے جو لوگ ان حضرات کو کافر قرار دیتے ہیں، ان کے عقیدہ کا بطلان (غلط و باطل) درست قرار پاتا ہے۔

۷۔ خوارج (العجاردہ) کا فرقہ الشعیبیہ:

''قدر''، ''استطاعت'' اور ''مشیت'' سے متعلق عقائد میں یہ لوگ الخازمیہ کے ہم خیال ہیں۔ اس فرقہ کا ظہور اس وقت ہوا، جب اس کے سردار و قائد شعیب نے میمون نامی خارجی سے نزاع کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ شعیب پر میمون کا کچھ مال واجب الاداء تھا۔ جب میمون نے اس کا تقاضا کیا تو شعیب نے کہا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں اس مال کو تمہیں دے دوں گا۔'' میمون نے جواب دیا: ''اللہ نے اس وقت یہ چاہا ہے (کہ تم میرا مال ادا کردو)''۔ شعیب بولا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا چاہا ہوتا تو میں اسے اداء نہ کرنے پر قادر نہ ہوتا۔'' میمون نے کہا: ''اللہ نے تمہیں اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ جن باتوں کا حکم دیتا ہے وہ انہیں چاہتا بھی ہے۔'' اس واقعہ سے ''العجاردہ'' میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگ شعیب کے اور کچھ دوسرے میمون کے ساتھ ہو گئے۔ ان لوگوں نے عبدالکریم بن عجرد کو جو قید تھا اس بارے میں لکھا۔ اس نے جواب میں لکھا: ''ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ سے کسی برائی کو وابستہ نہیں کرتے۔'' یہ جواب ان لوگوں کو ابن عجرد کی موت کے بعد ملا۔ میمون نے یہ دعویٰ کیا کہ ابن عجرد نے اس کی بات کی تائید کی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ: ''ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی برائی کو وابستہ نہیں کرتے۔'' شعیب نے یہ کہا کہ ابن عجرد نے اس کی بات کے موافق بات کہی ہے کیونکہ اس نے یہ کہا ہے کہ: ''ہم یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔'' الخازمیہ اور العجاردہ کی اکثریت کا جھکاؤ شعیب کی جانب ہو گیا جبکہ ''الحمزیہ'' ''القدریہ'' کے ساتھ میمون کے طرف دار ہو گئے۔

بعد ازاں ''المیمونیہ'' نے ''قدر'' سے متعلق اپنے کافرانہ عقائد پر ایک طرح کے ''مجوسی'' عقائد کا اضافہ کیا اور نواسیوں اور پوتیوں سے نکاح کو مباح قرار دیا۔ اور حکومت وقت اور ان لوگوں کے خلاف جو حکومت کے حامی ہوں قتال کو فرض ٹھہرایا۔ لیکن جو شخص اس کا انکار کرے اسے قتل نہیں کرتے۔ ہاں جب ایسے منکرین ان پر حملہ آور ہوں یا ان کے دین پر اعتراض کریں، یا حکومت کی جانب سے جاسوسی کریں تو ان سے لڑا جائے گا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اگلے باب میں ''المیمونیہ'' کا ذکر ان فرقوں کے ضمن میں کریں گے جو ''غلاۃ (انتہاء پسند) اور دین اسلام سے خارج ہیں۔

فرقہ ''المیمونیۃ'' میں خلف نامی ایک شخص شامل تھا۔ بعد میں اس نے مسائل قدر، استطاعت و مشیئت میں المیمونیہ کے خلاف عقائد کا اظہار کیا اور ان تینوں مسائل میں اہل السنّت کے عقائد کے مطابق بات کہی۔ اس پر کرمان اور مکران کے خوارج نے اس کی پیروی کی۔ ان لوگوں کو ''الخلفیہ'' کہا جاتا ہے۔ انہیں لوگوں نے سرزمین کرمان میں حمزہ بن اکرک خارجی سے جنگ کی تھی۔

## ۸۔ خوارج (العجاردہ) کا فرقہ الخلفیہ:

یہ لوگ خلف نامی شخص کے متبعین میں ہیں جس نے حمزہ خارجی سے جنگ کی تھی۔ ''الخلفیہ'' صرف اپنے امام کی اقتداء میں قتال کو جائز سمجھتے ہیں۔ ایک بات میں ''الخلفیہ'' ''الازارقہ'' کے ساتھ ہیں اور وہ یہ کہ ان کے مخالفین کے بچے دوزخی ہیں۔

## ۹۔۱۰۔ خوارج کے فرقے المعلومیہ والمجہولیہ:

یہ دونوں فرقے (العجاردہ کی شاخ) الخازمیہ سے تعلق رکھتے تھے، پھر ان میں سے المعلومیہ نے اپنے اسلاف سے دو امور میں اختلاف کیا:

ا۔ یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام ''اسماء'' کے ساتھ نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا وہ کافر ہے۔

۲۔ یہ کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں۔

استطاعت اور مشیت سے متعلق ان کے عقائد اہل السنّت جیسے ہیں، لیکن استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ یہ فرقہ اس شخص کی امامت کا قائل ہے جو ان کے دین پر ہو اور اپنے دشمنوں کے خلاف تلوار کے ساتھ خروج کرے۔ مگر جو لوگ ان سے ہم عقیدگی کے باوجود ان کی جنگ میں مدد نہ کریں، ان سے یہ لوگ اظہار برأت نہیں کرتے۔

جہاں تک ''المجہولیہ'' کا تعلق ہے تو ان کے عقائد ''المعلومیہ'' جیسے ہی ہیں۔ ماسوا اس عقیدہ کے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے بعض اسماء کے ساتھ جان لیا، تو اس نے اس کی معرفت حاصل کر لی۔ اس مسئلہ میں 'المعلومیہ' ان کے نزدیک کافر ہیں۔

## ۱۱۔ خوارج کا فرقہ الصلتیہ:

یہ لوگ صلت بن عثمان یا صلت بن ابی الصلت کی جانب منسوب ہیں۔ یہ شخص ''العجاردہ'' سے تعلق رکھتا تھا مگر ان سے اختلاف کر کے یہ کہا کہ: ''جب کسی آدمی نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا اور ''مسلمان'' (خارجی) ہو گیا، تو ہم اس سے ''تولاء'' کریں گے، لیکن اس کے بچوں سے ''تبراء'' (اظہار برأت) کریں گے۔ کیونکہ یہ بچے اس وقت مسلمان نہیں ہیں، جب وہ بالغ ہو جائیں گے، تو انہیں اسلام کی دعوت دی جائے گی اور وہ اسے قبول کر لیں (تو ان کا شمار مسلمانوں میں ہوگا اور ہم ان سے تولاء کریں گے)۔ اس فرقہ کے مقابل خوارج کا ایک اور فرقہ ہے جو ''العجاردہ'' کا نواں فرقہ شمار ہوتا ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ نہ مومنین کے بچوں کو اور نہ مشرکین کے بچوں کو ہی ''ولایت'' (ایمان رضائے الٰہی) یا ''عداوت'' (کفر) حاصل ہے، تا آنکہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔ اس وقت انہیں اسلام کی دعوت دی جائے گی جسے قبول کرنے یا اس سے انکار کرنے کا ان کو حق حاصل ہوگا۔

## ۱۲۔ خوارج کا فرقہ الحمزیہ:

یہ فرقہ حمزہ بن اکرک کا پیرو ہے۔ حمزہ نے سیستان، خراسان، مکران، قہستان و کرمان میں

بغاوت کی تھی اور بہت سے لشکروں کو شکست دی تھی۔ یہ شخص اصلاً ''العجاردہ'' کی شاخ ''الخازمیہ'' سے تعلق رکھتا تھا۔ ان سے قدر و استطاعت کے مسائل میں اختلاف کیا اور ''القدریہ'' کا عقیدہ اختیار کرلیا۔ اس بناء پر ''الخازمیہ'' نے اس پر کفر کا اطلاق کیا۔ اس عقیدہ کے ساتھ حمزہ نے یہ بھی کہا کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں جائیں گے۔ اس پر ''القدریہ'' نے ان کی تکفیر کی۔ بعدازاں اس حمزہ نے ایسے خوارج کے جو مخالفین کے خلاف جنگ میں ان کی مدد نہیں کرتے تھے، موالات کے عقیدہ کا اظہار کیا گو کہ وہ ایسے لوگوں کو مشرک کہتا تھا۔ جب وہ کسی قوم سے قتال کر کے انہیں شکست سے دوچار کر دیتا تو ان کی جائداد کو جلوا دیتا اور ان کے چوپایوں کو ذبح کرا دیتا تھا۔ اور اپنے مخالفین کے اسیران جنگ کو جان سے مروا دیتا تھا۔ اس شخص کی سرکشی کا آغاز (عباسی خلیفہ) ہارون الرشید (۱۷۰ھ۔ ۱۹۳ھ) کے عہد میں ۱۷۹ھ میں ہوا اور لوگ اس کے فتنہ و فساد سے (خلیفہ) المامون کے ابتدائی عہد تک مبتلائے آلام رہے۔ جب اس حمزہ کا بعض شہروں پر قبضہ ہو گیا تو اس نے ابو یحییٰ یوسف بن بشار کو قاضی، جبویہ بن سعید نامی شخص کو افواج کا سپہ سالار اور عمرو بن صاعد کو اپنا حرس (محافظ) مقرر کیا۔ اس کے ہمراہ خارجی شعراء کی ایک جماعت بھی تھی۔ مثلاً طلحہ بن فہد، ابوالجلندی اور ان کے ہم سر، اس نے خوارج کے فرقہ ''البیہسیہ'' کے لوگوں سے جنگ کر کے اپنی شورش کا آغاز کیا۔ اور ان کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد اس کے حامیوں نے اسے ''امیرالمومنین'' کا لقب دیا۔ ان کا شاعر طلحہ بن فہد کہتا ہے۔

''ہمارا امیرالمؤمنین کہ راہِ راست اور ہدایت پر ہے، کیا ہی اچھا امیر و سردار ہے۔

وہ ایسا امیر ہے جو دوسرے تمام امیروں سے فضل و مجد میں بڑھا ہوا ہے جس طرح کہ قمر (چاند) سہا (ایک نہایت چھوٹا ستارہ) سے برتر و اعلیٰ ہے، اسی طرح ہمارا امیر بھی تمام دوسرے امیروں سے اعلیٰ و افضل ہے۔''

بعدازاں مقام ''فلجرد'' کے گرد و نواح میں خارجیوں کے فرقہ الخازمیہ کے لوگوں پر اس نے دھاوا بول دیا اور ان کی بھاری جمعیت کو قتل کر دیا۔ یہاں سے اس نے ''ہرات'' پر حملہ کیا۔

اہل ہرات نے اس کی مزاحمت کی اور شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اس نے شہر کے مضافات کی بستیوں میں لوگوں کا قتل عام کر دیا۔ عمرو بن یزید ازدی، کہ اس وقت ہراۃ کا حاکم تھا، اپنی افواج کے ساتھ مقابلہ پر نکلا۔ فریقین میں مہینوں ہنگامہ کارزار گرم رہا، جس میں ہرات کے بہت سے لوگ کام آئے اور حمزہ کے ساتھیوں میں سے اس کا ''داعی'' بنام ہیصم الشاری کہ لوگوں کو اس کی گمراہی کی دعوت دیتا تھا، مارا گیا۔ پھر حمزہ نے ہرات کے دیہات (رستاق) کے نواحی علاقوں پر حملہ کر کے لوگوں کی جائیدادوں کو جلا اور ان درختوں کو کٹوا دیا۔ اس کے بعد عمرو بن یزید ازدی سے ''بوشنج'' کے قریب اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے شکست دے کر عمرو کو مار ڈالا۔

(ان پے درپے ہزیمتوں کے بعد) خراسان کے گورنر علی بن عیسی بن ماہان (ماہان در طبری جلد ہشتم ضمن ۱۷۹ھ) نے بنفس نفیس حمزہ پر لشکر کشی کی۔ جنگ میں حمزہ کے ساتھ (۶۰) فوجی افسران اور حامیوں کی بڑی تعداد ماری گئی اور وہ خود بھاگ کر سیستان چلا گیا۔ وہ جب سیستان پہنچا تو ''زرنج'' شہر کے باشندوں نے شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور اسے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس نے شہر کے باہر میدانوں میں لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو اس نے ''زرنج'' کے شہریوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اپنے ہمراہیوں کو (بنوعباس کا) سیاہ لباس پہنا دیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ سرکاری اہل کار ہیں تاکہ لوگ شہر کے دروازے کھول دیں اور وہ شہر میں داخل ہو کر ان کا قتل عام کر دے۔ لیکن انہیں واقف کاروں نے حمزہ کے اس فریب سے آگاہ کر دیا اس لئے ان لوگوں نے اسے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ نتیجۃً برہم ہو کر حمزہ نے شہر کے مضافات میں نخلستانوں کو کٹوا دیا اور بیرونی میدانوں اور جنگلوں سے گزرنے والے راہ گیروں کو تلوار پر رکھ لیا۔ اس کے بعد حمزہ ''نہر شعبہ'' آیا وہاں ''الخلفیہ'' مسلک کے خوارج آباد تھے۔ ان کی اکثریت کو مروا دیا، ان کے درختوں کو کٹوا دیا اور جائیدادوں کو نذر آتش کرا دیا۔ اس کے خوف سے فرقہ الخلفیہ کا سربراہ مسعود بن قیس وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اثناء فرار میں ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ لیکن اس کے متبعین کو

اس کی موت پر شک ہوا اور اب تک وہ (بزمانہ مصنف) اس کی رجعت کے منتظر ہیں۔ بعد ازاں حمزہ کرمان سے واپس پھرا اور نیشاپور کے دیہاتوں (رستاق) میں سے "بُست" کے دیہات پر ہلہ بول دیا۔ وہاں فرقہ الثعالبہ کے خوارج کی بستی تھی۔ حمزہ نے ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ قصہ مختصر یہ شورش خراسان، کرمان، قہستان اور سیستان میں خلیفہ ہارون الرشید کے آخری زمانہ اور خلیفہ المامون کی خلافت کے ابتدائی عہد تک برپا رہی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ خراسان کی زیادہ تر افواج رافع بن لیث بن نصر بن سیار سے "سمرقند" کے قریب جنگ میں مصروف تھی (اور اسے کسی دوسرے باغی سے لڑنے کی فرصت نہ تھی، دوسرا سبب اس سرکشی کے طول کھینچنے کا یہ ہوا کہ ہارون کی وفات کے بعد خراسان المامون اور الامین کی خانہ جنگی کی بھینٹ چڑ گیا تھا، اس لئے ہر طالع آزما کو کھل کھیلنے اور فساد پھیلانے کا آسانی سے موقع مل جاتا تھا)، بہرکیف جب خلیفہ المامون کی خلافت کو استحکام نصیب ہوا، تو اس نے حمزہ کو خط لکھ کر حکومت کی اطاعت کرنے کا مشورہ دیا، مگر اس سے اس کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ اب المامون نے (مشہور عباسی سپہ سالار) طاہر بن حسین کو حمزہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ فریقین میں ایک عرصہ تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں تیس ہزار سے زائد آدمی مارے گئے۔ ان میں حمزہ کے ساتھیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور حمزہ کو میدان سے بھاگ کر کرمان جانا پڑا۔ اس اثناء میں طاہر بن حسین نے ایسے خوارج کو جو حمزہ کے ہم خیال تھے مگر جنگ سے الگ تھے، پکڑوانا شروع کیا۔ ان گرفتار شدگان کی تعداد تین سو ہوگئی تو اس نے اس سبھوں کو دو درختوں کے درمیان جن کی چوٹیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں، رسیوں سے بندھوا دیا اور ان سب کو دو ٹکڑے کروا دیا جس سے ان بندھے ہوئے افراد کے جسم دونوں درختوں میں آدھے آدھے بٹ گئے۔ اس کے بعد المامون نے طاہر کو خراسان سے واپس بلا کر (عراق میں) اس کے نئے عہدہ پر تعینات کر دیا۔ اس سے ایک بار پھر خراسان میں ہنگامہ برپا کرنے کی خواہش حمزہ کے دل میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ وہ اپنی فوج لے کر کرمان سے خراسان پہنچ گیا۔ اس کے مقابلہ پر عبدالرحمٰن نیشاپوری اپنے شہر اور مضافات کے بیس ہزار غازیوں کو لے کر پہنچ گیا۔ ان غازیوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصر سے حمزہ کو شکست فاش سے

دو چار کر کے اس کے ہزاروں ہمراہیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ حمزہ زخمی ہو گیا تھا، اسی حالت میں اس نے راہ فرار اختیار کی اور زخموں کی تاب نہ لا کر ناکامی کی موت مر گیا۔ یوں اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو اس سے اور اس کے پیروں سے نجات دلا دی۔ یہ معرکہ جس میں حمزہ خارجی قدری مارا گیا، اہل نیشاپور کے مفاخر میں شمار ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے (حمزہ کے باپ کا نام "ادرک" بھی بتایا گیا ہے، دیکھئے اشعری ۱۶۵:۱، اسفرائینی ۳۳، شہرستانی ۱۲۹:۱ طبری جلد ششم میں اس کا نام "اترک" آیا ہے)۔

## ۱۴۔ خوارج کا فرقہ الثعالبہ:

یہ لوگ ثعلبہ بن مشکان ۱۸؎ کے پیرو ہیں۔ اس کے ماننے والے عبدالکریم بن عجرد کے بعد اس کی امامت کے معتقد ہیں۔ ان لوگوں کے خیال میں بچوں سے متعلق احکام میں ثعلبہ کے عبدالکریم بن عجرد سے اختلاف ہونے سے قبل، عبدالکریم ہی امام تھا، مگر جب ان دونوں میں اختلاف ہوا تو ثعلبہ نے ابن عجرد کی تکفیر کی اور خود امام بن بیٹھا۔ ان میں اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ العجاردہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے ثعلبہ کی بیٹی سے اپنے نکاح کا پیغام دیا۔ ثعلبہ نے اس سے کہا: اس کا مہر واضح کرو (کتنا مہر دو گے)۔ اس پر پیام نکاح دینے والے نے ایک عورت کو لڑکی کی ماں کے پاس یہ دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا کہ آیا لڑکی بالغ ہے یا نہیں؟ اگر وہ بالغ ہو چکی ہے اور عجاردہ کی مقرر کردہ شرائط پر وہ ایمان سے متصف ہے تو اس کی پروا نہیں کہ اس کا مہر کتنا ادا کرنا پڑے گا"۔ لڑکی کی ماں نے کہلا بھیجا کہ: "لڑکی مسلمان ہے، بالغ ہو یا نہ ہو"۔ اس پیغام نکاح دینے والے شخص نے اس کی اطلاع عبدالکریم بن عجرد اور ثعلبہ بن مشکان کو دی۔ اس پر ابن عجرد نے یہ موقف اختیار کیا کہ "بچے جب تک بالغ نہ ہو جائیں ہم ان سے برأت کرتے ہیں (یعنی نہ وہ مومن ہیں اور نہ مشرک) اور ثعلبہ ان بچوں کی ولایت (ایمان) کے قائل ہیں خواہ یہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے، جب تک کہ ان سے حق کا انکار ظاہر اور واضح نہ ہو جائے۔ ہم ان بچوں کی ولایت (ایمان) کے قائل ہیں۔ خواہ وہ چھوٹے ہوں، خواہ بڑے ہوں۔ اس اختلاف کے نتیجے میں ان

دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے برأت ولاتعلق کا اظہار کیا اور ان میں سے ایک کے پیرو ایک الگ فرقہ ہو گئے۔ ہم اس سے پہلے عجاردہ کے فرقوں کا ذکر کر چکے ہیں۔

ثعالبہ اس کے بعد چھ فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک فرقہ ثعلبہ کی امامت پر قائم رہا اور اس کے بعد کسی اور امامت کا قائل نہ ہوا اور انہوں نے اپنے مابین ''الاخنسیہ'' اور ''المعبدیہ'' کے اختلافات کی کوئی پروانہ کی (سو یہ ثعالبہ کا پہلا فرقہ ہوا)۔

## ۱۴۔ خوارج (ثعالبہ) کا فرقہ المعبدیہ:

(ثعالبہ کا) دوسرا فرقہ ''المعبدیہ'' ہے۔ یہ لوگ ثعلبہ کے بعد اپنے ایک آدمی کی جس کا نام معبد تھا امامت کے قائل ہیں۔ اس نے جمہور ثعالبہ سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ غلاموں سے زکوٰۃ لینی اور انہیں زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ جس شخص کا یہ عقیدہ نہ ہو وہ اس کے نزدیک کافر ہے۔ اور اس شخص نے اپنی اس بات سے تمام ثعالبہ کی تکفیر کی ہے۔

## ۱۵۔ خوارج (ثعالبہ) کا فرقہ الاخنسیہ:

(ثعالبہ کا) تیسرا فرقہ ''الاخنسیہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ لوگ اخنس نامی شخص کے پیروکار ہیں۔ ابتداء میں یہ شخص موالاۃ اطفال (بچوں کے ایمان) کا دوسرے ثعالبہ کی طرح قائل تھا۔ مگر پھر ان سے علیحدہ ہو گیا اور کہا: ''تمام وہ لوگ جو ''دارالتقیہ'' (اپنے مخالفوں کے علاقوں) میں رہتے ہیں ان کے ایمان اور کفر کے متعلق ہمیں توقف کرنا چاہئے۔ ہاں اگر ہمیں ان میں سے کسی کے ایمان کا حال معلوم ہے تو ہم اس سے ''تولاء'' کریں گے یا اگر ہمیں اس کے کفر کا حال معلوم ہے تو اس سے ''برائت'' کا اظہار کریں گے۔ ان لوگوں کے نزدیک قتل اور دھوکہ سے مارڈالنا حرام ہے۔ اسی طرح ''اہل قبلہ'' سے قتال کا اس وقت تک آغاز نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ ان لوگوں کو ایمان کی دعوت نہ دی جائے۔ ماسوا ان لوگوں کے جن کو یہ لوگ جانتے ہوں۔ اس عقیدہ پر اس کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے۔ اس نے تمام فرقہ ہائے ثعالبہ سے برائت ظاہر کی اسی طرح تمام ثعالبہ نے اس سے برائت کی۔

### ۱۶۔خوارج (ثعالبہ) کا فرقہ الشیبانیہ:

ثعالبہ کا چوتھا فرقہ الشیبانیہ ہے۔ یہ لوگ شیبان بن مسلم خارجی کے متبع ہیں۔اس شخص نے عباس داعی ابومسلم خراسانی ۱۹ کے زمانہ میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔اور ابومسلم کی اس کے دشمنوں سے جنگوں میں مدد کی تھی۔اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مشابہ ہے۔اس عقیدۂ تشبیہ کی وجہ سے تمام فرقہ ہائے ثعالبہ اور اہل السنّت نے اس کی تکفیر کی۔اسی طرح تمام خوارج نے اسے ابومسلم خراسانی کی مدد کرنے کے جرم میں کافر قرار دیا۔ثعالبہ میں سے جن لوگوں نے اس کی تکفیر کی انہیں ''زیادیہ'' کہا جاتا ہے کہ زیاد بن عبدالرحمٰن نامی شخص کے متبعین ہیں۔مگر ''الشیبانیہ'' کا یہ کہنا ہے کہ شیبان نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تھی۔جبکہ ''زیادیہ'' کہتے ہیں کہ اس کے گناہوں میں بندگان خدا پر ظلم بھی ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔اس نے ''ثعالبہ'' کے خلاف جنگ میں ابومسلم کی مدد کی تھی بالکل اس طرح جیسے کہ اس نے بنوامیہ کے خلاف قتال میں ابومسلم کا ساتھ دیا تھا (اور لوگوں کا خونِ ناحق اس کی گردن پر ہے جو محض توبہ سے معاف نہیں ہوسکتا)۔

### ۱۷۔خوارج (الثعالبہ) کا فرقہ الرُشیدیہ:

ثعالبہ کا پانچواں فرقہ ''الرُشیدیہ'' کہلاتا ہے۔یہ رُشید نامی شخص کی طرف منسوب ہے۔وہ اس عقیدہ میں دوسرے خوارج سے منفرد ہے کہ اس کے نزدیک جو اراضی نہروں اور چشموں سے سیراب ہوتی ہیں ان پر نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے اور پورا عشر (دسواں حصہ) صرف ان اراضی پر واجب الادا ہوتا ہے جو بارش سے سینچی جاتی ہیں۔اس مسئلہ میں زیاد بن عبدالرحمٰن نے اس کی مخالفت کی اور کہا: ''وہ اراضی جو چشموں اور جاری نہروں سے سیراب ہوتی ہیں ان کی پیداوار پر پورا عشر واجب ہوتا ہے۔''

### ۱۸۔خوارج (الثعالبہ) کا فرقہ المکرّمیہ:

یہ الثعالبہ کا چھٹا فرقہ ہے یہ لوگ ابومکرم کے پیرو ہیں۔ان کے خیال میں تارک صلوٰۃ کافر ہے، ایسا ترک صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے ناواقف اور جاہل ہے۔ان کا عقیدہ ہے ہر گناہ گار ''جاہل باللہ'' (اللہ سے ناواقف) ہے اور ''جہل باللہ''

کفر ہے۔ یہ لوگ ''ولایت'' اور ''عداوت'' میں ''موافات'' کے قائل ہیں۔ (یعنی آدمی کے کفر یا ایمان اور نتیجہ تبراء وتولاء کا انحصار اس کی اس حالت پر ہے جس پر وہ مرے گا)۔

یہ تھا فرقہ ہائے الثعالبہ اور ان کے عقائد کا بیان۔

## ۱۹۔ خوارج کے فرقہ ہائے الاباضیہ ۲۰:

تمام فرقہ ہائے ''الاباضیہ'' عبداللہ بن اباض کی امامت پر متفق ہیں۔ بعدازاں وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے لیکن جو عقائد ان سب میں مشترک ہیں، وہ یہ ہیں کہ اس امت (محمدیہ) کے ''کفار'' اور ''کفار'' سے ان کی مراد ان کے مسلمان مخالفین ہیں، مشرک اور ایمان سے بری ہیں، یعنی نہ وہ مسلمان ہیں اور نہ مشرک بلکہ کافر ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک ان کفار کی شہادت (گواہی) جائز ہے، ان کا خون خفیہ طریقہ سے بہانا حرام ہے مگر علی الاعلان اسے بہانا حلال ومباح ہے، ان سے نکاح وزناشوئی کے تعلقات قائم کرنا اور میراث میں حصہ لینا بھی جائز ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے یہ مسلمان مخالفین اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے برسر جنگ ہیں اور دین حق پر نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے ان کے بعض اموال پر قبضہ کر لینے کو جائز اور بعض کو ناجائز قرار دیا، مثلاً جنگی گھوڑوں اور اسلحہ پر قبضہ مباح ہے اور سونے چاندی پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور تقسیم غنائم کے وقت یہ لوگ اپنے مسلمان مخالفوں کے سونے اور چاندی کو انہیں واپس کر دیتے ہیں۔ ان متفق علیہ امور کے بعد الاباضیہ چار فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ ان کے نام ہیں: الحفصیہ، الحارثیہ، الیزیدیہ اور ''اصحاب طاعت جس سے اطاعت اللہ مراد ومقصود نہ ہو۔''

الیزیدیہ میں غلاۃ (انتہاء پسند) شامل ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ آخری زمانہ میں شریعت اسلام منسوخ ہو جائے گی۔ ہم اس کے بعد غلاۃ کے فرقون کے ضمن میں ان کا ذکر کریں گے جو اسلام کی طرف منسوب تو ضرور ہیں مگر دراصل مسلمان نہیں ہیں۔

ہم اس باب میں (اباضیہ کے فرقے) ''الحفصیہ'' اور ''اصحاب طاعت جس سے ذات باری مراد نہ ہو'' کے حالات بیان کریں گے۔

## ۲۰۔خوارج (الاباضیہ) کا فرقہ الحفصیہ:

یہ لوگ حفص بن ابی مقدام کی امامت کے قائل ہیں۔اس شخص نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ شرک اور ایمان کے درمیان حد فاصل صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔سو اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلی، اس کے بعد اس نے اس کے سوا تمام امور یعنی رسولوں، جنت، دوزخ سے انکار کیا یا تمام محرمات پر عمل کیا مثلاً قتل، زنا اور تمام محرمات کا ارتکاب کیا تو وہ کافر ہے، مگر شرک سے بری ہے۔اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کو نہ جانا اور اس کا انکار کیا، تو وہ مشرک ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ان لوگوں نے وہی تاویل کی جو روافض نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے بارے میں کی ہے۔ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ ہی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت قرآنی نازل ہوئی ہے: ''اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی دنیوی زندگی سے متعلق بات تمہیں بھلی لگتی ہے اور وہ اس پر جو اس کے دل میں ہے، اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہے، حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ (القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۰۴)''۔ اور (حضرت علیؓ کے قاتل) عبدالرحمٰن بن ملجم کے متعلق یہ قرآنی آیت اتاری گئی ہے: ''اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے اپنی جان کو فروخت کردیتا ہے۔(القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۲۰۷)''۔ان تمام عقائد کے بعد ان لوگوں نے کہا کہ ''اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا، اللہ عزوجل کی توحید پر ایمان لانے کے متصل ہے، اس لئے جس نے ان کا انکار کیا تو اس نے اللہ عزوجل سے شرک کیا۔'' ان لوگوں کا یہ عقیدہ ان کے اس عقیدہ کی نقیض وضد ہے کہ: ''کفر و ایمان میں حد فاصل صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور جس کو یہ معرفت حاصل ہوگئی، وہ شرک سے بری ہے، خواہ وہ اس کے سوا تمام دوسری باتوں یعنی رسولوں، جنت یا دوزخ سے انکار ہی کیوں نہ کرے۔'' اس مسئلہ میں انکا یہ عقیدہ باہم متناقض اور ایک دوسرے کی ضد ہے۔

## ۲۱۔خوارج (الاباضیہ) کا فرقہ الحارثیہ:

یہ فرقہ حارث بن یزید الاباضی کا پیرو ہے۔''قدر'' سے متعلق ان کے عقائد''معتزلہ'' جیسے ہیں۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ''استطاعت''''فعل'' سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔اس مسئلہ کی بناء پر''الاباضیہ'' کے تمام دوسرے فرقوں نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے۔کیونکہ جمہور ''الاباضیہ'' اس مسئلہ میں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا خالق ہے اور یہ کہ''استطاعت'' ''فعل'' کے ساتھ ہوتی ہے،اہل السنت والجماعت کے ہم عقیدہ ہیں۔

''الحارثیہ'' یہ بھی کہتے ہیں کہ''المحکمۃ الاولیٰ'' کے بعد صرف عبداللہ بن اباض انکا امام ہے اوراس کے بعد حارث بن یزید الاباضی۔

## ۲۲۔خوارج (الاباضیہ) کا فرقہ''اصحاب طاعت جس سے اطاعت اللہ تعالیٰ مراد نہ ہو''

اس گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسے شخص سے بھی جسے نہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور نہ ہی وہ اس کی رضاء چاہتا ہو،ایسے اعمال صالحہ سرزد ہوسکتے ہیں جو اطاعت الٰہی کے زمرے میں آتے ہیں۔فرقہ القدریہ میں ابوہذیل علاف کا بھی یہی عقیدہ ہے (القدریہ کے فرقہ الہذیلیہ کے ضمن میں اس باب کی چوتھی فصل میں اس کی تفصیل آئے گی)۔

(مصنف کتاب کہتے ہیں) ہمارے علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ بات صرف ایک طاعت اور پہلی نظر میں تو درست ہوسکتی ہے۔مگر اس کے بعد نہیں،کیونکہ ایسا شخص جب اس فعل نیک کی جانب رہنمائی حاصل کرے گا،تو اپنے اس فعل میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ٹھہرے گا،خواہ اس سے اس کا مقصد تقرب الی اللہ نہ ہی ہو۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے پہلے اس کے تقرب کا حصول محال ہے۔چنانچہ جب اسے اس طرح معرفت الٰہی حاصل ہوگئی،تو اس معرفت کے بعد اس سے کسی ایسی اطاعت کا سرزد ہونا درست نہ ٹھہرے گا جسمیں اس کے تقرب اور نزدیکی کا قصہ نہ کیا گیا ہو۔(مزید دلائل کے لئے اس باب کی فصل چہارم میں الہذیلیہ،کا بیان دیکھئے)۔

الاباضیہ کے عقائد:

تمام ''الاباضیہ'' کا عقیدہ ہے کہ ان کے مخالف مکہ والوں کے گھرانے

(بستیاں) ''دارتوحید'' ہیں۔مگر ''سلطانی لشکر گاہ'' ان کے نزدیک ''دارِبغی'' (سرکشی و بغاوت کا مرکز) ہے (یعنی مکہ میں مسکر سلطانی ''دارتوحید'' نہیں ہے)۔

نفاق کے بارے میں ان کے تین عقائد ہیں:۔

۱۔ایک فریق کا عقیدہ ہے کہ ''نفاق'' شرک اور ایمان سے برائت و بیزاری کا نام ہے۔ انہوں نے منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل قائم کی ہے: ''وہ لوگ اس کے درمیان شک وتذبذب میں پڑے ہوئے ہیں، نہ اس جانب ہیں اور نہ اُس جانب۔اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو تم اس کے لئے کوئی راہ نجات نہ پاؤ گے (القرآن،سورۃ النساء،آیت ۱۴۳)''۔

۲۔ان کے دوسرے فرقہ کا یہ خیال ہے کہ ''ہم ''نفاق'' کے نام کو اس کے مقام سے نہیں ہٹاتے اور ہم نفاق سے ان لوگوں کے علاوہ، جن کو اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) منافقین کا نام دیا ہے، کسی اور کو موسوم نہیں کرتے۔''

۳۔ان لوگوں میں سے جس کا یہ خیال ہے کہ منافق مشرک نہیں ہے، اس نے یہ کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقین، موحد تھے مگر انہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ کافر ہوگئے گو کہ وہ مشرک کی حد میں داخل نہ ہوئے۔

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ الاباضیہ کے متفق علیہ عقائد کے بیان کے بعد ہم ان کے متفرق عقائد کا جن میں وہ باہم دگر مختلف ہیں ذکر کرتے ہیں:۔

۱۔ان کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ توحید وغیرہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر جو حجت و دلیل ہے اس کا تعلق ''خبر'' سے ہوتا ہے یا اس چیز سے جو خبر کے قائم مقام ہو یعنی ''اشارہ'' اور ''ایماء''۔

۲۔الاباضیہ کے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ جو شخص بھی دین اسلام میں داخل ہوگیا، اس پر شرائع اور احکام کی پابندی واجب ہوگئی، خواہ اس نے انہیں سنا ہو یا انہیں جانا ہو، خواہ نہ سنا ہو، خواہ نہ جانا ہو۔حالانکہ تمام ائمہ کہتے ہیں کہ آدمی جس حکم سے واقف نہ ہو، اس کے ترک پر گناہ گار نہ ہوگا تا آنکہ اس پر اس سلسلہ میں دلیل و حجت قائم نہ ہو جائے۔

۳۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے پاس ایسا رسول مبعوث فرمائے جس کے پاس اپنی سچائی کی کوئی دلیل نہ ہو۔

۴۔ بعض الاباضیہ کہتے ہیں کہ جسے یہ خبر ملے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کی ہے یا قبلہ کو بدل دیا ہے (تحویل قبلہ)، تو اس پر یہ معلوم کرنا واجب ہے کہ یہ خبر دینے والا مومن ہے یا کافر۔ اور اسے اس کا علم ''خبر'' ہی سے ہونا چاہئے۔ اور اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ یہ جانے کہ یہ اس پر ''خبر'' کے ذریعہ واجب ہوا ہے۔

۵۔ بعض الاباضیہ کا خیال ہے کہ لوگوں پر ''صلوٰۃ'' کی جانب چل کر جانا یا ''حج'' کو سوار یا پیدل جانا، فرض نہیں ہے، اور نہ ہی ان اسباب و وسائل کا مہیا کرنا مومن کے لئے ضروری ہے جن سے اس واجب کی ادائیگی ممکن ہو۔ جو چیز ان پر واجب و ضروری ہے وہ یہ ہے کہ واجب اطاعتوں کو انجام دیا جائے، ان تک پہنچنے کے لئے ضروری اسباب کی فراہمی ان پر واجب نہیں ہے۔

۶۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مخالفوں کو تنزیل یا تاویل میں توبہ کرانا واجب ہے، اگر وہ توبہ کرلیں تو ان سے درگزر کیا جائے گا ورنہ قتل کر دیا جائے گا، خواہ اس خلاف کا تعلق ایسے امور سے ہو جن میں انسے ناواقفیت کی چھوٹ مل سکتی ہے یا نہیں مل سکتی۔

۷۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جس شخص نے زنا کی یا چوری کی، پہلے اس پر حد شرعی جاری کی جائے گی، پھر توبہ کرائی جائے گی۔ اگر اس نے توبہ کرلی تو خیر، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

۸۔ ان کا کہنا کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے تکلیف شرعی کو اٹھالے گا، (یعنی بندے کسی حکم کے ماننے یا کسی کام سے رکنے، کا پابند نہ رہیں یعنی دنیا ختم ہو جائے گی) تو اس وقت سارا عالم فنا و برباد ہو جائے گا''۔ اس لئے کہ دنیا کے وجود کا اس کے بعد کوئی مقصد ہی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا ہی انسانوں کے لئے کیا ہے۔

۹۔ ''الاباضیہ'' کے نزدیک ایک ہی چیز سے متعلق دو اسباب سے دو مختلف حکم کا وجود ممکن ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی آدمی کسی کھیت میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہو جائے اور اگر اسکے وہاں سے نکلنے کی وجہ سے کھیت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو اللہ

تعالیٰ نے اسے وہاں سے باہر نکلنے کو منع کیا ہے (یعنی کھیت میں بغیر اجازت داخل ہونا حرام ہے لیکن اگر وہاں سے باہر نکلنے میں اس کھیت کو نقصان پہنچتا ہو تو وہاں سے نکلنا بھی منع ہے۔ یوں ایک ہی چیز سے متعلق دو مختلف حکم موجود ہو سکتے ہیں)۔

۱۰۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ''اہل قبلہ'' (صاحب ایمان) جنگ میں پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ اور ہم ان لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔ مگر جن لوگوں کے اہل قبلہ اور موحد ہونے میں شبہہ ہو تو ان کے بھگوڑوں کو قتل کرنا جائز ہے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی باندی غلام بنانا مباح ہے۔ ان کے خیال میں یہ عمل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ''مرتدین'' کے ساتھ روا رکھا تھا۔

فرقہ الاباضیہ میں ابراہیم نامی ایک شخص تھا۔ اس نے اپنے ہم مذہبوں کی ایک جماعت کو اپنے گھر بلایا اور اپنی ایک لونڈی کو جو اس کی ہم مذہب تھی کسی کام کے لئے بلایا، اسے آنے میں دیر لگی اس پر غصہ ہو کر اس نے قسم کھائی کہ اسے بدوؤں کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ اس پر ان کے ایک آدمی نے جس کا نام میمون تھا اس سے کہا: ''تم ایک مومن لونڈی کو کافروں کے ہاتھ کیسے بیچ سکتے ہو؟'' یہ شخص وہ میمون نہیں ہے جو خوارج کے فرقہ العجاردہ کا سربراہ تھا۔ ابراہیم نے جواب میں کہا: ''اللہ تعالیٰ نے اس فروخت کو حلال کیا ہے اور ماضی میں ہمارے سربراہان اسے جائز و مباح سمجھتے رہے ہیں۔'' یہ سن کر میمون نے ابراہیم سے اپنی بیزاری اور برائت کا اظہار کیا اور دوسروں نے اس بارے میں توقف کیا (نہ ابراہیم کی حمایت کی اور نہ میمون کی، بلکہ غیر جانب دار رہے)۔ بعد ازاں ان لوگوں نے اپنے علماء سے اس مسئلہ میں لکھ کر رائے طلب کی۔ ان لوگوں نے یہ جواب لکھ بھیجا کہ اس باندی کی کفار کے ہاتھوں فروخت مباح ہے اور میمون کو اور جن لوگوں نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے ان سب کو توبہ کرنی چاہئے۔ یوں وہ لوگ اس مسئلہ میں تین (۳) گروہ میں منقسم ہو گئے یعنی ''ابراہیمیہ''، ''میمونیہ'' اور ''واقفہ''۔ ایسی باندی کی فروخت کے جواز پر جن لوگوں نے ابراہیم کی پیروی کی، انہیں ''الضحا کیہ'' کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں ''دار تقیہ'' میں مسلمان عورت کا ان کے ہم قوم کافر سے نکاح جائز ہے۔ لیکن ان کے

اپنے حکمرانی کے علاقوں میں ایسا کرنا حلال و مباح نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ایک گروہ نے اس مسئلہ (مومن لونڈی کے کافر کے ہاتھ فروخت کرنے کے بارے) میں اور مسلمان عورت کے بارے میں توقف کیا اور کہا: ''اگر وہ مر جائے گی تو ہم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے اور نہ اس کی میراث لیں گے، کیونکہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے ہاں اس کا کیا حال ہوگا۔''

## ۲۳۔ خوارج کا فرقہ البیہسیہ:

ان ''ابراہمیہ'' کی جس گروہ نے پیروی کی، انہیں ''البیہسیہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ابوبیہس ہیصم بن عامر[۱] کے پیروکار ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ میمون نے ''دار تقیہ'' میں باندی کی ہماری قوم کے کفار کے ہاتھوں فروخت کو حرام قرار دے کر کفر کا ارتکاب کیا ہے اور ''الواقفہ'' اس لئے کافر ہوگئے کہ وہ میمون کے کفر کو نہ جان سکے اور ابراہیم کی صحیح رائے کو نہ معلوم کر سکے۔ اور ابراہیم نے اس لئے کفر کا ارتکاب کیا کہ وہ ''الواقفہ'' سے اظہار برات نہ کر سکا (یوں یہ سبھی کافر ہوگئے اور خود ان کے نزدیک ان میں سے کوئی مومن نہ رہا)۔ ان لوگوں نے اس کی دلیل یہ دی کہ ''وقوف'' کا دائرہ صرف ابدان و اجسام تک وسیع نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق بعینہ حکم سے ہے جب تک کوئی اس کے موافق نہ ہو۔ مگر کوئی مسلمان اس کے موافق ہو جائے تو پھر اس کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ اس سے توقف کیا جائے بلکہ یہ جان لینا ضروری ہو جاتا ہے کہ کس نے حق کو پہچان کر اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور کس نے باطل کا اظہار کیا اور اس کا متبع ہوگیا ہے۔

بعد ازاں ''البیہسیہ'' نے اس خیال کا اظہار کیا جس کسی نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہم اسے اس وقت تک کافر نہیں کہیں گے جب تک اسے حاکم کے روبرو نہ پیش کیا جائے اور اس پر حد نہ جاری کی جائے۔ اسے حاکم کے سامنے لے جانے سے پہلے ہم نہ کافر کہیں گے اور نہ مومن۔

فرقہ البیہسیہ کے بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر امام کافر ہو جائے تو تمام رعایا کافر ہو

جائے گی۔ کچھ اوروں کا یہ کہنا ہے کہ ہر وہ مشروب (شراب) جو اصلاً حلال ہے، اگر کسی کو اس سے نشہ ہو جائے تو اُس سے نشہ کی حالت میں جو افعال سرزد ہوں گے یعنی ترک صلوٰۃ اور اللہ عزوجل کو گالی بکنا، وہ اس سے اٹھا لئے جائیں گے اور اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اور جب تک وہ نشہ کی حالت میں ہے نہ اس پر کوئی حد جاری کی جائے گی اور نہ اسے کافر کہا جائے گا۔

## ۲۴۔ خوارج کے فرقہ البیہسیہ کا فرقہ العوفیہ:

البیہسیہ کے فرقہ العوفیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ: ''نشہ کفر ہے جب اس کے ساتھ دوسری باتیں یعنی ترک صلوٰۃ وغیرہ شامل ہو جائیں۔

''العوفیہ'' دو فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک فرقہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہم میں سے جو لوگ ''دار ہجرت'' سے واپس لوٹ جائیں اور جہاد سے کنارہ کشی اختیار کر لیں، ہم ان سے لاتعلقی اور برأت کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے فرقہ نے یہ کہا کہ نہیں، بلکہ ہم ایسے لوگوں سے تولاء اور دوستی کریں گے کیونکہ وہ لوگ ایسی بات کی طرف لوٹ گئے ہیں جو ان کے لئے ہمارے ہاں ہجرت کر کے آنے سے پہلے جائز تھی۔ یہ دونوں ہی فریق اس بات کے قائل ہیں کہ جب امام کافر ہو جائے تو تمام رعایا، خواہ غائب ہو یا حاضر کافر ہو جائے گی۔

الاباضیہ اور البیہسیہ کے متعدد مذہبی افکار و گروہ ہیں، ہم نے انہیں اپنی کتاب ''الملل و النحل'' میں بیان کر دیا ہے۔ یہاں اس کتاب (الفرق بین الفرق) میں ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے، وہ کافی و دافی ہے۔

## ۲۵۔ خوارج کا فرقہ الشبیبیہ:

ان لوگوں کو اس لئے ''الشبیبیہ'' کہا جاتا ہے کہ یہ شبیب بن یزید شیبانی ۲۲ کی جانب منسوب ہیں۔ اس شخص کی کنیت ''ابوالصحاریٰ'' تھی۔ یہ لوگ ''الصحالحیۃ'' کے نام سے بھی مشہور ہیں، یہ نام ان کو صالح بن مسرح خارجی ۲۳ کی نسبت سے دیا گیا ہے۔

شبیب بن یزیدی خارجی، ابتداء میں صالح کے ساتھیوں میں تھا۔ اس کے بعد اس کے

لشکر کا وہ والی وحاکم ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ صالح بن مسرح تمیمی ''الازارقہ'' کا مخالف تھا۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''صفری'' تھا، یہ بھی روایت ہے کہ نہ وہ ''صفری'' تھا اور نہ ''ازرقی'' ہی تھا۔ جس زمانے میں بشر بن مروان اپنے بھائی عبدالملک بن مروان کی جانب سے عراق کا گورنر تھا' اس صالح نے اس کے خلاف بغاوت کی بشر نے اس کے مقابلے پر حارث بن عمیر نامی سردار کو روانہ کیا لیکن المدائنی کی روایت ہے کہ اس صالح نے حجاج بن یوسف (حاکم عراق) کے عہد میں خروج کیا تھا اور یہ حجاج تھا جس نے اس سے جنگ کی غرض سے حارث بن عمیر کو روانہ کیا تھا۔ فریقین کے درمیان یہ لڑائی ''جلولاء'' کے قلعہ کے دروازہ پر ہوئی تھی۔ صالح جنگ میں زخمی ہوکر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب وہ مرنے لگا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: ''میں نے شبیب کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں میں ایسے افراد موجود ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ (دینی امور میں مہارت رکھنے والے) ہیں۔ مگر وہ ایک بہادر آدمی ہے جس سے تمہارے دشمن خوف کھاتے ہیں۔ تو تمہارے مرد فقیہ کو اپنی فقہ سے اس کی مدد کرنی چاہئے۔'' اس کے بعد صالح مرگیا اور اس کے پیرووں نے شبیب کی امامت کی بیعت کرلی۔ اس نے صرف ایک بات میں صالح کے مسلک سے اختلاف کیا اور وہ یہ کہ اس نے اور اس کے متبعین نے اپنی ہم مسلک عورت کی امامت کو جائز قرار دیا جب وہ ان کے معاملات کے نظم ونسق کو سنبھالے اور ان کے مخالفین کے خلاف خروج کرے تو ایسی عورت کی امامت جائز ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شبیب کے مارے جانے کے بعد اس کی ماں غزالہ[۲۴] منصب امامت پر فائز ہوئی اور اپنے قتل کئے جانے تک وہ خوارج کی امام رہی۔ ان لوگوں نے اس پر اس واقعہ سے استدلال کیا کہ جب شبیب کوفہ میں فاتحانہ داخل ہوا، تو اس نے اپنی ماں کو جامع کوفہ کے منبر پر بٹھایا جہاں اس نے خطبہ دیا۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ شروع شروع میں شبیب شام گیا اور روح بن زنباع[۲۵] کے ہاں قیام کیا اور اس سے یہ درخواست کی کہ آپ امیرالمومنین (عبدالملک بن مروان) سے سفارش کر کے ''اہل شرف'' میں مجھے شامل کروا کر میرا وظیفہ مقرر کروا دیں، کیونکہ میرے قبیلہ بنو

شیبان میں میرے متبعین کی بھاری تعداد ہے۔ روح بن زنباع نے عبدالملک سے اس کا ذکر کیا۔ عبدالملک نے کہا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کہیں ''حرد ری'' (خارجی) نہ ہو۔ چنانچہ روح نے شبیب کو بتا دیا کہ عبدالملک نے کہا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔ شبیب نے یہ جواب دیا کہ وہ جلد ہی مجھے جان جائے گا۔ وہاں سے اپنی قوم بنی شیبان میں واپس آیا اور خوارج صالحیہ کے ایک ہزار آدمیوں کو اکٹھا کر کے ''کسکر'' اور ''مدائن'' کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے مقابلہ پر حجاج نے عبید بن ابی المخارق القینی کو ایک ہزار سپاہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ اسے شبیب نے شکست دیدی۔ پھر حجاج نے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو بھیجا، شبیب نے اسے بھی ہزیمت سے ہم کنار کر دیا۔ اس کے بعد حجاج نے شبیب کے مقابلہ پر عتاب بن ورقاء تمیمی کو روانہ کیا۔ اسے بھی شبیب نے شکست دے کر مار ڈالا۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا اور دو سال کے عرصہ میں شبیب نے حجاج کی بیس (۲۰) افواج کو شکست سے دوچار کر کے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ پھر ایک ایسا بھی وقت آیا کہ شبیب نے رات کے وقت کوفہ (عراق کے دارالحکومت) پر سرکاری فوجوں کو چکر دے کر دھوکہ سے قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ایک ہزار خوارج اور اس کی ماں غزالہ اور اس کی بیوی جہیزہ بھی تھی (صحیح یہ ہے کہ غزالہ شبیب کی بیوی اور جہیزہ اس کی ماں تھی۔ مصنف کے بیان کی تردید کے لئے میرا نوٹ نمبر ۲۴ دیکھئے)۔ ان عورتوں کے ہمراہ خوارج کی دو سو عورتیں بھی تھیں، جو نیزوں کو اپنے کولہوں کے درمیان پکڑے ہوئے اور گلوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے تھیں۔ شبیب نے کوفہ پر قبضہ کے بعد مسجد جامع کا رخ کیا، مسجد کے محافظین اور وہاں موجود عبادت گزاروں کو قتل کر دیا اور اپنی ماں (صحیح بیوی) غزالہ کو منبر پر بٹھا دیا۔ جہاں سے اس نے خطبہ دیا۔ خزیمہ بن فاتک اسدی نے اس واقعہ کے بارے میں کہا۔

''غزالہ نے عراقین (کوفہ و بصرہ) کے رہنے والوں کے لئے پورے ایک سال تک متوازی و نقصان رساں بازار قائم کیا۔ وہ اپنے لشکر میں ان لوگوں کے لئے بلند و صاحب شرف ہوئی جس سے عراقین نے اذیت محسوس کی اور چرچرا گئے۔''

اس ہنگامہ دار و گیر میں حجاج ''قصر امارت'' میں دبکا بیٹھا رہا، کیونکہ اس کی فوجیں اِدھر اُدھر بٹی ہوئی تھیں۔ صبح کے بعد اس کی افواج کٹھا ہو کر اس کے پاس پہنچ گئیں۔ اس دوران میں شبیب نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جامع مسجد میں نماز فجر اداء کی اور اتنے اطمینان سے یہ نماز پڑھی کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران ( کہ قرآن مجید کی طویل ترین سورتیں ہیں ) کی تلاوت کروائی۔ اب حجاج نے چار ہزار سپاہ کے ساتھ شبیب کو آ گھیرا۔ فریقین میں کوفہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں لڑائی ہوئی، جس میں شبیب کے ساتھی کھیت رہے اور وہ اپنے بقیہ السیف کے ساتھ ''انبار'' بھاگ گیا۔ حجاج نے سفیان بن ابرد کلبی کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ شبیب کے تعاقب میں روانہ کیا۔ سفیان نے دریائے ''دُجیل'' کے کنارے پڑاؤ کیا۔ اور شبیب نے بھاگتے ہوئے دجلہ کے خشتی پل سے دریا پار اترنا چاہا۔ مگر حسان نے اس خشتی پل کی رسیاں کٹوادیں، جس سے پل الٹا گھوم گیا اور شبیب اپنے گھوڑے سمیت دریا میں ڈوب گیا۔ ڈوبتے وقت اس کی زبان پر یہ آیت قرآنی تھی کہ: ''غالب و دانا اللہ تعالیٰ نے یہی مقدر کیا تھا (القرآن، سورۂ یٰس، آیت ۳۸)''۔ دریائے دُجیل کے دوسرے کنارے پر شبیب کے ہمراہیوں نے غزالہ کی امامت کی بیعت کر کے اسے امام بنا دیا۔ سفیان بن ابرد نے پل کو دوبارہ بندھوا کر دریا پار کر کے ان خوارج پر ہلہ بول دیا۔ خوارج کی بڑی تعداد اور شبیب کی ماں اور بیوی جنگ میں کام آئیں اور جو زندہ بچ رہے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد سفیان نے غوطہ خوروں کو حکم دیا کہ شبیب کی لاش دریا سے نکالی جائے۔ لاش نکال کر اس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا اور حجاج کی خدمت میں امیروں کے ہمراہ روانہ کر دیا گیا۔ جب یہ قیدی حجاج کے روبرو پیش ہوئے تو ان میں سے ایک نے حجاج سے کہا: ''میرے دو شعر سنو! میں انہیں سنا کر اپنا کام ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے یہ اشعار پڑھنا شروع کیے۔

''میں عمروؓ (بن عاص) اور ان کے حامیوں علیؓ (ابن ابی طالب) اور اصحاب صفین سے اظہار بیزاری کرتا ہوں، اسی طرح سرکش معاویہؓ (ابن ابی سفیان) اور ان کے حامیوں سے برائت کا اظہار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس ملعون گروہ کو برکت نہ دے۔''

حجاج نے اس شخص کو اور اس کے ساتھ کچھ اوروں کو قتل کرا دیا اور باقی لوگوں کو چھوڑ دیا۔

شبیبیہ پر اعتراض:

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ ان ''شبیبیہ'' خوارج سے کہا جاتا ہے کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اپنی فوج کے ہمراہ بصرہ جانے پر اعتراض کرتے ہو، حالانکہ ان کی فوج کا ہر سپاہی ان کے لئے محرم تھا کیونکہ وہ قرآن کی رو سے تمام مسلمانوں کی ماں ہیں، اور اس وجہ سے تمہارے زعم باطل میں انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا اور تم لوگ ان کے خلاف اس ارشاد الٰہی کو پیش کرتے ہو کہ: ''اور تم لوگ اپنے گھروں میں رہو (القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳)''۔ اے خوارج شبیبیہ اب ذرا یہ بتاؤ کہ تم نے یہی آیت قرآنی شبیب کی ماں (صحیح بیوی) غزالہ کے بارے میں کیوں نہ تلاوت کی، اور اس کی اور ان خارجی عورتوں کی جو حجاج کی افواج سے جنگ کی غرض سے نکلی تھیں، تم نے تکفیر کیوں نہ کی۔ اگر تم نے ان خوارج کی عورتوں کو فوج کشی کے لئے باہر نکلنے کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ یا تو ان کے شوہر یا بیٹے اور بھائی بھی فوج میں موجود تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ بھی ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما موجود تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک ان کا محرم تھا۔ اسی طرح تمام مسلمان ان کے بیٹے ہیں اور ہر مسلمان ان کے لئے محرم ہے۔ ذرا بتاؤ کہ تم نے ان کے لئے اس خروج کو جائز کیوں نہ قرار دیا؟ علاوہ بریں تم میں سے جس کے نزدیک غزالہ کی امامت جائز ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت اس شخص کے لئے اور اس کے دین کے لائق تر ہے (اور وہ بدرجہ اولیٰ جائز و مباح ہے)۔

## حواشی ............ باب سوم۔ فصل دوم

(۱) ''خوارج سے متعلق مزید معلومات کے لئے اشعری کی مقالات الاسلامیین جلد اول، اسفرائینی کی التبصیر، شہرستانی کی الملل والنحل جزء اول رازی کی اعتقادات فرق المسلمین، مقدیسی کی البدء والتاریخ، جلد پنجم، مبرد کی الکامل جزء دوم اور دیگر کتب تاریخ مثلاً طبری، مسعودی، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون، ابوالفداء اور ابن تغری بروی (برموقع) اور ابن اثم کوفی کی کتاب الفتوح دیکھئے۔

(۲) عروہ بن عمرو بن حدیر، خوارج کی جانب سے نہروان میں لڑا اور چند زندہ بچ جانے والوں میں شامل تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں عراق کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے اسکو پکڑوا بلایا، کچھ سوالات کئے اور اسے حکومت سے بغاوت کے جرم میں قتل کرا دیا۔ یہ شخص اپنی بدعقیدگی کے باوجود نہایت عابد و زاہد تھا۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھا۔ دن کو رروزے رکھتا اور تمام رات عبادت میں بسر کرتا تھا۔ تفصیل کے لئے ابن قتیبہ کی کتاب المعارف صفحہ ۴۱۰ اور ابوالعباس المبرد کی کتاب الکامل فی الادب سے رجوع کیجئے۔

(۳) مرداس، عروہ کا بھائی اور خوارج کا سرغنہ تھا، خارجی شاعر عمران بن حطان نے اس کا مرثیہ لکھا ہے۔ دیکھئے الکامل (للمبرد) اور المعارف بالترتیب جلد۲ ص ۱۰۸ اور صفحہ ۴۱۰۔

(۴) عبداللہ بن الکواء یشکری شروع میں حضرت علیؓ کا زبردست حامی تھا، لیکن تحکیم کے مسئلہ پر اختلاف کی وجہ سے انکا مخالف ہوگیا۔ خوارج کا پہلا امیر یہی شخص تھا۔ نصر بن مزاحم کی ''وقعۃ صفین'' میں اس کے مزید حالات ملیں گے۔

(۵) شبث بن ربعی تمیمی۔ اس کے لئے مبرد کی الکامل جلد دوم صفحہ ۱۱۶ دیکھئے۔ یہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا' پھر خوارج کے گروہ میں شامل ہوگیا بعد میں اموی حکومت کا ہوا خواہ

ہوگیا۔ فتنہء ارتداد کے دوران میں جھوٹی نبیہ سجاح کا موذن بھی رہا تھا۔ مختصر یہ کہ ابن الوقت تھا۔

(۶) عبداللہ بن خباب بن ارث۔ وہ اوران کے والد خباب صحابی رسول ﷺ ہیں۔ ان کا نسلی تعلق سعد بن زید مناۃ بن تمیم سے تھا بنوزہرہ کے حلیف تھے۔ حضرت خباب مکہ میں اسلام لانے والوں میں چھٹے (۶) مسلمان تھے۔ کفار کی اذیتیں برداشت کیں، فتوحات کے زمانہ میں کوفہ میں آباد ہوگئے تھے۔ ۳۷ھ میں حضرت علیؓ کے صفین جانے کے زمانہ میں انتقال کیا۔ ان کے بیٹے عبداللہ سادات مسلمین میں شمار ہوتے تھے، ۳۷ سال کی عمر میں ۳۷ھ میں شہید ہوئے۔ (اسعد الغابہ ۲:۹۸، ۳:۱۵۰)

(۷) سہیل بن عمرو کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے پاس آئے تھے۔ بعد میں اسلام لائے۔ شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک رہے۔ ۱۸ھ میں ''طاعون عمواس'' میں شہید ہوئے۔ مزید معلومات کے لئے سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری اور الاستیعاب، اسدالغابہ والاصابہ سے رجوع کیجئے۔

(۸) نجران کے نصاریٰ اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے ان کے مباہلہ کی تفصیل ''سرۃ رسول اللہ'' از ابن ہشام جلد اول میں دیکھئے۔

(۹) مصنف کا یہ بیان کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان ۳۸ھ میں شہید ہوئے، درست نہیں ہے۔ کتب تاریخ وطبقات میں بالاتفاق ان کا سال شہادت ۴۰ھ اور مہینہ رمضان کا ہے۔ ابن ملجم خارجی نے انہیں کوفہ کی مسجد میں نماز فجر کے وقت ۱۷، رمضان ۴۰ھ کو زخمی کیا اور ۱۹ر رمضان سن مذکور کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سلسلہ میں طبری بضمن واقعات ۴۰ھ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۱۰) ''ازارقہ'' کے عقائد سے متعلق مزید معلومات اشعری، اسفرائینی، شہرستانی اور رازی کے ہاں ملیں گی۔ ان کی جنگوں کی تفصیل تاریخ طبری اور دیگر معلومات ابوالعباس المبرد کی الکامل میں ملیں گی۔ جولیس ولہاوزن کی کتاب ''اسلام میں ابتدائی سیاسی اور مذہبی فرقے'' (بزبان جرمن) کا انگریزی، عربی اور میرا اردو ترجمہ ''عہد اموی کے سیاسی و مذہبی احزاب''

تنقیدی تجزیہ پر مشتمل اور مفید ہے۔

(۱۱) ابو راشد نافع بن ازرق نے بصرہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد میں ۶۵ھ میں خروج کیا۔ اس عہد کے انتشار کی وجہ سے اسے بڑی قوت حاصل ہوگئی۔ مگر آخر آخر میدان جنگ میں ۶۵ھ میں کھیت رہا۔ المبرد کی الکامل، ابن قتیبہ کی المعارف اور دیگر کتب تاریخ کا مطالعہ مزید معلومات کے لئے مفید ہوگا مثلاً ابن اعثم کوفی کی ''کتاب الفتوح''۔

(۱۲) عبد ربہ صغیر خارجی ہونے سے پہلے معلم تھا۔ اسی طرح عبد ربہ کبیر انار فروش تھا۔ یہ دونوں ہی قبیلہ قیس بن ثعلبہ کے ''موالی'' ہیں۔ جب خوارج اپنے سردار قطری سے ناراض ہوئے تو انہیں نے عبد ربہ صغیر کو اپنا امیر بنالیا۔ خوارج کی تعداد جو موالی اور عجمیوں پر مشتمل تھی اس کے ساتھ ہوگئی۔ المبرد کی الکامل فی الادب جلد دوم اور تاریخ ابن اثیر وغیرہ میں خوارج کی خانہ جنگیوں کی تفصیل ملے گی۔

(۱۳) ابو نعامہ قطری بن فجاء کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں برسر بغاوت آیا اور بیس سال تک خوارج کا خلیفہ رہا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں اسے اموی سپہ سالار سفیان بن ابرد کلبی نے شکست دے کر قتل کر دیا یہ واقعہ ۷۹ھ کا ہے۔

(۱۴) اس فرقہ کے حالات کے لئے کتب عقائد محولہ بالا کے علاوہ المقریزی کی کتاب ''الخطط'' سے رجوع کرنا چاہئے۔

(۱۵) نجدہ بن عامر کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔ ۶۶ھ میں ملک کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر اس نے یمامہ و بحرین (عرب) پر قبضہ کرلیا۔ آخر خوارج کی باہمی خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھ گیا یہ واقعہ ۶۹ھ کا ہے۔

(۱۶) عطیہ بن اسود کو نجدہ نے بجستان بھیجا تھا۔ چنانچہ اس نے ''مرو'' کے مقام پر اپنی دعوت کا اعلان کیا۔ یہ گروہ ''العطویہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ اس نے نافع کے عقائد سے اختلاف کیا اور اس سے الگ ہوگیا۔ بعد میں نجدہ سے بھی اختلافات ہوئے اور عطیہ نے اس

سے علیحدگی اختیار کرلی، مزید تفصیل کے لئے مقریزی کی کتاب الخطط جلد دوم اور اشعری کی مقالات الاسلامیین جلد اول سے رجوع کیجئے۔

(۱۷) عمران بن حطان، یمنی قبیلہ بنی سدوس سے تعلق رکھتا تھا۔ بصرہ کا رہنے والا اور خوارج کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ بڑا زبان آور خطیب اور آتش نوا شاعر تھا۔۸۴ھ میں انتقال کیا۔ (ذہبی کی العبر جلد اول، صفحہ ۹۸)

(۱۸) شہرستانی نے اس کا نام ثعلبہ بن عامر لکھا ہے۔ مگر اسفرائینی کے ہاں مصنف کتاب کا درج کردہ نام ہی ہے۔

(۱۹) ابومسلم عبدالرحمٰن خراسانی مشہور عباسی ''داعی'' ہے۔ اس کی اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کی بدولت خلافت عباسیہ کا قیام ممکن ہوا، لیکن اس کی خیرہ سری اور خودرائی کے سبب بہت سے عباسی داعی مارے گئے۔ آخر میں ۱۳۷ء میں دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے اسے دھوکہ سے قتل کرادیا۔ وہ ''الخرمیہ'' نامی فرقہ کی ایک شاخ ''مسلمیہ'' کا بانی اور امام ہے، اس کے قتل میں اس ادعاء کا بھی ہاتھ تھا۔ طبقات ناصری اور نرشخی کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خراسان میں اس کے متبعین پانچویں صدی ہجری تک اس کی امامت کے معتقد اور اس کی رجعت کے منتظر تھے۔ خلافت عباسیہ کے قیام و انصرام میں اس کی مساعی کے لئے طبری کی تاریخ، الخضری کی محاضرات الامم الاسلامیہ جلد سوم اور شعبان کی انگریزی کتاب بنام "The Abbasid Revolution" سے رجوع کیجئے۔

(۲۰) ''الاباضیہ'' کے لئے مقالات الاسلامیین جلد اول، الملل و النحل جزء اول، التبصیر، المعارف، مروج الذہب جلد سوم اور ابن منظور کی ''لسان العرب'' (برمادہ اباض) دیکھئے۔

(۲۱) ابوبیہس، اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں عراق میں آمادہ بغاوت ہوا، وہاں کے گورنر حجاج بن یوسف کے خوف سے مدینہ بھاگ گیا، مگر وہاں دھرلیا گیا اور قتل کردیا گیا۔ بیہسیہ کے مزید حالات شہرستانی، اشعری اور ابن قتیبہ (المعارف) کے ہاں ملیں گے۔

(۲۲) شبیب بن یزید شیبانی نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں ''موصل'' کے شہر میں علم بغاوت بلند کیا۔ اپنی جنگی مہارت اور بے مثال شجاعت سے اس نے اموی افواج کو بار بار شکست دی اور ایک دفعہ چند گھنٹوں کے لئے کوفہ پر قبضہ بھی کرلیا تھا۔ آخرکار ۷۷ھ میں دوران جنگ ''دجیل'' میں غرق ہوگیا۔ مصنف کی دی ہوئی تفصیل کے علاوہ تاریخ طبری کے مطالعہ سے مزید معلومات حاصل ہوں گی۔

(۲۳) صالح بن مسرح، خوارج کے فرقہ ''الصفریہ'' کا سرغنہ تھا۔ موصل میں ۶۵ھ میں مرا اور اپنا جانشین شبیب بن یزید کو بنا گیا۔ اس کی قبر موصل میں تھی، جہاں جا کر خوارج تعظیماً اپنے سر منڈوایا کرتے تھے۔ ابن قتیبہ نے شبیب کے ذکر میں اس کا بھی ضمناً تذکرہ کیا ہے۔

(۲۴) ذہبی (در عبر فی خبر من غبر) اور ابن قتیبہ (در المعارف) نے مصنف کے بیان کے برعکس ''غزالہ'' کو شبیب کی بیوی بتایا ہے۔ اور ''جہیزہ'' نامی عورت کو اس کی ماں لکھا ہے۔ ''غزالہ'' بڑی بہادر اور باہمت خاتون تھی۔ شبیب کے حالات کے ضمن میں اس کا ذکر ملے گا۔

(۲۵) روح بن زنباع کا نسلی تعلق ''بنو جذام'' سے تھا۔ اپنے قبیلے کے سردار اور عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں فلسطین کی امارت سمیت متعدد اعتماد کے عہدوں پر فائز رہے۔ وہ علم و عقل کی صفات کے متصف اور ممتاز تابعی تھے۔ ۸۴ھ میں وفات پائی۔

باب سوم (از صفحہ ۱۱۴ تا ۲۰۱)............فصل سوم

# گمراہ فرقوں میں سے القدریہ المعتزلہ کا بیان

## قدری فرقے:

ہم نے اس سے قبل یہ بیان کیا ہے کہ ''القدریہ'' بیس فرقوں میں منقسم ہو گئے کہ ان میں سے ہر فرقہ اپنے علاوہ دوسرے تمام فرقوں کی تکفیر کرتا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: الواصِلیَّه، العَمروِيَّه، الُهذَيلِيَّه، النُظَّامِيَّه، الاَسوارِيَّه، المَعمَرِيَّه، الاِسكافِيَّه، الَجعفَرِيَّه، البِشرِيَّه، المُردارِيَّه، الهشَامِيَّه، الثُمامِيَّه، الجاحِظِيَّه، الخابِطِيَّه، الحمارِيَّه، الحيَّاطِيَّه، اَصحابُ صالحِ قُبَّه، المُرَسِيِّه، الشَحامِيَّه، الكَعُبِيَّه، الُجبَّابِيَّه، البَهشَمِيَّه کہ پسر الجبائی ابو ہاشم کی جانب منسوب ہیں۔ یہ کل بائیس (۲۲) فرقے ہوئے۔ ان میں سے دو فرقے غالی کافر ہیں، ہم ان دونوں کا ذکر فرقہ غلاۃ کے ساتھ کریں گے کہ وہ سب اسلام سے خارج ہیں، ان دونوں کے نام الخابطیه اور الحماریه ہیں۔ ان القدریہ کے باقی بیس (۲۰) فرقے خالص قدری ہیں کہ اپنے مندرجہ ذیل مبتدعانہ عقائد میں باہم دگر متفق ہیں:۔

## متفق علیہ عقائد:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی تمام ''ازلی صفات'' کی نفی اور یہ عقیدہ کہ اللہ عزوجل کا کوئی علم،

قدرت، حیات سمع اور بصر نہیں ہیں اور نہ کوئی ازلی صفت ہی ہے۔ اور مزید یہ کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی اسم تھا اور نہ کوئی صفت۔

۲۔ انسانی آنکھوں سے رؤیت باری تعالیٰ محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اپنے کو دیکھتا ہے اور نہ اسے اس کا غیر ہی دیکھتا ہے۔ اس بارے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیر کو دیکھتا ہے یا نہیں؟ القدریہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے جبکہ انہیں میں سے کچھ دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے۔

۳۔ اس بارے میں کہ اللہ عزوجل کا کلام حادث ہے، اس کا امر حادث ہے، اس کی نہی حادث ہے اور اس کی خبر حادث ہے، القدریہ المعتزلہ میں باہم و گر اتفاق ہے۔ ان سبھوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ''کلام'' ''حادث'' ہے۔ اس زمانہ میں (بعہد مصنف) اکثر القدریہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو ''مخلوق'' کا نام دیتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ''اکساب'' اور حیوانات کے ''اعمال'' میں سے کسی چیز کا خالق نہیں ہے۔ خود لوگ اپنے اکساب پر قادر ہیں اور اللہ عزوجل انسانوں کے اکساب اور تمام دوسرے حیوانات کے اعمال میں کسی طرح کی صناعی، خالقیت اور قدر و اندازہ کا مالک نہیں ہے۔ اسی عقیدہ کی بناء پر مسلمانوں نے ان لوگوں کا نام ''القدریہ'' رکھ دیا ہے۔

۵۔ امت مسلمہ میں سے فاسق شخص (اسلام و کفر کی) دو منزلوں کے درمیان ایک منزل میں ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایسا شخص ''فاسق'' ہے، نہ ''مومن'' ہے اور نہ ''کافر'' ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے مسلمانوں نے ان لوگوں کو ''المعتزلہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے، کیونکہ اس ضمن میں انہوں نے تمام امت محمدیہ ﷺ کے عقیدہ کو چھوڑ دیا اور اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

۶۔ بندوں کے ''اعمال'' میں سے ان تمام باتوں کا جن کے کرنے یا جن سے رکنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بھی چیز کو نہیں چاہا ہے (یعنی وہ تمام اوامر و نواہی جن کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہ دیا ہو اور بندوں نے ان کا ارتکاب کیا ہو وہ سبھی مشئیت الٰہی سے خارج ہیں)۔

## الکعبی کی رائے:

الکعبی (القدری المعتزلی) نے اپنی ''کتاب مقالات'' میں یہ کہا ہے کہ: المعتزلہ کا ان عقائد میں اجماع ہے کہ:

۱۔اللہ عزوجل ''شئی'' ہے مگر ''اشیاء'' (عالم) جیسا نہیں ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ ''اجسام'' و''اعراض'' کا خالق ہے۔

۳۔اللہ تعالیٰ نے وہ سب جو تخلیق کیا ہے وہ کسی ''شئے'' سے نہیں تخلیق کیا ہے (انہیں ''لامن شئی'' سے خلق کیا ہے)۔

۴۔بندے اپنے ''اعمال'' کو اس ''قدرت'' سے انجام دیتے ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان میں پیدا کی ہے۔

۵۔گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی توبہ کے بغیر بخشش نہ ہوگی۔

## الکعبی کی تغلیط:

الکعبی نے اپنے اصحاب (القدریہ المعتزلہ) کے متعلق جو باتیں کہی ہیں، وہ بوجوہ غلط ہیں:

۱۔الکعبی کا یہ خیال کہ المعتزلہ اس پر متفق ہیں کہ: اللہ تعالیٰ شئی ہے مگر اشیاء جیسا نہیں ہے، درست نہیں ہے۔ کیوں کہ تمام معتزلہ کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کی یہ خصوصیت نہیں ہے۔ الجبائی اور اس کے بیٹے ابوہاشم کا قول ہے کہ: ہر'' قدرت محدثہ'' شئی ہے مگر اشیاء جیسی نہیں ہے۔ان کے ہاں اللہ تعالیٰ اس ''مدح'' میں منفرد نہیں ہے بلکہ یہ ''خصوصیت'' دوسروں کی بھی ہے۔

۲۔الکعبی نے جو یہ بات کہی ہے کہ معتزلہ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل خالق اجسام و اعراض ہے، یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ معتزلہ میں سے الاصم نے تمام اعراض کی نفی کی ہے۔ اور مشہور معتزلی معتمر کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعراض میں سے کوئی چیز پیدا نہیں کی ہے۔اسی طرح ثمامہ (معتزلی) کا عقیدہ ہے کہ ''الاعراض المتولدۃ'' کا کوئی ''فاعل'' نہیں ہے۔ان وجوہ سے الکعبی کا یہ دعویٰ کہ معتزلہ کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام واعراض کا خالق ہے، کیسے درست

قرار دیا جا سکتا ہے؟ جبکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ''اعراض'' کے وجود کے منکر ہیں۔ اور جو اعراض کا اثبات کرتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی ہے۔ اسی طرح معتزلہ میں ایسے علماء بھی ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''المتولدات'' ایسے اعراض ہیں جن کا کوئی فاعل نہیں ہے اس کے ساتھ خود کعبی کا تمام معتزلہ کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ''اعمال'' کو خلق نہیں کیا ہے، حالانکہ یہ (اعمال) ان لوگوں کے نزدیک، جو اعراض کا اثبات کرتے ہیں، اعراض ہی ہیں۔ یوں اس بارے میں الکعبی نے اپنے اصحاب سے متعلق جو بات کہی ہے اس کی غلطی واضح ونمایاں ہوگئی۔

۳۔ اب رہا کعبی کا یہ دعویٰ کہ اس عقیدہ پر معتزلہ کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اسے ''لامن شئ'' سے پیدا کیا ہے، تو ان کا اس پر اجماع کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے، کیونکہ الصالحی کے علاوہ کعبی اور تمام معتزلہ کا یہ کہنا ہے کہ تمام کے تمام ''حوادث'' اپنے ''حدوث'' سے پہلے ''اشیاء'' تھے۔ بصرہ کے مدرسہ اعتزال سے تعلق رکھنے والے علماء یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''جواہر'' اور ''اعراض'' اپنے معدوم ہونے کی حالت میں جواہر، اعراض اور اشیاء تھے۔ اس بناء پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے شئ کو شئ سے پیدا کیا ہے۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے شئ کو ''لامن شئ'' سے خلق کیا ہے، صرف ہمارے ''صفاتیہ'' اصحاب کے اصول کے مطابق صحیح ہوسکتی ہے جو ''معدوم'' کے ''شئ'' ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

۴۔ کعبی کا یہ قول کہ اس عقیدہ پر معتزلہ کا اجماع ہے کہ بندے اپنے افعال کو اس قدرت سے سرانجام دیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ ان میں پیدا کرتا ہے۔ یہ بھی معتزلہ کے بارے میں اس نے غلط کہا ہے کیونکہ معمر نامی معتزلی عالم کا خیال ہے کہ ''قدرت'' اس ''جسم'' کا فعل ہے جو اس کے ساتھ ''قادر'' ہوتا ہے۔ اور یہ قدرت اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں۔ ایک اور معتزلی عالم الاصم سرے سے ''قدرت'' کے وجود ہی کی نفی کرتا ہے، کیونکہ وہ تمام اعراض کی ''نفی'' کا قائل ہے۔

۵۔ کعبی نے جو یہ کہا ہے کہ معتزلہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کو توبہ کے بغیر نہ بخشے گا، تو اس نے ان لوگوں سے یہ بات بھی غلط منسوب کی ہے۔ اس

لئے کہ محمد بن شبیب بصری، صالحی اور خالدی، کہ تینوں شیوخ معتزلہ میں محسوب ہوتے ہیں اور مرتکبین کبائر کی ''وعید'' کے بارے میں توقف کرتے ہیں (الواقفیہ) اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ توبہ کے بغیر بھی بخش سکتا ہے۔

ہمارے اس بیان سے کعبی کا معتزلہ کے متعلق قول غلط ثابت ہو جاتا ہے اور اس کا دعویٰ کہ ان عقائد پر ان کا اجماع ہے، باطل ہو جاتا ہے۔ صحیح وہی بات ہے جو ہم نے سطور گزشتہ میں معتزلہ کے متفق علیہ عقائد کے بارے میں کہی ہے۔

جہاں تک ان اختلافات کا تعلق ہے جو القدریہ المعتزلہ کے درمیان ہیں، ہم انہیں ان کے فرقوں کی تفصیل کے ضمن میں انشاء اللہ عزوجل بیان کریں گے۔ (معتزلی قدری فرقوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے):۔

۱۔ معتزلہ قدریہ کا فرقہ الواصلیہ :

یہ فرقہ واصل بن عطاء الغزال [۲] کا پیرو ہے۔ یہ واصل معتزلہ کا رئیس اور معبد جہنی [۳] و غیلان دمشقی کے بعد دعوت اعتزال کا داعی تھا۔ واصل ازارقہ کے فتنہ و شورش کے زمانے میں امام حسنؒ بصری کی مجلس کے حاضرین میں تھا۔ اُس وقت اس مسئلہ میں کہ گناہ گار مسلمانوں کی کیا حیثیت ہے، لوگوں میں متعدد گروہ ہو گئے تھے:۔

گناہ گار مسلمان کی کیا حیثیت ہے:

۱۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ گناہ کبیرہ یا گناہ صغیرہ کا مرتکب شخص، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا مرتکب ہے۔ یہ خوارج کے فرقہ الازارقہ کا عقیدہ تھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ: ایسے مشرکین کی اولاد بھی مشرک ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک اپنے مخالفین کے بچوں، بچیوں اور عورتوں کو قتل کر دینا جائز و درست تھا، خواہ یہ مشرکین اہل اسلام سے ہوں یا ان کے غیروں سے ہوں۔ خوارج میں سے صفریہ بھی الازارقہ کی طرح یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے مشرک ہیں لیکن وہ اُن کے بچوں بچیوں کے معاملہ میں الازارقہ کے مخالف تھے۔

۲۔خوارج میں سے النجدات کہتے تھے کہ ایسے گناہوں کے مرتکبین جن کی حرمت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، کافر مشرک ہیں، ایسے گناہوں کے ارتکاب کرنے والے جن ( کی حرمت ) میں امت مسلمہ میں اختلاف ہے، ان کی حیثیتوں کا تعین ان گناہوں میں مجتہدین فقہ کے احکام کے مطابق ہوگا اور ایسے مرتکبین جو اپنی جہالت کے باعث اسے گناہ جانتے اور اس کے حرام ہونے سے ناواقف ہوں، اُس وقت تک معذور سمجھے جائیں گے جب تک کہ ان پر اس ضمن میں حجت و دلیل قائم نہ ہو جائے۔

۳۔خوارج کے فرقہ الاباضیہ کا یہ قول تھا کہ: ایسے گناہوں کے مرتکبین جن میں وعید ہو، اللہ عزوجل کی اور اس کے ہاں سے آنے والے احکام و فرائض کی معرفت کے ساتھ، کافرِ کفرانِ نعمت ہیں، کافرِ کفرِ شرک نہیں ہیں۔

۴۔اس دور کے ایک گروہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ: امت مسلمہ میں سے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا شخص منافق ہے اور منافق اس کافر سے جو اپنے کفر کو ظاہر کرتا ہے' زیادہ برا ہے۔

۵۔اس عہد کے علماء تابعین اور امت مسلمہ کی اکثریت کا یہ عقیدہ تھا کہ: مسلمان مرتکب گناہِ کبیرہ، مومن ہے، کیونکہ اس کو رسولوں کی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی جانے والی کتابوں کی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی تمام شریعتوں کی معرفت حاصل ہے اور وہ انہیں حق سمجھتا ہے۔ ہاں ایسا شخص گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے سبب ''فاسق'' ہوگیا ہے اور یہ ''فسق'' اس سے ایمان و اسلام کے نام کی نفی نہیں کرتا (یعنی وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے، بلکہ مومن و مسلم ہے)۔

واصل کا موقف:

یہ پانچواں عقیدہ ہی ہے جس پر امت اسلامیہ کے اسلاف تابعین و صحابہ کرام قائم تھے۔

چنانچہ جب بصرہ اور اہواز کے مقامات پر خوارج ازارقہ کی شورش اور ان کے فتنہ کا ظہور ہوا اور

لوگ مرتکبین گناہ کے بارے میں مندرجہ بالا پانچ گروہوں میں تقسیم ہوگئے، تو واصل بن عطاء الغزال مقدم الذکر پانچوں گروہوں سے الگ ہوگیا اور یہ کہا کہ: اس امت محمدیہ ﷺ میں ''فاسق'' نہ ''مومن'' ہے اور نہ ''کافر'' ہے۔ اس نے ''فاسق'' کو ''کفر'' و ''ایمان'' کے دو مدارج (المنزلتہ) کے درمیان ایک درجہ (المنزلہ) ٹھہرایا۔ جب امام حسن بصریؒ نے واصل کے مبتدعانہ خیال کو سنا جو تمام ان گروہوں کے خیالات کے خلاف تھا جو اس سے پہلے ہوگزرے ہیں، تو انہوں نے اس کو اپنی مجلس سے نکالدیا چنانچہ وہ مسجد بصرہ کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف علیحدہ ہوکر جا بیٹھا۔ اس کی گمراہی میں اس کا ساتھی (اور برادر نسبتی) عمرو بن عبید بن باب غلام حلقہ بگوش کی طرح اس کے ساتھ وہاں مل بیٹھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے ان دونوں (واصل اور عمرو) کے بارے میں کہا کہ: ان دونوں نے امت مسلمہ کے عقیدہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے (انهما قد اعتزلا قول الامة) اور ان کے متبعین کو ''معتزلہ'' کے نام سے پکارنے لگے۔

بعد ازاں واصل بن عطاء و عمرو بن عبید نے ''المنزلة بين المنزلتين'' سے متعلق اپنی بدعت کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کو معبد جہنی کی رائے کے مطابق عقائد القدریہ کی جانب دعوت دینی شروع کی۔ اس پر لوگوں نے واصل کے متعلق یہ کہا کہ: وہ اپنے کفر کے ساتھ ''قدری'' بھی ہے۔ اور ہر ''کافر قدری'' کے بارے میں یہ ضرب المثل ہوگی۔

معتزلہ، خارجیوں کے ہیجڑے ہیں:

واصل اور عمرو نے اس عقیدہ میں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ آتش دوزخ میں جلے گا، فرقہ خوارج کی موافقت کی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایسا شخص موحد ہے، مشرک یا کافر نہیں ہے۔ اسی لئے معتزلہ کو ''مخانیث الخوارج'' (خارجیوں کے ہیجڑے) کا نام دیا گیا۔ کیونکہ خوارج نے جب یہ عقیدہ پیش کیا کہ گناہ گار (اہل الذنوب) دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے تو انہیں کافر قرار دیا اور ان سے جنگ کی، جبکہ معتزلہ نے بھی یہی رائے ظاہر کی کہ یہ لوگ ہمیشہ

ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، مگر انہیں کافر کا نام دینے کی جسارت نہ کی اور نہ ہی یہ جسارت کی کہ اپنے مخالفین کے کم ازکم ایک ہی گروہ سے، چہ جائیکہ ان کے جمہور سے، جنگ کرتے۔ یہی سبب ہے کہ اسحاق بن سوید العدوی نے واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید کو خوارج کے زمرے میں ٹانک دیا ہے، کیونکہ یہ دونوں خوارج کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ گناہ گار آتش دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ جلیں گے۔ وہ اپنے بعض قصائد میں کہتا ہے۔

''میں خوارج سے اظہار لاتعلقی کرتا ہوں، میں ان میں سے نہیں ہوں۔ میں نہ ان کے ''غزال'' سے اور نہ ان کے ''پسر باب'' سے ہوں۔ اور نہ میں اس قوم سے ہوں جو حضرت علیؓ کا ذکر کرتے ہیں، تو اڑنے والے ابر کو سلام کرتے ہیں۔''

**واصل کا صحابہ کے بارے میں عقیدہ:**

بعدازاں واصل نے ایک تیسری ''بدعت'' کا اظہار کر کے سلف صالحین سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور وہ یہ کہ اس نے اپنے زمانے کے لوگوں کو حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ اور تمام ''اصحاب جمل'' کے متعلق مختلف الرائے پایا۔ یعنی خوارج نے یہ کہا کہ: حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہؓ اور جنگ جمل میں ان کے تمام متبعین، حضرت علیؓ سے قتال کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ حضرت علیؓ اصحاب جمل سے قتال میں برسر حق تھے، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں سے تحکیم (ثالثی) قبول کرنے تک وہ حق پر تھے۔ تحکیم (قبول کر کے وہ) بھی کافر ہو گئے۔ اہل السنّت والجماعت کہتے ہیں کہ جنگ جمل کے دونوں فریق سچے مسلمان تھے، حضرت علیؓ ان سے قتال کرنے میں حق بجانب تھے جبکہ اصحاب الجمل سرکش تھے اور حضرت علیؓ سے قتال کرنے میں غلطی پر تھے مگر یہ غلطی نہ کفر تھی اور نہ فسق جس سے (عدالت مجروح ہو) اور ان کی شہادت (گواہی) ساقط الاعتبار ہو جائے۔ اہل السنّت والجماعت فریقین میں سے ہر فریق کے دو شاہدان عادل کی شہادت کو جائز اور درست سمجھتے ہیں۔ مگر واصل فریقین یعنی خوارج اور اہل السنّت کے قول سے باہر نکل گیا اور یہ کہا کہ

فریقین (اصحاب علیؓ وجمل) میں ایک فریق ضرور فاسق ہے مگر یہ متعین نہیں ہے کہ کونسا فریق فاسق ہے۔ اس نے یہ جائز ٹھہرایا ہے کہ فریقین میں فاسق ہوں، مثلاً علیؓ اور ان کے متبعین یعنی حسنؓ، حسین، ابن عباسؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوایوب انصاریؓ اور ان کے تمام وہ ساتھی جو جنگ جمل میں ان کے ہمراہ تھے۔ اسی طرح عائشہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور دوسرے تمام اصحاب جمل میں سے فاسق ہوں۔ بعدازاں اس نے فریقین میں سے کسی ایک فریق کی عدالت میں شک کیا اور کہا کہ علیؓ و طلحہؓ یا علیؓ و زبیرؓ یا اصحاب علیؓ میں سے ایک آدمی اور اصحاب جمل میں سے ایک آدمی سبزی کے ایک گٹھے پر بھی گواہی دیں تو میں اسے قبول نہ کروں گا اور اس کے مطابق فیصلہ نہ دوں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فاسق ہے مگر اس کا تعین نہیں ہے کہ کونسا فریق فاسق ہے، ہاں اگر فریقین میں سے کسی ایک فریق کے دو آدمی گواہی دیں تو میں ان کی شہادت کو قبول کرلوں گا۔

وہ روافض جو معتزلی ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں، ان کی آنکھوں میں یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکنی چاہئے کہ شیخ المعتزلہ واصل بن عطاء ان کے امام جناب علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں کی عدالت میں شک وشبہ کرتا تھا۔ واصل کے مقالات کا خلاصہ ہم نے اپنے اشعار میں بیان کردیا ہے، جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

''واصل نے اپنے مقالات سے کسی قسم کا اتصال واتحاد پیدا نہ کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اس کے جوڑ جوڑ کاٹ کر علیحدہ کردیئے۔''

اس قصیدہ کی دوسری ابیات کو اگر اللہ بزرگ وبرتر نے چاہا، ہم اس کے بعد تحریر کریں گے۔

## ۲۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ العمرویہ:

یہ فرقہ عمرو بن عبید بن باب ؒ کے متبعین پر مشتمل ہے۔ عمرو بنی تمیم کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھا۔ اس کا دادا کابل کے اسیرانِ جنگ میں تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے، ادیان ومذاہب میں بدعتیں اور گمراہیاں، لونڈی، بچوں اور غلام زادوں کے ہاتھوں در آئی ہیں۔

## صحابہ کے بارے میں عمرو کے عقائد:

عمرو، قدر کی بدعت اور المنزلة "بین المنزلتین کے عقیدہ میں واصل کا ہم خیال ہے۔ اسی طرح وہ اس مسئلہ میں بھی واصل سے متفق ہے کہ اگر دو شاہدوں میں ایک اصحاب علیؓ سے اور دوسرا اصحاب جمل سے ہو تو دونوں کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ لیکن عمرو نے واصل کی اس بدعت پر یہ اضافہ کیا کہ: جنگ میں متحارب دونوں ہی فریق فاسق ہیں اور دونوں ہی کی شہادت مسترد کر دی جائے گی، خواہ ان میں ایک اصحاب علیؓ سے ہو او دوسرا اصحاب جمل سے، خواہ دونوں ہی اصحاب علیؓ سے ہوں خواہ دونوں ہی اصحاب جمل سے ہوں۔ اس کے برخلاف واصل ان دونوں شاہدوں کی شہادت کو اس وقت مسترد کرنے کا قائل تھا جب ان میں سے ایک اصحاب علیؓ سے اور دوسرا اصحاب جمل سے ہو، مگر اگر دونوں ہی اصحاب علیؓ سے یا دونوں ہی اصحاب جمل سے ہوں تو اس کے نزدیک ان کی شہادت قابل قبول تھی۔

واصل اور عمرو کے بعد القدریہ میں اس مسئلہ میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ نظام، معمر اور جاحظ نے جنگ جمل کے دونوں متحارب فریقوں سے متعلق واصل کا مسلک اختیار کیا اور اس کے قول کے مطابق بات کہی۔ جبکہ حَوشب اور ہاشم اوقص نے کہا: "سرداروں کو تو نجات مل گئی، لیکن ان کے متبعین ہلاک ہو گئے۔"

## اہل السنّت کے عقائد:

اہل السنّت و الجماعت جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کو برسر صواب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے تائب اور کنارہ کش ہو کر واپس (مدینہ) جا رہے تھے کہ (حضرت علیؓ کے لشکر کا ایک شخص جس کا نام) عمرو بن جرموز تھا آپ کے پیچھے لگ گیا اور وادی السباع کے مقام پر انہیں دھوکہ سے قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کے جہنمی ہونے کی خبر دی ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگ سے واپسی کا ارادہ کر رہے تھے کہ (انہیں ایک اندھا تیر لگا اور زیادہ خون بہہ جانے سے وہ شہید ہو گئے)۔ یہ

تیر مروان بن الحکم نے چلایا تھا، جو اصحاب جمل کے ساتھ تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فریقین میں اصلاح کی کوشش کی مگر بنوضبہ اور بنواز د کے لوگوں نے غلبہ کر کے آتش قتال کو تیز کر دیا، پھر جو کچھ ہوا وہ سبھی کو معلوم ہے۔ چنانچہ جو لوگ فریقین یا کسی ایک فریق کے کفر کے قائل ہیں، ان حضرات کے بجائے وہی لوگ کافر ہیں۔ (اصحاب جمل اور اصحاب علیؓ کے بارے میں) اہل السنّت والجماعت کا یہ خیال ہے۔ ۵

۳۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الہذیلیہ:

یہ لوگ متبع ہیں ابوالہذیل محمد بن الہذیل ۶ کے۔ یہ شخص علّاف کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قبیلہ عبدالقیس کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام یا حلیف) تھا۔ اُس نے بھی غلام زادوں کی روش اپنائی، کہ اکثر بدعتیں انہیں سے ظاہر ہوئیں۔ اس نے تمام اسلامی فرقوں کی، خواہ وہ اس کے معتزلی ساتھی ہوں یا دوسرے فرقے، تسلسل کے ساتھ تکفیر کی ہے۔ معتزلہ کا ایک عالم جو المردار کے لقب سے مشہور ہے، اس نے ایک ضخیم کتاب ابوالہذیل کے رسوا کن عقائد کے بارے میں تحریر کی ہے۔ اس نے اس کتاب میں ابوالہذیل کی ان گمراہیوں کے سبب سے جن میں وہ دوسروں سے منفرد ہے اس کی تکفیر کی ہے۔ جبائی نے بھی مسئلہ مخلوق کے بارے میں ابوالہذیل کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے اس کو کافر ٹھہرایا ہے۔ مشہور معتزلی زعیم جعفر بن حرب نے بھی ایک کتاب بنام "توبیخ ابی الہذیل" اس کے رد میں تصنیف کی ہے۔ اس میں ابوالہذیل کے کفر کی جانب اشارہ کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ اس کے عقائد الدہریہ کے عقائد سے ملتے جلتے ہیں (ہم ابوالہذیل کے فضائح، رسوا کن عقائد و افکار کو ذیل میں بیان کرتے ہیں)۔

## اللہ کے مقدورات فناء پذیر ہیں: ............ ۱۔ فضیحتِ اوّل:

ابوالہذیل، اللہ عزوجل کے مقدورات کے فناء ہو جانے کا قائل ہے کہ ان مقدورات کے فناء ہو جانے کے بعد وہ کسی شئی پر قادر نہ رہے گا۔ اسی وجہ سے اس نے کہا ہے کہ اہل جنت کی نعمتیں اور اہل دوزخ کے عذاب فناء ہو جائیں گے، اس وقت اہل الجنت واہل النار گم نام و

معطل ہو جائیں گے اور انہیں کسی شئ پر کوئی قدرت حاصل نہ رہ جائے گی۔ اور اس حالت میں اللہ عزوجل کسی مردہ کو زندہ کرنے پر اور نہ کسی زندہ کو مار ڈالنے پر قادر رہ جائے گا' اسی طرح کسی ساکن کو متحرک کرنے اور کسی متحرک کو ساکن کرنے پر اور نہ کسی شئ کی تخلیق پر اور نہ کسی شئ کو فناء کرنے پر اسے کسی طرح کی قدرت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اس وقت زندوں کی عقلیں صحیح و سالم ہوں گی۔

ابوالہذیل کا یہ عقیدہ ان لوگوں کے عقیدے سے بھی برا ہے جو جنت و دوزخ کے فناء کے قائل ہیں جب کہ اسے جہم نے اختیار کیا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ جہم نے جنت و دوزخ کے فناء ہو جانے کا عقیدہ پیش کیا ہے، لیکن اس نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کے فناء ہو جانے کے بعد اللہ عزوجل ان جیسے (جہنم و جنت) کو پیدا کرنے پر قادر ہے، جبکہ ابوالہذیل کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کا رب اپنے مقدورات کے فناء ہو جانے کے بعد کسی شئ پر بھی قادر نہیں ہے۔

### المردار کا اعتراض:

(مشہور معتزلی عالم) المردار نے اس مسئلہ پر ابوالہذیل کی بہت نکیر کی ہے، وہ کہتا ہے کہ: اس سے یہ امر لازم آتا ہے کہ اگر جنت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دوست اپنے ایک ہاتھ میں شربت کا پیالہ لئے اور دوسرے ہاتھ میں جنت کا کوئی تحفہ لئے ہوئے ہو اور اس حالت میں جنت کی حرکات ساکن ہو جائیں اور سکون دائم کا وقت آ پہنچے، تو اللہ تعالیٰ کا یہ دوست ابد تک مصلوب شخص کی ہیئت میں باقی رہے گا۔

### الخیاط کی عذر خواہی:

ابوالحسین الخیاط (المعتزلی) نے اس مسئلہ میں ابوالہذیل کی جانب سے دو معذرتیں پیش کی ہیں:۔

اول:۔ ابوالحسین نے یہ عذر دیا ہے کہ اللہ عزوجل اپنے مقدورات کی انتہاء و اختتام سے قبل، اہل جنت کے لئے ہر قسم کی لذتوں اور نعمتوں کو اکٹھا کر دے گا اور وہ ان لذتوں کے ساتھ سکونِ دائم میں باقی رہیں گے۔

دوم:۔ ابوالہذیل اپنے مخالفین سے بحث کے دوران یہ بات بطور الزامی جواب کہا کرتا تھا اور یہ اس کا عقیدہ نہیں تھا۔

## الخیاط کا ابطال:

ابوالحسین الخیاط نے ابوالہذیل کی جانب سے جو معذرت پیش کی ہے، وہ دو وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ اس سے ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر دو باہم متضاد لذتوں کا اجتماع لازم آئے گا۔ یہ امر اس طرح محال ہے جس طرح سے لذت والم کا ایک ہی جگہ پر اکٹھا ہو جانا محال ہے۔

۲۔ اگر اس معذرت کو درست تسلیم کر لیا جائے، تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ اہل جنت، اللہ عزوجل کے مقدورات کے فناء ہو جانے کے بعد، اس کی قدرت کے زمانے کے مقابلہ میں بہتر اور اچھے حال میں ہوں۔

اب رہا الخیاط کا یہ دعویٰ کہ ابوالہذیل نے فناء مقدورات کا عقیدہ بر سبیل مجادلہ پیش کیا ہے، یہ اس کا عقیدہ نہیں ہے، تو اس کا فیصلہ ابوالہذیل کی کتابوں اور تحریروں سے ہوگا۔ اس نے اپنی کتاب موسوم بہ "الحجیج" میں وہی لکھا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس نے اپنی ایک اور کتاب "القوالب" میں الدہریہ کی تردید میں ایک باب قائم کیا ہے اس میں اس نے موحدین سے متعلق الدہریہ کا قول نقل کیا ہے کہ: "اگر یہ بات جائز ہے کہ ہر حرکت کے بعد اس کے سوا ایک اور حرکت ہوتی ہے اور اسکا کوئی آخر نہیں، اور ہر حادث کے بعد ایک حادث ہوتا ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، پھر اس شخص کا یہ قول کیوں صحیح نہیں سمجھا جائے گا جو یہ کہتا ہو کہ ہر حرکت سے پہلے ایک حرکت ہوتی ہے اور ہر حادث سے قبل ایک حادث ہوتا ہے جو اپنے پہلے سے اور پہلی کی حالت سے نہیں ہوتا۔" ابوالہذیل نے اس الزام کا (پہلے اور بعد کے حادث اور پہلی اور بعد کی حرکت) کی مساوات کا اقرار کر کے جواب دیا اور کہا: "جس طرح حوادث کی ایک ابتداء ہوتی ہے کہ اس سے پہلے کوئی حادث نہیں ہوتا، اسی طرح اس کی ایک انتہاء بھی ہوتی ہے جس کے بعد کوئی حادث نہیں ہوگا"۔ اس بناء پر ابوالہذیل نے اللہ عزوجل کے مقدورات کے فناء ہو جانے کا نظریہ پیش کیا۔ حالانکہ اسلامی فرقوں

کے تمام متکلمین نے ''حوادث ماضیہ'' اور ''حوادثِ مستقبلہ'' میں نہایت واضح ونمایاں فرق کیا ہے مگر اس کی جانب ابوالہذیل کی توجہ مبذول نہ ہوسکی اور اس سے لاعلم ہونے کے سبب اس نے ''فناء المقدورات'' کا نظریہ پیش کرنے کی غلطی کی ہے۔ ہم نے ان نمایاں اور واضح فرقوں کو اپنی ایک علیحدہ تصنیف کے باب ''الدلالۃ علی حدوثِ العالم'' میں بیان کیا ہے۔

## اہل آخرت کے اکساب اضطراری ہوں گے: ۲۔ فضیحت دوم:

ابوالہذیل کا دوسرا رسوا کن عقیدہ یہ ہے کہ: ''اہل آخرت سے جو کچھ سرزد ہوگا وہ بھی اضطراری ہوگا، نہ کہ اختیاری۔ اہل جنت کھانے، پینے اور جماع میں بے اختیار ہوں گے یہ افعال ان سے ازسرِخود ظہور میں آئیں گے، اسی طرح اہل دوزخ اپنے اقوال میں بااختیار نہ ہوں گے، ان سے باتیں بلا ارادہ واختیار نکلیں گی۔ چنانچہ آخرت میں کسی مخلوق کو کسی فعل کے اکتساب کی اور نہ کسی قول کے اکتساب کی کوئی قدرت ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اقوال، حرکات اور تمام ان چیزوں کا جن سے وہ لوگ متصف کئے جائیں گے خالق ہوگا۔'' القدریہ، جہم کو اس کے اس عقیدہ پر مطعون کرتے تھے کہ: ''بندوں سے دنیا میں جو کچھ سرزد ہوتا ہے وہ اضطراری ہے، اس میں انکا کوئی اختیار نہیں ہے''۔ اسی طرح وہ لوگ ہمارے (اشاعرہ کے) اصحاب پر اس عقیدہ کی وجہ سے نکیر کرتے تھے کہ: ''اللہ عزوجل بندوں کے اکساب کا خالق ہے''۔ اور ہمارے اصحاب سے کہتے تھے کہ: ''اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے ظلم کا خالق ہے، تو لازم آتا ہے کہ وہ ظالم ہو، اسی طرح اگر اس نے انسانوں کا جھوٹ پیدا کیا ہے تو ضروری ہے کہ وہ کاذب ہو''۔ اب ہم (اشاعرہ) ان (القدریہ) سے کہتے ہیں کہ: ''تم نے ابوالہذیل سے یہ کیوں نہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں اہل دوزخ کے ''کذب'' کو تخلیق کرے گا کہ وہ کہیں گے: ''اللہ ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہ تھے (القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۲۳)''۔ تو اس طور سے واجب آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کاذب ہو، کیونکہ تمہارے نزدیک کاذب وہ شخص ہے جس نے کذب کی تخلیق کی ہے۔ یہ الزام ہم (اشاعرہ) پر نہیں لگایا جاسکتا، اس لئے کہ ہم یہ نہیں کہتے

کہ کاذب اور ظالم وہ ہے جس نے کذب یا ظلم کی تخلیق کی ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ: ''ظالم وہ ہے جس کے ساتھ ظلم قائم ہوتا ہے اور کاذب وہ ہے جس کے ساتھ کذب قائم ہوتا ہے۔ وہ ظالم یا کاذب نہیں ہے جس نے اسے خلق کیا ہے۔''

**الخیاط کا اعتذار:**

ابوالہذیل کی اس بدعت کی الخیاط نے یہ معذرت کی ہے کہ: ''آخرت'' ''دارالجزاء'' ہے وہ ''دار تکلیف'' نہیں ہے۔ اگر اہل آخرت اپنے اعمال کے مکتسب ہوں تو وہ مکلفین میں ہوں گے اور انہیں ان کے اکتساب پر ثواب یا عذاب بھی دینا ہوگا، جو دار آخرت کے سوا کوئی اور ''دار'' ہوگا (یوں ''دار آخرت'' ''دارالجزاء'' ہو جائے گا اور اس کا دور و تسلسل شروع ہو جائے گا، جو محال و ناممکن ہے)۔

**الخیاط کی تردید:**

(اس اعتذار پر) الخیاط سے کہا جا سکتا ہے کہ: کیا تم ابوالہذیل کی جانب سے اس معذرت پر راضی ہو یا اسے ناپسند کرتے ہو؟ اگر تم اسے پسند کرتے ہو، تو پھر اسی جیسی بات کہو اور اس کے پیش کردہ نظریہ کو تسلیم کر لو حالانکہ یہ بات تمہارے عقیدے کے خلاف ہے۔ اگر تم اس اعتذار کو ناپسند کرتے ہو تو یہ اعتذار بے معنی اور فضول ٹھہرتا ہے کیونکہ اس عقیدہ پر تم خود بھی ابوالہذیل کی تکفیر کرتے ہو۔

ہم ابوالہذیل سے کہتے ہیں: تم اس بات سے کس لئے انکار کرتے ہو کہ اہل الآخرت اپنے اعمال کے مکتسب ہوں گے، اور یہ کہ وہ آخرت میں اللہ عزوجل کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کے مکلف اور اس پر مامور ہوں گے۔ مگر صلوٰۃ، زکوٰۃ اور صیام جیسی عبادات کی ادائیگی پر نہ وہ مامور کئے جائیں گے اور نہ انہیں ان کا مکلف ٹھہرایا جائے گا، اور وہ لوگ ارتکاب معاصی سے باز نہیں رکھے جائیں گے (ہر چند کہ وہ ان کا ارتکاب نہ کریں گے مگر وہ معصوم نہیں)۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اداء شکر اور ترکِ معاصی پر جو ثواب اور اچھا بدلہ ملے گا وہ یہ ہوگا کہ ان پر

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی حالانکہ تم نے اس امر سے انکار نہیں کیا ہے کہ وہ لوگ گناہوں کے ارتکاب سے آخرت میں باز رہیں گے اور ان سے معصوم و محفوظ ہوں گے۔ جیسا ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اور اکثر اہل تشیع کہتے ہیں کہ: انبیاء علیہم السلام دنیا میں معاصی سے باز اور اُن کے ارتکاب سے معصوم و محفوظ ہیں۔ اسی طرح ملائکہ بھی گناہوں سے باز رہتے اور ان کے ارتکاب سے معصوم و مامون ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ عزوجل نے ملائکہ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ لوگ وہی کرتے ہیں۔ (القرآن، سورۃ التحریم، آیت ۶)''۔

## وہ طاعات جن سے رضائے الٰہی مراد نہ ہو: ۳۔ فضیحتِ سوم:

ابوالہذیل ایسی ''طاعات کثیرہ'' کے وجود کا قائل ہے جن سے اللہ عزوجل کی رضاء و حکم برداری کا ارادہ نہ کیا گیا ہو۔ یہی خیال خوارج الاباضیہ کے ایک گروہ کا بھی ہے۔ ابوالہذیل کہتا ہے کہ: دنیا میں ایسا کوئی صاحب ہوائے نفسانی (بندہ نفس) اور زندیق نہیں ہے جو اکثر باتوں میں اللہ تعالیٰ کا مطیع نہ ہو۔ ہر چند کہ اس نے اپنے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو، (اس کے برخلاف) اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ: اللہ عزوجل کی طاعت کا اس شخص سے صدور جو اسے نہیں جانتا، صرف ایک دفعہ تو صحیح ہو سکتا ہے اور یہ نظر و استدلال ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچنے سے قبل اس پر واجب ہے۔ سو اگر وہ اسے کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا مطیع ٹھہرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ گو کہ اس نے اس نظر اول سے اللہ عزوجل کے تقرب کا ارادہ وقصد نہ کیا ہو۔ لیکن اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی کسی طاعت کا صدور اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد و ارادہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ ایسی طاعات کا، جن سے رضائے الٰہی مقصود ہو، سرزد ہونا اسی وقت ممکن ہے جبکہ وہ شخص نظر اول سے معرفت الٰہی تک پہنچا ہو۔ مگر نظر اول سے قبل اس عمل کے ذریعہ اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہوگا کیونکہ وہ اس نظر و استدلال سے قبل اللہ تعالیٰ کو جانتا

ہی نہ تھا (سو اس کا تقرب اور اس کی اطاعت کا صدور ہو ہی نہیں سکتا)۔

## ابوالہذیل کا استدلال:

ابوالہذیل نے اپنے اس دعویٰ کی صحت پر کہ ایسے شخص سے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بے بہرہ ہے، اس کی طاعات کا سرزد ہونا ممکن ہے، یہ دلیل دی ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے ''اوامر'' کے بالمقابل ''زواجر'' ہیں۔ چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا عرفان نہیں رکھتا، اگر اس کے سارے ''اوامر'' کو ترک کر دے، تو لازم آئے گا کہ وہ اس کے تمام ''زواجر'' کی جانب رجوع ہو جائے۔ یوں جس نے تمام ''طاعات'' چھوڑ دیں، وہ تمام ''معاصی'' کی جانب چلا جائے گا۔ خواہ وہ دہری ہو، یہودی ہو، نصرانی ہو یا مجوسی ہو یا تمام کافروں سے متعلق ادیان سے وابستہ ہو۔ اس طرح سے اگر کوئی مجوسی، اپنی ''مجوسیت'' کے علاوہ تمام کفر کی باتوں سے نجات پالے، تو ہم یہ جان لیں گے کہ وہ اپنی ''مجوسیت'' کے باعث، جس سے اس کو منع کیا گیا ہے، عاصی اور گناہ گار ہے اور دوسری کفریہ باتوں کو ترک کر کے اللہ عزوجل کا مطیع ہے اور وہ اس لئے کہ اسے ان باتوں کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

## ابوالہذیل کی تردید:

(میں مصنف) اس سے کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور زواجر کا معاملہ ایسا نہیں ہے، جیسا کہ تم نے خیال کیا ہے، لیکن ''طاعت'' کی کوئی خصلت نہیں جس کے مقابل معاصی کی متعدد متضاد خصلتیں نہ ہوں اور ایمان کی کوئی خصلت ایسی نہیں ہے جس کی کئی متضاد خصلتیں نہ ہوں، اور ان میں ہر نوع دوسری نوع کی متضاد بالکل اسی طرح ہوتی ہے جیسی وہ طاعت کی متضاد ہوتی ہے (یعنی جس طرح طاعت اور معاصی کی خصلتیں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں، بالکل اسی طرح معاصی کی خصلتیں بھی باہم دگر متضاد ہوتی ہیں)۔ مثلاً جس طرح قیام، قعود پہلو کے بل لیٹنا اور چت لیٹنا یہ مختلف حالتیں ہیں۔ مگر جو شخص ان تمام حالتوں میں نہ بھی ہو بلکہ کسی ایک حال سے بھی دوچار ہو تو وہ مثلاً قعود کی حالت سے خارج ہو جائے گا (اگر صرف کھڑا ہو جائے یا صرف پہلو کے بل لیٹ جائے یا صرف چت لیٹ جائے تو حالت قعود (بیٹھنے کی

حالت) سے نکل جائے گا اور اس کے لئے تمام حالات سے دوچار ہونا ضروری نہیں ہے) اسی طرح آدمی صرف کفر کی ایک خصلت کے سبب سے جو طاعات کی ضد ہے، اللہ تعالیٰ کے طاعات کی تمام انواع سے خارج ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کفر کی یہ ایک نوع تمام طاعات کی متضاد ہے اسی طرح کفر کی دوسری انواع کی بھی ضد اور الٹ ہے۔ یہ بات فی نفسہ واضح ہے، خواہ ابوالہذیل کے دماغ میں واضح نہ بھی ہو۔

## اللہ کا علم اور قدرت اللہ ہے: ۴۔ فضیحت چہارم:

ابوالہذیل کے بقول اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ''علم'' اللہ ہے اور اس کی ''قدرت'' اس کی ذات ہے۔

### ابوالہذیل پر اعتراض:

اس قول سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ علم ہو اور وہ قدرت ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ علم ہو اور وہ قدرت ہو، تو اس کا عالم و قادر ہونا محال ہوگا، کیونکہ علم، عالم نہیں ہوتا اور قدرت قادر نہیں ہوتی۔

ابوالہذیل کے اس قول پر ایک دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کا علم، اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اللہ ہے تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت ہے اور اگر علم الٰہی اس کی قدرت ہو تو یہ ضروری ہو جائے گا کہ ہر وہ بات جو اسے معلوم ہو وہ اس کے لئے مقدور بھی ہو۔ اس سے یہ امر واجب ہو جائے گا کہ اس کی رائے بھی اس کی قدرت میں ہے اور اس کے لئے مقدور ہے، کہ وہ اسے معلوم ہو۔ یہ عقیدہ کفر ہے اور جو بات کسی کفر کی سمت لے جائے وہ اسی جیسی ہوتی ہے۔

## اللہ کے کلام کی تقسیم: ............۵۔ فضیحت پنجم:

ابوالہذیل نے اللہ عزوجل کے کلام کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ کلام جو کسی ''محل'' کا محتاج ہو اور دوسرا وہ جو کسی ''محل'' کا محتاج نہ ہو (ایک ''محل'' میں ہو اور دوسرا ''لا فی محل'' میں

ہو)۔ اس کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شئی کو ''کن'' کہتا ہے تو اس کا یہ قول ''لا فی محل'' میں حادث ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تمام دوسرا کلام، اجسام میں سے کسی ایک ''جسم'' میں حادث ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا تمام کلام ابوالہذیل کے نزدیک ''اعراض'' ہے۔ اس کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی شئی کو ''کن'' کہنا اس جنس سے ہے جس جنس سے انسان کا ''کن'' کہنا ہے۔ اب اس نے ایک ہی جنس سے متعلق دو عرضوں میں یہ تفریق کی کہ ایک (انسان کا قول ''کن'') ''محل'' کی محتاج ہے جبکہ دوسری (اللہ کا قول ''کن'') ''محل'' سے مستغنیٰ ہے (یوں اللہ کا کچھ کلام ''فی محل'' ہے اور کچھ ''لا فی محل'' ہے)۔

جہاں تک ابوالہذیل کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ سبحانہ کا ارادہ ''لا فی محل'' میں حادث ہوتا ہے۔ اس میں بصری علماء اعتزال اس کے ساتھ شریک ہیں، مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہمارے ارادے کی جنس سے ہے جو ''محل'' کا محتاج ہے۔

## ابوالہذیل کی تردید:

کسی کلمہ کے ''لا فی محل'' میں موجود ہونے سے یہ واجب ہوتا ہے کہ: بعض متکلمین سے اس کلمہ کے بولنے میں بعض دوسرے متکلمین اولیٰ نہ ہوں اور تمام متکلمین مساوی ہوں۔ ابوالہذیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ یہ کہے کہ: اس کے فاعل کو اس کلمہ کے ساتھ کلام کرنے میں غیر فاعل پر کوئی ترجیح حاصل ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اہل جنت اور اہل دوزخ کے کلام کو پیدا کرے گا۔ اور وہ ان لوگوں کے کلام کے ساتھ متکلم نہ ہوگا۔ یوں ابوالہذیل کے اس قول کے سبب کہ کسی کلمہ کا ''لا فی محل'' میں موجود ہونا درست ہے، یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ اس کو مجبوراً یہ ماننا پڑا ہے کہ ایسا کلام بھی موجود ہو جس کا سرے سے کوئی متکلم ہی نہ ہو۔ یہ بات محال ہے اور جو قول اس محال کی جانب لے جائے وہ بھی اسی جیسا (محال) ہے۔

## خبر کی حجیت:............٦۔ فضیحتِ ششم:

ابوالہذیل کہتا ہے کہ: انبیاء کی نشانیوں اور دوسری ایسی باتوں کی خبر جس کا تعلق حواس

سے نہ ہو، اس صورت میں حجت ہے جب اسے کم از کم بیس (۲۰) اشخاص بیان کریں جن میں ایک یا ایک سے زائد افراد اہل جنت سے ہوں اور کافروں اور فاسقوں کی دی ہوئی خبر سے حجت قائم نہیں ہوسکتی خواہ ان کی تعداد تواتر کی حد تک پہنچے جن کا کذب پر اتفاق محال ہو جب کہ ان میں کوئی اہل جنت سے نہ ہو۔ اس کا خیال ہے کہ چار راویوں سے کم افراد کی دی ہوئی خبر کسی حکم کے وجوب کا موجب نہیں ہے۔ ہاں اگر راویوں کی تعداد چار سے زائد بیس تک ہو (یعنی بیس نہ ہو) تو ان کی خبر سے کبھی علم کا وقوع صحیح ہوگا اور کبھی ان کی خبر سے وقوع علم صحیح نہ ہوگا۔ جس خبر کو بیس راوی بیان کریں اگر ان میں ایک راوی بھی اہل جنت سے ہو تو لامحالہ اس خبر سے علم کا وقوع واجب ٹھہرے گا۔

ابوالہذیل کی دلیل :

یہ کہ بیس (۲۰) کی تعداد کیوں حجت ہے، ابوالہذیل نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ: ''اگر تم میں بیس اشخاص صابر و ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آ جائیں گے۔ (القرآن، سورۃ الانفال، آیت ۶۵)''۔ ابوالہذیل کے بقول مسلمانوں پر کفار سے قتال اس وقت تک مباح و جائز نہیں ہوا جب تک کہ وہ ان کافروں پر حجت نہ ہو گئے۔

ابوالہذیل پر اعتراض :

اس قول سے ابوالہذیل پر یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ ''خبر واحد'' حجت اور علم کو موجب ہو۔ کیونکہ اس وقت ایک صاحب ایمان کو دس مشرکین سے قتال کرنا تھا اور اس ایک مومن کے مشرکین سے قتال کا جائز ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان مشرکین پر حجت ہے (یعنی جب ایک مومن حجت ہوا تو اس کی روایت کی ہوئی حدیث، کہ خبر واحد کہلاتی ہے، لازماً حجت اور مفید علم ہوگی)۔

ابوالہذیل کا مقصد :

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ: اخبار (واحادیث) کی روایت میں بیس راویوں کو

حجت ٹھہرانے سے جبکہ ان میں ایک شخص جنتی ہو، ابوالہذیل کا مقصد صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے سلسلہ میں وارد اخبار معطل اور غیر معتبر ہو جائیں، اور ان کے فوائد بے کار و رائیگاں جائیں۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ، ان بیس راویوں میں سے کم از کم ایک کو اہل جنت سے ہونا چاہئے، اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اعتزال، قدر اور فناء مقدورات الٰہی میں اس کی بدعات پر اعتقاد رکھتا ہو اور اس کا ہم مسلک ہو۔ اور وہ یوں کہ جو شخص ان بدعات کا قائل نہ ہوگا، وہ ابوالہذیل کے نزدیک صاحب ایمان نہ ہوگا اور نتیجتاً جنت میں بھی نہ جائے گا۔ ابوالہذیل کی بدعت کا اس سے قبل کوئی بھی قائل نہیں تھا کہ اس کی روایت اس کی شرط کے مطابق ہو (سو جس قدر بھی اخبار و احادیث مدون ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی حجت نہیں کہ ان کے رواۃ ابوالہذیل کی شرط پر پورے نہیں اترتے' یوں اخبار معطل و غیر مفید ہو گئیں اور احکام شرعیہ جو ان اخبار سے مستفاد ہوتے ہیں باطل ہو گئے اور ابوالہذیل کی ناخوش اندیشی سے ابطال احکام شرعیہ کا خطرہ پیدا ہو گیا)۔

## ۷۔ فضیحت ہفتم: ............افعال کے درمیان فرق:

ابوالہذیل نے ''افعال القلوب'' اور ''افعال الجوارح'' کے درمیان تفریق کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: ''افعال القلوب'' کا ''فاعل'' سے اس کی موت یا اس پر اس کی قدرت کے ساتھ، وجود جائز نہیں ہے۔ مگر ''افعال الجوارح'' کا وجود ہم میں سے ''فاعل'' کی موت اور بصورت زندگی عدم قدرت کے ساتھ جائز ہے۔'' ابوالہذیل کا خیال ہے کہ: ''میت'' اور ''عاجز'' کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ ''افعال الجوارح'' کے اُس ''قدرت'' سے ''فاعل'' ہوں جو اُن میں ''موت'' اور ''عجز'' سے پہلے موجود تھی۔

### الجبائی اور ابو ہاشم کی رائے:

الجبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کا یہ خیال ہے کہ اُس ضمن میں ''افعال القلوب'' ''افعال الجوارح'' جیسے ہیں۔ اور ان پر ''قدرت'' کے فناء ہو جانے اور ان سے ''عجز'' کی موجودگی کے باوجود اُن (افعال) کا وجود جائز ہے۔

اس رائے کی تردید:

اس مسئلہ میں الجبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کا قول، ابو الہذیل کے قول سے بھی زیادہ لغو وفضول ہے۔ بجز اس امر کے کہ ابو الہذیل نے سب سے پہلے یہ بات کہی کہ ''میت'' اور ''عاجز'' کا ''افعال الجوارح'' کا ''فاعل'' ہونا جائز ہے۔ اور الجبائی اور اس کے بیٹے نے اپنی بدعت کا تانا بانا ابو الہذیل کی بدعت پر بنا اور اس پر قیاس کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ: ''عاجز'' اور ''میت'' کا ''افعال القلوب'' کا ''فاعل'' ہونا جائز ہے۔ جو شخص کسی ''بدعت'' کی بنیاد رکھے گا اس کا بار عذاب اور نیز ان لوگوں کا بار عذاب جو اس پر عمل کریں گے، اُسی (بانی بدعت) پر قیام قیامت تک رہے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا گروہ کے عذاب میں کسی قسم کی کوئی کمی بھی نہ ہوگی۔

## فضیحت ہشتم: ۸۔............ معارف سے متعلق ابو الہذیل کی فکر:

''معارف'' سے متعلق ابو الہذیل کو (علماء کلام کے) اختلاف کا علم تھا، کہ ایا یہ ''ضروری'' ہیں یا ''اکتسابی'' ہیں؟ اس نے ان لوگوں کے قول کو جو یہ کہتے ہیں کہ ''تمام معارف'' ضروری ہیں، اور ان لوگوں کے قول کو جو یہ کہتے ہیں کہ وہ تمام کسبی ہیں، اور ان لوگوں کے قول کو جن کی رائے میں جو ''معارف'' حواس اور بداہت سے معلوم ہوں، وہ ضروری ہیں اور جو استدلال سے جانے جائیں وہ اکتسابی ہیں، ترک کر دیا اور اپنے لئے ایک ایسا قول وعقیدہ اختیار کیا جو سلف کے اقوال وعقائد سے خارج و جدا تھا۔ اس نے کہا: معارف دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اضطراری، کہ اللہ عزوجل کی معرفت اور اُس کی معرفت کی جانب بلانے والی دلیل کی معرفت ہے۔ ان دونوں باتوں کے بعد وہ معلومات جو حواس یا قیاس سے حاصل ہوتی ہیں وہ اختیار و اکتساب سے بہم پہنچنے والی معلومات ہیں۔

اطفال کا حصول معرفت:

بعد ازاں ابو الہذیل نے اس عقیدہ پر ''مہلت معرفت'' سے متعلق اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھی

جس میں اس نے امت کے تمام لوگوں کی مخالفت کی۔ اس نے بچے کے بارے میں کہا: اپنے آپ کو جان لینے کی دوسری حالت میں اس پر لازم ہے کہ توحید وعدل سے متعلق تمام معارف کو کسی فعل کے بغیر جان لے۔ اسی طرح اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید وعدل کی معرفت کے ساتھ ان تمام امور کی معرفت حاصل کرلے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلف ٹھہرایا ہے۔ اگر اس نے اپنی ذات کی معرفت کی دوسری حالت میں ان تمام امور کو نہ حاصل کرلیا اور تیسری حالت میں مرگیا، تو وہ کافر موت مرے گا، اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ آتش دوزخ میں جلے گا۔ جہاں تک بچے کے لئے ان چیزوں کی معرفت کا تعلق ہے جواز قسم اخبار ہوں اور جنہیں صرف ''سمع'' سے جانا جاتا ہوتو اس کے لئے ضروری ہے کہ دوسری حالت میں اس کی معرفت اس خبر کو سن کر بہم پہنچائے، کہ حجت ہو اور ہر قسم کے عذر کو ختم کردے۔

### بشر بن معتمر کی رائے:

بشر بن معتمر کا یہ قول ہے کہ بچے پر لازم ہے کہ تیسری حالت میں اپنی ذات کی معرفت کے ساتھ معارفِ عقلیہ کو بہم پہنچائے۔ کیونکہ دوسری حالت غور وفکر کی حالت ہوتی ہے۔ اگر بچے نے تیسری حالت میں ان معارف کی تحصیل نہ کرلی اور چوتھی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا عدو ودشمن ٹھہریگا اور آتش دوزخ میں ہمیشہ جلتا رہے گا۔

### ابوالہذیل اور بشر کی بوالعجبی:

ذرا اِن دو قدریوں (ابوالہذیل وبشر) کو دیکھو جو الازارقہ کے اس قول پر بڑی نکیر کرتے ہیں کہ: ''ان کے مخالفین کے بچے دوزخی ہیں۔'' اس طرح ان لوگوں پر لے دے کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ''مشرکین کے بچے آتش دوزخ میں جلیں گے''۔ اور خود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مومنین کے بچے اگر اپنی ذات کی معرفت کی تیسری یا چوتھی حالت میں معارف عقلیہ سے بہرہ

مند ہونے سے پہلے مر جائیں، تو وہ کافر ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ہر چند کہ انہوں نے کسی کفر کا اعتقاد نہ رکھا ہو۔

## ۹۔ فضیحت نہم:............ جسم کثیر الاجزاء کی حرکت:

ابوالہذیل کے خیال میں یہ بات جائز ہے کہ جسم کثیر الاجزاء اس حرکت سے متحرک ہو جائے جو اس کے کسی ایک جزء میں در آئے۔ لیکن رنگ سے متعلق اس نے اسے جائز نہیں ٹھہرایا ہے (یعنی اگر اس جسم کے کسی ایک جزء کا رنگ مثلاً سیاہ ہو جائے تو اس سے سارا جسم سیاہ نہ ہوگا)۔

### صحیح رائے کیا ہے؟:

حالانکہ تمام متکلمین یہ کہتے ہیں کہ (جسم کثیر الاجزاء) کے جس جزء میں حرکت ہوگی وہی اس حرکت کے ساتھ متحرک ہوگا اور اس کے سوا دوسرے اجزاء متحرک نہ ہوں گے، اسی طرح جسم کے جس جزء کے ساتھ سیاہی قائم ہوگی وہی سیاہ ہوگا جبکہ بقیہ اجزاء جسم سیاہ نہ ہوں گے اور اگر تمام اجزاء میں حرکت پیدا ہوگی تو ہر جزء متحرک ہوگا اور اگر تمام جسم سیاہ ہو جائے تو اس کا ہر جزء سیاہ ہو جائے گا۔

## ۱۰۔ فضیحت دہم: جزء لایتجزاء کو دیکھنا محال ہے:

ابوالہذیل کہتا ہے کہ: ''اگر جزء لایتجزاء'' منفرد ہو، تو اس کے ساتھ رنگ کا قیام صحیح نہ ہوگا (یعنی اس پر رنگ کا کوئی اثر نہ ہوگا اور وہ رنگین نہ ہوگا)۔ اور جب اس میں کوئی رنگ نہ ہو تو اس کو دیکھنا بھی درست نہ ہوگا۔ (یوں جزء لایتجزاء کو دیکھنا ناممکن ہے)۔

### اس رائے کی تغلیط:

اس سے ابوالہذیل پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ: ''اگر اللہ تعالیٰ جو ''جزء منفرد'' پیدا کرے تو وہ اسے نہ دیکھ سکے گا۔

## ۴۔القدریہ المعتزلہ کا فرقہ النظامیہ :

### نظّام کی گمراہیاں

یہ فرقہ ابو اسحاق (ابراہیم) بن سیار معروف بہ النظام ؒ کا متبع ہے۔معتزلہ ناواقفوں کو اس شخص کے دین کے بارے میں خلاف واقعہ بات بیان کر کے فریب دیتے ہیں اور اس وہم میں مبتلا کرتے ہیں کہ نظام کلام نثر یہ اور شعر موزوں کو نظم کرنے والا ہے، حالانکہ وہ نظام اس لئے کہلاتا ہے کہ بصرہ کے بازار میں گھونگھے اور دانوں کی مالا پروتا اور ہار بناتا تھا۔ نظام اپنی جوانی میں ''ثنویہ'' کے ایک گروہ کا ہم جلیس تھا، اسی طرح وہ ''سمنیہ'' کی ایک جماعت کے ہاں بھی آتا جاتا تھا، ''جو تکافو الادلہ'' کا عقیدہ رکھتی تھی۔ بڑی عمر میں وہ ملحد فلاسفہ کی صحبت میں رہا اور اخیر اخیر ہشام بن حکم رافضی کی ہم نشینی اختیار کی۔ اُس نے اس ہشام اور ملحد فلاسفہ سے ''جزء لایتجزاء'' کے ابطال کا نظریہ لیا۔ بعد میں اس کی اساس پر اس نے ''الطفرہ (جسم کا پہلے درجہ سے پانچویں درجہ میں اچھل کر پہنچ جانا) کا خیال پیش کیا کہ اس سے پہلے کسی شخص کا وہم وہاں تک رسائی نہ پاسکا تھا۔ نظام نے ''ثنویہ'' سے یہ عقیدہ اخذ کیا کہ: ''فاعل عدل'' کو ''فعل جور و کذب'' پر کوئی قدرت نہیں ہوتی۔ نیز اس نے ہشام بن حکم سے یہ عقیدہ بھی لیا کہ: الوان (رنگ)، طعوم (طعم، مزا)، روائح (مہک) اور اصوات (آوازیں) اجسام ہیں۔ اس بدعت پر اس نے اپنے اس قول کی بنیاد رکھی کہ: ایک حَیّز (مقام، جگہ) میں کئی جسم (بیک وقت) داخل ہو کر گڈمڈ ہو جاتے ہیں (تداخل الاجسام)۔ یوں اس نے دین اسلام میں ثنویہ کے مذاہب، فلاسفہ کی بدعات اور ملاحدہ کے شبہات کو مدون و مرتب کر دیا۔ نظام کو ''براہمہ'' کا نبوت کے ابطال کا عقیدہ پسند آیا، لیکن جان کے خوف سے اس عقیدہ کے اظہار کی جسارت نہ کر سکا مگر اس نے اس بات سے انکار کیا کہ قرآن کا معجزہ اس کے نظم و اسلوب میں ہے۔ اسی طرح اس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے جو احادیث میں وارد ہیں، انکار کیا۔ مثلاً شق القمر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں کا اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت ہائے پاک سے پانی کا ابلنا وغیرہ نظام نے

ان تمام معجزوں کی صداقت سے اس لئے انکار کیا کہ ان معجزات کے انکار سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔ نظام نے اسلامی شریعت کے فروع سے متعلق احکام کو ایک بار خیال کیا مگر ان کے بطلان کے ادعاء کی اسے جسارت نہ ہوئی، تو اس نے ان طریقوں کا ابطلال کر دیا جو ان فروعی احکام کی جانب رہنمائی کرتے ہیں، یعنی اجماع اور فروعی مسائل میں قیاس کی حجیت کا انکار کر دیا۔ اسی طرح ان اخبار واحادیث کی حجیت سے بھی انکار کر دیا، جو ''علم ضروری'' (بدیہی واضطراری) کی موجب ہوتی ہیں۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ ''فروع شرعیہ'' میں اجتہاد کی حجیت وضرورت پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہے، اس لئے ان کا ایسے نازیبا الفاظ میں اس نے ذکر کیا ہے کہ کل روز قیامت میں، انہیں نازیبا الفاظ کے ساتھ اس کے سیاہ نامہ اعمال پر رسوائی میں لوگ اس کا ذکر پڑھیں گے۔ اس نے اعلام ومشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ پر طعن وتشنیع کی ہے۔ امت مسلمہ کے تمام اہل الرائی واہل الحدیث سے متعلق فرقے، مع، خوارج، شیعہ، نجاریہ، اور اکثر معتزلہ نظّام کی تکفیر پر متفق ہیں۔ اس کی گمراہیوں پر القدریہ کے ایک بہت ہی چھوٹے گروہ نے اس کی پیروی کی ہے مثلاً الاسواری، ابن خابط، فضل حدثی اور الجاحظ، اوران میں سے بھی ہر ایک نے بعض گمراہیوں میں اس کی مخالفت کی ہے اور بعض نے ان گمراہیوں پر اضافہ بھی کیا ہے۔ ان گنے چنے لوگوں کا نظام پر پھولے نہ سمانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ بھنورا اپنے لڑھکنے اور منڈلانے پر پھولا نہیں سماتا۔

**خود معتزلہ نظّام کی تکفیر کرتے تھے:**

معتزلہ کے اکثر شیوخ نے نظام کی تکفیر کی ہے۔ انھیں میں (اس کا استاد) ابوالہذیل ہے۔ اس نے اپنی کتاب معروف بہ ''الردعلی النظام'' اور ''کتاب الاعراض والانسان والجزء الذی لایتجزاء'' میں نظام کو کافر کہا ہے۔

الجبائی نے النظام کی تکفیر اس کے اس عقیدہ کی وجہ سے کی ہے کہ: متولدات (افعال متولدہ) ایجاب خلقت کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں۔ اس مسئلہ میں دوسروں کے

بجائے ''الجبائی'' کافر ہے ہم نے اس بات کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ شیوخ معتزلہ اپنے میں سے ایک دوسرے کو کس طرح کافر ٹھہراتے ہیں۔ الجبائی نے نظام کو اس کے اس عقیدہ کی وجہ سے بھی کافر کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ نظام کے ''طبائع'' سے متعلق عقیدہ پر بھی الجبائی نے اسے کافر ٹھہرایا ہے۔ الجبائی نے ''طبائع'' کے موضوع پر نظام اور معمر کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

اسی طرح الاسکافی نے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں اس نے نظام کے اکثر عقائد کی بناء پر اس کی تکفیر کی ہے۔

معتزلہ کے شیخ جعفر بن حرب نے بھی ایک کتاب لکھ کر نظام کی اس بناء پر تکفیر کی ہے کہ وہ ''جزء لا یتجزاء'' کے ابطال کا قائل ہے۔

## اہل السنّت نَظّام کو کافر سمجھتے ہیں :

جہاں تک نظام کی تکفیر میں اہل السنّت والجماعت کی کتابوں کا تعلق ہے، تو وہ اتنی زیادہ ہیں کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی شمار کرسکتا ہے۔ ہمارے شیخ ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ نے نظام کی تکفیر میں تین (۳) کتابیں تصنیف کی ہیں۔ القلانسی نے بھی متعدد کتابیں اور رسالے لکھ کر نظام کی تکفیر کی ہے۔ قاضی ابوبکر محمد بن طیب اشعری (باقلانی) رحمۃ اللہ علیہ نے نظام کے اصول کے رد میں ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''اکفار المتاولین'' میں اس کی گمراہیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم (عبدالقاہر) اس کتاب میں نظام کی مشہور فضائح کو بیان کریں گے۔

## قدرت الٰہی محدود ہے :..........۱۔ فضیحت اوّل :

اللہ عزوجل اپنے بندوں کے ساتھ اس بات کے کرنے پر قادر نہیں ہے جو ان کی صلاح اور بھلائی کے خلاف ہو۔ وہ اہل جنت کی نعمتوں میں سے ایک ذرہ کم کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا، کیونکہ یہ نعمتیں ان کے حق میں صلاح ہیں، اور جس چیز میں صلاح و خیر ہو' اسے کم کرنا ایک

قسم کا ظلم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس امر پر بھی قادر نہیں ہے کہ اہل دوزخ کے عذاب میں ایک ذرہ کا بھی اضافہ کردے یا ان کے عذاب میں ذرہ بھر کمی کر دے۔ نظام نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت بھی حاصل نہیں ہے کہ کسی اہل جنت کو جنت سے نکال باہر کرے اور اسے یہ قدرت بھی حاصل نہیں ہے کہ جو اہل دوزخ سے نہ ہو اسے دوزخ میں ڈال دے۔ اس نے کہا کہ: ''اگر کوئی بچہ جہنم کے کنارہ کھڑا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں ڈالنے پر قادر نہیں ہے، جبکہ وہ بچہ اپنے کو اس میں گرا دینے کی قدرت رکھتا ہے اور جہنم کے فرشتے بھی اسے جہنم میں پھینک دینے پر قادر ہیں۔'' نظام نے اپنے اس قول پر اضافہ کر کے یہ بھی کہا: ''اللہ تعالیٰ کسی بینا کو نابینا کرنے پر، یا کسی تندرست کو بیمار ڈالنے پر یا کسی مالدار کو مفلس کرنے پر قادر نہیں ہے، کیونکہ اسے اس بات کا علم ہے کہ بینائی، تندرستی اور تو انگری انسانوں کے لئے باعث صلاح و وجہ خیر ہے۔ بالکل اسی طرح اگر اسے یہ علم ہو کہ مرض کی کہنگی اور مفلسی انسانوں کے حق میں وجہ خیر و موجب صلاح ہے تو وہ کسی بے زر کو زردار اور کسی بیمار کو تندرست کرنے پر بھی قادر نہیں ہے۔
اس قول پر نظام نے اور اضافہ کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ سانپ، بچھو یا ایسا جسم تخلیق کرے جس کے بارے میں اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے غیر اور اس کے سوا کسی اور مخلوق کی تخلیق اس کے خلق کرنے سے زیادہ باعث صلاح و موجب خیر ہے۔

## معتزلۂ بصرہ نظام کی تکفیر کرتے ہیں:

اس عقیدہ پر بصرہ کے مدرسۂ اعتزال سے وابستہ معتزلی علماء نے نظام کی تکفیر کی ہے اور کہا ہے کہ: جو ذات ''عدل'' کی تخلیق پر قادر ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ''ظلم'' پر بھی قادر ہو اور جو ''صدق'' کو خلق کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اس کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ ''کذب'' کی تخلیق کی بھی قدرت رکھتا ہو۔ ہر چند کہ وہ ظلم و کذب کا ان کے قبح و رسوائی کے باعث فاعل نہ ہوگا اور ان کے کرنے سے مستغنی ہوگا، کہ یہ بات اسے معلوم ہے کہ وہ ان (کذب و ظلم) سے بے پروا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی شئ پر قدرت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی ''ضد'' کے کرنے پر بھی قدرت حاصل ہو، اب اگر نظام یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب اور ظلم کے کرنے پر قادر نہیں ہے، تو یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ صدق اور عدل پر بھی قادر نہ ہو۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ

تعالیٰ عدل پر قادر نہیں ہے، کفر ہے اور جس کا یہی نتیجہ نکلے وہ عقیدہ بھی اس کی طرح کفر ہے۔

(بصرہ کے علماء اعتزال نے) یہ بھی کہا ہے کہ: نظام کے اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ سے وہ افعال بھی سرانجام پاتے ہیں جن کی ضد کے کرنے یا جن کے ترک کرنے پر اُسے کوئی قدرت حاصل نہیں ہے، اور ان لوگوں کے اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ بالطبع ایسا فعل کرنے پر مجبور ہے جس کے خلاف کا اس سے سرزد ہونا صحیح نہیں ہے، جوہری اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، یہ دوسرا عقیدہ کفر ہے، اور (پہلا عقیدہ) جو اُس کی جانب رونمائی کر رہا ہے، اُسی جیسا (یعنی کفر) ہے۔

## نظام کی بوالعجبی:

اس مسئلہ میں نظام کی بوالعجبی ملاحظہ کیجئے کہ اس نے ''ثنویہ'' کے خلاف ایک کتاب تصنیف کی ہے اور ''مانویہ'' کے اس عقیدہ پر سخت حیرت کا اظہار کیا ہے کہ: نور اپنی مختلف شکلوں میں فعل خیر کے سبب قابل ستائش ہے۔ حالانکہ وہ فعل شر پر قادر نہیں اور برے افعال کا اس سے صدور درست نہیں ہے۔ اسی طرح نظام نے ظلمت سے فعل شر کے صدور پر ثنویہ کی مذمت پر اظہار تعجب کیا ہے کیونکہ ظلمت سے فعل خیر ہو ہی نہیں سکتا اور وہ صرف فعل شر پر قدرت رکھتی ہے۔ اب نظام سے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ عدل وصدق کے فعل پر شکریہ کا مستحق ہے حالانکہ وہ کذب وظلم کے افعال پر قادر ہی نہیں ہے، تو ثنویہ جو ظلمت کی فعل شر پر مذمت کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کے عقیدہ کی رو سے اس کے خلاف کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، تو ذرا بتاؤ کہ تم ان کی نکیر کیوں کرتے ہو اور اُن پر کس وجہ سے اعتراض کرتے ہو؟

## انسان روح کا نام: ..........۲۔ فضیحت دوم:

نظام کے نزدیک انسان ''روح'' کا نام ہے۔ یہ رُوح ایک جسم لطیف ہے، جو اس جسم کثیف میں پیوست ومتداخل ہے، اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ روح اس جسد (خاکی) سے پیچیدہ حیات کا نام ہے اور یہ روح جسد میں پیچیدہ اور ژولیدہ ہے۔ وہ جوہر واحد ہے جس میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تضاد ہے۔

## اس عقیدہ کی خرابیاں:

نظام کے اس قول میں متعدد فضائح ورسوا کن باتیں مضمر ہیں، مثلاً:۔

۱۔ اس عقیدہ کی رو سے حقیقتاً انسان کو دیکھا نہ جاسکے گا بلکہ جو چیز دکھائی دے گی وہ قالب ہے جس میں انسان جالی کی طرح پیچیدہ وژولیدہ ہے۔

۲۔ یہ بھی واجب آئے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہ ہو، بلکہ انہوں نے اس قالب کو دیکھا ہو جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

۳۔ اس عقیدہ سے یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی نے اپنے ماں باپ کو سرے سے دیکھا ہی نہ ہو۔ بلکہ انکا قالب دیکھا ہو۔

۴۔ اگر انسان جسم ظاہر نہیں، بلکہ وہ روح ہے جو جسد میں پیچیدہ ہے تو یہ امر ضروری ہوگا کہ جمادات کے بارے میں بھی یہی کہا جائے کہ وہ اس کا جسد نہیں ہے، بلکہ وہ روح ہے جو اس کے جسد میں ہے اور یہ روح وہ حیات ہے جو جسد میں ژولیدہ و پیچیدہ ہے۔ یہی بات گھوڑے، تمام بہائم، سارے پرندوں، کیڑے مکوڑوں اور قسم قسم کے حیوانات کے متعلق تسلیم کرنی ہوگی اور ملائکہ جن، انس و شیاطین کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کسی نے کبھی کسی گھوڑے، کسی گدھے، پرندے اور کسی قسم کے جانور کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کسی نبی علیہ السلام نے کسی فرشتہ کو دیکھا ہی نہیں۔ نیز یہ بھی ماننا پڑے گا کہ فرشتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہیں، بلکہ دیکھنے والوں نے ان چیزوں کے قوالب (ڈھانچوں) کو ہی دیکھا ہوگا۔

۵۔ یہ کہنا کہ روح جو جسد میں ہے، وہی انسان ہے اور وہی فاعل ہے نہ کہ وہ جسد جو اس کا قالب اور ڈھانچہ ہے، اس بات کو مستلزم ہے کہ روح زانیہ ہو، وہی چور ہو اور وہ قاتلہ ہو اور جب جسد کو کوڑے مارے جائیں اور اس جسد کا ہاتھ کاٹا جائے تو جس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے وہ چور کے علاوہ کوئی اور ہوگا اور جسے تازیانہ مارا گیا ہے وہ زانی کے علاوہ کوئی اور ہوگا۔ اس عقیدہ کے خلاف اسی قدر بیان کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں

سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔ (القرآن، سورۃ النور، آیت ۲)''۔ و نیز اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کرتوت کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت سزا ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب اور دانا ہے۔ (القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۳۸)''۔ نظام کے لئے قرآن کی عناد و دشمنی رسوائی و فضیحت کے بطور کافی ہے۔

## ۳۔ فضیحت سوم: ............روح خود حَی و مستطیع ہے:

نظام کے بقول: روح جو انسان ہے وہ اپنی ذات سے صاحب استطاعت اور اپنی ذات سے صاحب حیات ہے (یعنی روح از خود مستطیع و از خود حی یعنی زندہ ہے)۔ اور وہ کسی آفت و دراندازی کے سبب جو اس پر طاری ہو جاتی ہے، عاجز ہو جاتی ہے۔ اور نظام کے نزدیک عجز ایک جسم ہے۔

### نظام پر اعتراض:

یہ قول اس امر سے خالی نہیں ہے کہ وہ عاجز اور میت کے متعلق یہ کہے کہ یہ دونوں نفس انسان ہیں جو زندہ اور صاحب قدرت رہتا ہے یا پھر وہ یہ کہے کہ، میت عاجز، انسان کا جسد ہے۔ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ: ''یہ انسان ہے جو عاجز ہوتا اور مر جاتا ہے'' تو اس کا یہ قول کہ انسان بنفسہ حَی (زندہ) اور بنفسہ مستطیع ہے، باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی موت اور عجز کی حالت میں اس کا نفس میت و عاجز کے بطور موجود ہوگا۔ اگر نظام یہ کہے کہ: روح قوی بنفسہ ہے اور یہ جسد ہے جو مرتا اور عاجز ہوتا ہے اور اس کا غیر ہے جو حی و قادر تھا۔ تو اس قول پر یہ واجب ہوگا کہ، اللہ تعالیٰ کسی میت کو زندہ کرنے پر قادر نہ ہو اور نہ کسی حی کو مارنے پر اسے کوئی قدرت ہو، اسی طرح اسے کسی عاجز کو قادر بنانے اور نہ کسی قادر کو عاجز کر دینے کی قدرت حاصل ہوگی۔ یہ اس لئے کہ نظام کے خیال میں حَی مرتا نہیں اور قوی عاجز ہوتا نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور اگر نظام یہ کہے کہ: روح بنفسہ حی قوی ہوتی ہے اور وہ کسی آفت کے باعث مرتی اور عاجز ہوتی ہے، تو اسے اس بات کے ماننے سے کوئی مفر نہیں

کہ روح بنفسہا میت و عاجز ہے اور وہ زندہ اور قوی اسی حیات اور قدرت کے باعث ہوتی ہے جو اس پر داخل و طاری ہوتی ہے۔

## روح کی جنس ایک ہے:............۴۔ فضیحت چہارم:

نظام کے نزدیک روح کی جنس ایک ہے اور اس کے افعال کی بھی جنس ایک ہے اور اجسام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ حی (زندہ) اور میت (مردہ)۔ جو جسم ''حی'' ہے اس کا ''میت'' ہونا محال ہے۔ اسی طرح جسم ''میت'' کا ''حی'' ہونا بھی مستحیل ہے۔ نظام نے یہ عقیدہ ''الثنویہ البرہمیۃ'' سے اخذ کیا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ''نور ہلکا اور زندہ (حی و خفیف) ہے اور وہ ہمیشہ بلندی کی طرف چڑھتا رہتا ہے۔ اور ظلمت مردہ و بھاری (موات ثقیل) ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مائل بہ پستی ہوتی ہے۔ ثقیل میت کا خفیف ہونا محال ہے اسی طرح خفیف حی کا ثقیل ہونا بھی محال ہے۔

## حیوانات کی جنس ایک ہے:............۵۔ فضیحت پنجم:

نظام نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سارے حیوان ایک جنس سے ہیں کیونکہ وہ سب ارادہ سے حرکت کرتے ہیں۔ اس نے یہ خیال کیا کہ اگر عمل یکساں ہو تو اس سے پیدا ہونے والا نتیجہ بھی یکساں ہوگا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ایک جنس سے دو مختلف قسم کے عمل کا صدور نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آگ سے گرمی پیدا کرنے (تسخین) اور ٹھنڈک (تبرید) کا عمل اور برف سے تسخین و تبرید اک عمل، سرزد نہیں ہوسکتا (یعنی آگ صرف تسخین اور برف صرف تبرید کے اعمال پیدا کر سکتے ہیں۔)۔ اس سے ثنویہ کے اس عقیدہ کی صحت و حقانیت ثابت ہوتی ہے کہ: نور فاعل خیر ہے اور اس سے شر سرزد نہیں ہوسکتا، ظلمت فاعل شر ہے اور اس سے فعل خیر کا صدور نہیں ہوسکتا، کیونکہ ایک فاعل دو مختلف فعلوں کو نہیں کرتا، جیسا کہ اگ سے تسخین و تبرید اور برف سے تسخین و تبرید کے افعال کا صدور نہیں ہوتا۔

## نظام کی تردید:

تعجب کی بات تو ہے کہ نظام نے اپنی ایک کتاب میں ثنویہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ نور وظلمت کے مزاج کا یکساں ہونا محال ہے کیونکہ یہ دونوں جنس و عمل میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی حرکت کی جہتیں مختلف ہیں۔ اس کے باوجود اس نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ ثقیل وخفیف اجسام اپنی جنس اور اپنی حرکت کی جہتوں میں اختلاف کے باوصف ایک دوسرے میں در آتے اور مداخل ہو جاتے ہیں حالانکہ "حیز واحد" میں دو اجسام کا تداخل اس امتزاج و اختلاط سے بھی زیادہ منکر و ناپسندیدہ ہے جس کا نظام نے ثنویہ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے اور جس پر ان کی نکیر کی ہے۔

## آگ کی تعریف:............٦۔فضیحت ششم:

نظام کہتا ہے کہ آگ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ بالطبع ہر شئی پر بلند و غالب ہو جاتی ہے اور اگر اس عالم میں اسے روکنے والے شوائب واثرات سے وہ محفوظ ہو تو وہ سموات وعرش سے بھی گزر کر ان سے بلند ہو جائے اِلا یہ کہ آگ جس چیز سے متصل ہو جائے وہ اس کی جنس سے ہو اور آگ اس سے علیحدہ نہ ہو سکے (تو اس صورت میں وہ بلند ہو کر آسمانوں اور عرش سے نہ گزر پائے گی)۔

### یہ ثنویہ کا عقیدہ ہے:

نظام نے روح کے متعلق بھی کہا: جب وہ جسد سے جدا ہوتی ہے تو بلندی کی جانب اٹھتی ہے اور روح سے اس کے سوا کسی اور امر کا صدور محال ہے۔ یہ بعینہٖ ثنویہ کا عقیدہ ہے کہ نور کے جو اجزاء ظلمت کے اجزاء سے گڈمڈ ہو جاتے ہیں، اگر ان سے علیحدہ ہو جائیں تو وہ اجزءِ نور، عالم نور کی جانب اوپر چلے جائیں گے۔ اب اگر نظام یہ اثبات کرنا چاہتا ہے کہ سماوات کے اوپر نور ہے جس سے ارواح جا کر متصل ہو جاتی ہیں، تو وہ ثنوی ہے۔ اور اگر وہ اس بات کا اثبات کر رہا ہے کہ "ہواء" (فضاء) کے اوپر آگ ہے، جس کی جانب ہوا میں بلند ہونے والی آگیں جا پہنچتی ہیں، تو نظام کا شمار طبیعین میں ہوگا، جو یہ کہتے ہیں کہ ارتفاع میں زمین سے ہوا کی مسافت سولہ میل ہے، اس کے اوپر آگ ہے جو فلک قمر (چاند کے آسمان) سے متصل ہے جس

سے آگ کے بلند ہونے والے شعلے جا کر مل جاتے ہیں۔ یوں نظام یا تو ''ثنوی'' ہے یا ''طبیعی'' ہے، کہ فریب سے اپنے کو مسلمانوں کے انبوہ میں چھپائے ہوئے ہے (جہاں تک طبیعات کے مسائل کا تعلق ہے، سائنسی تجربات نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ فلاسفہ یونان کہ طبیعی کہلاتے تھے، ان کے مزعومات پادر ہوا ثابت ہو چکے ہیں، خلاء کی تسخیر کا کام جاری ہے، قمر کی دنیا پر ابنائے آدم کے قدم پہنچ چکے ہیں اور ہر روز ایک نئی منزل سر ہو رہی ہے، نئے نئے اکتشافات، نئی نئی راہیں کھول رہے ہیں، انسان ہے کہ اس کے پاؤں تھمتے ہی نہیں اور اس کے ذہن کی پروازیں اونچی سے اونچی ہوتی جا رہی ہیں۔ ان حالات میں حکماء قدیم کا اثبات یا ان کے نظریات کا ابطال پرانی بات ہو چکی ہے۔ مترجم)۔

## ۷۔ فضیحت ہفتم: ...........کیا تمام افعال کی جنس ایک ہے؟

نظام کہتا ہے کہ: ''حیوانات کے تمام افعال ایک جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سارے افعال حرکت و سکون سے عبارت ہیں''۔ نظام کے ہاں سکون نام ہے ''حرکتِ اعتماد'' کا۔ معلومات اور ارادات بھی اس کے خیال میں من جملہ ''حرکات'' کے ہیں۔ اور یہ حرکات اعراض ہیں۔ اور ساری اعراض اس کے نزدیک جنس واحد سے ہیں کہ وہ سب کی سب حرکات ہیں۔ جہاں تک الوان، طعوم، اصوات اور خواطر (جو باتیں دل میں آتی ہیں) کا تعلق ہے، تو یہ سب مختلف اجسام ہیں، جو باہم متداخل و ژولیدہ ہیں۔ نظام کے اس قول کا کہ حیوانات کے افعال ایک جنس سے ہیں، یہ مفہوم ہوا کہ ایمان، کفر کی طرح ہے، علم، جہل کے مانند ہے اور محبت بغض جیسی ہے، اس سے نظام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا مومنین کے ساتھ کوئی فعل ابلیس کے کافروں کے ساتھ فعل جیسا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کے دین کی جانب دعوت، ابلیس کی ضلالت کی جانب دعوت کے مثل ہو۔ نظام نے اپنی بعض کتاب میں یہ کہا ہے کہ: یہ تمام افعال ایک ہی جنس ہیں اور ان کے نام جو مختلف ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے احکام مختلف ہیں۔ یہ درحقیقت اپنی جنس میں ایک ہی ہیں اس لئے کہ یہ سارے حیوانات کے افعال ہیں اور اس کے خیال میں حیوان اسی طرح دو فعل کہ ایک دوسرے سے مختلف ہوں،

انجام نہیں دے سکتے۔ جس طرح آگ سے تبرید تخسین کا صدور نہیں ہوسکتا۔

## نظام کے خلاف الزامی دلیل :

نظام نے جو یہ اصول بیان کیا ہے، اس سے اس پہ یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ جو شخص اسے گالیاں دے اور اس پر لعنت کرے وہ اس پر غصہ نہ کرے، کیونکہ کہنے والے کا یہ قول کہ: ''اللہ نظام پر لعنت کرے''۔ اس کے نزدیک ایسا ہی ہے کہ وہ کہے: ''اللہ اس پر رحم کرے۔'' اور اگر کوئی اسے کہے کہ: ''وہ ولدزنا ہے'' تو یہ بات ایسی ہی ہے کہ وہ اس کو کہے: ''وہ جائز اولاد ہے۔'' اب اگر نظام اپنی ذات کے لئے اس طرح کے مذہب کو پسند کرتا ہے، تو وہ اس کا اہل ہے اور اس الزام کا مستحق ہے جو اس کی وجہ سے اس پر عائد ہوتا ہے۔

## الوان وطعوم اجسام ہیں: ............ ۸۔ فضیحت ہشتم :

نظام کہتا ہے کہ: الوان، طعوم، روائح، اصوات اور خواطر، اجسام ہیں اور ''حیز واحد'' میں مختلف اجسام باہم دگر متداخل ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس نے ہشام بن حکم کے اس قول پر اس کی نکیر کی ہے کہ: علوم، ارادات اور حرکات اجسام ہیں۔ اور کہا ہے کہ: اگر یہ تینوں اجسام ہیں تو یہ ایک شئی یا ایک حَیِّز میں جمع نہیں ہوسکتے۔ (اب غور کرنے کی بات ہے کہ اس اعتراض کے بعد) وہ خود کہہ رہا ہے کہ: لون، طعم اور صوت اجسام ہیں جو ایک جگہ (حیز واحد) میں متداخل ہیں۔ یوں نظام اپنے اس مذہب سے اپنے مخالف پر خود اپنے اعتراض کی تردید کر رہا ہے۔ جو شخص حیز واحد میں تداخل اجسام کو جائز سمجھتا ہے، اسے لازم ہے کہ وہ درزی کی سوئی کے ناکہ میں اونٹ کے داخل ہونے کو درست قرار دے۔

## اصوات کے متعلق نَظَّام کا نظریہ: ............ ۹۔ فضیحت نہم :

نظام کا ''اصوات'' سے متعلق قول ہے کہ دنیا میں ایسے دو انسان نہیں ہیں جو ''صوت واحد''

کو سنیں الا اس مفہوم میں کہ ان دونوں نے ''صوت'' کی ''جنس واحد'' کو سنا ہو، اس کی مثال ایسی ہے کہ دو آدمی طعام کی ''جنس واحد'' کو کھاتے ہیں حالانکہ ان میں ایک آدمی جو کھاتا ہے وہ دوسرے کے کھانے کے علاوہ ہوتا ہے۔ اس قول کے اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ نظام کا یہ ادعاء ہے کہ ''صوت'' کو صرف اسی وقت سنا جاتا ہے جب سمع کی جہت سے وہ روح پر ہجوم کرتی ہے۔ اور دو متبائن سماعتوں پر ایک قطعہ سماعت کا ہجوم کرنا جائز نہیں ہے۔ نظام نے اس کی مثال اس پانی سے دی ہے جو بہت سے لوگوں پر انڈیل دیا جائے۔ تو ان میں ہر شخص پر جو پانی انڈیلا جائے گا وہ اس پانی کے علاوہ ہوگا جو دوسروں پر انڈیلا جائے گا (بالکل اسی طرح صوت کو مختلف سننے والے، ایک ہی صوت کو نہ سنیں گے بلکہ ہر شخص کی سنی ہوئی آواز دوسرے شخص سے مختلف ہوگی)۔

نظام پر اعتراض:

اس اصول کی وجہ سے نظام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ: کسی نے بھی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''کلمۂ واحدہ'' نہ سنا ہو۔ کیونکہ سامعین میں سے ہر ایک کی سنی ہوئی بات (مسموع) ''کلمۂ واحدہ'' کے ساتھ تکلم کرنے والے کی صوت کی جنس سے ہے اور کبھی کبھی ''کلمۂ واحدہ'' دو حرفوں سے تشکیل پاتا ہے اور ان دو حرفوں میں کا بعض نظام کے نزدیک ''کلمہ'' نہیں ہے، اب اگر نظام یہ کہے کہ: صوت اسی وقت کلام اور مسموع ہوتی ہے جبکہ وہ تین یا تین سے زیادہ حروف سے تشکیل پذیر ہو، تو یہ لازم آئے گا کہ پوری جماعت ایک حرف بھی نہ سن پائے، کیونکہ ''حرف واحد'' سامعین کی تعداد کے مطابق ''حروف کثیرہ'' میں منقسم نہیں ہوتا۔

## ۱۰۔ فضیحت دہم: ............ ہر چیز کی لانہایت تک تقسیم:

نظام اس بات کا قائل ہے کہ ہر جزء لانہایت تک تقسیم ہوسکتا ہے۔ اس قول سے اللہ تعالیٰ کا آخر عالم کو محیط ہونا اور اُس کا عالم ہونا، محال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو کچھ ان کے پاس ہے اسے وہ محیط ہے اور ہر شئے کی گنتی اس کے شمار میں ہے۔ (القرآن، سورۂ الجن، آیت ۲۸)''۔

## نظام پر اعتراض:

بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ نظام نے ''مانویہ'' کے اس قول پر ان کی بڑی لے دے کی ہے کہ ''ہامہ'' جو اُن لوگوں کے خیال میں ''روح ظلمت'' ہے، اپنے حلقۂ اثر کو طے کر کے بلندی کی اوپری سطح پر پہنچ گئی اور ''نور'' کا مشاہدہ کیا۔ اس نے ان لوگوں سے کہا: چونکہ ظلمت کا حلقۂ اثر پستی کی سمت سے لامتناہی ہے اس لئے ''ہامہ'' اسے کس طرح طے کر سکتی ہے، کیونکہ جس کی کوئی نہایت نہ ہو (اور وہ لامتناہی ہو) اسے قطع و طے کرنا محال ہے۔ اس اعتراض کے بعد نظام نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ''روح'' جب ''بدن'' سے مفارقت اختیار کر لیتی ہے اور اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے، تو وہ عالم کو بلندی کی جانب طے کرتی ہے، ہر چند کہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ عالم کی جو حد طے کی اور قطع کی جاتی ہے وہ غیر متناہیت الاجزاء ہوتی ہے، بلکہ اس کا ہر قطعہ (ٹکڑا) غیر متناہیۃ الاجزاء ہوتا ہے۔ اب یہ بات سوچنے کی ہے کہ وقت متناہی میں روح اسے کس طرح طے کر سکتی ہے۔ جب نظام پر یہ اعتراض کیا گیا، تو اس نے ''طفرہ'' کا نظریہ پیش کیا، جس کی طرف اس کے سوا کسی اہل الاہواء کا ذہن نہیں پہنچا تھا۔

## ایک اور اعتراض:

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ نظام نے ''ثنویہ'' پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ ان کے نزدیک نور اور ظلمت شش جہات میں سے ہر جہت سے متناہی ہیں، کیونکہ وہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے ملاقی ہونے والی جہت میں متناہی ہے۔ کیا نظام نے ہر جسم کے اپنے تمام اطراف کی جہتوں سے متناہی ہونے کی وجہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ وسط میں بھی متناہی ہوگا؟ اور جب جسم کا ہر شش جہات سے متناہی ہونا، اس کے خیال میں وسط میں اس کے متناہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا، تو وہ اس ضمن میں ثنویہ سے بنہیں ہو سکتا جو یہ کہتے ہیں کہ نور ظلمت میں سے ہر ایک کا ملاقی ہونے والی جہت سے متناہی

ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ تمام جہات سے متناہی ہیں۔

## طفرہ کا نظریہ:............۱۱۔ فضیحت یازدہم:

نظام "طفرہ" کا قائل ہے۔ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ: جسم کبھی مکانِ اول میں ہوتا ہے وہاں سے (اچھل کر) اپنے اور مکان عاشر کے درمیانی مکانوں سے گزرے بغیر مکانِ ثالث یا مکان عاشر میں جا پہنچتا ہے۔ مگر وہ مکان اول میں نہ معدوم ہوتا ہے اور نہ مکان عاشر ہی میں معاد ہوتا ہے۔

(عبدالقاہر کہتے ہیں کہ) ہم اس قول کے بطلان پر نظام سے تحکیم (ثالثی) کے لئے تیار ہیں، بشرطیکہ وہ اپنے سے انصاف کرے۔ ہر چند کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے بعد تحکیم دوراندیشی کے خلاف اور تضیع اوقات کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

## اخبار مفید علم نہیں ہیں:............۱۲۔ فضیحت دوازدہم:

یہ ایسی رسوائی ہے جس سے اگر آسمان پھٹ پڑیں تو حیرت نہ ہوگی۔ نظام نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ عزوجل کے اخبار سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار سے اور اہل دین کے اخبار سے درحقیقت کوئی شئ نہیں جانی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ: اجسام اور الوان کا اخبار سے علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔

### معلومات کی دو قسمیں ہیں:

یہ حد درجہ شنیع و قابل اعتراض قول اسے اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ اس کے خیال میں معلومات کی دو قسمیں ہیں: محسوس اور غیر محسوس۔ جو معلومات محسوس ہیں، وہ اجسام ہیں اور ان کا علم صرف حواس کے ذریعہ حاصل کیا جانا صحیح ہے۔ اور حس صرف جسم پر واقع ہوتی ہے۔ لون، طعم، رائحہ اور صوت نظام کے ہاں اجسام ہیں۔ اسی لئے ان کا ادراک حس ہی سے کیا جانا ممکن ہے۔ معلومات کی دوسری قسم کہ غیر محسوس ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: قدیم اور عرض۔ انہیں

جاننے اوران کے علم کے حصول کا ذریعہ، خبرنہیں ہے۔ ان کا علم حس وخبر کے بجائے، قیاس اور نظر (غوروفکر) سے حاصل ہوتا ہے۔

نظام پر اعتراض:

اس اصول کی بناء پر نظام پر یہ اعتراض کیا گیا کہ: اگر تمہارے خیال میں خبر سے کسی شئی کا علم حاصل نہیں ہوتا، تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تھے اور اسی طرح تمام انبیاء اور بادشاہ کے بارے میں تمہیں کیسے پتا چلا؟

نظام کا جواب:

(اس کے جواب میں نظام نے) کہا: جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ان (کی روح) سے ایک ''قطعہ'' (ٹکڑا) قطع کر کے اپنے درمیان پھیلایا اور اسے اپنی ارواح سے متصل کرلیا۔ جب ان لوگوں نے تابعین کو نبی اکرم علیہ السلام کے وجود کی خبردی، تو ان میں سے اس قطعہ کا کچھ حصہ نکل کر تابعین کی ارواح سے متصل ہوگیا۔ پھر تابعین نے کہ ان کی ارواح اس قطعہ کے بعض سے متصل تھیں، اس کے بعض کو دوسروں میں تقسیم کردیا۔ اسی طرح تابعین سے اس قطعہ کے اجزاء منتقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچے۔

جواب الجواب:

اب (نظام سے یہ) کہا گیا کہ: یہ بات تو یہود، نصاریٰ، مجوس اور زنادقہ کو بھی معلوم ہے کہ ہمارے نبی علیہ السلام اس دنیا میں تھے۔ تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قطعہ کافروں کی ارواح کے ساتھ متصل ہوگیا؟ اس سے لاجواب ہونے کے بعد اس اعتراض کو بھی قبول کرلو کہ: جب اہل الجنت نے اہل النار کے متعلق کچھ جانا اور انہیں اہل النار نے دیکھا یا ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے کوئی خطاب کیا، تو کیا ان میں سے ہر ایک کی روح سے ایک قطعہ کٹ کر اوران سے علیحدہ ہوکر دوسرے کی روح

سے جا نہ ملا اور اس سے متصل نہ ہوگیا؟ یوں اہل النار کے ابدان وارواح سے بہت سے قطعات کٹ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اسی طرح اہل الجنت کے ابدان وارواح سے بہت سے قطعات علیحدہ ہوکر دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اس متبدعانہ خیال پر یہ رسوائی وشرم ساری نظام کے لئے بس ہے۔

## تجدد امثال :..........۱۳۔ فضیحت سیزدہم :

(نظام کے شاگرد رشید) جاحظ نے اس کے اس نظریہ کو بیان کیا ہے کہ: ہر وقت جواہر و اجسام نئے روپ دھارتے رہتے ہیں (تجددِ امثال) اور اللہ تعالیٰ دنیا و مافیہا کو ہر حال میں اسے فناء کئے اور اس کا اعادہ کئے بغیر پیدا کرتا رہتا ہے۔

خیاط کا انکار :

ابوالحسین الخیاط نے دین الراوندی کے رد میں جو کتاب (الانتصار) لکھی ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ اس خیال کو نقل کرنے میں جاحظ نے غلطی کی ہے۔ (اور نظام کا اس نظریۂ تجدید امثال سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔

خیاط کا جواب :

الخیاط سے یہ کہنا چاہئے کہ اگر اس قول کو نظام کی جانب منسوب کرنے میں جاحظ سچا ہے تو نظام کی بدعقلی بے وقوفی اور اس کے الحاد کا فیصلہ کرو (اسے بدعقل، احمق اور ملحد قرار دو) اور اگر جاحظ نے اس کی جانب اس نظریہ کا انتساب غلط کیا ہے تو جاحظ کے مسخرہ پن اور حماقت کا فیصلہ کرو (اس کو مسخرہ اور سفیہہ کہو) حالانکہ جاحظ معتزلہ کا ''شیخ'' اور ان کا ''فیلسوف'' ہے۔ اپنے اسلاف پر معتزلہ جو جھوٹے الزام لگاتے اور ان سے جھوٹے اقوال منسوب کرتے ہیں، ہم ان پر ان کی کوئی نکیر نہیں کرتے، کیونکہ وہ تو اپنے رب اور اپنے نبی پر بھی کذب وافتراء پردازی کرتے ہیں۔

## ۱۴۔ فضیحت چہار دہم: .......... مخلوقات کی تخلیق ایک ساتھ ہوئی ہے

نظام کے بقول اللہ تعالیٰ نے انسانوں، بہائیم، تمام حیوانات، ہر قسم کے نباتات اور معدنی جواہر (جمادات) کو وقت واحد میں تخلیق کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اُن کی اولاد کی تخلیق سے مقدم اور پہلے نہیں ہوئی ہے۔ اسی طرح ماؤوں کی تخلیق ان کی اولاد کی تخلیق سے پہلے نہیں ہوئی ہے۔ نظام کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سبھوں کو ایک ہی وقت میں پیدا کیا ہے۔ بجز اس امر کے کہ اکثر اشیاء میں سے بعض چیزیں بعض دوسری چیزوں میں رکھی گئی ہیں۔ اس لئے ان میں جو تقدم و تاخر ہے وہ ان کے اپنی جگہوں سے ظاہر ہونے میں ہے (کہ بعض اشیاء پہلے ظہور پذیر ہو جاتی ہیں اور بعض اشیاء بعد میں نمودار ہوتی ہیں)۔

### اس خیال کی تردید:

نظام کے اس قول سے اسلاف امت، اہل کتاب یعنی یہود، نصاریٰ و سامرا کی اس متفقہ رائے کی تکذیب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل ''لوح'' و ''قلم'' کو پیدا کیا۔ ہاں مسلمانوں میں اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں سے پہلے کسے پیدا کیا۔ یوں اس مسئلہ میں نظام نے مسلمانوں اور اہل کتاب کی مخالفت کی و نیز اس نے اکثر معتزلی علماء کی بھی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ بصرہ کے معتزلی علماء نے اس قول کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ''مرادات'' سے قبل اپنے ارادہ کو خلق کیا ہے۔ اور تمام معتزلہ نے اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام عالم کو بعض اجسام سے پہلے پیدا کیا ہے۔ ابوالہذیل نے کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اجسام و اعراض کی تخلیق سے قبل کسی شئی کے لئے اپنا قول ''لا فی محل'' میں پیدا کیا ہے۔

### اجسام و اعراض قدیم ہیں:

اجسام میں ظہور و کمون (پوشیدگی) اور ان کے اجسام میں تداخل سے متعلق نظام کا قول

دہریہ کے قول سے بھی زیادہ بُرا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: تمام اعراض، اجسام میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور بعض اعراض کے ظہور اور بعض کے کمون سے، اجسام پر ان سے متصف ہونے کا تعین ہوتا ہے۔ (نظام اور دہریہ کے) اِن دونوں مذہبوں میں حدوث اجسام واعراض سے انکار ثابت ہوتا ہے کہ طریقہ دہریہ ہے۔ (یعنی اجسام واعراض کا قدم ثابت ہو جاتا ہے، جو دہریہ کا مسلک ہے)۔ کیونکہ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ تمام ہر حال میں بعض بطور ظہور اور بعض بطور کمون موجود ہوتی ہیں اور جب یہ ظاہر ہوتی ہیں تو ان میں سے کوئی شئی حدوث پذیر نہیں ہوتی۔ یہ عقیدہ الحاد وکفر ہے اور جو خیال اس گمراہی پر منتج ہو وہ بھی اسی کی طرح کفر والحاد ہے۔

## نظم قرآن معجزہ نہیں ہے:..........۱۵۔ فضیحت پانزدہم:

نظام کا خیال ہے کہ نظم قرآن اور اس کے کلمات کی حسن تالیف، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ نہیں ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے صدق کی کوئی دلیل ہی ہے۔ آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل، قرآن میں مذکور غیب کی خبریں ہیں۔ جہاں تک قرآن کریم کے نظم و اسلوب اور اس کی آیتوں کی حسن تالیف و ترتیب کا تعلق ہے، تو بندے بھی اس جیسی عبارت پیش کرنے پر قادر ہیں، بلکہ وہ لوگ اس سے بڑھ کر عمدہ عبارت تحریر کر سکتے ہیں جو نظم و ترتیب اور تالیف و ترکیب میں قرآن سے بھی زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔ (نعوذ باللہ)۔

### قرآن کریم کی صریح مخالفت:

اس خیال میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی صریح مخالفت ہے کہ: ''کہہ دیجئے کہ اگر انس وجن اس قرآن کریم جیسا کلام لانے پر اکٹھا ہو جائیں تو وہ سب مل کر بھی اس جیسا قرآن نہ لا سکیں گے، خواہ ان میں کے کچھ لوگ ایک دوسرے کی اس سلسلہ میں مدد ہی کیوں نہ کریں۔ (القرآن، سورۂ اسراء، آیت ۸۸)''۔ قرآن کریم کے معجزہ ہونے سے انکار کرنے والے کا صرف یہ مقصد ہے کہ نبوت محمدی ﷺ کا انکار کرے کہ اس نے عربوں کو یہ تحدی کی تھی کہ قرآن کریم جیسا کلام پیش

کریں بغدادی کی یہ ساری بحث محض تحکم ہے۔ نظام قرآن کو معجزۂ محمدی ﷺ تسلیم کرتا ہے مگر نظم و تالیف کی جہت سے نہیں بلکہ اخبار غیب کے سبب سے، سو وہ نبوت محمدی ﷺ کا منکر نہیں ہے اس کے علاوہ بقول الخیاط نظام نے اس قول سے رجوع بھی کر لیا تھا (دیکھئے کتاب الانتصار ص ۲۷ و ۲۸ طبع قاہرہ ۱۳۴۴ھ) بغدادی کے بیشتر الزامات، الزام برائے الزام کے زمرے میں آتے ہیں۔ مترجم)۔

## خبر متواتر کذب ہو سکتی ہے:.........۱۶۔ فضیحت شانزدہم:

نظام کے خیال میں ''خبر متواتر'' کا ''کذب'' ہونا جائز ہے، ہر چند کہ اس کے قائلین سامع کے نزدیک شمار سے زیادہ ہوں اور ان کے اغراض و دواعی ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ (خبر متواتر کی صحت سے انکار کے ساتھ ہی) نظام اس بات کا بھی قائل ہے ''اخبار احاد'' میں ایسی خبریں بھی ہیں جو ''علم ضروری'' کو واجب کرتی ہیں۔

نظام کے اس مسلک پر ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اور خود اس کے معتزلی ہم خیال اُس کی تکفیر کرتے ہیں۔

## امت کا خطاء پر اجماع ممکن ہے:۱۷۔ فضیحت ہفدہم:

نظام اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ ہر زمانہ اور تمام زمانوں میں رائے اور استدلال کی جہت سے امت محمدیہ ﷺ کا خطاء اور غلطی پر اجماع ہو سکتا ہے۔

### مسائل فروعیہ کا ابطال:

اس اصول کی بناء پر نظام پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے جن پر امت کا اجماع ہے، کسی چیز پر اعتماد نہ کرے، کیونکہ یہ بات جائز ہے کہ اس مسئلہ میں امت سے خطاء سرزد ہو سکتی ہے۔ چونکہ احکام شریعت میں سے بعض کو مسلمانوں نے ''خبر متواتر'' سے، بعض کو ''خبر احاد'' سے، بعض کو اجماع و اجتہاد و قیاس سے اخذ کیا ہے، اور نظام ''خبر متواتر'' کی حجت کا و نیز اجماع کی حجیت کا انکاری ہے اور اس کے ساتھ ہی قیاس کو اور ''خبر واحد'' کو جبکہ وہ ''علم

ضروری'' کی موجب نہ ہو، باطل گردانتا ہے، اس سے ایسا مستفاد ہوتا ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے مسائل فروع کے ابطال کا ارادہ رکھتا ہے، کیونکہ ان کے ''طرق'' کا اس نے ابطال کیا ہے۔

## ۱۸۔ فضیحت ہیجدہم: .............. چوری اور غصب میں نصاب ضروری ہے:

نظام نے وعید (سزا) کے باب میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس شخص نے ایک سو ننانوے درہم، غصب کر لئے یا انہیں چرالیا، اس ارتکاب جرم کی بناء پر وہ ''فاسق'' نہ ٹھہرے گا، یہاں تک کہ چوری، غصب یا خیانت کی رقم دو سو درہم یا اس سے زائد نہ ہو۔

### نظام کی تردید:

اگر نظام نے اس قول کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ ''سرقہ'' میں ''قطع ید'' کے لئے کتنی رقم ہونی چاہئے تو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی نے بھی چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کے لئے دو سو درہم کی چوری کا نصاب نہیں مقرر کیا ہے۔ بلکہ قطع ید کے نصاب کے متعلق امام شافعیؒ نے ایک دینار کی چوتھائی اس کی مالیت (تین درہم) مقرر کی ہے، امام مالکؒ بھی ایک چوتھائی دینار یا تین درہم کو نصاب قطع ید قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس یا اس سے زائد درہم کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے چالیس درہم یا ان کی قیمت کا اعتبار کیا ہے، الاباضیہ نے چوری میں خواہ اس کی مالیت کچھ ہی ہو قطع ید کو واجب قرار دیا ہے۔ یوں کسی نے بھی قطع ید کا نصاب دو سو درہم مقرر نہیں کیا ہے۔ اگر قطع ید کے نصاب کی مقدار پر ''تفسیق'' کا دارومدار ہو، تو ہزاروں دینار غصب کرنے والا شخص بھی فاسق نہ ٹھہرے گا، کیونکہ علانیہ غاصب کو قطع ید کی سزا نہیں دی جاتی۔ اسی طرح اگر مال غیر محفوظ (حرز) یا اپنے بیٹے کے مال میں سے کوئی شخص ہزاروں دینار یا درہم چرالے تو وہ فاسق نہ ہوگا، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے۔

اگر نظام نے سارق کو فاسق قرار دینے کی بنیاد دو سو درہم کی چوری کو اس بناء پر قرار دیا ہے کہ یہ رقم نصاب زکوٰۃ ہے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس شخص کو بھی فاسق ٹھہرائے جو چالیس بھیڑ بکریاں چراتا ہے، کیونکہ وجوب زکوٰۃ کے لئے یہ تعداد نصاب ہے، ہر چند کہ اس کی مالیت دو سو

درہم سے کمتر ہے۔ مسروقہ اشیاء کی مالیت کی تحدید اور اس کی بناء پر سارق کی تفسیق کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس پر نہ تو قرآن کی کوئی نص دلالت کرتی ہے اور نہ یہ سنت صحیحہ ہی سے ثابت ہے۔ یقیناً اس تحدید کا سبب وہ شیطانی وسوسہ ہے، جو نظام کے لئے اس گمراہی و ضلالت کا داعیہ و موجب بنا ہے۔

## ایمان کی غلط تعبیر :............ ۱۹۔ فضیحت نوزدہم :

ایمان کے بارے میں نظام کا قول ہے کہ وہ صرف گناہ کبیرہ سے اجتناب کا نام ہے۔

اس قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ: اقوال و افعال میں سے کوئی شئی بھی ایمان نہیں ہے۔

نظام کے نزدیک صلوٰۃ و اعمالِ صلوٰۃ نہ تو ایمان ہیں اور نہ بعض ایمان ہیں، بلکہ اس میں ایمان صرف اس قدر ہے کہ اس کی بجا آوری میں گناہ کبیرہ کو ترک کر دیا جائے۔

### فعل و ترک فعل دونوں طاعت ہیں :

اس عقیدہ کے ساتھ نظام یہ بھی کہتا تھا کہ: فعل اور ترک فعل دونوں ہی ''طاعت'' ہیں۔

نظام سے پہلے اس مسئلہ میں دو فریق تھے۔ ایک فریق یہ کہتا تھا کہ نماز (صلوٰۃ) سب کی سب ایمان ہے۔ جبکہ دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ نماز (صلوٰۃ) میں سے کوئی چیز بھی ایمان نہیں ہے۔ مگر نظام نے ان دونوں فریقوں کو چھوڑ کر یہ کہا کہ نماز (صلوٰۃ) ایمان سے نہیں ہے بلکہ ادائیگی میں کبائر کو ترک کرنا ایمان ہے۔

## فضل خداوندی میں تغافل نہیں :............ ۲۰۔ فضیحت بیستم :

نظام نے معاد سے متعلق یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ: بچھو، سانپ، گبریلے، مکھیاں، کوے، بھونرے، کتے، سور، تمام درندے اور کیڑے مکوڑے جنت میں جمع کیے جائیں گے (جنت میں جائیں گے)۔ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ وہ تمام لوگ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جنت میں داخل کرے گا، ان میں تفضیل و بزرگی میں بعض کو بعض پر کوئی برتری حاصل نہ

ہوگی۔ اسی طرح اس نے یہ بھی کہا ہے کہ جناب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں مومنین کے بچوں پر کوئی برتری نہ ہوگی۔ اسی طرح مومنین کے بچوں کو سانپوں، بچھوؤں، گبریلوں پر نعمت میں یا درجہ میں کسی طرح کی برتری نہ ہوگی، کیونکہ ان بچوں کے کوئی اعمال خیر اسی طرح نہیں ہیں، جس طرح کہ ان حشرات الارض کے کوئی اچھے اعمال نہیں ہیں۔ یوں نظام نے اللہ تعالیٰ کے متعلق ہرزہ سرائی کی ہے کہ وہ انبیاء کی اولاد پر حشرات الارض پر کیے گئے انعامات ومہربانیوں سے زیادہ نوازش وفضل نہ کرے گا۔ اس نے اسی ہرزہ سرائی پر اکتفانہ کی اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ انبیاء کرام پر صرف اسی قدر فضل وعنایت کریگا جس قدر کہ بہائم وحشرات کے ساتھ کرے گا۔ کیونکہ نظام کے خیال میں فضل وعنایت الٰہی میں عالم وغیر عالم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ہاں ان میں جو فرق ہوگا وہ ثواب و جزاء میں ہوگا کیونکہ اعمال میں ان کے مابین اختلاف مراتب اور ان کے درجات میں فرق ہے۔

نظام پر نکیر:

اس قول کی بناء پر نظام کو اس شخص پر غصہ نہیں کرنا چاہیئے جو اس سے یہ کہے کہ: ''اللہ تمہارا حشر کتوں، سوروں، اور بچھوؤں کے ساتھ کرے گا''۔ ہم اس کے لئے یہ دعاء کرتے ہیں کہ اسے اس نے اپنی ذات کے لئے پسند کیا ہے اور وہ اس پر راضی وخوش ہے۔

## مسائل فقیہہ میں نظام کی بداعت :............۲۱۔ فضیحت بیست و یکم:

نظام نے علوم عقل میں اپنے مبتدعانہ خیالات کے بعد مسائل فقیہہ میں بھی ایسی ''ضلالات'' اور گمراہیوں کو داخل کر دیا ہے، جن کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہیں متوجہ ہوا تھا۔

ا۔ ان بدعات میں سے یہ بدعت ہے کہ طلاق کسی طرح کے ''کنایہ'' سے واقع نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے ''تم خالی ہو'' یا ''تم آزاد ہو'' یا ''تمہاری رسی تمہارے کاندھوں پر ہے'' یا ''اپنے گھر والوں سے جا ملو'' یا ''عدت گزارو'' یا انہیں جیسے فقہاء کے نزدیک دوسرے

طلاق کے کنایات (ان سب سے طلاق واقع نہ ہوگی) خواہ آدمی نے ان سے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

فقہاء امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ اگر مرد نے ان کنایوں سے طلاق کی نیت کی ہے، تو طلاق واقع ہو جائے گی، فقہاء عراق کہتے ہیں کہ: حالت غضب میں طلاق کے کنایات اس صریح طلاق کے مثل ہیں جو بلا نیت دیا جائے اور واقع ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ظہار[۸] کے بارے میں نظام کہتا ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے بطن یا فرج کا ذکر کر کے ظہار کیا، تو ایسا شخص ظہار کرنے والا (مظاہر) نہ ہوگا۔

نظام کا یہ قول تمام امت محمدیہ ﷺ کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

۳۔ ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ نظام، تحکیم کے سبب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تفسیق کا قائل ہے، مگر اس نے ان کی اس رائے کو اپنا لیا کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا اگر اس کے ساتھ حدث (جسم سے نجاست یعنی پیشاب، پائخانہ کا اخراج) نہ ہو۔ حالانکہ جمہور اعظم کا قول ہے کہ لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر نیند بیٹھے ہوئے، جھکے ہوئے اور سجدے کی حالت میں آجائے، تو اس میں اختلاف ہے کہ اس حالت میں وضو واجب ہوتا ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس میں نرمی برتی ہے مگر امام شافعیؒ کے اکثر اصحاب نے بطریق قیاس وضو کو واجب ٹھہرایا ہے۔

## ترک صلوٰۃ کی قضاء نہیں ہے:

۴۔ نظام کے نزدیک جس شخص نے فرض صلوٰۃ کو عمداً ترک کر دیا، اس کے لئے اس کی ''قضاء'' صحیح نہیں ہے۔ اور اس کی قضاء (پورا کرنا) اس پر واجب نہیں ہے۔

## نظام کی تردید:

یہ بات تمام فقہاء کے ہاں اسی طرح کفر ہے جس طرح صلوٰۃ خمسہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا، کفر ہے کہ وہ فرض نہیں ہیں۔ فقہاء امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو صلوٰۃ مفروضہ

کے ادا نہ کرنے والوں کو ایک دن رات کی قضاء کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں جس نے ایک فرض صلوٰۃ ترک کر دی اسے اس کی قضاء میں ایک ہزار نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔ صلوٰۃ کی عظمت و جلالت شان کی یہ کیفیت ہے کہ بعض فقہاء نے ان کے جان بوجھ کر چھوڑنے والے کے کفر کا فتویٰ دیا ہے، خواہ ایسا شخص ترک صلوٰۃ کو جائز نہ بھی سمجھتا ہو۔ یہ مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عمداً صلوٰۃ کو ترک کرنے والے کو قتل کر دینا واجب ہے۔ اگر وہ سستی اور کاہلی سے صلوٰۃ ترک کرتا ہو مگر اس کے ترک کو جائز نہ سمجھتا ہو، تو وہ امام شافعیؒ کے خیال میں کافر نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کو قید کر کے سزا دی جائے تا آنکہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ صلوٰۃ متروکہ کے وجوب سے متعلق نظام کی مخالفت ایسی ہے، جیسی کہ ''زنادقہ'' وجوب صلوٰۃ کے مخالف ہیں۔ ان دونوں (نظام و زنادقہ) کی مخالفتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

صحابہ وتابعین پر تشنیع:

۵۔ ان تمام گمراہیوں کے ساتھ جنہیں ہم نے بیان کیا، نظام نے اخیار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کرام رحمہم اللہ پر اپنے اجتہاد سے فتویٰ دینے پر طعن و تشنیع کی ہے۔ جاحظ نے ''کتاب المعارف'' اور ''کتاب الفقہا'' میں بیان کیا ہے کہ: نظام نے اصحاب الحدیث (فقہاء مدینہ) کی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی روایات کی برائی کی ہے اور کہا ہے کہ: (نعوذ باللہ) ابوہریرہؓ تمام انسانوں میں سب سے بڑے جھوٹے تھے۔ اس نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے دین میں شک کیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر (آپ کی موت پر) شک کا اظہار کیا، اسی طرح وہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے شب عقبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آوازہ کسا تھا، انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مارا، اور اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میراث سے محروم کر دیا، انہوں نے نصر بن حجاج کو مدینہ سے بصرہ جلاء وطن کر دیا، انہوں نے صلوٰۃ تراویح کی بدعت رائج کی، حج تمتع سے لوگوں کو روک دیا اور عربی عورتوں سے موالی

(غلاموں) کے نکاح کو حرام ٹھہرایا۔

اسی طرح نظام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ عیب جوئی کی کہ انہوں نے حکم بن عاص کو مدینہ واپس بلالیا تھا، ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا، جنہوں نے حالت نشہ میں نماز میں لوگوں کو امامت کی، انہوں نے سعید بن عاص کی شادی کے موقع پر چالیس ہزار درہم سے ان کی مدد کی، اور مدینہ کی چراگاہ کو اپنے مویشیوں کے لئے مختص کرلیا۔

بعدازاں نظام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا کہ ان سے ایک گائے کے متعلق جس نے ایک گدھے کو مار ڈالا تھا دریافت کیا گیا' تو انہوں نے کہا ''اس کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ دیتا ہوں۔'' اسی ذکر کے بعد نظام نے یہ کہا کہ: ''وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟''

اسی طرح اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سخت گرفت کی ہے کیونکہ انہوں نے بروع بنت واشق کی تزویج کی حدیث میں یہ کہا تھا کہ ''میں اس میں اپنی رائے سے فیصلہ دیتا ہوں، اگر یہ درست ہے تو اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری جانب سے ہے۔'' اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے بطن میں سعید تھا اور شقی وہ ہے جو اپنی ماں کے شکم میں شقی ہوا۔'' اس پر نظام نے ان کی تکذیب کی ہے۔ اسی طرح اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی معجزہ، شق القمر اور لیلۃ الجن میں جن کو دیکھنے کی روایات کی بھی تکذیب کی ہے۔ ۹

### نظام پر طعن:

اخیار صحابہؓ کے متعلق جو بیعت رضوان میں شریک تھے، نظام کے یہ خیالات ہیں، حالانکہ ان حضرات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ مومنین سے راضی ہوا، جب وہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر ''شجرۃ'' کے نیچے بیعت کررہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی بات جان لی اور اُن پر سکینت وطمانیت نازل کی اور انہیں قریبی فتح سے نوازا۔ (القرآن سورۃ الفتح، آیت ۱۸)

اس کے بعد اس نے اپنی کتاب میں کہا ہے: ''صحابہ میں سے جن لوگوں نے اپنی رائے سے فیصلے کئے، یا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ ایسا کرنا ان کے لئے جائز تھا اور وہ یہ نہ جان سکے کہ فتویٰ میں اپنی رائے سے فیصلہ دینا ان کے لئے حرام تھا، یا پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ لوگ خلاف کے ساتھ یاد رکھے جائیں اور مذاہب میں روساء شمار کیے جائیں، سو انہوں نے اسی لئے اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کو اختیار کیا۔'' یوں نظام نے صحابہ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے دین پر اپنی ہوائے نفسانی کو ترجیح دی۔ اس ملحد معتزلی کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کا صرف ایک ہی گناہ ہے کہ وہ ایک اللہ کے قائل موحد تھے اور القدریہ کے کفر کے معتقد نہ تھے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے خالقوں کے وجود کا دعویٰ کیا ہے۔

### ابن مسعودؓ پر اعتراض کی وجہ:

نظام نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ان کی اس روایت پر جو لے دے کی ہے کہ: ''سعید وہ ہے جو شکم مادر میں سعید تھا اور شقی وہ ہے جو بطن مادر میں شقی تھا'' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث القدریہ کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ سعادت اور شقاوت کا کوئی تعلق اللہ عزوجل کے قضاء وقدر سے نہیں ہے۔

### نظام معجزہ کا منکر ہے:

نظام نے جو معجزہ ''شق القمر'' کا انکار کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس سے ہمارے نبی کریم علیہ السلام کے لئے ایک معجزہ کا اثبات ہوتا ہے اور یہ بات نظام کو اسی طرح بُری معلوم ہوتی ہے جیسا کہ نظم قرآن کا معجزہ اسے ناگوار ہے اور وہ اس کا انکاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کے ٹکڑے ہونے کا قرآن میں ذکر فرمایا ہے اور عقل کی رو سے بھی اس کا انشقاق ممکن ہے، اگر اس کے بعد بھی نظام اسے محال خیال کرتا ہے تو وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس ذات نے اجزاء قمر کو جمع کر کے قمر بنا دیا ہے، وہ ان اجزاء کو منتشر کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اگر نظام کے نزدیک شق القمر قدرتِ خداوندی میں ہے اور اس کے وقوع کا امکان موجود ہے، تو وہ کسی دلیل کے سبب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو

ان کی روایت شق القمر کے ضمن میں کاذب قرار دے سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے اس کا ذکر قرآن میں کیا ہے کہ: ''قیامت قریب آئی، چاند ٹکڑے ہوگیا، کفار اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی (یعنی معجزہ محمدی) دیکھتے ہیں، تو اس سے معارضہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سحر مسلسل و دائم ہے، (قرآن سورۃ القمر، آیت ۱، ۲)''۔ لہٰذا نظام کا یہ کہنا کہ شق القمر کبھی واقع ہی نہ ہوا، ان مشرکین کے قول سے بھی بدتر ہے، جنہوں نے چاند کے ٹکڑے ہو جانے کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ تو جادو ہے۔ اور جو معجزہ کا منکر ہو، وہ اس سے بُرا ہے جس نے اس کی کوئی دوسری تاویل کی ہو۔

## جن کو دیکھا جاسکتا ہے:

جہاں تک نظام کے اس انکار کا تعلق ہے کہ جن کو دیکھا ہی نہیں جاسکتا، تو اس سے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض جن، بعض جن کو نہیں دیکھ سکتے۔ اگر وہ ان کی باہم دگر رویت کو جائز قرار دے تو پھر کس بنیاد پر اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دعویٰ رویت جن کی تکذیب کی ہے؟

## نظام فاسق تھا:

نظام ان تمام گمراہیوں کے ساتھ ساتھ جن کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے، مخلوق خدا میں سب سے بڑھ کر فاسق و فاجر اور بڑے بڑے گناہوں پر سب سے زیادہ جری تھا۔ اور نشہ آور مشروبات کا بڑا رسیا اور عادی تھا۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مختلف الحدیث'' میں بیان کیا ہے کہ نظام صبح کے وقت نشہ کرتا تھا اور اسی طرح شام کو مے نوشی سے شغل کرتا تھا (وہ دائم الخمر تھا) انہوں نے شراب کے بارے میں نظام کے یہ شعر نقل کئے ہیں:۔

''میں مسلسل مشکیزۂ شراب کی روح کو مزے سے لیتا رہا۔ اور اس کے خون کو جو ذبح نہ کیا گیا تھا حلال ومباح کرتا رہا۔

یہاں تک کہ میں نشہ میں دھت ہوگیا اور میرے بدن میں دو دو روحیں درآئیں اور مشکیزۂ شراب خالی پڑا ہوا تھا، گویا جسم بے روح تھا۔''

## نظام لئیم تھا:

نظام جو اپنے مبتدعانہ اقوال اور گمراہانہ افعال کے باوجود اخیار واجلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتا ہے، اس کی مثال اس کہاوت کی ہے کہ: ''جو شخص اپنے دین میں مذموم ہوتا ہے اور اپنی اصل میں لئیم و کمینہ ہوتا ہے وہ اپنی ذات کے لئے کوئی عار و شرم نہیں چھوڑتا۔ جس سے اس کو متہم نہ کیا جائے، مگر وہ اس عار کو کسی شریف آدمی کی جانب منسوب کر دیتا اور کسی آبرومند کی حرمت و عزت کو حلال و مباح کر لیتا ہے''۔ کیا کتوں کے بھونکنے سے ابر کو کوئی نقصان پہنچا ہے؟ جس طرح بادل کو کتوں کے بھونکنے سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا، اسی طرح ابرار اور نیکوکاروں کو اشرار اور بدکاروں کی مذمت سے بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ اپنی بدعت و ضلالت کے ساتھ نظام کا اجلہ واخیار صحابہ پر طعن کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

''میں اس کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ نجد کے مقام ''حزن'' میں کوئی پہاڑی بکرا چلائے، یا حجاز کے مقام ''غیب'' کے پچھواڑے کوئی کمینہ مجھے برا بھلا کہے۔''

ایک دوسرے شاعر (فرزوق) نے کہا ہے۔

''قبیلہ تغلب دائل کو اس سے کیا نقصان پہنچے گا کہ یا تو نے اس کی ہجو کی، یا تو نے وہاں پیشاب کر دیا، جہاں دو سمندر ملتے اور ٹکریں مارتے ہیں۔''

## ۵۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الاسواریہ:

یہ فرقہ علی الاسواری [۱] کا پیرو ہے۔ یہ شخص ابو الہذیل کے تلامذہ میں تھا۔ بعد ازاں وہ نظام کے مذہب میں شامل ہو گیا۔ اس نے نظام کی گمراہیوں پر یہ کہہ کر اضافہ کیا کہ: ''جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ یہ ہوگی، وہ اللہ کے لئے مقدور بھی نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی قدرت نہ ہوگی)''۔ اس عقیدہ سے یہ امر واجب ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت متناہی ہو، اور جس کی قدرت متناہی ہوگی، اس کی ذات بھی متناہی ہوگی۔ یہ عقیدہ کفر ہے اور اس کا

قائل کافر ہے۔

۶۔القدریہ المعتزلہ کا فرقہ المعمریہ:

العمریہ معمر بن عباد سلمی ۱۲؎ کے متبع ہیں۔ یہ ملاحدہ کا ''سر'' اور قدریہ کی ''دم'' تھا۔اس کے رسوا کن عقائد بے شمار ہیں (ان میں سے کچھ فضائح کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے)۔

## اللہ خالق اعراض نہیں.........۱۔فضیحت اوّل:

معمر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعراض یعنی لون، طعم، رائحہ، حیات، موت، سمع یا بصر میں سے کوئی شئی بھی پیدا نہیں کی ہے۔اسی طرح اس نے اجسام کی صفات میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول کے خلاف ہے کہ: ''کہہ دیجئے کہ اللہ ہر شئی کا خالق ہے اور وہ واحد و غالب ہے۔(القرآن سورۃ الرعد، آیت ۱۶)''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفت بیان کی ہے اس کے خلاف ہے کہ: ''اللہ کے لئے سماوات اور زمین کی بادشاہی ہے، وہ زندگی دیتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے۔(القرآن سورۃ الحدید، آیت ۲)''۔ معمر کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اجسام کو پیدا کیا ہے۔پھر اجسام نے اس مفہوم میں اعراض کا احداث کیا ہے کہ حیات، موت، سمع، بصر، لون، طعم اور رائحہ میں سے ہر ایک عرض ہے جو جسم میں حدوث پذیر ہوئی اور وہ جسم کا بالطبع فعل ہے۔ اسی طرح اس کے خیال میں اصوات (صوت، آواز) آواز نکالنے والے اجسام کا فعل ہیں، جو ان سے بالطبع سرزد ہوتے ہیں۔جسم کا فناء ہو جانا بھی معمر کے نزدیک جسم کا طبعی فعل ہے۔اسی طرح کھیتی کی آبادی و بربادی، کھیتی باڑی کا فعل ہے۔اس نے یہ بھی کہا کہ ہر فانی کا فناء ہو جانا اس کا بالطبع فعل ہے۔یوں اس کے عقیدہ کے مطابق اعراض میں اللہ تعالیٰ کی صفت و قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

معمر کی تردید:

معمر کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو تخلیق نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کے اس ن کی تکذیب ہوتی ہے جس سے اپنی ذات کو اس نے متصف فرمایا ہے کہ وہ حیات بخشتا ہے

اور موت سے دوچار کرتا ہے۔ جو ذات نہ موت پیدا کرتی ہے اور نہ حیات، وہ کس طرح موت سے ہم کنار اور زندگی سے ہم آغوش کر سکتی ہے؟

## کلام باری کا انکار.........۲۔ فضیحت دوم:

معمر نے جب اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اعراض کی جنس کی کوئی شئی بھی پیدا نہیں کی ہے، اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ کا انکار کیا کہ اس انکار پر تمام فرقہ ہائے معتزلہ متفق ہیں، تو اس بدعت کی بناء پر معمر کو ماننا پڑے گا کہ ''اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی کلام نہ ہو۔'' کیونکہ اس کے لئے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ازلی صفت ہے۔'' جیسا کہ اہل السنّت والجماعت کہتے ہیں اور وہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ازلیہ کا اثبات نہیں کرتا، اسی طرح معمر کے لئے تمام معتزلہ کی طرح یہ کہنا کہ: ''اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا فعل ہے''، بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اعراض میں سے کسی شئی کو خلق نہیں کیا ہے، اور اس کے مزعومہ کے مطابق قرآن کریم اس جسم کا فعل ہے جس میں کلام درآیا ہے، وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور نہ اس کی صفت ہی ہے۔ یوں معمر کے اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق یہ بات صحیح نہ ہوگی کہ: اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام بمعنی صفت یا بمعنی فعل ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوگا، تو اس کی جانب سے نہ امر و نہی ہوگی اور نہ بندے ان کے مکلف ہوں گے۔ یہ عقیدہ تکلیف شرعی کے رفع (اٹھا لئے جانے) پر منتج ہوگا اور احکام شریعت نتیجۃً باطل ہو جائیں گے۔ معمر نے اس عقیدہ کے اظہار سے اس بات کے سوا کسی دوسری بات کا ارادہ بھی نہیں کیا ہے، کیونکہ اس کے اس قول سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

## اغراض لانہایت ہیں.........۳۔ فضیحت سوم:

معمر کا دعویٰ ہے کہ وہ اعراض جو اجسام میں موجود ہیں، اُن میں سے ہر نوع کی تعداد کی کوئی نہایت و حد نہیں ہوتی۔ اس کی بنیاد معمر کا یہ قول ہے کہ: جب کوئی متحرک اُس حرکت سے

متحرک ہوتا ہے جو اُس کے ساتھ قائم ہے، تو وہ حرکت اُس (متحرک) کے محل میں اُس معنی کے ساتھ مختص ہوتی ہے جو اُس (حرکت) کا غیر ہوتا ہے اور وہ معنی بھی اپنے محل میں ایک دوسرے معنی کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر معنی کے اپنے محل میں اپنے سوا ایک دوسرے معنی کے ساتھ مختص ہونے کے بارے میں، یہ بات کہی جائے گی جس کی کوئی انتہاء و حد نہ ہوگی۔ اسی طرح لون، طعم، رائحہ اور ہر عرض اپنے محل میں اپنے سوا ایک دوسرے معنی کے لئے مختص ہوتی ہے اور وہ معنی بھی اپنے محل میں ایسے معنی کے ساتھ مختص ہوتا ہے جو اس کے سوا کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ اور یوں اس عمل کی کوئی بھی حد و نہایت نہیں ہوتی (یوں اعراض موجودہ در جسم کی کوئی انتہاء نہیں اور وہ لاتعداد ہیں)۔

کعبی نے اپنی کتاب ''مقالات'' میں معمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: حرکت سکون کی مخالف اس معنی کے سبب ہے جو اس (حرکت) کے سوا ہے۔ اسی طرح سے سکون اپنے سوا ایک دوسرے معنی سے حرکت کا مخالف ہے۔ اور یہ دونوں معنی ان دو معنوں سے جو ان کے غیر ہیں، مختلف ہیں۔ پھر یہ قیاس ''لانہایت'' تک جاری و معتبر ہوگا۔

## معمر کا یہ قول الحاد ہے:

(معمر کے) اس قول میں دو وجوہ سے الحاد ہے:۔

۱۔ یہ قول ایسے ''حوادث'' کا اقرار ہے جن کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کثیر تعداد میں ''حوادث'' موجود ہوں، جنہیں اللہ تعالیٰ شمار ہی نہ کر سکے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ: ''اور اللہ نے ہر شَی کی تعداد شمار کی (القرآن، سورۃ الجن، آیت ۲۸)''۔

۲۔ لانہایت اعراض کے حدوث کے عقیدہ سے لازم آتا ہے کہ جسم اللہ تعالیٰ سے زیادہ قدرت والا ہے۔ کیونکہ معمر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اجسام کے سوا کچھ اور خلق نہیں کیا ہے اور ان اجسام کی تعداد ہمارے (اشاعرہ) اور اس (معتزلہ) کے نزدیک شمار و حساب میں ہے، اور

جسم جب کسی عرض کو پیدا کرتا ہے تو اس کے ساتھ لانہایت اور بے شمار اعراض کو پیدا کرتا ہے۔ اور جو لانہایت کی تخلیق کرتا ہو، لازم ہے کہ اس سے زیادہ قدرت والا ہو، جو صرف متناہی و محدود عدد کی تخلیق کرتا ہو۔

## کعبی کی عذر خواہی:

کعبی نے اپنے ''مقالات'' میں معمر کی یوں عذر خواہی کی ہے کہ: معمر کہتا تھا کہ انسان کا ارادہ کے سوا، کوئی اور فعل نہیں ہے، اور تمام عراض، اجسام کے بالطبع وافعال ہیں۔

## کعبی پر اعتراض:

اگر معمر کے متعلق کعبی کی یہ روایت صحیح ہے، تو یہ بات لازم آئے گی کہ وہ ''طبع'' جس کی جانب اس نے اعراض کے فعل (تخلیق) کو منسوب کیا ہے، اللہ عزوجل سے قوی تر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال اجسام ہیں، جن کی تعداد حساب وشمار میں ہے، جبکہ طباع (واحد طبع) کے افعال، مختلف اصناف کے اعراض ہیں، جن میں سے ہر صنف کی تعداد شمار وحساب سے زیادہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی معمر کے اس قول سے کہ اعراض کی کوئی نہایت و حد نہیں، حدوث اعراض کے مسئلہ میں مسلمانوں کے خلاف ''اصحاب الظہور والکمون'' کے لئے راہ ہموار کرنا اور انہیں تقویت پہنچانا ہے اور وہ اس طرح کہ مسلمان اجسام میں اعراض کے حدوث پر، ان (اعراض) کے متضاد (اعراض) کے پے در پے اجسام میں در آنے سے استدلال کرتے ہیں۔ جبکہ ''اصحاب الظہور والکمون'' حدوث اعراض کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام اعراض اجسام میں موجود ہیں، جسم میں بعض اعراض ظاہر ہوتی ہیں، تو جسم میں اس کی متضاد اعراض چھپ جاتی ہیں۔ اور جب جسم میں ایک عرض چھپ جاتی ہے تو اس کی ضد ظاہر ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں سے موحدون نے یہ کہا کہ 'اگر ایک عرض کبھی جسم میں چھپ جاتی اور کبھی ظاہر ہو جاتی ہے، تو بعض مخفی عرض کا ظہور اور بعض ظاہر عرض کا مخفی ہو جانا، ایک ایسے معنی کے لئے ہوگا جو اس کے سوا اور علاوہ ہوگا۔ ورنہ وہ معنی اپنے ظہور وکمون میں اپنے علاوہ کسی اور معنی کا محتاج ہوگا اور

یوں اس کی کوئی نہایت نہ ہوگی۔ اور چونکہ ایک جسم میں لانہایت اعراض کا اجتماع باطل ہے، اس لئے ان کا پے در پے جسم میں حدوث کے بطور نہ کہ ظہور وکمون کے طریقہ پر ورآنا صحیح و درست ٹھہرے گا۔ لیکن اگر جسم میں لانہایت اعراض کے اجتماع کو معمر جائز قرار دے، تو اس کے لئے اصحاب الظہور والکمون سے معارضہ و مدافعہ کرنا محل واحد میں صحیح نہ ہوگا۔ معمر کے اس قول سے جو نتیجہ برآمد ہوگا وہ یہ ہے کہ اعراض کے قدیم ہونے کا قائل ہونا پڑے گا، حالانکہ یہ عقیدہ کفر ہے اور جس فکر سے یہ استخراج ہو وہ بھی اسی کی طرح کفر ہے۔

## ۲۔ فضیحت چہارم: ............انسان جسد محسوس کے سواء ہے:

انسان کے بارے میں معمر یہ کہتا ہے کہ: وہ اس جسد محسوس کے سوا کوئی شئی ہے، وہ حی، عالم، قادر، مختار ہے۔ وہ نہ تو متحرک ہے، نہ ساکن ہے اور نہ متلون (رنگ دار) ہی ہے، وہ نہ دکھائی دیتا ہے اور نہ اسے چھوا جاسکتا ہے۔ وہ ایک جگہ کے بجائے دوسری جگہ میں نہیں اترتا اور نہ اسے ایک مکان کے بجائے کوئی دوسرا مکان محصور (گھیرے میں لئے ہوئے) ہے۔

### معمر کی تردید:

اب اگر معمر سے دریافت کیا جائے کہ کیا تم یہ کہو گے کہ انسان اس جسد میں ہے، یا آسمان میں ہے، یا زمین میں ہے، یا جنت میں ہے یا دوزخ میں ہے؟

### معمر کا جواب اور اس کی تردید:

اس کے جواب میں معمر کہے گا: میں ان میں سے انسان پر کسی شئی کا اطلاق نہیں کرتا، لیکن میں کہتا ہوں کہ: انسان جسد میں مدبر (منتظم) ہے، جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے یا دوزخ میں عذاب جھیلتا ہے، اور وہ حال یا تمکن کے اعتبار سے ان اشیاء میں سے کسی شئی میں نہیں ہے، کیونکہ وہ نہ طویل ہے، نہ عریض ہے، نہ عمیق ہے اور نہ وزن دار ہی ہے۔ اس طرح معمر انسان کا وصف ان صفات کے ساتھ کرے گا جن سے اللہ سبحانہ کو موصوف کیا جاتا ہے، اور وہ یوں کہ اس نے انسان کے وصف میں کہا ہے کہ وہ حی، عالم، قادر، حکیم ہے۔ حالانکہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کے لئے واجب ہیں۔ نیز یہ کہ معمر نے انسان کی تنزیہہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ: وہ

متحرک، ساکن، حار (گرم)، بارد (سرد)، رطب (تر)، یابس (خشک)، رنگ دار، وزن دار، مزہ دار یا بودار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان اوصاف سے منزہ و پاک ہے۔ نیز معمر نے جو یہ کہا ہے کہ: انسان جسد میں اس کا مدبر ہے، مگر اس میں حلول اور متمکن ہونے کے مفہوم میں نہیں ہے۔ یہی کیفیت اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہ ہر مکان میں ہے، اس مفہوم و معنی میں کہ وہ اس کا مدبر ہے، اس میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے اس کا عالم ہے، مگر ایسا حلول اور اس میں تمکن کے بطور نہیں ہے۔ انسان کے متعلق اوصاف الٰہی کے اثبات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معمر یہ چاہتا ہے کہ انسان کو معبود بنالیا جائے۔ اسے یہ بات برملا کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے وہ بات کہی جس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اس قول سے معمر پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ لازم ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو نہ دیکھے، اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہو۔ یہ رسوائی و خواری معمر کے لئے کافی ہے۔

## ۵۔ فضیحت پنجم: معمر کے نزدیک اللہ تعالیٰ قدیم نہیں؟

معمر کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا کہ ''وہ قدیم ہے'' جائز نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وصف میں کہتا ہے کہ: ''وہ موجود ازلی ہے''۔

## ۶۔ فضیحت ششم: معلوم عالم کا غیر ہوتا ہے

معمر کے خیال میں یہ کہنا نہیں چاہئے کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے کو جانتا ہے۔'' کیونکہ اس کے خیال میں ''معلوم'' کے لئے یہ شرط ہے کہ: ''وہ اپنے بارے میں عالم نہ ہو''۔ (معلوم عالم کا غیر ہوتا ہے)۔ یہ باطل ہے کیونکہ ذکر کرنے والا اپنی ذات سے متعلق بیان کرتا ہے، اگر یہ بات جائز ہے کہ ذاکر (ذکر کرنے والا) اپنا ذکر کرے تو یہ بھی جائز ہے کہ عالم (جاننے والا) اپنی ذات کو جانتا ہو۔

### معمر قابل فخر نہیں ہے:

کعبی نے اپنی ''کتاب مقالات'' میں اس بات پر فخر کیا ہے کہ معمر اعتزال میں اس کے

شیوخ (اساتذہ) میں سے ہے۔ جو شخص اس جیسے شخص پر فخر کرتا ہو، ہم نے اس کو اسے بخش دیا۔

## ۷۔القدریہ المعتزلہ کا فرقہ البشریہ:

یہ فرقہ بشر بن معتمر [۲۱۳] کا پیرو ہے۔ اس کے ''قدری'' دوست وخواجہ تاش چند ایسے امور میں اس کی تکفیر کرتے ہیں، جن میں وہ ''غیر قدری'' علماء کے نزدیک برسر صواب ہے۔ (وہ امور مندرجہ ذیل ہیں):۔

## وہ عقائد جن میں معتزلہ بشر کی تکفیر کرتے ہیں:

۱۔القدریہ نے بشر کی جن امور میں تکفیر کی ہے، ان میں اس کا یہ عقیدہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ ایسے لطف پر قادر ہے کہ اگر کسی کافر کے ساتھ کرے، تو وہ خوشی سے ایمان لائے گا۔

۲۔اس عقیدہ کی وجہ سے بھی القدریہ نے بشر کی تکفیر کی ہے کہ: اگر اللہ تعالیٰ عاقلوں کو جنت میں پیدا کرے اور اُن پر اس کے ساتھ تفضّل وعنایت کرے تو یہ امر ان لوگوں کے لئے اصلح اور مناسب تر ہوگا۔

۳۔اس مسئلہ میں بھی القدریہ نے بشر کو کافر ٹھہرایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اگر اس نے اس کو باقی رکھا تو وہ ایمان لے آئے گا، تو اسے اللہ تعالیٰ کا یہ ابقاء (باقی رکھنا، زندہ رکھنا، رحم کرنا) اس کے کافر مرنے کے مقابلہ میں اصلح اور زیادہ مناسب ہوگا۔

۴۔القدریہ نے اس مسئلہ میں بھی بشر کو کافر قرار دیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ازل سے صاحب ارادہ ہے۔ (یوں وہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات کا قائل ہوگیا، جو القدریہ المعتزلہ کے ہاں کفر ہے)۔

۵۔ بشر کو اس کے اس عقیدہ کی وجہ سے بھی القدریہ کافر ٹھہراتے ہیں کہ: جب اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال میں سے کسی شئی کے حدوث کے بارے میں جانتا ہے، اور اس سے روکتا بھی نہیں، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اس فعل کے حدوث کا ارادہ کرنے والا ہے۔

## بشر برسر حق ہے:

(مندرجہ بالا) پانچ مسائل، جن میں بصرہ کے معتزلی علماء نے بشر کی تکفیر کی ہے، حق بشر

کے ساتھ ہے اور وہ برسر حق ہے۔ اور ان مسائل میں اسے کافر ٹھہرانے والے قدری خود کافر اور برسر خطاء ہیں۔

ہم (اشاعرہ) جن مسائل میں بشر کی تکفیر کرتے ہیں، وہ مندرجہ بالا مسائل کے علاوہ ہیں۔ اور ان میں سے ہر مسئلہ ایک شنیع اور قبیح بدعت ہے (ان کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے):۔

## اللہ تعالیٰ کی موالات و معادات............ا۔ فضیحت اوّل:

بشر کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن سے اس کی حالت ایمان میں موالات نہیں کرتا اور نہ کسی کافر سے اس کے کفر کی حالت میں عداوت کرتا ہے۔

بشر کا عقیدہ موجب کفر ہے:

تمام امت کے عقیدہ کے مطابق اس عقیدہ کی بناء پر بشر کی تکفیر واجب ہے۔ ہمارے اصحاب (اشاعرہ) کے نزدیک بشر کی تکفیر یوں واجب ہو جاتی ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ازل سے اُس شخص کے ساتھ موالات کرتا ہے جس کے بارے میں اس کو یہ علم ہے کے جب وہ وجود میں آئے گا تو اس کا ولی ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس شخص کے ساتھ عداوت کرتا ہے، جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ جب وہ وجود میں آئے گا تو کفر کرے گا اور اپنے کفر ہی پر مرے گا۔ وہ کفر سے قبل بھی اس کا دشمن ہوگا، حالت کفر میں بھی اس کا دشمن رہے گا اور اس کی موت کے بعد بھی اس کا دشمن رہے گا۔ اسی طرح معتزلہ قدریہ کے اصول کی رو سے بشر کی تکفیر یوں واجب ہو جاتی ہے کہ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کا، اس کی جانب سے طاعت کے وجود سے قبل، موالی (موالات کرنے والا) نہیں ہوتا۔ یوں اس کی طاعت کی موجودگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ اس شخص کا موالی ہوتا ہے اور کافر کا معادی (عداوت کنندہ) اس کے کفر کی موجودگی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی صاحب ایمان، مرتد ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کا معادی (دشمن) ہو جائے گا۔ جبکہ وہ معتزلہ کے بقول اس سے قبل اس شخص کا موالی (دوست) تھا۔

## اللہ تعالیٰ بندہ سے کب موالاۃ کرتا ہے:

بشر کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مطیع شخص کا اس کی طاعت کی موجودگی کی حالت میں موالی نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی کافر کا اس کی حالت کفر میں، معادی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ مطیع سے اس کی طاعت کے وجود کی دوسری حالت میں موالات کرتا ہے۔ اسی طرح کافر سے اس کے کفر کی موجودگی کی دوسری حالت میں اس سے عداوت کرتا ہے۔ بشر نے اپنے اس مزعومہ پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ: اگر یہ بات جائز ہو کہ اللہ تعالیٰ مطیع سے اس کی حالت طاعت میں موالات کرے اور کافر سے اس کی حالت کفر میں معادات کرے، تو یہ بات بھی جائز ہوگی کہ مطیع کو اس کی حالت طاعت میں ثواب دے اور کافر کو اس کی حالت کفر میں عذاب دے۔ ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے تو یہ جائز ہے۔ اس پر بشر نے یہ اعتراض کیا کہ: اگر یہ بات جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کافر کو (بطور سزا) اس کی حالت کفر میں مسخ (صورت بدل دے) کر دے۔ اس کے جواب میں ہم (اشاعرہ) کہتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

## افعال متولدہ............۲۔ فضیحت دوم:

تولد (افعال متولدہ) کے متعلق اس نے بڑی افراط سے باتیں کی ہیں۔ یہاں تک کہ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ: انسان کے لئے یہ امر صحیح ہے کہ وہ الوان، طعوم، روائح، رویئت، سمع اور تمام ادراکات کو ان کے اسباب کے فعل سے بطور تولد پیدا کر سکتا ہے۔ وہ حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست کے متعلق بھی یہی بات کہتا ہے (یعنی انسان کے کسی فعل کے نتیجے میں تمام ادراکات از خود بطور تولد وجود میں آ سکتے ہیں)۔

## بشر کا یہ عقیدہ کفر ہے:

بشر کے اس دعویٰ کی بناء پر کہ انسان الوان، طعوم، روائح اور ادراکات کو اختراع کرتا ہے، اسے ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اور تمام معتزلہ نے کافر قرار دیا ہے۔

## گناہوں کے اعادہ پر عذاب............۳۔فضیحت سوم :

بشر کا قول ہے کہ: اللہ تعالیٰ کبھی انسان کے گناہ بخش دیتا ہے، پھر وہ ان گناہوں میں دوبارہ ملوث ہو جاتا ہے، اب جو وہ ان گناہوں میں دوبارہ آلودہ ہو گیا، تو پہلے کے بخشیدہ گناہوں پر بھی اسے عذاب دیا جائے گا۔ اس قول کی اساس پر بشر سے یہ دریافت کیا گیا کہ: اگر کسی کافر نے اپنے کفر سے توبہ کر کے اسلام اختیار کر لیا، اس کفر سے توبہ کے بعد شراب کو حلال نہ سمجھتے ہوئے بھی اس نے شراب پی لی اور اس حالت میں اسے مرگ مفاجات آ گئی اور وہ توبہ بھی نہ کر سکا، تو کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے اس کفر پر عذاب دے گا، جس سے اس نے توبہ کر لی تھی؟ بشر نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ اب اس سے یہ کہا گیا کہ: اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ جو ملت اسلام میں داخل ہے اس کا عذاب کافر جیسا ہو؛ اس سے وہ لاجواب ہو گیا۔

## اللہ تعالیٰ بچوں کو عذاب دے سکتا ہے............۴۔فضیحت چہارم :

بشر کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ طفل (بچہ) کو عذاب دینے پر قادر ہے اور بچے کو یہ عذاب دینے میں وہ ظالم ہو گا۔ کیونکہ اگر وہ اسے کرے گا تو بچہ بالغ، عاقل اور مستحق عذاب ٹھہرے گا (حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

### بشر کی یہ رائے باہم دگر متضاد ہے :

بشر کا یہ قول ایسا ہی ہے کہ گویا وہ یہ کہہ رہا ہو کہ: اللہ تعالیٰ ظلم کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اور اگر وہ ظلم کرے تو اس کے ساتھ وہ عادل ہو گا، حالانکہ اس کلام کا پہلا حصہ دوسرے حصے کی نقیض وضد ہے۔

### اس مسئلہ میں اشاعرہ کی رائے :

ہمارے اصحاب (اشاعرہ) کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ بچے کو عذاب دینے پر قادر ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو یہ بات اس کی جانب سے عدل ہو گی۔ یوں اس بات میں ہمارے اصحاب کے

قول میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ جبکہ بشر کے قول میں تناقض ہے۔

## جسم کی حرکت ............۵۔ فضیحت پنجم:

بشر کے بقول (جسم میں) حرکت حاصل ہوتی ہے اور جسم نہ مکان اول میں ہوتا ہے نہ ہی اس وقت مکان ثانی میں ہوتا ہے، مگر جسم اس کے سبب سے مکان اول سے مکان ثانی کی طرف حرکت کرتا ہے۔

### بشر کا قول غیر معقول ہے:

یہ قول فی نفسہ غیر معقول ہے، بشر سے قبل متکلمین کے مابین حرکت سے متعلق اختلاف رائے موجود تھا، کہ ایا وہ "معنیٰ" ہے یا "معنیٰ" نہیں ہے۔ وہ لوگ جو "اعراض" کی نفی کرتے ہیں انہوں نے اس بات کی نفی کی (یعنی حرکت "معنیٰ" نہیں ہے)۔ مگر وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ حرکت کے موجود ہونے کے وقت اعراض موجود ہوتی ہیں۔ ان میں اس مسئلہ پر اختلاف ہے۔ ان میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ: حرکت جسم میں پائی جاتی ہے اور وہ مکان اول میں ہوتا ہے اور اس حرکت سے مکان اول سے مکان ثانی کی جانب وہ منتقل ہوتا ہے۔ یہی قول النظام (معتزلی) اور ابوشمر مرجیٔ کا ہے۔ ان میں سے بعض دوسرے متکلمین کا یہ خیال ہے کہ: حرکت جسم میں اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مکان ثانی میں ہوتا ہے، کیونکہ وہ مکانِ ثانی میں اولِ کون (پہلا کون، وجود) ہے، ابوالہذیلؒ جبائی اور اس کے فرزند ابوالہاشم کی یہی رائے ہے اور یہی ہمارے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے ہے۔ کچھ دوسرے متکلمین کا یہ قول ہے کہ: حرکت دو کون کا نام ہے جو دو مکان میں ہوتی ہے، ایک حرکت متحرک (جسم) میں اس وقت پائی جاتی ہے جب وہ مکان اول میں ہوتا ہے اور دوسری حرکت اس وقت پائی جاتی ہے جب (جسم) متحرک مکانِ ثانی میں ہوتا ہے۔ یہ الراوندی کا قول ہے اور یہی ہمارے شیخ ابوالعباس القلانسی کی بھی رائے ہے۔ بشر کا قول ان تمام اقوال سے خارج اور جدا ہے، کیونکہ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ: جب حرکت حاصل ہوتی ہے تو جسم نہ مکان اول میں ہوتا ہے اور نہ مکان ثانی میں۔ حالانکہ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسم کے مکان اول میں ہونے اور اس کے مکانِ ثانی میں ہونے کی دونوں حالتوں میں کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے۔ یہ قول خود بشر بن معتمر کے

لئے غیر معقول ہے، تو بھلا اس کے علاوہ دوسروں کے لئے وہ کیسے پسندیدہ و معقول ہو سکتا ہے۔

## ۸۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الھشامیہ :

یہ فرقہ ہشام بن عمرو الفُوَطی ؒ کا پیرو ہے۔ قدر کے گمراہانہ عقائد کے بعد اس شخص کی ضلالات بکثرت ہیں (ہم ان میں سے کچھ کا ذیل میں ذکر کرتے ہیں)۔

## اللہ تعالیٰ کو وکیل کہنا جائز نہیں ............ ا۔ فضیحت اوّل :

ہشام بن عمرو نے لوگوں کے لئے "حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل" کہنے کو حرام ٹھہرایا ہے کیونکہ اللہ کو 'وکیل' کے نام سے پکارنا حرام ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ نام مذکور ہے اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسماء حسنیٰ میں بھی یہ نام موجود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر اس نام (وکیل) کا اطلاق درست نہیں ہے، ہر چند کہ اس کے ساتھ قرآن نازل ہوا ہے اور سنت صحیحہ میں یہ وارد ہوا ہے، تو اس کے بعد اس کی ذات پر کس نام کا اطلاق کیا جائے گا؟

### الفُوَطی کی خام خیالی :

ہمارے اصحاب (اشاعرہ) بصرہ کے مدرسہ، اعتزال سے وابستہ معتزلہ کے اس عقیدہ پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایسے اسماء سے بھی موسوم کرتے ہیں جن کا قرآن کریم اور سنت صحیحہ میں کوئی مذکور نہیں ہے، لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ ان کا اللہ پر اطلاق کیا جائے، اب یہ حیرت اس بات سے اور بڑھ گئی کہ الفوطی اللہ کو ایسے نام سے موسوم کرنے سے بھی منع کر رہا ہے جس کا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

### الخیاط کی معذرت :

خیاط نے فوطی کی جانب سے یہ معذرت پیش کی ہے کہ وہ یہ کہتا تھا "حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل" (ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا ہی اچھا ہے جس پر اعتماد کیا جائے)۔ وہ "المتوکل علیہ" کو "الوکیل" کے بجائے استعمال کرتا تھا، کیونکہ اس کے خیال میں

’’وکیل‘‘ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے بالا ایک ’’موکل‘‘ بھی ہو (یوں اللہ تعالیٰ کسی موکل کا وکیل ہوا جو قطعاً درست نہیں ہے)۔

## عربی زبان میں وکیل کے معنی:

(عبدالقاہر کہتے ہیں کہ) یہ عذر خواہی ہشام الفوطی اور اس کی جانب سے معذرت خواہ خیاط کے لغت میں اسماء کے معانی سے جہل و ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے لغت میں ’’وکیل‘‘ کے معنی ہیں ’’کافی‘‘ کے۔ کیونکہ وہ اس امر میں جو اس کے سپرد کیا گیا ہے، اپنے موکل کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ’’حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل‘‘ کے یہی معنی ہیں۔ ’’حسبنا‘‘ کے معنی ہیں ’’کافینا‘‘ (ہمارے لئے کافی ہے)۔ زبان کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ لفظ ’’نعم‘‘ کے بعد جو الفاظ آئیں وہ اس سے پہلے الفاظ سے مناسبت رکھتے ہوں اور ان کے موافق ہوں۔ مثلاً یہ قول کہ: ’’اللّٰہ رازقنا و نعم الرازق‘‘ (اللہ تعالیٰ ہمارا رازق ہے اور وہ بڑا ہی اچھا رازق ہے) درست و صحیح ہے مگر یہ نہ کہا جائے گا کہ: ’’اللّٰہ رازقنا و نعم الغافر‘‘ (اللہ تعالیٰ ہمارا رازق ہے اور وہ بڑا ہی اچھا گناہوں کو بخشنے والا ہے)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے، وہ اس کے لئے کافی ہے (القرآن، سورۃ الطلاق، آیت ۳)‘‘۔ کبھی کبھی وکیل ’’حفیظ‘‘ کے معنوں میں بھی آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’کہہ دیجئے کہ میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔ (القرآن، سورۃ الانعام، آیت ٦٦)‘‘۔ یہاں وکیل سے حفیظ مراد ہے۔ لفظ ’’حفیظ‘‘ کے نقیض (عکس، الٹ) میں کہا جاتا ہے: ’’رجلٌ وَ کِلٌ و وکَلٌ‘‘ یعنی بے وقوف، احمق آدمی۔ ’’وکال‘‘ کے معنی ہیں ’’بلادت‘‘ (حماقت)۔ چونکہ ’’وکیل‘‘ ’’حفیظ‘‘ کے معنوں میں بھی آتا ہے اور اللہ عزوجل ’’کافی وحفیظ‘‘ ہے، اس لئے اس کی ذات پر ’’وکیل‘‘ کے نام کا اطلاق نہ کرنا بے معنی و عبث ہے۔

## الفوطی کی ژولیدہ فکری:

اس سے بھی زیادہ تعجب و حیرت کی یہ بات ہے کہ ہشام نے اللہ عزوجل کے لئے اس

نام کے لکھنے کو اور اسے قرآن کریم میں پڑھے جانے کو تو جائز ٹھہرایا ہے، مگر اس بات کو ناجائز قرار دیا ہے کہ قرآن کریم کی قرأت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارا جائے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو وکیل لکھنا جائز مگر اسے وکیل کہنا اور پکارنا ناجائز، یعنی چہ؟)۔

## قرآن کریم کی مخالفت ............ ۲۔ فضیحت دوم :

قرآن کریم میں بہت سی باتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کی گئی ہے، لیکن الفوطی نے ایسا کرنے سے لوگوں کو منع کیا ہے۔ اس نے (مثال کے طور پر) لوگوں کو یہ کہنے سے روکا ہے کہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی ہے کہ فاسقوں کو گمراہ کیا ہے۔ اس کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے خلاف ہے کہ: ''اور اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی، اگر آپ ﷺ تمام زمین کی دولت خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں نرمی اور الفت نہ پیدا کر سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی، ان کے دلوں کو جوڑ دیا، بیشک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (القرآن سورۃ الانفال، آیت۔ ۶۳)''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بھی خلاف ہے کہ: ''اور اللہ ظلم کرنے والوں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (القرآن ،سورۃ ابراہیم، آیت ۲۷)''۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہے کہ: ''اس سے وہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے۔ (القرآن، سورہ البقرہ، آیت ۲۶)''۔ اسی طرح اس نے قرآن کریم کے علاوہ کسی چیز کے متعلق یہ کہنے سے منع کیا ہے کہ: ''وہ کافروں کی فہم سے بالاتر ہے۔

### عباد کی خام خیالیاں :

ہشام الفوطی کے شاگرد عباد بن سلمان الضمری ۱۵ؒ نے اس گمراہانہ خیال میں اس کی موافقت کی ہے اور لوگوں کو یہ کہنے سے منع کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کافر کو پیدا کیا ہے، کیونکہ ''کافر'' دو چیزوں کا نام ہے، ایک انسان اور دوسری کفر۔ اور عباد کے بقول اللہ تعالیٰ (کافر کے) کفر کا خالق نہیں ہے، اس قیاس پر عباد پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ یہ نہ کہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مومن کو پیدا کیا ہے، کیونکہ مومن دو چیزوں کا نام ہے، ایک انسان، دوسری ایمان۔ اور عباد کے

بقول اللہ (مومن کے) ایمان کے خالق کا غیر ہے (خالق نہیں ہے)۔ اس اصول پر اگر قیاس کے دائرے کو وسیع کیا جائے تو عباد پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ یہ نہ کہے کہ کسی نے کسی کافر کو قتل کیا یا اسے مارا ہے۔ کیونکہ کافر نام ہے انسان اور اس کے کفر کا، اور کفر نہ مقتول ہوتا ہے اور نہ مضروب ہی ہوتا ہے۔

## اللہ تعالیٰ ہر دو کا تیسرا نہیں ہے:

عباد نے لوگوں کو یہ کہنے سے بھی منع کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر دو کا تیسرا ہے اور ہر تین کا چوتھا ہے، اس کی یہ بات اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی صریح مخالفت ہے کہ: ''نہیں ہوتی تین آدمیوں کی سرگوشی مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور نہ پانچ آدمیوں کی سرگوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔ نہ اس تعداد سے کم یا زیادہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نہ ہو خواہ وہ کہیں بھی کیوں نہ ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن ان کے اعمال کی خبر دے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (القرآن، سورۃ المجادلہ، آیت ۷)''۔

## اللہ تعالیٰ نے کفار کو ڈھیل نہیں دی ہے:

(عباد) یہ کہنے سے بھی لوگوں کو روکتا تھا کہ: اللہ عزوجل نے کافروں کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ اس کا یہ قول اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ: ''ہم انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں کو سمیٹ لیں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔'' (القرآن، آل عمران، آیت ۱۷۸)۔

## عباد کی نکیر:

اگر عباد نے اس گمراہی کو اپنے استاد ہشام الفوطی سے اخذ کیا ہے تو: ''لاٹھی چھڑی ہی سے بنتی ہے، گھوڑا اپنی ماں گھوڑی ہی سے جنم لیتا ہے اور سانپ، سنپولے ہی کو جنم دیتا ہے۔ (العصاءُ مِن العصَّية ولن تلدَ الحيةَ الا الحيَة۔ عربی زبان کے دو محاورے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بڑی چیز چھوٹی ہی چیز سے نکلتی ہے)۔ اور اگر اس نے ان خیالات کا خود اظہار کیا ہے اور وہ ان میں اپنے استاد سے منفرد ہے تو شاگرد نے جن اسماء کے اللہ تعالیٰ پر

اطلاق کرنے کو منع کیا ہے تو اس نے اپنے استاد کے اس اصول پر قیاس کیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر وکیل اور کفیل کے اطلاق سے لوگوں کو منع کیا ہے (یعنی استاد نے کفیل و وکیل کے ناموں کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق غلط قرار دیا ہے تو شاگرد نے اس پر قیاس کرکے مندرجہ بالا امور کے اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنے سے لوگوں کو منع کیا ہے)۔

## اعراض اللہ تعالیٰ پر دلالت نہیں کرتیں............۳۔ فضیحت سوم:

فوطی کی تیسری فضیحت یہ ہے کہ: اعراض میں سے کوئی شئی اللہ تعالیٰ پر دلالت نہیں کرتی۔ یہی بات اس کے شاگرد عباد نے بھی کہی ہے۔ ان دونوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ''سمندر کا پھٹ جانا''، ''لاٹھی کا سانپ بن جانا''، ''چاند کا ٹکڑے ہو جانا''، ''جادو کا ملیامیٹ ہو جانا'' اور ''پانی پر چلنا''۔ ان سب میں سے کوئی چیز بھی رسول کے دعویٰ رسالت کی سچائی کی دلیل نہیں ہے۔

الفوطی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب رہ نمائی کرنے والی دلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ محسوس ہو۔ چونکہ اجسام محسوس ہوتے ہیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب دلیل و رہنما ہیں۔ جہاں تک اعراض کا تعلق ہے وہ نظری دلائل سے معلوم ہوتی ہیں، اب اگر اعراض، اللہ تعالیٰ پر دلیل و رہنما ہوں، تو ان میں سے ہر دلیل کو اپنے علاوہ ایک اور دلیل کی ضرورت ہوگی، پھر یہ سلسلہ چل نکلے گا جس کی نہایت و حد نہ ہوگی۔

### اس عقیدہ پر اعتراض:

الفوطی پر یہ اعتراض کیا گیا کہ: اس استدلال کی بناء پر تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ: اعراض کسی شئی پر بھی دلالت نہیں کرتیں اور نہ وہ کسی حکم ہی کی جانب رہنمائی کرتی ہیں، کیونکہ اگر اعراض کسی شئی یا کسی حکم پر دلالت کرتی ہوں تو اپنے مدلول پر دلالت کے لئے انہیں ان کی دلالت کی صحت پر ایک اور دلالت کی ضرورت ہوگی، یوں ہر دلیل ایک دوسری دلیل کی محتاج ہوگی اور اس کی کوئی نہایت و حد نہ ہوگی۔

اگر فوطی اس بات کو اختیار کرے کہ اعراض نہ کسی شئی پر اور نہ ہی کسی حکم پر دلالت کرتی

ہیں، تو اس نے گویا یہ بات اختیار کر لی کہ حرام و حلال اور وعد و وعید پر اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی دلالت باطل ہے اور اللہ و رسول ﷺ کے کلام سے حرام و حلال و وعد و وعید پر کوئی رہنمائی نہیں ہوتی۔

علاوہ بریں کچھ اعراض ایسی بھی ہیں جن کو بدیہی و اضطراری طور پر جانا جاتا ہے، مثلاً الوان، طعون، روائح، حرکت اور سکون (اور ان کے جاننے کے لئے فکر و نظر کی ضرورت نہیں پڑتی)۔ اس سے فوطی کو یہ ماننا ضروری ہو جائے گا کہ یہ اعراض جو بداہتہً ہوئی ہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جانب رہنمائی کریں، کیونکہ یہ سب محسوسات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اجسام محسوسات ہونے کے باعث ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ اب اگر اس کے جواب میں فوطی یہ کہے کہ: اعراض غیر محسوس ہوتی ہیں، اس لئے اعراض کے منکرین ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اس پر اس سے یہ کہا جائے گا کہ: النجاریہ اور الضراریہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اجسام، اعراض مجتمعہ سے عبارت ہیں، اسی لئے وہ لوگ کسی ایسے جسم کے وجود کا انکار کرتے ہیں جو عرض نہ ہو، تمہارے اس قول پر قیاس کرنے سے یہ بات واجب ہوگی کہ اجسام بداہتہً معلوم نہ کئے جاسکتے ہوں۔ اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر دلالت نہ کرتے ہوں۔

## المقطوع والموصول ............ ۴۔ فضیحت چہارم:

الفوطی المقطوع اور الموصول کا قائل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پورا وضو کیا، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کی نیت سے اپنی نماز کو، پورا کرنے کے عزم کے ساتھ، شروع کیا۔ اس نے قرأت کی، رکوع میں گیا اور سجدہ میں گرا، اور اس سارے عمل میں اللہ تعالیٰ کا مخلص رہا۔ مگر اس نے اپنی نماز کو آخر میں قطع کر دیا (کاٹ دیا، نامکمل چھوڑ دیا)۔ یوں اس شخص کی نماز کا پہلا اور آخری حصہ معصیت ہوگیا۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے روکا ہے اور اسے اس پر حرام کیا ہے۔ اگرچہ اس کے لئے نماز میں داخل ہونے سے قبل، اس علم کے

حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ نماز معصیت ہے کہ اس سے اجتناب کرتا۔

حالانکہ اس بات پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ نماز کا جو شطر (حصہ) گزر گیا، وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت تھا، ہر چند کہ وہ کامل اور پوری نماز نہیں۔

## ۵۔ فضیحت پنجم: شہادت عثمانؓ کیسے ہوئی؟..........

ہشام الفوطی نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر کے انہیں غلبہ وقہر سے قتل کیا تھا۔ اس کے خیال میں مٹھی بھر لوگوں نے انہیں دھوکے سے (گھر میں کس کر) اچانک شہید کر دیا تھا اور انکا کوئی محاصرہ نہ کیا گیا تھا۔

### الفُوطی کا خیال غلط ہے:

جو شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے محصور کیے جانے کا، اس کے متعلق متواتر اخبار کے باوجود، انکار کرتا ہو، وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص متواتر اخبار کے باوصف معرکہ ہائے بدر واحد کا اور معجزات نبوی ﷺ کا اخبار متواترہ کے ہوتے ہوئے، انکار کرتا ہے۔ (یعنی حصار عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اخبار متواترہ کے باوجود شبہ وانکار کرنا غیر معقول ہے)۔

## ۶۔ فضیحت ششم: انعقاد امامت کیلئے اتفاق امت ضروری ہے............

الفوطی امامت کے متعلق یہ کہتا ہے کہ: اگر امت میں اتفاق رائے ہو اور وہ ظلم وفساد ترک کر دے، تو اسے ایک امام کی ضرورت ہوگی جو اس کی سربراہی و قیادت کے فرائض سرانجام دے گا۔ لیکن اگر امت میں سرکشی وفسق و فجور سر اٹھائے اور وہ اپنے امام کو قتل کر دے، تو ایسی حالت میں کسی کی بھی امامت منعقد نہ ہوگی۔

### امامت علیؓ سے انکار:

اس خیال کے اظہار کا صرف یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ الفوطی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر طعن کیا ہے، کیونکہ وہ فتنہ وفساد کی حالت میں اور ان سے پہلے کے امام کی شہادت

کے بعد قائم ہوئی تھی۔

الاصم کی رائے:

(امامت سے متعلق فوطی کا یہ قول معتزلی عالم) الاصم کے اس قول کے قریب ہے کہ:
امامت صرف اس صورت میں منعقد ہوتی ہے جب امام پر امت کا اجماع ہو۔ اس نے بھی اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر طعن و اعتراض کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ ان پر امت محمدی ﷺ کا اجماع نہ ہوا اور ان کی امامت پر سب مجتمع نہ ہوئے۔ اور اہل شام ان کی شہادت تک ان کے خلاف رہے۔ اس طرح الاصم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت کی صحت کا قائل ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔

روافض پر طعن:

وہ روافض جو اعتزال کی جانب مائل ہیں، ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جانی چاہئیں کہ شیوخ معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر طعن کرتے ہیں اور معتزلہ کے زعیم واصل کو حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کی عدالت پر شک و شبہ ہے اور وہ ان کی گواہی (شہادت) کو قبول نہیں کرتا۔

## فضیحت ہفتم: جنت و دوزخ ابھی پیدا نہیں ہوئی ہیں ............ ۷

الفوطی کہتا ہے کہ: جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں (اور اس وقت موجود ہیں)، وہ کافر ہے۔ حالانکہ الفوطی سے پہلے جو معتزلی شیوخ گزرے ہیں، انہوں نے اس بارے میں کہ جنت و دوزخ اس وقت بھی موجود ہیں، شک کا اظہار کیا ہے اور جو ان کے اس وقت موجود ہونے اور پیدا کیے جانے کا قائل ہے، اسے کافر نہیں کہا ہے۔

اس خیال کی تردید:

وہ لوگ جو جنت و دوزخ کے اس وقت بھی مخلوق و موجود ہونے کا اثبات کرتے ہیں،

اسے کافر ٹھہراتے ہیں جو ان دونوں کے موجود ہونے سے انکار کرتا ہے، اور اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جو ان دونوں کا انکاری ہے وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا اور کبھی دوزخ سے اسے نجات نہ ملے گی۔

## الفُوطِی کی ہرزہ سرائی ............۸۔ فضیحت ہشتم:

الفوطی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ جنت میں (اہل جنت) باکرہ عورتوں کے پردہ بکارت کو توڑیں گے۔ (عبدالقاہر کہتے ہیں کہ) جو اس بات کا انکاری ہے وہ اس سے محروم رہے گا، بلکہ وہ جنت میں کنواری عورتوں کا پردۂ بکارت تو کیا توڑے گا، جنت میں داخل ہونے سے ہی محروم رہے گا۔

### اپنے مخالفوں کو قتل کرنا:

الفوطی ان گمراہانہ خیالات کے ساتھ ساتھ جنہیں ہم نے بیان کیا ہے، اس بات کو جائز سمجھتا تھا کہ اپنے مخالفوں کو خفیہ طریقے سے اچانک قتل کر دے، خواہ وہ اہل اسلام ہی کیوں نہ ہوں۔

اب اس بات کے بعد اگر اہل سنت یہ کہیں تو ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی کہ الفوطی اور اس کے پیروؤں کے خون اور مال مسلمانوں کے لئے مباح وحلال ہیں، ان کے اموال میں خمس ہے (وہ مال غنیمت ہے)، ان میں سے کسی کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس پر نہ تو قصاص، نہ دیت اور نہ کفارہ واجب ہوگا۔ بلکہ اس کے قاتل کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا اور وہ مستحق ثواب ہوگا۔

### ۹۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ المرداریہ:

یہ فرقہ عیسیٰ بن صبیح ۱۶؎ المعروف بہ ابوموسیٰ المردار کا متبع ہے۔ اسے ''راہب معتزلہ'' کہا جاتا تھا۔ اگر اس سے رہبانیت نصاریٰ مراد ہے تو یہ لقب اس شخص کے لائق اور اسے سجتا ہے۔ اسی طرح اس کا لقب ''مردار'' بھی اسے سزاوار ہے اور وہ فی الجملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

''بہت کم ہی تمہاری آنکھوں نے ایسے آدمی کو دیکھا ہوگا، کہ اگر اس کے لقب پر تم غور کرو تو اسی میں اس کی حقیقت و اصلیت نہ موجود ہو۔''

## قرآن کریم کا مثل لایا جا سکتا ہے:

المردار یہ کہتا تھا کہ: لوگ اس قرآن کریم کے مثل لانے پر قادر ہیں، بلکہ اس سے فصیح تر لانے پر بھی انہیں قدرت حاصل ہے۔ یہی قول النظام کا بھی ہے۔

اس قول سے ان دونوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مخالفت ہوتی ہے کہ:

''کہہ دیجئے کہ اگر انس وجن اس قرآن کریم جیسا کلام لانے پر اکٹھا ہو جائیں، پھر بھی اس جیسا کلام نہ لا سکیں گے خواہ ان میں سے بعض، بعض کا مددگار ہی کیوں نہ ہو۔ (القرآن، سورۃ الاسراء، آیت ۸۸)''۔

## حکومت کے ہم نشین کافر ہیں:

المردار اپنی ضلالات کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو کافر قرار دیتا تھا جو حکومت (سلطان) کے ہم نشین وحاشیہ بردار ہوتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ: ایسے لوگوں کے ترکہ سے میراث لینا اور دوسروں کے ترکہ سے انہیں میراث دینا جائز نہیں ہے۔

اس سے پہلے کے معتزلی علماء اس شخص کے بارے میں جو حکومت کا حاشیہ بردار وہم نشین ہوتا تھا اور قدر واعتزال میں ان کا ہم خیال ہوتا تھا یہ کہتے تھے کہ وہ فاسق ہے، نہ مومن ہے اور نہ کافر ہی ہے۔ مگر المردار نے ایسے شخص کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ وہ کافر ہے۔

المردار کے زمانہ کے حکمرانوں اور ارباب اقتدار پر حیرت ہے کہ انہوں نے اسے قتل کیوں نہ کیا اور اسے چھوڑ دیا، حالانکہ وہ ان کو اور ان کو جو ان کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، کافر قرار دیتا تھا۔

## کیا اللہ تعالیٰ ظالم وکاذب ہے؟:

المردار یہ بھی کہتا تھا کہ: اللہ تعالیٰ ظلم کرنے اور جھوٹ بولنے پر قادر ہے اور اگر وہ ظلم و کذب سے متعلق اپنے مقدور (قدرت) کو سرانجام دے، تو وہ ظالم کاذب اللہ ہوگا۔

## ایک فعل کے دو فاعل ہو سکتے ہیں:

ابوزفر نے المردار کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اس نے فعل واحد کے دو فاعلوں سے وقوع کو کہ دونوں ہی خالق ہوں، بطریق تولد جائز ٹھہرایا ہے۔ جبکہ اسنے اہل السنّت پر یہ نکیر کی ہے کہ ان کے خیال میں ایک فعل کا دو فاعلوں سے وقوع جائز ہے کہ ان میں سے ایک اس فعل کا خالق اور دوسرا مکتسب ہوتا ہے۔

رویت باری کا معتقد کافر ہے:

المردار نے یہ بھی کہا ہے کہ: جو شخص اس بات کو جائز سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ابصار (آنکھوں) سے بلاکیف دیکھا جا سکتا ہے، وہ کافر ہے، اور جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، یہی صورت اس کی بھی ہے جو شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے (یعنی وہ بھی کافر ہے) اور یہ سلسلہ جاری رہے گا جس کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ جبکہ باقی معتزلی علماء اُس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں، جو اس بات کو جائز سمجھتا ہے کہ: رؤیت باری بطور مقابلہ یا رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (جو چیز دیکھی جائے) کی شعاع بصری کے اتصال کے ذریعہ ممکن ہے۔ جو علماء رؤیت باری کا اثبات کرتے ہیں وہ المردار کی تکفیر پر اور اس کے کفر میں شک کرنے والے کی تکفیر پر متفق ہیں۔

المردار کی آخری وصیت:

معتزلہ نے المردار کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اس کی وفات کا وقت آ پہنچا تو اس نے یہ وصیت کی کہ اس کے مال کو غریبوں پر صدقہ کر دیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی اس کے وارثوں کو نہ دیا جائے

ابوالحسین الخیاط نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ: المردار کو اپنے مال میں شبہہ تھا اور اس میں مساکین کا بھی کچھ حق تھا، اس توجیہہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ المردار غاصب اور مساکین کے مال میں خائن تھا۔ معتزلہ کے ہاں غاصب فاسق ہے جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلے گا۔ اس طرح المردار کو تمام معتزلہ نے اس لئے کافر کہا ہے کہ وہ اس بات کا قائل تھا کہ ایک

ہی فعل دو فاعلوں سے بطور تولد سرزد ہوسکتا ہے۔

## المردار کی شیوخ معتزلہ پر نکیر:

خود المردار نے ابوالہذیل کی اس بناء پر تکفیر کی ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے مقدورات کی فناء کا قائل تھا، اور اس موضوع پر اس نے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ اس نے اپنے استاد بشر بن معتمر کی بھی تکفیر کی ہے کیونکہ وہ الوان، طعون، روائح اور ادراکات کے تولید کا عقیدہ رکھتا تھا۔ النظام کو بھی المردار نے اس وجہ سے کافر کہا ہے کہ وہ یہ کہتا تھا کہ المتولدات اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ المردار نے النظام پر اس ضمن میں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ اس عقیدہ کی بناء پر یہ لازم آتا ہے کہ نصاریٰ کا یہ قول کہ ''مسیح اللہ کے بیٹے ہیں'' خود اللہ تعالیٰ کا فعل ٹھہرے۔

یہ ہیں ''معتزلہ کے راہب'' المردار جنہوں نے اپنے شیوخ واساتذہ کو کافر قرار دیا ہے اور دوسری جانب ان کے شیوخ واساتذہ نے خود ان کو کافر ٹھہرایا ہے، دونوں ہی فریق اپنے ساتھی کو کافر کہنے میں سچے اور برسرحق ہیں۔

## ۱۰۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الجعفریہ:

یہ فرقہ جعفر نامی دو معتزلی شیوخ کا پیرو ہے۔ ان میں سے ایک کا نام جعفر بن حرب [۱۷] اور دوسرے کا جعفر بن مبشر [۱۸] ہے۔ یہ دونوں ہی گمراہی کے سردار اور جہالت کی جڑ ہیں۔

## فاسق، یہود، نصاریٰ سے بدتر ہیں:

جعفر بن مبشر کا یہ خیال ہے کہ اس امت محمدی ﷺ کے فاسقوں میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو یہود، نصاریٰ، مجوسی اور زنادقہ سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ فاسق، موحد ہے اور وہ نہ تو مومن ہے اور نہ کافر ہی ہے۔ یوں اس نے اس موحد کو جو کافر نہیں ہے، ثنوی (دوخداؤں کے ماننے والے) کافر سے بھی زیادہ بُرا ٹھہرایا ہے۔

اس قول کی اساس پر ہم جو کم سے کم بات بطور تقابل کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ: ''اے ابن مبشر تم یہاں نزدیک روئے زمین پر بسنے والے تمام کافروں سے بھی زیادہ بُرے ہو۔''

### شرابی پر حد شرعی نہیں ہے:

جعفر بن مبشر نے یہ بھی کہا ہے کہ: شرابی پر حد جاری کرنے کے متعلق صحابہ کرام کا اجماع، غلط ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس پر اپنی رائے سے اجماع کیا ہے (جو معتبر نہیں ہے) اس طرح ابن مبشر نے خوارج کے فرقہ النجدات کی ہم خیالی کی ہے جو شراب خوری پر اجرائے حد کا انکار کرتے ہیں۔

### شرابی پر حد کا منکر کافر ہے:

جو شخص شراب خوری میں حد جاری کرنے کا انکار کرتا ہو، امت محمد یہ ﷺ کا فقہاء کا اس کی تکفیر پر اجماع ہے۔ ہاں ان کے درمیان اس مسئلہ میں ضرور اختلاف رائے ہے کہ اگر کوئی نبیذ پیئے اور اس سے نشہ ہو، تو کیا اس پر حد جاری کی جائے گی؟ لیکن اگر نبیذ پینے سے نشہ ہو جائے تو اس پر فقہاء کے دونوں فریق یعنی اہل الرای اور اہل الحدیث کے نزدیک، حد جاری کی جائے گی، خواہ کوئی اس کا انکار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

### گناہ صغیرہ کا مرتکب فاسق ہے:

جعفر بن مبشر کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ: اگر کوئی شخص ایک حبہ یا اس سے کم مال بھی چوری کرے، تو وہ فاسق ٹھہرے گا، اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلے گا۔ اس نے اپنے اس عقیدہ کی بناء پر اپنے سے پہلے معتزلی علماء کی مخالفت کی ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر آدمی گناہ کبیرہ سے اجتناب و پرہیز کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ صغیرہ بخش دے گا۔

### زنا پر اجراء حد:

ابن مبشر کا یہ بھی قول ہے کہ: اگر کسی آدمی نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا، پھر اس پر قابو پا کے نکاح کے بغیر اس کے ساتھ جماع کر بیٹھا، تو اس عورت پر کوئی حد شرعی نہ جاری کی جائے گی، کیونکہ وہ تو اس آدمی کے پاس نکاح کی غرض سے آئی تھی، ہاں مرد پر حد واجب ہوگی، کیونکہ اس نے زنا کے مقصد سے جماع کیا ہے۔

**اعتراض برائے اعتراض:**

اس جاہل (جعفر بن مبشر) کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ زانی کی اطاعت کرنے والی عورت بھی، اگر اس کے ساتھ زبردستی نہ کی گئی ہو، زانیہ ہی سمجھی جاتی ہے۔ اس شخص کے متعلق جو کسی عورت کو زبردستی زنا پر مجبور کرے، فقہاء میں اختلاف رائے ہے۔ بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ عورت کو مہر ادا کیا جائے گا اور مرد پر حد جاری کی جائے گی۔ امام شافعیؒ اور فقہاء مجاز کی یہی رائے ہے۔ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک مرد سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس پر ادائیگی مہر کی پابندی لگا دی گئی ہے۔ ۱۹ مگر امت کے علماء سلف میں سے کسی نے بھی زانی کی مطاوعت اور بات مان لینے والی عورت سے حد شرعی ساقط ہونے کی بات نہیں کہی ہے۔ ابن مبشر نے اجماع امت کے خلاف جو یہ بات کہی ہے، وہ اس کی رسوائی اور شرم ساری کے لئے کافی ہے۔ (ابن مبشر کی بات میں کوئی سقم نہیں ہے۔ عورت پر زبردستی کی گئی تو اس نے صحیح بات کہی ہے: مترجم)

**جعفر بن حرب:**

جہاں تک جعفر بن حرب کا تعلق ہے، تو اس نے اپنے استاد المردار کی گمراہ کن روش کو اپنائے رکھا اور اس پر قائم رہا اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ: 'جملہ کا بعض (جزء) جملہ نہیں ہے"۔ اس سے یہ بات ابن حرب پر لازم آتی ہے کہ: جملہ نفس جملہ (خود) کا غیر ہو کیونکہ اس کا ہر بعض (جزء) اس کا جزء ہے (جب جملہ کا ہر ٹکڑا اس جملہ کا غیر ہے تو وہ سب مل کر جملہ کیسے بن جائیں گے)۔

**فعل سے ممنوع فعل پر قادر ہوتا ہے:**

ابن حرب یہ بھی کہتا تھا کہ فعل سے ممنوع شخص (جسے کسی فعل کے ارتکاب سے روک دیا جائے) اس فعل پر قادر ہوتا ہے گو وہ کسی شئی پر قادر نہیں ہوتا۔ کعبی نے اپنی کتاب ''مقالات'' میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ مگر اس اصول کی بناء پر ابن حرب پر یہ لازم آتا ہے کہ اقرار ٹھہرے کہ کسی شئی کا عالم اس کا غیر عالم نہیں ہے۔

### ابن حرب کی تردید:

عبدالقاہر کہتے ہیں کہ ابن حرب نے گمراہانہ خیالات کے بیان میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ ہم نے اس کی تردید کی ہے اور اس کی تردیدی کتاب کا نام "الحرب علی ابن حرب" (پسر جنگ کے خلاف جنگ) رکھا ہے۔ اس میں ہم نے جعفر بن حرب کے اصول وفصول کی تردید کی ہے۔

### ۱۱۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الاسکافیہ:

یہ لوگ محمد بن عبداللہ الاسکافی [۲۰] کے متبعین ہیں۔ اس شخص نے قدر سے متعلق گمراہانہ خیالات کو جعفر بن حرب سے اخذ کیا، بعدازاں بعض فروعی مسائل قدر میں اس کی مخالفت کی اور کہا کہ:

### اللہ دیوانوں اور بچوں پر ظلم کر سکتا ہے:

اللہ تعالیٰ کو اطفال اور دیوانوں پر ظلم کی قدرت کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے مگر اسے عقلاء پر ظلم کی قدرت کے ساتھ متصف نہیں کیا جا سکتا۔ یوں وہ نظام کے اس قول سے علیحدہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کذب وظلم پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔ اور ان لوگوں کے قول سے بھی دور ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قادر ہے مگر وہ انہیں اس لئے نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ قبیح ہیں اور وہ ان سے بے نیاز ہے۔ الاسکافی نے ان دونوں اقوال کی درمیانی راہ یہ نکالی کہ: اللہ تعالیٰ اسے ظلم دینے پر قادر ہے جس کی کوئی عقل نہیں ہے، لیکن جو لوگ عقل والے ہیں ان پر ظلم کرنے پر وہ قادر نہیں ہے۔ اس عقیدہ کی بناء پر اس کے اسلاف نے اس کی تکفیر کی ہے اور اس نے اپنی مخالفت کرنے پر اسلاف (معتزلی علماء) کی تکفیر کی ہے۔

### اللہ تعالیٰ مکلم ہے متکلم نہیں ہے:

الاسکافی نے اپنی گمراہیوں میں جو نکتہ سنجی اور تدقین کی ہے ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ کہنا جائز ہے کہ: "ان اللّٰہ یکلم العباد" مگر یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ: "ان اللّٰہ یتکلم" اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو "مُکَلِّم" کا نام دیتا ہے مگر اسے "مُتَکَلِّم" نہیں کہتا۔ اس کا خیال ہے کہ "متکلم" سے یہ گمان ہوتا ہے کہ "کلام" اس کے ساتھ قائم ہے مگر اسے "مکلم"

کہنے سے یہ گمان نہیں پیدا ہوتا۔ جس طرح ''متحرک'' اس بات کا اقتضاء کرتا ہے کہ اس کے ساتھ حرکت قائم ہو بالکل اسی طرح ''متکلم'' اس امر کا مقتضی ہے کہ کلام اس کے ساتھ قائم ہو۔

## اسکافی کی تردید:

ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کے ساتھ قائم ہے۔ مگر الاسکافی کے اسلاف معتزلہ اس سے کہتے ہیں کہ: تمہاری اس دلیل سے تم پر یہ واجب آتا ہے کہ متکلم انسانی بدن میں سے صرف اس کی زبان ہو، کیونکہ تمہارے خیال میں کلام اس میں در آتا اور حلول کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ تم پر یہ واجب ولازم آتا ہے کہ کسی شئ پر لفظ متکلم کا اطلاق محال ہو کیونکہ تمہارے اور تمام معتزلہ کے بقول کلام، حروف سے عبارت ہے اور ایک حرف کا کلام کہلانا صحیح نہیں ہے اور حروف کلام میں سے ہر حرف کا محل دوسرے حرف کے محل کا غیر ہوتا ہے۔ یوں تمہاری اس توجیہہ کا یہ مفہوم نکلے گا کہ نہ انسان متکلم ہو اور نہ اس کا ایک جزو ہی متکلم ہے اور یہ سب نتیجہ ہے تمہاری الاسکافی کی اس حجت وتعلیل کا کہ اللہ تعالیٰ متکلم نہیں ہے کیونکہ کلام اس کے ساتھ قائم نہیں ہوتا ہے۔

## الاسکافی کے احترام سے متعلق ایک غلط روایت:

بعض معتزلہ نے الاسکافی کی شان بڑھانے کی غرض سے یہ بڑھک ماری ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ الاسکافی کو پیدل چلتے دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اس کے احترام میں اتر گئے مگر یہ بیان کرنے والے کا جھوٹ ہے، کیونکہ الاسکافی امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ امام محمدؒ کا خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں (۱۸۹ھ) میں ری کے مقام پر انتقال ہوا، جبکہ الاسکافی کو خلیفہ ہارون کا زمانہ نہیں ملا۔ اگر وہ امام محمدؒ کا زمانہ پا بھی لیتا، تو وہ الاسکافی جیسے شخص کے احترام میں اپنے گھوڑے سے نیچے نہ اتر سکتے تھے، کیونکہ وہ اس کو کافر سمجھتے تھے۔ ہشام بن عبید اللہ رازی نے امام محمد بن حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ: جس نے کسی معتزلی کی اقتداء میں نماز اداء کی، اسے دوبارہ نماز کو دہرانا چاہئے۔ انہیں ہشام نے یحییٰ بن اکثم

سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ روایت کی ہے کہ ان سے معتزلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ لوگ زندیق ہیں۔'' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب القیاس'' میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ: انہوں نے معتزلہ اور اہل الاہواء کی شہادت قبول کرنے کے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر لیا تھا۔ یہی مسلک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء حجاز کا ہے۔ ائمہ اسلام جو معتزلہ کو کافر کہتے تھے ان کے متعلق یہ روائتیں کہ وہ ان کے احترام میں گھوڑے سے اتر جاتے تھے، کس طرح درست و صحیح سمجھی جا سکتی ہے؟

## ۱۲۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الثمامیہ:

یہ گروہ ثمامہ[۲۱] بن اشرس کا تبع ہے۔ ثمامہ، بنو نمیر کا مولیٰ تھا۔ یہ شخص عباسی خلفاء المامون (۱۹۸۔۲۱۸ھ)، المعتصم (۲۱۸۔۲۲۷ھ) اور الواثق (۲۲۷۔۲۳۲ھ) کے ادوار خلافت میں معتزلہ کا زعیم و رئیس تھا۔ اسی نے کہا جاتا ہے کہ خلیفہ المامون کو معتزلی بنایا تھا۔

ثمامہ نے تمام معتزلہ علماء سے دو مبتدعانہ عقائد میں منفرد افکار کا اظہار کیا اور ان دونوں بدعات پر تمام امت نے اسے کافر ٹھہرایا ہے۔ (یہ بدعتیں درج ذیل ہیں)۔

### معارف ضروری ہیں..........۱۔ بدعت اولیٰ:

ثمامہ، معتزلہ کے گروہ ''اصحاب المعارف'' سے تعلق رکھتا تھا جو یہ کہتے تھے کہ: معارف (علوم) ضروری ہیں۔ اس لئے اس نے اس اساس پر یہ دعویٰ کیا کہ: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا بدیہی و اضطراری علم نہ عطاء کیا، وہ نہ تو معرفت الٰہی کے ساتھ مامور ہے اور نہ کفر کی آلودگی سے اس کو روکا گیا ہے۔ گویا وہ فضول اور عبرت پذیری کی خاطر پیدا کیا گیا ہے اور اس کی حیثیت ان تمام حیوانات جیسی ہے جنہیں مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔ اس سبب سے اس نے یہ کہا کہ عام دہریہ، نصاریٰ و زنادقہ آخرت میں مٹی کی طرح نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔

ثمامہ کے بقول آخرت، دارِ ثواب یا دارِ عقاب ہے۔ جو بچپن میں مر گیا اور جسے معرفت الٰہی بداہۃً و اضطراراً حاصل نہیں ہوئی، یہ لوگ دارِ آخرت میں طاعت پر نہ کسی ثواب کے مستحق

ہوں گے اور نہ کسی معصیت پر کسی عقاب کے سزاوار ہوں گے اور اس وقت یہ سب مٹی ہو جائیں گے، کیونکہ ثواب میں یا عذاب میں ان کا حصہ نہیں ہوگا۔

## افعال متولدہ کا کوئی فاعل نہیں ........۲۔ بدعت ثانیہ:

ثمامہ کہتا ہے کہ: افعال متولدہ ایسے افعال ہیں، جن کا کوئی فاعل نہیں ہے، یہ گمراہی صانع عالم (اللہ) کے انکار پر منتج ہوگی۔ کیونکہ کسی ایک فعل کا بھی کسی فاعل کے بغیر وجود درست مان لیا جائے تو تمام افعال کے کسی فاعل کے بغیر وجود کو تسلیم کرنا پڑے گا اور افعال سے ان کے فاعل پر کوئی دلالت و رہنمائی نہ ہوگی اور نہ عالم کے حدوث (فناء) سے اس کے صانع پر کوئی دلیل قائم کی جا سکے گی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی آدمی اس بات کو جائز ٹھہرائے کہ کتابت کا وجود کسی کاتب کے بغیر بھی ممکن ہے، کسی عمارت کا وجود کسی بانی کے بغیر بھی ممکن ہے اور کسی منسوخ کا وجود کسی ناسخ کے بغیر بھی ممکن ہے۔ (اگر یہ باتیں درست مان لی جائیں اور ثمامہ کی یہ بات بھی صحیح ٹھہرے کہ فاعل کے بغیر فعل اور صانع کے بغیر مصنوع کا وجود ممکن ہے، تو صانع عالم کا وجود بھی عدم ہو جائے گا)۔

### ثمامہ پر اعتراض:

ثمامہ پر یہ اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے کہ: اگر تمہارے خیال میں انسان کا کلام متولد ہے اور اس کا کوئی فاعل نہیں ہے، تو تم آدمی کو اس کے کذب و کفر پر کیوں سرزنش کرتے ہو؟ کیونکہ وہ تمہارے خیال میں ''کذب'' کا فاعل اور کلمہ کفریہ کا فاعل نہیں ہے۔

### ثمامہ کے نزدیک دارالاسلام دارالشرک ہے:

ثمامہ کے رسوا کن افکار میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ یہ کہتا تھا کہ: یہ دارالاسلام دراصل دارالشرک ہے اور اس میں لونڈی بنانا حرام ہے، کیونکہ ان لونڈی باندیوں نے اپنے رب کی کوئی نافرمانی کی ہی نہیں اور وہ یہ کہ انہیں معرفت الٰہی حاصل ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے خیال میں عاصی وہ شخص ہے جو اپنے رب کو بداہتہً پہچانتا ہے، پھر یا اس کا انکار کر دے یا اس کی

نافرمانی کرے۔

## ثمامہ پر نکیر:

اس فکر میں ثمامہ نے اپنے ولدالزنا ہونے کا اقرار کرلیا ہے۔ کیونکہ وہ موالی (آزاد کردہ غلام) تھا اور اس کی ماں جنگ میں گرفتار ہو کر مال غنیمت میں آنے والی عورت تھی اور جو عورت اسیران جنگ کے حکم میں نہ ہو اس عورت سے جماع کرنا حرام اور زنا ہے اور اس جماع سے جو بچہ پیدا ہو وہ ولدالزنا ہوگا۔ اس بناء پر ثمامہ کی بدعت اس کے نصب کے لائق ہے۔

## ثمامہ کی بے شرمی کے واقعات:

مورخین نے ثمامہ کی بے شرمی اور پھکڑ پن کے عجیب عجیب واقعات بیان کئے ہیں (ان میں سے چند یہ ہیں)۔

ا۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب مختلف الحدیث میں بیان کیا ہے کہ: ثمامہ بن اسرش نے جمعہ کے دن لوگوں کو جامع مسجد کی جانب نماز کا وقت نکل جانے کے خوف کی وجہ سے بڑی تیزی سے جاتے ہوئے دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہا: ذرا ان گدھوں اور بیلوں کو دیکھو! اس عربی نے لوگوں کے ساتھ کچھ مذاق کیا ہے؟ (عربی سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا (اللہ ثمامہ پر لعنت کرے)۔

۲۔ جاحظ نے اپنی "کتاب المضاحک" میں بیان کیا ہے کہ: ایک دن خلیفہ مامون کہیں سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اس نے راستہ میں ثمامہ کو شراب میں مدہوش کیچڑ میں لت پت پڑا دیکھا۔ اس نے دریافت کیا: "یہ ثمامہ تم ہو؟" اس نے جواب دیا: "ہاں بخدا یہ میں ہی ہوں"۔ مامون بولا: "کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟" "نہیں، بخدا نہیں!" ثمامہ نے کہا: اب مامون چلایا: "تم پر اللہ کی پھٹکار ہو!" ثمامہ نے بے شرمی سے جواب دیا: اور بڑھے اور بڑھے۔

۳۔ جاحظ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ: ثمامہ کے غلام نے ایک روز ثمامہ سے کہا: "اٹھیئے، نماز اداء کیجئے"۔ ثمامہ نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ غلام نے پھر کہا: "وقت تنگ ہوتا جا رہا

ہے، اٹھ کر نماز پڑھیے پھر آرام کیجئے۔ ثمامہ چیخا: ''اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں ذرا آرام کرلوں''۔

**ثمامہ کا انجام بد:**

''تاریخ المراوزہ'' کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ: ثمامہ ابن اشرس نے ۲۲ احمد بن نصر (بن مالک الخزاعی) المروزی کے خلاف (عباسی خلیفہ) الواثق (باللہ) کے کان بھرے اور یہ کہا کہ جو لوگ رویت باری کا انکار کرتے ہیں، احمد بن نصر انہیں کافر قرار دیتے ہیں، اسی طرح جو لوگ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں، احمد بن نصر انہیں بھی کافر سمجھتے ہیں۔ الواثق نے جو فرقہ القدریہ کی بدعات پر بڑی سختی سے کار بند تھا اس نے احمد بن نصر کو (اپنے ہاتھ سے) قتل کیا۔ بعد میں ان کے قتل پر اسے پشیمانی ہوئی، اور اس نے اس ضمن میں ثمامہ، ابن ابی دواد ۲۳ اور ابن زیات ۲۴ پر عتاب کیا، کہ انہیں نے اسے نصر کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ اس پر ابن الزیات نے اپنی صفائی میں کہا: ''اگر اس کا قتل صحیح نہ ہو تو اللہ مجھے پانی اور آگ کے درمیان میں قتل کرے''۔ ابن ابی دواد نے کہا: ''اللہ تعالیٰ مجھے میری جلد میں قید کر کے اذیت دے اگر احمد کا قتل درست و صحیح نہ ہو''۔ ثمامہ نے کہا: ''اگر آپ احمد کو قتل کرنے میں برسر صواب نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر تلواروں کو مسلط کر دے''۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی دعاء کو جو ان کی اپنی ذات کے بارے میں تھی قبول کر لیا۔ ابن زیات، حمام میں داخل ہوا اور اس کی بھٹی میں گر کر پانی اور آگ کے بیچ میں مر گیا۔ احمد بن ابی دوَاد کو (عباسی خلیفہ) المتوکل (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے قید کر دیا، اسی حالت میں اسے فالج ہو گیا اور اپنی کھال میں مفلوج محبوس رہ کر آخر کار مر گیا۔ ثمامہ مکہ گیا، اسے صفا اور مروہ کے درمیان بنی خزاعہ کے لوگوں نے دیکھ لیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے بنو غزالہ کو آواز دی کہ: اے بنی خزاعہ! یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے ہم قبیلہ احمد بن نصر کے خلاف سازش کر کے انہیں جان سے مروایا تھا، یہاں سے بچ کے جانے نہ پائے!! بنو خزاعہ کے لوگوں نے ہجوم کر کے اسے تلوار کی باڑھوں پر رکھ لیا اور جان سے مار ڈالا۔ بعد ازاں انہوں نے اس کی لاش کو حرم سے نکال کر باہر پھینک دیا، جہاں درندے اسے چٹ کر گئے۔ چنانچہ ان

سبھوں کا انجام ایسا ہی ہوا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’(کتنی ایسی بستیاں ہیں کہ وہاں کے باسیوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی) سوانہوں نے اپنے کرتوت کے وبال کا مزا چکھا، اور ان کے بُرے کاموں کا انجام خسران و ناکامی و محرومی کے سوا کچھ اور نہ ہوا۔ (القرآن، سورۃ الطلاق، آیت ۹)‘‘۔

۱۳۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الجاحظیہ:

یہ گروہ عمرو بن بحر الجاحظ ؒ کا پیرو ہے۔ یہ لوگ جاحظ کی کتابوں میں اس کے حسن بیان سے فریب میں آ گئے۔ ان کتابوں کے عنوانات دل کش، مگر معانی مغفور، اور اسماء پُر ہول ہیں۔ اگر ان لوگوں کو جاحظ کی گمراہیوں اور نادانیوں کا پتا ہوتا، تو جاحظ کو انسان سمجھنے پر اللہ تعالیٰ سے طالب مغفرت ہوتے، چہ جائیکہ اس سے کوئی خوبی کی نسبت کرتے۔

معارف طبعی ہیں:

جن گمراہ کن افکار و خیالات کو جاحظ کی جانب منسوب کیا گیا ہے، ان میں وہ بھی ہیں جنہیں کعبی نے، کہ اسے جاحظ سے انتساب پر بڑا فخر ہے، اپنی کتاب مقالات میں بیان کیا ہے: جاحظ کے خیال میں تمام ’’معارف‘‘ طبعی ہیں مگر یہ اس کے باوجود بندوں کا فعل ہیں گو ان کے اختیار میں نہیں ہیں۔

ارادہ کے سوا بندوں کا کوئی فعل نہیں:

جاحظ نے ثمامہ کی اس قول میں ہم نوائی کی ہے کہ: ارادہ کے سوا بندے کا کوئی فعل نہیں ہوتا اور یہ جو تمام افعال بندوں کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان سے طبعاً سرزد ہوتے ہیں اور ان کے ارادہ سے واجب ہوتے ہیں۔

کفار اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں:

جاحظ کا یہ بھی خیال ہے کہ: یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک آدمی سن بلوغ کو پہنچ کر بھی اللہ تعالیٰ کو نہ جانتا ہو۔ اسی لئے جاحظ کے نزدیک کفار اللہ تعالیٰ کو جاننے والے (عارف تو ہیں مگر اس

کے دشمن ہیں۔ انہیں ان کے اپنے مذہب کی محبت اس حد تک مغلوب کر دیتی ہے کہ وہ اپنے خالق کی معرفت کے حصول پر اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے سے باز رہتے ہیں۔

## جاحظ پر اعتراض:

(عبدالقاہر کہتے ہیں) اگر کعبی نے جاحظ کے قول کی صحیح ترجمانی کی ہے کہ: ارادہ کے سوا انسان کا کوئی فعل نہیں ہوتا، تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ: انسان نماز گزار، روزہ دار، حاجی، زانی، چور، تہمت تراش اور قاتل نہ ہو، کیونکہ انسان نے جاحظ کے قول کی رو سے صلاۃ، صوم، حج، زنا، چوری، تہمت تراشی اور قتل کے افعال سرانجام نہیں دیئے۔ اس لئے کہ یہ تمام افعال جاحظ کے مطابق ارادہ کا غیر ہیں اور ان کا ارادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر وہ افعال جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، طبعی ہیں اور کسبی نہیں ہیں، تو یہ لازم آئے گا کہ انسان کو ان پر کوئی ثواب یا کوئی عذاب نہ ہو، کیونکہ انسان کو ان افعال پر کوئی ثواب یا کوئی عذاب نہیں دیا جاتا جو اس کا ''کسب'' نہ ہوں اور یہ ایسا ہی ہے کہ اسے اس کے رنگ (لون) اور بدن کی ساخت پر کوئی ثواب نہیں ملتا یا اس پر کسی طرح کا عذاب نہیں کیا جاتا، اس لئے کہ ان چیزوں میں سے اس کے ''کسب'' سے تعلق نہیں رکھتیں۔

## اجسام کا معدوم ہونا محال ہے:

جاحظ کے فضائح میں سے اس کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ: حدوث (تخلیق) کے بعد اجسام کا معدوم ہونا محال ہے۔ اس اساس پر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اسے فناء کرنے پر اسے کوئی قدرت حاصل نہیں ہے اور نیز یہ کہ مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اس کا اسی طرح منفرد (تنہاء) رہنا صحیح نہ ہوگا۔ جیسا کہ وہ مخلوقات کی تخلیق سے پہلے تھا۔

## جنت و دوزخ کا دوام:

ہم (اشاعرہ، اہل السنت) جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنت اور اس کی نعمتوں کو اور دوزخ

اور اس کے عذاب کو فنا نہیں کرے گا، تو اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سبھوں کو فناء کرنے پر قادر نہیں ہے، بلکہ ہم جنت اور دوزخ کے دوام کے اس لئے قائل ہیں کہ اس سے متعلق حدیث وارد ہے۔ اور اس کا ذکر اخبار صحیحہ میں آیا ہے۔

دوزخیوں کو آتش دوزخ جذب کر لے گی:

جاحظ کے فضائح میں اس کا یہ قول بھی ہے کہ: اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کرے گا، بلکہ آتش دوزخ، دوزخیوں کو طبعی طور پر اپنے میں جذب کر لے گی، پھر انہیں وہاں روک کر ہمیشہ ہمیشہ رکھے گی۔

جاحظ پر اعتراض:

اس قول کی بناء پر جاحظ پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ لازم ہے کہ جنت بھی جنتیوں کو بالطبع اپنی جانب کھینچ لے اور اللہ تعالیٰ کسی کو بھی جنت میں داخل نہ کرے۔ اگر جاحظ اس بات کی تصدیق کرے، تو اس سے ثواب دینے میں لوگوں کو رضاء الٰہی کی ترغیب منقطع ہو جائے گی اور دعاء کا فائدہ باطل ہو جائے گا۔ اگر جاحظ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جنتیوں کو جنت میں داخل کرے گا، تو اس پر یہ کہنا بھی لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

جاحظ عرب تھا:

کعبی نے جاحظ پر فخر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ معتزلہ کے شیوخ سے ہے۔ اس نے جاحظ کی کثیر التعداد تصانیف پر بھی فخر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جاحظ (خالص عرب تھا اور) اس کا تعلق بنو کنانہ سے تھا۔ یہ قبائل کنانہ خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی اولاد میں ہیں۔

جاحظ سے ذرا یہ پوچھا جائے کہ اگر تم اپنے دعویٰ کے مطابق کنانی ہو، تو یہ بتاؤ کہ تم نے "کتاب مفاخر القحطان" کیوں لکھی جو تمام کنانی اور عدنانی قبائل پر قبائل قحطان کی برتری کے اظہار کے لئے تصنیف کی گئی ہے، اور اگر تم عرب ہو تو تم نے "فضل الموالی علی العرب" نامی

کتاب کیوں تحریر کی؟ جاحظ نے اپنی کتاب ''مفاخر قحطان علی عدنان'' میں ایسے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں جن میں قحطانیوں نے عدنانیوں کی ہجو کی ہے۔ جو شخص اپنے آباء کی ہجو پر راضی ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنے ہی آپ کی ہجو لکھی ہے۔ جاحظ نے ابن بسام کی ہجو میں جس نے اپنے باپ کی ہجو لکھی تھی، نہایت عمدہ فقرہ کہا ہے کہ: ''اگر وہ اپنے باپ کا پیدا ہوتا تو اپنے باپ کی ہجو نہ لکھتا''۔

## جاحظ کی کتابوں کی رکاکت:

جہاں تک جاحظ کی واہیات کتابوں کا تعلق ہے تو ان کی چند اصناف ہیں، انہیں میں اس کی ''کتاب حیل اللصوص'' ہے۔ اس میں اس نے چوری کے مختلف طریقے بدمعاشوں کو سکھائے ہیں۔ اس کی ایک اور کتاب کا نام ہے ''الصناعات''۔ اس کے سبب سے اس نے تاجروں کو فاسد و خراب کہا ہے۔ اس کی ایک اور کتاب کا نام ''کتاب النواسیس'' ہے۔ یہ کتاب حیلہ سازوں کے لئے ایک ذریعہ بن گئی ہے، جس سے وہ لوگوں کی امانتیں اور اموال ہتھیا لیتے ہیں۔ اس کی کتاب بنام ''کتاب الفتیا'' ہے۔ یہ ان الزامات سے پر ہے جو جاحظ کے استاد نظام نے مشہور صحابہ پر لگائے ہیں۔ انہیں کتابوں میں اس کی کتابیں ''القیحاب'' (بدکار عورتوں)، الکلاب (کتوں)، الاطہ (بدمعاشوں) کے حیلے، شامل ہیں، اور ان کتابوں کے موضوعات جاحظ کو سجتے ہیں اور اس کی صفت اور اس کے خاندان کے حسب حال ہیں۔ انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب ''طبائع الحیوانات'' ہے۔ اس میں جاحظ نے ارسطو کی ''کتاب الحیوان'' کے معانی کی تلخیص کر دی ہے اور اس میں مدائنی کی کتاب سے عربوں کی امثال، اشعار اور حیوانات کے فوائد کے مضامین کا اضافہ کر دیا ہے۔ پھر اس کتاب میں کتے اور مرغ کے درمیان موازنہ و مناظرہ کو شامل کر کے اس کا حجم بڑھا دیا ہے۔ اس قسم کے مناظروں سے دل چسپی لینا اور ان میں مشغول ہونا، تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو جو جاحظ پر فخر کرتا ہے ہم اسے اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔

جاحظ پر نکیر:

اہل السنّت والجماعت جاحظ کے متعلق وہی بات کہتے ہیں جو ایک شاعر اس کے بارے میں کہہ گیا ہے۔

اگر سور کو دوسری بار مسخ کیا جائے
تو بھی وہ جاحظ کی بدصورتی سے کم ہی بدصورت ہوگا
وہ ایسا شخص ہے کہ بنفس نفیس جہنم کی نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے
اور وہ ہر چشم بینا میں کھٹکنے والا تنکا ہے۔

۱۴۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الشمّامیہ:

یہ لوگ ابو یعقوب الشحام ۲۶ھ کے متبعین ہیں۔ یہ شخص الجبائی کا استاد تھا۔

مقدور واحد دو قادروں سے ممکن ہے:

اس کے گمراہ کن افکار ویسے ہی ہیں جیسے کہ الجبائی کے ضال ومضل افکار وعقائد ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ شحام کے ہاں یہ اضافہ ہے کہ: مقدر واحد دو قادروں سے ممکن ہے۔ الجبائی اور اس کے بیٹے (ابو ہاشم) نے ایسا کہنے سے منع کیا ہے۔ کچھ کم فہموں نے یہ خیال کیا ہے کہ: شمام کا یہ قول، الصفاتیہ (اشاعرہ) کے ''دو قادروں کے لئے مقدور'' کے قول جیسا ہے۔ ان دونوں قولوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ وہ یہ کہ شمام نے مقدور واحد کو دو قادروں کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسی کو متبادل طور پر حادث کرتا ہے۔ کعبی نے اپنی کتاب ''عیون المسائل'' میں یہی بات ابوالہذیل کے بارے میں بھی بیان کی ہے کہ اس کا بھی یہی قول ہے۔

اشاعرہ دو خالقوں کا اثبات نہیں کرتے:

مگر الصفاتیہ (اشاعرہ) دو خالقوں کا اثبات نہیں کرتے، بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ مقدورِ واحد دو قادروں کے لئے ہوسکتا ہے، جن میں ایک اس کا خالق اور دوسرا اس کا مکتسب

ہوتا ہے۔ مگر نہ خالق مکتسب ہوتا ہے اور نہ مکتسب خالق ہی ہوتا ہے۔ اس سے دونوں فریقوں کے اقوال میں فرق واضح ہو جاتا ہے ہر چند کہ دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔

۱۵۔ القدریہ المعتزلہ کا فرق الخیَّاطِیّہ:

یہ لوگ ابوالحسین الخیاط ۷۲ کے پیرو ہیں۔ یہ الخیاط، الکعبی کی گمراہیوں میں اس کا استاد تھا۔ الخیاط تمام قدری متکلمین کے ساتھ ان کے اکثر گمراہانہ عقائد میں شریک ہے، مگر ان سے "معدوم" سے متعلق قول میں کہ اس سے پہلے کسی نے اس کا اظہار نہیں کیا، وہ منفرد الخیال ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ: معتزلہ کے مابین اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ "معدوم کو شئی کا نام دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟" چنانچہ بعض متکلمین معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ "معدوم" کا معلوم اور مذکور ہونا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا شئی، ذات، جوہر اور عرض ہونا بھی درست نہیں ہے۔ یہ قول معتزلی متکلم صالحی کا ہے۔ اور اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق بھی ہے، جو "معدوم" کو شئی نہیں مانتے۔ بعض دوسرے معتزلی علماء یہ کہتے ہیں کہ معدوم شئی اور معلوم ومذکور ہے، مگر وہ جوہر اور عرض نہیں ہے۔ الکعبی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ الجبائی اور اس کے بیٹے ابوہاشم کا یہ خیال ہے کہ ہر وہ وصف جس کا "حادث" (موجود) اپنی ذات یا جنس کیلئے مستحق ہوتا ہے، وہی وصف اس کے لئے اس کے معدوم ہونے کی صورت میں بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بقول جوہر معدوم ہونے کی صورت میں بھی جوہر تھا اور عرض اپنے معدوم ہونے کی حالت میں بھی عرض تھی۔ اسی طرح سیاسی حالت عدم میں بھی سیاہی تھی اور سپیدی جب معدوم تھی تو بھی سپیدی ہی تھی۔

کیا کلام معدوم جسم ہے؟:

لیکن ان تمام معتزلی علماء کلام "معدوم" کو "جسم" کا نام دینے سے رکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک جسم، مرکب ہوتا ہے، اس میں تالیف، طول، عرض اور عمق (باہم امتزاج، لمبائی، چوڑائی اور گہرائی) ہوتا ہے۔ اور معدوم کو ان اوصاف سے متصف نہیں کیا جا سکتا جن سے ان کے ساتھ کسی معنیٰ کا قیام واجب ہوتا اور لازم ٹھہرتا ہے۔

### جسم حالت عدم میں بھی جسم ہے:

الخیاط نے اس مسئلہ پر تمام معتزل فرقوں اور تمام مسلمان امت کے برخلاف ایک منفرد فکر اپنائی اور بالکل نئے خیال کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: جسم اپنے معدوم ہونے کی حالت میں بھی جسم ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اپنے حدوث کی حالت میں جسم ہونا جائز ہے (چونکہ موجود و حادث ہونے کی صورت میں وہ جسم ہوتا ہے، اس لئے معدوم و غیر موجود ہونے کی صورت میں بھی وہ جسم ہی ہوتا ہے)۔ لیکن الخیاط کے نزدیک یہ بات جائز نہیں ہے کہ ''معدوم'' متحرک ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کا اپنے حدوث (حادث ہونے) کی صورت میں متحرک ہونا جائز نہیں ہے۔ اسی دعویٰ کی اساس پر الخیاط نے یہ اصول قائم کیا کہ: ''جسم کے لئے حالت حدوث میں جن اوصاف کا اثبات جائز ہے، وہ اوصاف اس کے لئے حالت عدم میں بھی ثابت ہوتے ہیں۔''

### خیاط پر اعتراض:

اس توجیہہ کی بناء پر الخیاط پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ: انسان اپنے حدوث (تخلیق) سے پہلے بھی انسان ہو، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اسے مکمل انسان کی صورت میں پیدا کرتا، اسے آباء کی اصلاب (صلب)، امہات کے ارحام (رحم) میں منتقل نہ کرتا اور اسے ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل نہ کرتا اور ان تمام مراحل سے نہ بھی گزارتا، تو یہ بات صحیح اور درست ہوتی۔

### الخیاطیہ، المعدومیہ ہیں:

ان الخیاطیہ کو ''المعدومیہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ ''معدوم'' کو بکثرت و بہ افراط، موجودات کے اوصاف سے متصف کرتے ہیں۔ یقیناً یہ لقب (معدوم) ان کے حسب حال ہے۔

**الجبائی کا اعتراض:**

الجبائی نے الخیاط کے اس قول کی کہ ''جسم اپنے حدوث سے پہلے بھی جسم ہوتا ہے'' ایک علیحدہ کتاب میں تردید کی ہے اور اس کے تضاد کو واضح کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ الخیاط کے قول سے اجسام کے قدیم ہونے (قدم اجسام) کا عقیدہ قائم ہو جائے گا اور اجسام کو قدیم ماننا پڑے گا۔

**الجبائی پر اعتراض:**

الجبائی نے جو یہ الزام الخیاط پر لگایا ہے، یہی الزام اس کے اور اس کے بیٹے کے خلاف بھی عائد ہوتا ہے، کیونکہ وہ دونوں یہ کہتے ہیں کہ: جواہر اور اعراض حالت عدم میں بھی جواہر اور اعراض تھیں۔ اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ: وہ ازل سے اعیان، جواہر اور اعراض تھے اور ان کا حدوث (تخلیق) ان کے ''اعیان'' کے سوا کسی اور ''معنیٰ'' کے لئے نہیں ہے، تو دونوں باپ بیٹے کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ (جواہر و اعراض) ازل میں موجود تھے۔ اس طرح سے یہ لوگ ان لوگوں کے ہم خیال ٹھہرے جو جواہر اور اعراض کو قدیم مانتے ہیں۔

**الخیاط اخبار احاد کی حجیت کا منکر تھا:**

الخیاط، مسائل قدر اور عقیدۂ معدومات میں اپنی گمراہیوں کے ساتھ ساتھ، اخبار احاد کی حجیت کا منکر تھا اور انہیں حجت شرعی نہیں مانتا تھا۔ اس انکار سے اس کا صرف یہ مقصد تھا کہ وہ اکثر احکام شریعت کا انکار کردے اور شریعت کو باطل ٹھہرائے۔ کیونکہ فقہ کے اکثر فرائض و واجبات کی بنیاد یہی اخبار احاد ہیں۔

**الکعبی کا الخیاط پر اعتراض:**

الکعبی نے اپنے استاد الخیاط کے رد میں ایک کتاب تحریر کی ہے، جس میں اخبار احاد کے حجت شرعی ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں اور جو لوگ انہیں حجت شرعیہ نہیں مانتے انہیں گمراہ اور بدعقیدہ قرار دیا ہے۔

## الکعبی پر نکیر:

ہم (عبدالقاہر) الکعبی سے کہتے ہیں کہ: یہی رسوائی اور بے شرمی تمہارے لئے کافی ہے کہ تم اپنے کو ایسے استاد کی جانب منسوب کرتے ہو، جس کی گمراہیوں اور بدعقیدگیوں کا تمہیں بھی اقرار ہے (یعنی الکعبی الخیاط کا شاگرد ہے، اسے اس نسبت پر فخر بھی ہے، مگر انکار حجیت اخبار احاد پر اسے ضال ومضل قرار دیتا ہے، سو یہ بہت بڑی رسوائی اور بے شرمی ہے)۔

## ۱۶۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الکعبیہ:

یہ لوگ متبع ہیں ابوالقاسم ۲۸ عبداللہ بن احمد بن محمود البلخی کے۔ یہ شخص الکعبی کی نسبت سے مشہور ہے۔ الکعبی رطب و یابس جمع کرنے والا حاطب اللیل تھا۔ مختلف علوم میں خصوصاً وعموماً اسے دعویٰ کمال تھا، لیکن ان علوم کے اسرار و رموز سے بالکل بے بہرہ تھا۔ ان علوم کے ظاہری مطالب و معانی پر بھی اسے کسی قسم کی دسترس حاصل نہ تھی۔ چہ جائیکہ وہ ان کے غوامض سے بہرہ مند ہوتا۔ اس نے بصرہ کے معتزلہ کے عقائد وافکار سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ (ان میں سے بعض کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں):۔

### اللہ کسی شئے کو نہیں دیکھتا:

۱۔ بصرہ کے اہل اعتزال اس مسئلہ میں متفق الخیال ہیں کہ اللہ نے از قسم اجسام والوان جو خلق کیا ہے انہیں وہ دیکھتا ہے، لیکن وہ اس بات کے انکاری ہیں کہ اللہ اپنے کو دیکھتا ہے اسی طرح وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ اسے کوئی دوسرا دیکھ سکتا ہے۔ لیکن الکعبی کا قول ہے کہ: اللہ تعالیٰ نہ خود کو دیکھتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو دیکھتا ہے، مگر اس مفہوم و معنی میں کہ اسے اپنی ذات اور اپنے غیر کا علم حاصل ہے۔ یوں اس نے النظام کے اس قول کی پیروی کی ہے کہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ کسی شئے کو نہیں دیکھتا ہے۔

### اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر مختلف معنوں میں ہے:

۲۔ بصرہ کے معتزلی اور ہمارے اصحاب (اشاعرہ) کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں

کلام اور اصوات کو سنتا ہے نہ کہ اس معنی میں کہ وہ کلام و اصوات کا عالم ہے۔ الکعبی اور بغداد کے معتزلی متکلمین کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ اس معنی و مفہوم میں کہ جو چیز ''سمع'' کہلاتی ہے وہ اس کا ادراک کرتا ہے، وہ کچھ بھی نہیں سنتا ہے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ کو ''سمیع'' و ''بصیر'' کہا جاتا ہے اس کی یہ لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ: وہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسموعات کا علیم ہے جو سنی جاتی ہیں اور ان مرئیات کا علیم ہے جنہیں اس کا غیر دیکھتا ہے۔

## اللہ کا کوئی ارادہ نہیں:

۳۔ معتزلۂ بصرہ اور ہمارے اصحاب (اشاعرہ) یہ کہتے ہیں کہ: اللہ عزوجل حقیقت میں مرید (ارادہ کرنے والا) ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ: اللہ ہمیشہ سے ارادۂ ازلیہ کے ساتھ مرید ہے۔ اور معتزلہ بصرہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس ارادہ سے مرید ہے جو ''لا فی محل'' میں حادث ہوتا ہے۔ مگر الکعبی، النظام اور ان دونوں کے متبعین ان دونوں اقوال سے دست کش ہو گئے اور انہوں نے یہ کہا کہ: درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل سے کسی شئی کا ارادہ کیا'' تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے انہیں کیا ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں سے کسی فعل کا ارادہ کیا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کا حکم دیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو ''ارادہ'' سے متصف کرنا بر سبیل مجاز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ''جدار'' (دیوار) کو ارادہ کے ساتھ متصف کیا ہے کہ: ''اس نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کا ارادہ کر رہی تھی (گرا ہی چاہتی تھی) اس نے اس کو کھڑا کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے اس سے کہا کہ اگر تم چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے سکتے تھے (القرآن، سورۃ الکہف، آیت ۷۷)''۔ یہاں دیوار کا ارادہ کے ساتھ اتصاف مجازاً ہے۔ اللہ عزوجل کے ارادہ کی نفی کے سبب ان لوگوں کو بصرہ کے معتزلی علماء اور ہمارے اصحاب نے کافر قرار دیا ہے۔

## مقتول میت نہیں ہے:

۴۔ الکعبی کا یہ مزعومہ ہے کہ جس کو قتل کر دیا جائے وہ ''میت'' (مردہ) نہیں ہے۔ یہ بات

اللہ تعالیٰ کے اس قول کے خلاف ہے کہ: ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ (القرآن، سورۂ آل عمران، آیت ۱۸)'' امت کے تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ ''مقتول'' ''میت'' ہے۔ بھلا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ کوئی مقتول بھی ہو اور ساتھ ہی میت بھی نہ ہو۔

## اللہ پر فعل اصلح واجب ہے:

۵۔ الکعبی ان لوگوں کا ہم عقیدہ ہے جو تکلیف کے مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لازم و واجب ٹھہراتے ہیں کہ وہ ''اصلح'' کرے۔

## استطاعت کیا ہے؟:

۶۔ معتزلہ بصرہ اور ہمارے اصحاب (اشاعرہ) کہتے ہیں کہ: استطاعت ایسے معنی میں جو بدن کی صحت اور آفات سے اس کی سلامتی کے سوا ہیں۔ مگر الکعبی کا یہ قول ہے کہ: استطاعت صحت اور سلامتی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

## معتزلہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں:

بصرہ کے مدرسہ اعتزال سے تعلق رکھنے والے متکلمین، بغداد کے مسلک، اعتزال سے وابستہ علماء کلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بغدادی، بصریوں کو کافر ٹھہراتے ہیں۔ ہمارے خیال میں فریقین میں سے دونوں ہی ایک دوسرے کو کافر قرار دینے میں برسرحق اور برسرصواب ہیں۔ ہم نے اسے اپنی کتاب بنام ''فضائح القدریہ'' میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔

## ۱۷۔ القدریہ المعتزلہ کا فرقہ الجُبّائیہ:

ابوعلی الجبائی ۲۹ کے متبعین کا یہ گروہ ہے۔ اس شخص نے خوزستان کے باشندوں کو گمراہ کیا اور بصرہ کے معتزلی اس کے حین حیات اس کے مسلک پر قائم تھے، اس کے بعد وہ لوگ اس کے بیٹے ابوہاشم کے مذہب کی جانب منتقل ہو گئے۔

## اطاعت ارادۂ الٰہی کی موافقت کا نام ہے:

الجبائی کے گمراہ کن عقائد میں سے یہ عقیدہ ہے کہ: اس نے اللہ عزوجل کو اپنے بندے کا

مطیع کہا ہے، کیونکہ وہ بندے کی ''مراد'' کو سرانجام دیتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ الجبائی نے ایک دن ہمارے (اشاعرہ کے) شیخ ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''تمہارے خیال میں طاعت کے کیا معنی ہیں؟'' (اشعری نے) کہا: ''امر الٰہی کی موافقت کرنا'' بعدازاں (اشعری نے، الجبائی سے) اس کی رائے پوچھی۔ الجبائی نے جواب دیا: ''میرے نزدیک طاعت کی حقیقت ارادۂ الٰہی کی موافقت ہے، اور جس کسی نے اپنے غیر کی مراد کو کیا، اس نے اس کی اطاعت کی''۔ (یہ سن کر) ہمارے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''اس اصول پر آپ پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی حسب مراد کوئی فعل سرانجام دے، تو وہ اس کا مطیع ہوگا''۔ یہ سن کر الجبائی لاجواب ہوگیا۔ پھر اس سے ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''آپ نے مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کی اور رب العالمین کے ساتھ کفر کا ارتکاب کیا۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ مطیع ہوتا ہے، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ بندہ کے حضور جھک بھی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند و برتر ہے۔''

## اسماء الٰہی قیاسی ہیں:

۲۔ الجبائی نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء بر بنائے قیاس ہیں۔ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے ہر فعل سے جو وہ کرتا ہے، اس کے لئے ایک نام مشتق کرنا جائز ہے۔ ہمارے شیخ ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ: ''اس قاعدہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا نام ''مُحبِل النساء'' (عورتوں کو حاملہ کرنے والا) رکھنا پڑے گا، کیونکہ وہی عورتوں میں حمل پیدا کرتا ہے''۔ اس سے بھی الجبائی لاجواب ہوگیا۔ اب (الاشعری نے الجبائی سے) کہا: ''آپ کی یہ جماعت نصاریٰ کی ضلالت سے بھی زیادہ بری ہے، جو اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ کا باپ کہتے ہیں، مگر اس بات سے رکتے ہیں کہ وہ مریم کو حاملہ کرنے والا ہے''۔

## ایک عرض بہت سے مکانات میں موجود ہوسکتی ہے:

۳۔ الجبائی کی گمراہیوں میں سے یہ گمراہی بھی ہے کہ اس کے خیال میں ایک ''عرض''

بہت سے مکانات، بلکہ دسیوں لاکھ جگہوں میں موجود ہو سکتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس نے ایک کلام کو دس لاکھ جگہوں میں ہونے کا اعادہ کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ ایک محل (جگہ) میں لکھا ہوا کلام، اگر دوسرے محل میں لکھا جائے تو وہ دو محلوں (جگہوں) میں موجود ہوگا، اور یہ عمل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے بغیر اور محل ثانی میں حدوث کے بغیر ہوگا۔ یہی صورت حال اس وقت بھی ہوگی جب یہ کلام ایک ہزار یا دس لاکھ ''محل'' میں لکھا جائے۔

## اللہ تعالیٰ اجسام کو الگ الگ فنا کرنے پر قادر نہیں:

۴۔ الجبائی اور اس کے فرزند ابو ہاشم نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ دنیا کو فناء کرنے کا ارادہ کرے گا، تو ایسی ''عرض'' کو پیدا کرے گا جو کسی ''محل'' میں نہ ہوگی (لا فی محل) اور اسی سے تمام ''اجسام'' و ''جواہر'' کو فناء کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ''قدرت'' کے بارے میں یہ بات صحیح نہ ہوگی کہ وہ بعض ''جواہر'' کو فناء کر دے اور بعض ''جواہر'' کو باقی رکھے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے ان (اجسام و جواہر) کو الگ الگ پیدا کیا ہے، لیکن وہ انہیں الگ الگ فناء کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

## حکم الٰہی اس کی مشیت سے سرزد ہوتا ہے:

۵۔ بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے الجبائی سے کہا: چونکہ آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن تمام باتوں کا حکم دیا ہے وہ اس کی مشیت سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چاہا ہے کہ وہ برپا ہوں، اب ذرا اس شخص کے متعلق بتایئے جس کا کسی پر کوئی حق ہے جس کی ادائیگی میں وہ ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے، اور اس سے یہ کہے کہ: ''بخدا میں کل تیرا حق اداء کر دوں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا (انشاء اللہ)''۔ مگر وہ کل پر موقوف اس کے حق کو اسے نہیں دیتا۔ اب اس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ الجبائی نے یہ جواب دیا کہ: اسے اپنی اس قسم پر کفارہ ادا کرنا ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ وہ اپنے ہر واجب حق کو ادا کر دے۔'' اس پر الاشعری نے اس سے کہا: ''آپ سے پہلے مسلمانوں کا جو اجماع ہو چکا ہے، آپ نے اس

کے خلاف بات کی ہے، کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کسی نے اپنی قسم کے ساتھ ''انشاء اللہ'' کو شامل کر لیا تو اس نے قسم نہ توڑی اور اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اپنی قسم کو ''انشاء اللہ'' کے ساتھ نہ ملائے تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا''۔

۱۸۔القدریہ المعتزلہ کا فرقہ اَلبَهشَمِيَّہ :

یہ فرقہ پیرو ہے ابو ہاشم ۳۰۲ کا، جو الجبائی کا بیٹا تھا۔ ہمارے زمانہ کے اکثر معتزلہ اسی ابو ہاشم کے مسلک پر ہیں، کیونکہ آل بویہہ کے وزیر ابن عباد ۳۸۵ نے اس مسلک کو قبول کر کے لوگوں کو اس میں شمولیت کی دعوت دی تھی۔ (اور اس کے اثر سے بہت سے لوگ ابو ہاشم کے ہم مسلک ہو گئے)۔ اس گروہ کو ''الذمیۃ'' بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی فعل کے بغیر بھی بندہ ذم (مذمت) کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ لوگ معتزلہ کی اکثر گمراہیوں میں ان کے شریک اور ان سے متفق ہیں، مگر کچھ فضائح میں ان سے منفرد ہیں، جن کی طرف پہلے معتزلہ نے سبقت نہ کی تھی۔

(بہشمیہ کے گمراہ کن خیالات میں سے چند کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں):۔

## کسی فعل کے بغیر مذمت کا استحقاق............فضیحت اوّل:

آدمی کسی فعل کے بغیر بھی مذمت اور عذاب کا مستحق ہو سکتا ہے۔ وہ یوں کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ: قادر (صاحب قدرت شخص) کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ فعل سے خالی ہو اور رکاوٹوں کے اٹھ جانے کے باوجود فعل کو ترک کر دے، اس خیال کے اظہار کی ضرورت انہیں اس لئے پیش آئی کہ ہمارے اصحاب (اشاعرہ) نے ان پر یہ اعتراض کیا تھا کہ: جب تم نے فعل پر استطاعت کے مقدم ہونے کو جائز قرار دیا ہے، تو تم پر یہ لازم آتا ہے کہ دونوں وقتوں اور کثیر اوقات کے مابین، جن میں استطاعت فعل مقدم ہوتی ہے، تسویہ کرو۔ اس اعتراض کے جواب میں معتزلہ میں اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ کچھ معتزلی متکلمین نے اس رائے کا اظہار کیا کہ: حدوثِ استطاعت کی حالت سے حدوثِ فعل کے وقت تک کی دوسری حالت میں استطاعت سے فعل یا

اس کی ضد کا وقوع واجب ہوتا ہے اور یہ فعل کا وقوع یا اس کی ضد کا وقوع، رکاوٹوں کے عدم اور نہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ معتزلی متکلمین یہ بھی کہتے ہیں کہ: انسان کی فعل پر قدرت، اس کے حدوث کی حالت میں نہیں ہوتی، دوسرے معتزلی متکلمین کے ہاں، قدرت نہ ہونے کی حالت میں و نیز حدوثِ عجز کی حالت میں، کہ اس قدرت کی ضد ہے جو اپنے وجود کے بعد معدوم ہوگئی ہے، فعل کا حدوث جائز ہے۔ جب ابوہاشم ابن الجبائی نے یہ دیکھا کہ فعل پر استطاعت کے تقدم کو جائز تسلیم کرنے کی صورت میں دو وقتوں اور اوقات کثیرہ کے مابین تسویہ کرنا پڑے گا اور یہ ایسا اعتراض ہے جس سے معتزلہ صحیح طور سے عہدہ برآ نہ ہو پائیں گے، تو اس نے اس امر کو جائز قرار دیا کہ: اسباب کی کثرت اور موانع کے دور ہو جانے کے ساتھ ساتھ مستطیع ہمیشہ قدرت کے ساتھ باقی رہتا ہے، ہرچند کہ وہ فعل اور ترک فعل سے خالی و فارغ ہی کیوں نہ ہو۔ اس رائے پر ابوہاشم پر یہ اعتراض کیا گیا کہ: اس امر کی بناء پر اگر یہ صاحب قدرت شخص مکلّف تھا اور اپنی قدرت سے فعل طاعت کو سرانجام دینے سے پہلے ہی مر گیا، تو اس کا کیا حال ہوگا؟ ابوہاشم نے یہ جواب دیا کہ: وہ مذمت اور عذاب کا سزاوار ہوگا، کسی فعل کے سبب سے نہیں، بلکہ اس لئے کہ اسباب کی کثرت اور موانع کے دور ہو جانے کے باوجود، قدرت ہوتے ہوئے اس نے وہ نہ کیا جس کا اس کو حکم دیا گیا تھا۔ (اس جواب پر) ابوہاشم سے یہ کہا گیا کہ: وہ شخص وہ نہ کر کے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا، کیسے عذاب کا مستحق ٹھہر سکتا ہے، اس نے تو وہ بھی نہ کیا جس سے اس کو روکا گیا تھا، اگر جس فعل سے اسے منع کیا گیا تھا، اسے ترک کرنے پر وہ ثواب کا حق دار نہ ہوگا، تو جس فعل کے کرنے کا اسے حکم دیا گیا تھا، اسے نہ کرنے پر اس کو عذاب کیسے دیا جا سکتا ہے؟

معتزلہ ابوہاشم کی تکفیر کرتے ہیں:

ابوہاشم کے اسلاف معتزلہ ان لوگوں کو کافر ٹھہراتے تھے جو یہ کہتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ عاصی (گناہ گار) کو ایسی معصیت کے اکتساب پر جسے اس نے اختراع نہیں کیا ہے، عذاب دے گا۔

ابو ہاشم کے ان خیالات کے بعد کہ: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عذاب دے گا، جس نے نہ تو اپنے فعل سے نہ کسی اور کے فعل سے کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہے، معتزلی علماء یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ابو ہاشم کی تکفیر اس ضمن میں ضروری اور اولیٰ ہے۔

ابو ہاشم پر اعتراض:

دوسری بات یہ ہے کہ ابو ہاشم نے اس شخص کو عاصی کا نام دیا ہے جس نے وہ نہ کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اور اس نے مطیع کے نام کا صرف اس پر اطلاق کیا ہے جس نے طاعت کی۔ اگر کسی شخص کو کسی معصیت کے ارتکاب کے بغیر ''عاصی'' کا نام دینا صحیح ہے، تو یہ بات بھی درست ہوگی کہ ایک شخص کسی طاعت کے بغیر بھی مطیع کہلائے اور ایک آدمی کسی کفر کے ارتکاب کے بغیر کافر کے نام سے موسوم کیا جائے۔

ابو ہاشم کی ژولیدہ فکری:

ان مکروہ بدعات کے ساتھ ساتھ ابو ہاشم نے یہ بھی کہا ہے کہ: اگر اس مرد مکلّف کے حالات متغیر ہو جائیں اور وہ کسی قبیح تغیر سے دوچار ہو جائے، تو ایسی صورت میں اس پر دوگونہ عذاب ہوگا۔ ایک عذاب تو اس برائی کے سبب ہوگا جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے، دوسرا عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ اس نے وہ اچھائی نہ کی، جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ (اسی طرح) اگر مرد مکلّف کے حالات بہتر ہو جائیں، اس میں تغیر حسن رونما ہو جائے، اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام جیسے افعال سرانجام دے، مگر وہ کوئی ایسا کام نہ کر پائے جس کے کرنے کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نہ ہی اس فعل کے متضاد کوئی کام سرانجام دے، تو وہ دشمن ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

ابو ہاشم کی تکفیر:

ان تینوں مقامات و مواضع میں تمام معتزلی علماء ابو ہاشم کی تکفیر کرتے ہیں:۔

۱۔ کسی فعل کے بغیر بندہ مستحق عذاب ہوتا ہے۔

۲۔ اگر بندہ میں بُرے اور قبیح تغیرات پیدا ہو جائیں تو وہ دوگونہ عذاب کا سزاوار ہوگا۔

۳۔ اگر وہ بندہ اچھے حال اور حسن تغیر میں بدل گیا اور انبیاء علیہم السلام جیسی اطاعت کی مگر اس نے کسی ایک فعل میں یا اس کی ضد میں وہ نہ کیا جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو ایسا شخص خلود فی النار کا مستحق ہوگا۔

ابو ہاشم پر اعتراض:

ہمارے اصحاب (اشاعرہ) نے ابو ہاشم پر اس کے قول عذاب دوگونہ کی بنیاد پر حدود کے اجراء کے ضمن میں، اس پر یہ اعتراض کیا کہ اس صورت میں گناہ گار پر دو حدیں جاری ہوں گی، ایک تو زنا کی حد جس کا اس نے ارتکاب کیا اور دوسری حد اس گناہ کی وجہ سے کہ اس نے ان امور کو انجام نہ دیا جو ترک زنا کے ضمن میں اس پر واجب تھے۔ یہی بات قذف، قصاص اور شراب خوری کی سزاؤں میں لازم آئے گی۔ اس قیاس پر یہ لازم ٹھہرے گا کہ ماہ رمضان میں روزہ توڑنے پر دو کفارے ادا کرنے پڑیں، ایک روزہ توڑنے کی وجہ سے جس پر کفارہ واجب ہوتا ہے، دوسرا کفارہ اس وجہ سے اس پر واجب ہوگا کہ اس نے وہ نہ کیا جو روزہ کے سلسلہ میں اس پر لازم تھا اور وہ روزہ توڑنے سے باز نہ رہا۔

عذر گناہ بدتر از گناہ:

جب ابن الجبائی نے یہ دیکھا کہ اس پر اپنے مبتدعانہ افکار کی وجہ سے یہ اعتراضات وارد ہو رہے ہیں، تو اس نے فعل واحد کے ارتکاب پر دو حدود اور دو کفاروں کے واجب آنے سے بچنے کی غرض سے وہ راستہ اختیار کیا جو اس کی پہلی بدعت سے بھی بڑھ کر رسوا کن اور فضیحت زا تھا۔ اس نے کہا: بندہ کو زنا، شراب اور قذف سے منع کیا گیا ہے، مگر جہاں تک ان افعال بد کے ترک کرنے کا معاملہ ہے، تو وہ اس پر واجب نہیں ہے۔

عذاب کی اقساط:

ابن الجبائی پر یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ اس طور سے بندہ پر عذاب کی تین قسطیں یا اتنی زیادہ قسطیں جن کی کوئی حد و انتہاء نہ ہوگی، واجب ٹھہریں گی۔ کیونکہ اس کے نزدیک افعال

متولدہ میں دو گونہ عذاب ہوگا، ایک تو اس سبب سے کہ اس نے اسے انجام نہ دیا، اور دوسرا عذاب اس وجہ سے کہ اس نے اس فعل کے سبب کو نہ کیا۔ ہم نے بہت سے ایسے مُسَبَّبات کو پایا ہے، جو اس کے نزدیک بہت سے اسباب سے متولد اور فعل سے مقدم ہوتے ہیں۔ مثلاً تیر کا اپنے ہدف پر ٹھیک ٹھیک پہنچنا۔ یہ فعل ابو ہاشم کے خیال میں تیر انداز کی بہت ساری حرکات سے متولد ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر حرکت ایک سبب ہے تا آنکہ تیر نشانہ پر نہ لگ جائے۔ اگر ایسی سو حرکات ہوں تو وہ سب کی سب تیر کے ہدف پر ٹھیک لگنے کا سبب ہوں گی۔ اب ابو ہاشم کے قائم کردہ اصول کی بناء پر یہ بات لازم آئے گی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بندہ کو نشانہ پر ٹھیک ٹھیک تیر مارنے کا حکم دیا اور اس نے اس حکم پر عمل نہ کیا، تو وہ عذاب کی ایک سو اقساط اور ایک دوسری قسط کا مستحق ٹھہرے گا، ایک قسط عذاب تو اس لئے واجب ہوئی کہ اس نے تیر کو نشانہ پر ٹھیک ٹھیک مارنے کے حکم پر عمل نہ کیا اور سو اقساط عذاب اس وجہ سے اس واجب ٹھہریں کہ اس نے ان حرکات کو نہ سرانجام دیا۔

## عذاب دو گونہ:

نیز ابو ہاشم ابن الجبائی کے اس اصول میں یہ بھی ہے کہ: اگر بندہ کو "کلام" کا حکم دیا جائے اور اس نے اسے نہ کیا، تو اس پر اسے دو گونہ عذاب ہوگا۔ ایک عذاب تو اسے لئے کہ اس نے "کلام" نہ کیا، اور دوسرا عذاب اس بناء پر کہ اس نے اس کے سبب کو نہ کیا۔ اگر وہ کلام کے سبب کا الٹ (ضد) کرتا، تو دو گونہ عذاب کا سزاوار ٹھہرتا۔ اور یہ بات ابو ہاشم کے نزدیک اس سبب کی قائم مقام ہے جسے اس نے نہیں کیا۔ ہم (اشاعرہ) ابو ہاشم سے یہ کہتے ہیں کہ: بندہ تین قسطوں کا مستحق کیوں نہ ٹھہرا؟ ایک قسط کلام نہ کرنے کے سبب سے، دوسری قسط اس کے سبب کے نہ کرنے کی وجہ سے، اور تیسری اس لئے کہ اس نے کلام کے سبب کی ضد کو سرانجام دیا۔

## ابو ہاشم کی ژولیدہ خیالی:

ہمارے (مصنف کے) بعض اصحاب (اشاعرہ) نے ابو ہاشم ابن الجبائی کے متعلق یہ کہا ہے کہ: وہ صرف ترک کلام کے بارے میں دو گونہ عذاب کو واجب ٹھہراتا تھا لیکن

ابو ہاشم نے اپنی کتاب بنام ''استحقاق الذم'' میں اس کے خلاف بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: ''ہر وہ فعل جس کا ایک ''مخصوص ترک'' ہے، اس کا حکم وہی ہے جو ''سبب کلام'' کا حکم ہے، لیکن جس فعل کا کوئی مخصوص ترک نہیں، اس کا حکم ''ترک عطیۂ واجبہ'' کا ہے، مثلاً زکوٰۃ، کفارہ، ادائے قرض اور ردِ مظالم (غصب کردہ حق کی واپسی اور دادرسی وغیرہ)۔ ابو ہاشم کا اس سے مقصد یہ ہے کہ: وہ زکوٰۃ کفارہ اور ان جیسی دوسری چیزیں، کسی مخصوص جارحہ (ظاہری عضو) سے واقع نہیں ہوتیں اور ان کا کوئی ایک ''مخصوص ترک'' نہیں ہے بلکہ اگر بندہ نماز پڑھے، یا حج کرے یا ان کے علاوہ کوئی فعل سرانجام دے، تو یہ سارے افعال ''ترکِ زکوٰۃ'' ہوں گے۔ جبکہ کلام کے ترک کا سبب مخصوص ہوتا ہے، اس لئے اسے ترک کرنا قبیح اور بُرا ہے۔ اگر بندہ ''سبب کلام'' کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے ایک عذاب کا مستحق ٹھہرے گا؟ مگر ''عطیہ'' کے لئے کوئی برا اور قبیح ترک نہیں، اس لئے اس پر بندہ عذاب کی دوسری قسط کا مستحق نہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ اسے (زکوٰۃ، صلوٰۃ، حج، کفارہ، ادائے قرض اور واپسی اموال مغصوبہ) ادا نہ کرنے کے باعث مذمت کا حق دار ٹھہرے گا۔

ابو ہاشم پر اعتراض:

(اس فکر پر) ابو ہاشم پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ: اگر ترک زکوٰۃ یا ترک صلوٰۃ قبیح نہیں ہے، تو یہ بات واجب ہوگی کہ وہ حسن (اچھا) ہو۔ یہ عقیدہ دین اسلام سے خارج ہو جانے کا سبب ہے اور جس فکر سے اس کی جانب رہنمائی ہوتی ہو وہ بھی اسی کی طرح دین سے خروج کا سبب ہے۔

تضاد خیالی:

اس ضمن میں ابو ہاشم کے متضاد خیالات میں سے یہ بات ہے کہ: اس نے اس شخص کو ''ظالم'' کے نام سے موسوم کیا ہے جس نے ان امور کو ادا نہ کیا جو اس پر واجب ہیں۔ خواہ اس شخص سے کوئی ظلم سرزد نہ ہوا ہو اور اس نے کوئی ظلم نہ کیا ہو۔ اسی طرح ابو ہاشم نے اس شخص کو کافر اور فاسق کے نام سے موسوم کیا ہے مگر اسے ''عاصی'' کہنے سے توقف کیا ہے، یوں اس امر کو

جائز ٹھہرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندہ کو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رکھے جو ''عاصی'' کے نام سے پکارے جانے کا مستحق نہ ہو۔ حالانکہ ایسے بندہ کو فاسق و کافر کا نام دینا اس امر کو متلزم ہے کہ اسے ''عاصی'' سے موسوم کیا جائے۔ اگر ابو ہاشم ایسے بندہ کو عاصی کہنے سے رکتا ہے تو اسے فاسق اور کافر کے نام دینے سے بھی اسے رک جانا چاہیئے (کیونکہ ہر کافر فاسق بھی ہوتا ہے اور عاصی بھی، اور بعض فاسق کافر ہوتے ہیں اور بعض عاصی بھی کافر ہوتے ہیں)۔

## کیا جزا و ثواب میں فرق ہے؟:

اس سلسلہ میں ابو ہاشم بن الجبائی کے متناقض افکار میں سے وہ مسئلہ ہے جس میں اس نے اجماعِ امت کی مخالفت کی ہے اور تمام امت سے منفرد رائے کا اظہار کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس نے ''جزاء'' اور ''ثواب'' میں فرق کیا ہے۔ اس کا قول ہے کہ: یہ بات جائز ہے کہ جنت میں بہت سے ''ثواب'' ہوں کہ ''جزاء'' نہ ہوں۔ اس طرح دوزخ میں بہت سارے ''عذاب'' ہوں، جو ''جزاء'' نہ ہوں۔ (اس ثواب و عذاب کو ابو ہاشم) ''جزاء'' کا نام دینے سے اس لئے رکا ہے کہ ''جزاء'' (بدلہ) صرف کسی فعل کے نتیجہ میں ہوتی ہے اور اس کے خیال میں کبھی کبھی کسی فعل کے بغیر بھی عذاب ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ابو ہاشم سے یہ کہا گیا کہ: اگر ''جزاء'' صرف کسی فعل پر واجب ہوتی ہے تو پھر تم اس بات سے کیوں انکار کرتے ہو کہ کوئی ''ثواب'' یا کوئی ''عذاب'' صرف کسی فعل ہی پر ہوتا ہے؟

## فعل غیر پر استحقاق ذم و مدح ..........۲۔ فضیحت دوم:

ابو ہاشم کے بقول کبھی کبھی بندہ دوسرے کے فعل پر بھی ذم یا شکر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مثال کے طور پر اگر زید نامی شخص نے عمرو نامی شخص کو یہ حکم دیا کہ کسی کو کچھ عطیہ دے دے اور اس نے اسے وہ عطیہ دے دیا، تو (زید) غیر (عمرو) کے فعل پر عطیہ وصول کرنے والے شخص کی جانب سے اس عطیہ پر جو اس کے غیر (عمرو) کا فعل ہے، شکریہ کا حق دار ہے۔ اسی طرح اگر (زید) اسے (عمرو کو) کسی معصیت کا حکم دیتا ہے اور وہ اسے انجام دیتا ہے، تو وہ (زید)

نفس معصیت پر جو اس کے غیر (عمرو) کا فعل ہے، ذم کا مستحق نہیں ہوگا۔ ابو ہاشم کا یہ قول تمام فرقہ ہائے مسلمہ کے قول کی طرح نہیں ہے کہ: وہ شکر یا ذم کا مستحق اس غیر کو حکم دینے کے سبب سے ہوتا ہے اور اس فعل پر جو اس کے غیر کا فعل ہے اور جس کا اس نے صرف حکم دیا ہے، شکر یا ذم کا سزاوار نہیں ہوتا۔ اس بدعت ساز (ابو ہاشم) پر دو شکر یا دو مذمت واجب ہوتی ہیں، ایک اس حکم پر جو خود بندہ (زید) کا فعل ہے اور دوسرے اس چیز پر جس کا حکم دیا گیا ہے جو اس (زید) کے غیر (عمرو) کا فعل ہے۔ مگر یہ بات اس لئے درست نہیں قرار دی جاسکتی کہ ابو ہاشم اس بات کا قائل ہے کہ: اصحاب الکسب (اشاعرہ) کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اکساب کو پیدا کرتا ہے، پھر ان پر بندوں کو ثواب یا عذاب دیتا ہے، غلط ہے اور وہ اس قول کا انکاری ہے۔ نیز ابو ہاشم پر یہ بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ: اس اصول پر کہ دوسرے کے فعل پر بندہ ذم یا شکر کا مستحق ہوتا ہے۔ تم (خوارج کے فرقہ) الازارقہ کے اس قول کا انکار نہیں کرسکتے کہ: مشرک کے بچہ کو اللہ تعالیٰ اس کے باپ کے فعل پر عذاب دیتا ہے۔ اس سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اگر تم اسے جائز قرار دیتے ہو تو اس بات کو بھی جائز قرار دو کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فعل پر جو وہ بندہ کے فعل کے وقت کرتا ہے، ثواب و شکر کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ: آدمی کسی ایسے شخص کو، جو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا، پانی پلا دے اور کھانا کھلا دے، جس سے وہ موت سے بچ جائے، اسے پانی پلانے اور کھانا کھلانے والا آدمی زندگی، سیری و آسودگی پر شکر و ثواب کا مستحق ٹھہرے، حالانکہ یہ حیات، یہ سیری اور یہ آسودگی اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہے۔

## ۳۔ فضیحت سوم: ......... توبہ کے متعلق ابو ہاشم کی رائے

ابو ہاشم ''توبہ'' کے متعلق یہ کہتا ہے کہ: اگر کوئی شخص ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے، مگر دوسری بات کا، جسے وہ برا جانتا ہے یا اس کے برے ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے، خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو، مسلسل ارتکاب کرتا رہتا ہے، تو اس کی یہ توبہ صحیح اور درست نہ ہوگی۔ ابو ہاشم کا یہ بھی خیال ہے کہ: اگر آدمی ایک واجب الاداء دانہ کی ادائیگی سے بھی باز رہے، تو گناہوں سے اس کی توبہ

درست اور قابل قبول نہ ہوگی۔ اس نے اپنے ادعاء پر بطور دلیل یہ پیش کی ہے کہ: جس شخص نے کسی کے بیٹے کو جان سے مار ڈالا اور اپنی محرم عورتوں میں سے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا، اب اگر وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے اور دوسرے گناہ پر مصر رہتا ہے تو اس کی یہ توبہ قبول نہ ہوگی۔

## ابو ہاشم کی تردید:

(مصنف کہتے ہیں کہ): ابو ہاشم کا یہ دعویٰ جو بطور شاہد پیش کیا گیا ہے، درست نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات زیادہ مناسب ہوگی کہ ایک گناہ پر اس کی توبہ قبول کر لی جائے اور دوسرے گناہ پر اسے سزا دی جائے (نہ یہ کہ اس کی توبہ رد کر کے اسے دونوں گناہوں پر عذاب دیا جائے)۔ اس کی مثال یہ ہے کہ: امام کا بیٹا اس کی نافرمانی کرتا ہے، لوگوں کا مال چوری کر لیتا ہے اور اس کی لونڈیوں کے ساتھ حرام کاری (زنا) کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے باپ سے نافرمانی کی معذرت کرتا ہے، چنانچہ امام اس کی توبہ کو قبول کر لیتا اور نافرمانی پر اسے معاف کر دیتا ہے، مگر دوسروں کے اموال کے چوری کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا اور زنا کی حد و سزاء میں اسے کوڑے مارتا ہے (یہ بات قرین عقل و مصلحت ہوگی)۔

## فعل قبیح پر اصرار:

(ابو ہاشم) اس ضمن میں مزید کہتا ہے کہ: آدمی پر کسی فعل قبیح کا ترک کرنا اس کے قُبح کے باعث واجب ہے، اگر وہ کسی دوسرے قبیح فعل کے ارتکاب پر مصر رہتا ہے تو گویا اس نے پہلے قبیح فعل کو اس کے قُبح کے باعث ترک نہیں کیا ہے (اس لئے اسے اس پر توبہ کے باوجود عذاب دیا جائے گا)۔

## ابو ہاشم پر اعتراض:

ہم (عبدالقاہر) ابو ہاشم سے کہتے ہیں کہ: کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ اپنی ذات کے عذاب و سزا کو زائل و ختم کرنے کی وجہ سے فعل قبیح کو ترک کرنا واجب ہے؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو جس فعل قبیح سے آدمی نے توبہ کر لی اس کے عذاب و سزا سے اس کو نجات مل گئی،

ہر چند کہ اسے اس فعل قبیح کی سزا ملے گی جس سے اس نے توبہ نہیں کی۔

استدلال مزید:

ہم ابو ہاشم سے یہ بھی کہتے ہیں کہ: اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ یہی تو ہے کہ اپنے بعض گناہوں سے توبہ کرنے والے نے اسے توڑ دیا، اگرچہ اس نے اپنے اس گناہ سے اس کے قبح کے باعث توبہ کی تھی اور اس نے ایک دوسرے فعل قبیح کے ارتکاب پر اصرار کیا، تو جس گناہ سے اس نے توبہ کی تھی وہ توبہ صحیح و درست نہیں۔ مثلاً کوئی خارجی یا دوسرے فاسد عقائد رکھنے والا جو ان فاسد عقائد کو اچھا سمجھتا ہے، ایسے گناہوں سے جنہیں وہ قبیح خیال کرتا ہے توبہ کر لیتا ہے مگر اپنے ان فاسد عقائد پر جنہیں وہ حسن اور اچھا سمجھتا ہے، اصرار کرتا ہے اور ان پر قائم رہتا ہے، تو تمہارے نزدیک ان قبائح سے اس کی توبہ صحیح قرار پائے گی، جنہیں وہ قبیح خیال کرتا ہے، ہر چند کہ ان قبائح پر مصر رہتا ہے جن کو وہ حسن اور اچھا سمجھتا ہے۔ اسی طرح تمہارے اس اصول کی بناء پر کہ آدمی پر ہر اس فعل سے اجتناب واجب ہے، جسے وہ بُرا اور قبیح سمجھتا ہے، اگر کوئی ہمارا ہم عقیدہ شخص تمہارے (ابو ہاشم کے) مذہب کو قبیح سمجھتا ہے اور زنا اور چوری کرتا ہے، اس کی توبہ اس وقت تک درست نہ سمجھی جائے گی جب تک کہ وہ ان تمام باتوں کو ترک نہ کر دے جنہیں وہ بری خیال کرتا ہے، اس صورت میں وہ زنا اور چوری کے اجتناب اور ابو ہاشم کے سارے مذہب سے بیزاری پر انہیں قبیح سمجھنے کی بناء پر مامور ہوگا۔

ایک اور اعتراض:

ہمارے اصحاب نے ابو ہاشم سے اس یہودی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسلام قبول کر لیا اور تمام قبائح سے توبہ کر لی بجز اس کے کہ کسی مستحق کو ایک دانہ فضہ نہ دیا ہر چند کہ وہ نہ تو اسے جائز خیال کرتا ہے اور نہ اس کے واجب الاداء ہونے سے انکار کرتا ہے، کہ کیا اس کی کفر سے توبہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ابو ہاشم یہ کہے کہ یہ توبہ درست ہے تو اس نے خود ہی اپنی توجیہہ و تعلیل کو توڑ دیا اور اپنے موقف سے پھر گیا۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، تو اس نے اجماع امت کے خلاف رائے قائم کی ہے۔

ابو ہاشم کہتا ہے کہ اس یہودی کا اسلام صحیح نہیں ہے اور وہ کافر ہے اور اس یہودیت پر قائم ہے جس پر وہ اپنی توبہ سے پہلے تھا۔ اس کے باوجود اس یہودی پر ابو ہاشم کے نزدیک یہود کے احکام نافذ نہ ہوں گے کیونکہ اس کے بقول وہ اپنی یہودیت سے تائب نہیں ہوا ہے بلکہ وہ اس پر مصر ہے۔ حیرت ہے کہ اس کے بعد بھی وہ یہودی یہودی نہیں ہے۔

یہ قول واضح تضاد کا مظہر ہے۔ ابو ہاشم سے کہا گیا کہ: اگر وہ اپنی یہودیت پر قائم اور اس پر مصر ہے تو اس کے ذبیحہ کو مباح قرار دو اور اس سے جزیہ لو۔ اور یہ بات امت محمدی ﷺ کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

## حالت عجز میں توبہ درست نہیں ......... ۴۔ فضیحت چہارم:

توبہ سے متعلق ابو ہاشم کا یہ بھی قول ہے کہ ایسے گناہ سے توبہ درست نہیں ہے جس سے آدمی عاجز ہو جائے۔ چنانچہ اس کے خیال میں جس شخص کی زبان گنگ ہو جائے جھوٹ سے اس کی توبہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح جس شخص کا آلۂ تناسل کٹ جائے زنا سے اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

### ابو ہاشم پر اعتراض:

یہ بات ابو ہاشم سے پہلے امت کے تمام لوگوں کی رائے کے خلاف ہے۔ اس سے کہا جائے کہ: اگر ایسا شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اگر اس کی زبان ہوتی تو وہ جھوٹ بولتا اور اگر اس کے جواب میں ابو ہاشم ''ہاں'' کہے تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ: اگر ایسا آدمی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اگر اس کے پاس زنا اور جھوٹ کا آلہ (عضو) ہوتا، تو وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب نہ کرتا، تو کیا یہ اعتقاد اس کی جانب سے طاعت و توبہ نہ ہوگا؟

### ابو ہاشم وائم الخمر تھا:

وعید (عقاب و عذاب) کے ضمن میں اپنے حد سے بڑھے ہوئے عقائد کے باوصف، ابو ہاشم اپنے زمانہ کا فاسق و فاجر ترین شخص تھا۔ وہ شراب نوشی پر مصر تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ

مرا بھی نشہ کی حالت ہی میں۔ چنانچہ اس کے متعلق کسی مرجئی شاعر نے کہا ہے۔

''وہ (ابوہاشم) ارجاء (سزا میں تاخیر وعفو الٰہی) کے عقیدہ کی برائی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض رجاء (امید عفو) کو وہ جرم وگناہ سمجھتا ہے۔ مگر مرجہ (ارجاء کا عقیدہ رکھنے والے) سے بہت بڑا مجرم، وہ وعیدی (وعید وسزا کا عقیدہ رکھنے والا) ہے، جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر مصر رہتا ہے''۔

## ارادۂ مشروطہ.........۵۔ فضیحت پنجم:

''ارادۂ مشروطہ'' کے بارے میں ابوہاشم کا عقیدہ ہے کہ: یہ جائز نہیں ہے کہ ایک ہی شئی ایک اعتبار سے مراد اور دوسرے اعتبار سے مکروہ ہو۔ اس عقیدہ کو اسے اس سبب سے اختیار کرنا پڑا کہ: اس نے ان لوگوں کے خلاف کلام کیا جو ''کسب'' اور ''خلق'' میں ''جہات'' کے قائل ہیں۔ چنانچہ اس نے کہا: جو ''جہت'' کسب ہے وہ اس امر سے خالی نہیں ہے کہ وہ موجود یا معدوم ہو، اگر وہ وجہ ''معدوم'' ہو تو اس شئی واحد کے موجود یا معدوم ہونے کا اثبات ہوگا، اور اگر وہ وجہ ''موجود'' ہو، تو وہ اس بات سے خالی نہ ہوگی کہ وہ ''مخلوق'' ہو یا مخلوق نہ ہو۔ اگر وہ ''مخلوق'' ہے، تو یہ ثابت ہوگا کہ وہ ہر وجہ سے ''مخلوق'' ہو۔ اور اگر وہ ''مخلوق'' نہ ہو، تو فعل ایک وجہ سے ''قدیم'' اور ایک دوسری وجہ سے ''مخلوق'' قرار پائے گا۔ اور یہ محال ہے۔ اس بات سے ابوہاشم پر یہ لازم آیا کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ ایک ہی شئی ایک وجہ سے مراد اور دوسری وجہ سے مکروہ ٹھہرے۔

ابوہاشم سے یہ کہا گیا کہ: تمہارے نزدیک ''ارادہ'' شئی سے صرف جہت حدوث میں متعلق ہے، اسی طرح کراہت'' بھی شئی سے صرف حدوث کی جہت ہی تعلق رکھتی ہے۔ اب اگر وہ شئی ایک جہت سے ''مراد'' اور دوسری جہت سے ''مکروہ'' ہو، تو یہ واجب ہوگا کہ مرید (ارادہ کرنے والے) نے جس شئی کا ارادہ کرنا چاہا اس کا ارادہ کیا اور جس کا ارادہ کیا اسے مکروہ سمجھا، اور یہ بات متناقص اور باہم وگر ضد ہے۔ اس کے جواب میں ابوہاشم نے یہ کہا کہ: کسی شئی کا ارادہ کرنے والا، اس کا تمام وجوہ سے ارادہ کرنے والا ہوتا ہے یہاں تک کہ کسی ایک وجہ سے

بھی اسے مکروہ سمجھنا جائز نہیں ہوتا۔ اس قول کے باعث ابو ہاشم پر یہ لازم آیا کہ وہ ''معلوم'' اور ''مجہول'' کا قائل ہو، کیونکہ وہ اس امر سے انکار نہیں کر رہا ہے کہ ایک ہی شئی ایک وجہ سے ''معلوم'' اور دوسری وجہ سے ''معدوم'' ہو سکتی ہے۔

## معتزلہ کے اصول کا انہدام:

چونکہ ابو ہاشم نے یہ قول پیش کیا کہ ایک ہی شئی ایک وجہ (اعتبار) سے ''مراد'' اور دوسری وجہ (اعتبار) سے ''مکروہ'' نہیں ہوتی، اس لئے اس نے ایسے مسائل کو سر اٹھانے کا موقع فراہم کر دیا، جن سے معتزلہ کے اصول منہدم و باطل ہو جائیں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے اکثر مسائل میں اس میں انہدام کے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔

## شئی واحد مراد و مکروہ نہیں ہوتی:

ا۔ ابو ہاشم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے قبائح بھی ہوں، جنہیں اللہ تعالیٰ ''مکروہ'' نہ سمجھتا ہو، یا کچھ ایسے نہایت عمدہ محاسن ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی نہ کیا ہو۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ''سجدہ'' کرنا اس کی عبادت ہے اور بت کو ''سجدہ'' کرنا بت کی پرستش ہے۔ حالانکہ بت کی پرستش اور اسے ''سجدہ'' کرنا قبیح عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسے ''سجدہ'' کرنا حسن جمیل ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہو اور وہ یہ چاہے کہ یہ بات کہ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' محمد بن عبداللہ کے بارے میں ''خبر'' ہے، تو یہ بھی واجب ہوگا کہ اگر یہ قول کسی دوسرے ''محمد'' سے متعلق ہو، تو وہ اسے مکروہ اور برا نہ سمجھے، حالانکہ یہ بات کفر ہے۔ ابو ہاشم پر یہ لازم آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس بات کو مکروہ سمجھتا ہے کہ ''سجدہ'' بت کی پوجا ہے، تو اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی مراد نہ لے گو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، ایک ''طاعت حسن'' ہے۔ ابو ہاشم نے ان تمام باتوں کا ارتکاب کیا ہے اور اپنی کتاب ''الجامع الکبیر'' میں ذکر کیا ہے کہ: بت کے ''سجدہ'' کو اللہ تعالیٰ نے مکروہ نہیں جانا ہے۔ اس نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ایک ہی شئی دو مختلف وجوہ سے مراد و مکروہ ہو۔ اس نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ: ''جہاں تک (میرے والد) ابو علی (الجبائی) کا تعلق

ہے تو یہ بات (کہ شئی واحد ایک وجہ سے مراد اور دوسری وجہ سے مکروہ ہو) ان کے نزدیک جائز ہے، لیکن میرے خیال میں یہ کسی اصول پر مبنی نہیں ہے، کیونکہ میرے اور ان (ابوعلی الجبائی) کے نزدیک "ارادہ" کسی شئی کو صرف بطریق "حدوث" لیتا ہے، سو اگر اللہ تعالیٰ اس شئی کے حدوث کا ارادہ کرے اور اسے مکروہ اور برا بھی سمجھے تو یہ بات لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے جس شئی کا ارادہ کیا اسی کو مکروہ بھی گردانا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس شئی کے "دو حدوث" ہوں۔

## ابو ہاشم کا اعتراض غلط ہے:

ہمارے (اہل السنّت کے) اصول پر ابو ہاشم نے جو اضافہ کیا ہے اور اس کے خلاف جو استدلال کیا ہے وہ باطل ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں ارادہ "مراد" سے "حدوث" کے اعتبار سے اور "غیر وجہ حدوث" سے متعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح اس نے اپنے والد پر جو اعتراض کیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ ابو ہاشم کے اس الزام کا ایک جواب اور ایک قلب ہے (ابو ہاشم کے اصول پر الزامی جواب)۔

## ابو ہاشم کا جواب:

جواب یہ ہے کہ: (ابو ہاشم کے) والد (ابوعلی الجبائی) نے جو یہ کہا ہے کہ: ارادہ" شئی سے متعلق ہوتا ہے، تو وہ حدوث کے اعتبار سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ابو ہاشم نے خیال کیا ہے، بلکہ الجبائی کا اس سے مقصد یہ ہے کہ ارادہ شئی سے اس کے حدوث کی حالت میں یا تو اس کے حدوث سے متعلق ہوتا ہے یا ایسی صفت سے متعلق ہوتا ہے جس پر وہ شئی اپنے حدوث کی حالت میں ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ اس شئی کے حدوث کا ارادہ کرے اور یہ ارادہ بھی کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرماں برداری ہے۔ اور یہ ایک صفت ہے جس پر وہ شئی اپنے حدوث کی حالت میں ہوتی ہے۔ یہ بات ان لوگوں کے اس قول کے مانند ہے کہ: امر اور خبر، امر و خبر، ارادے سے بنتی ہیں۔ یہ ارادہ یا تو ابو ہاشم وغیرہ کے اصول کی رو سے، مامور بہ (جس کا حکم دیا گیا) کا ارادہ ہوتا ہے یا پھر (معتزلی عالم) ابن الاخشید [۳۳] کے بقول اس کے امر اور خبر

ہونے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''کہہ دیجئے کہ آپ کے رب کی جانب سے حق آ چکا ہے، سو جو چاہے ایمان لے آئے (القرآن، سورۃ الکھف، آیت ۲۹)''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ''حدوث'' کا ارادہ کیا ہے اور لوگوں سے ایمان کا ارادہ کیا ہے۔ مگر وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا قول ''ظہومن'' امر نہیں ہے، بلکہ وہ تہدید اور دھمکی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کے امر ہونے کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ اسی طرح معتزلی علماء کے ہاں خبر اس وقت تک خبر نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ یہ ارادہ نہ کرے کہ یہ (مثلاً) زید کے متعلق نہ کہ عمرو کے متعلق خبر ہے۔ ہر چند کہ یہ حدوث شئی کا ارادہ نہیں ہے۔ اس طور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ: اللہ تعالیٰ کا ''سجدہ'' کو بت کی پرستش کے لئے مکروہ اور بُرا سمجھنا، اس کے حدوث کے ارادہ کا غیر ہے۔ یوں ابو ہاشم نے اس ضمن میں جو اعتراض کیا ہے کہ ''سجدۂ صنم'' اس اعتبار (وجہ) سے جسے اللہ تعالیٰ نے مکروہ اور بُرا سمجھا ہے، مراد اور مستحسن ہو جائے گا، مندفع اور ختم ہو جاتا ہے۔

### الزامی جواب:

قلب یا الزامی جواب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ''سجود صنم'' (بت کو سجدہ کرنے) سے منع فرمایا ہے اور اسے نص قرآنی سے موکد کر دیا ہے اور معتزلہ کے اصول کے مطابق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ: اللہ تعالیٰ صرف کسی شئی کے حدوث کا حکم دیتا اور صرف اس کے حدوث سے منع کرتا ہے۔ نیز یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس نے اپنی عبادت کی غرض سے ''سجدہ'' کرنے کا حکم دیا ہے۔ یوں ابو ہاشم پر یہ تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی اعتبار سے سجدہ سے منع فرمایا ہے، جس اعتبار سے اس کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کسی شئی کے صرف احداث (حدوث) سے ہی منع کرتا ہے اور ''سجدہ'' کا صرف ایک ہی احداث ہے۔ اب اگر ''سجدہ'' کے دو حدوث مانے جائیں تو ابو ہاشم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک اعتبار سے محدث (حدوث کرنے والا) اور دوسرے اعتبار سے غیر محدث (حدوث نہ

کرنے والا) ہو۔ اس طرح امر و نہی کے مسائل میں ابو ہاشم اُسی اعتراض کا محل ٹھہرے گا، جس کا محل اس نے ''ارادہ'' اور ''کراہت'' میں اپنے والد (ابو علی الجبائی) اور النجار کو قرار دیا ہے۔

## ۶۔ فضیحت ششم: ............ احوال سے متعلق ابو ہاشم کا قول

ابو ہاشم کا چھٹا رسوا کن عقیدہ ''احوال'' کے بارے میں ہے۔ اس گمراہی پر تمام اسلامی فرقوں نے ہی نہیں بلکہ اس کے ہم خیال تمام معتزلہ نے بھی اسے کافر ٹھہرایا ہے

### اس عقیدہ کو اختیار کرنے کی وجہ:

اس عقیدہ کو اختیار کرنے پر اسے اس لئے مجبور ہونا پڑا کہ ہمارے اصحاب قدماء معتزلہ سے ہم میں سے عالم کے متعلق یہ پوچھتے تھے کہ: کیا اس نے جو کچھ جانا ہے اس میں جاہل سے اپنی ذات کے باعث یا کسی اور علت کے باعث مفارقت وعلیحدگی کر لی ہے؟ انہوں نے اس بات کو باطل ٹھہرایا ہے کہ اس (عالم) سے (جاہل کو) اپنی ذات کے باعث چھوڑا ہے کیونکہ وہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں، اور ان دونوں کے ایک جنس سے ہونے کے سبب سے اس کی یہ مفارقت اس کی ذات کے باعث ہو۔ یہ بھی باطل ہے اسے چھوڑ دینے اور اس کے مفارقت کا سبب نہ اس کی ذات کے سبب سے ہو اور نہ ہی کسی علت کے باعث ہو، باطل ہے؟۔ کیونکہ اس صورت میں اسے اس کی مفارقت پر کسی دوسرے سے زیادہ ترجیح نہ ہوگی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس (عالم) نے اس (جاہل) کو عالم ہونے میں کسی معنی کے سبب سے چھوڑا اور اس سے مفارقت اختیار کی ہے۔ چنانچہ یہ امر واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جاہل سے مفارقت اختیار کرنے میں کوئی ''معنی'' یا کوئی ''صفت'' ہے، جس کے سبب سے اس نے اسے چھوڑا ہے۔

### ابو ہاشم کی دلیل:

(اسکے جواب میں) ابو ہاشم نے یہ کہا کہ: اللہ (عالم) نے اس جاہل کو ایک ''حال'' کے سبب چھوڑا ہے جس پر وہ تھا۔ یوں ابو ہاشم نے تین مقامات پر ''حال'' کا اثبات کیا، اول وہ

موصوف جو اپنی ذات سے موصوف ہو، اور اس وصف کا کسی "حال" کے سبب سے مستحق ہو جس پر وہ تھا، دوم کسی شئی کے ساتھ کسی معنی کے سبب سے موصوف ہو کہ اس معنی کے ساتھ کسی حال کے باعث وہ مختص ہو گیا ہو، سوم وہ جس کا مستحق ہو، نہ اپنی ذات کے اور نہ ہی کسی معنی کے سبب سے ہو، سو وہ اس وصف کے ساتھ اپنے غیر کے بجائے کسی حال کے سبب مختص ہو جائے۔

## معمر کا اعتراض اور ابو ہاشم کا جواب:

اس قول کی ابو ہاشم کو اس لئے ضرورت پیش آئی کہ معمر نے معانی کے متعلق یہ سوال کیا تھا کہ: "زید کا علم جو اس کے ساتھ عمرو کے بجائے مختص ہے، اس کی ذات کے سبب سے ہے، یا کسی معنی کے سبب سے ہے، یا نہ اس کی ذات کے سبب سے ہے اور نہ کسی معنی کے سبب سے ہے؟ اگر وہ علم اس کی ذات کے سبب سے ہے تو واجب ہوگا کہ اسے تمام علوم کے ساتھ اختصاص ہو کیونکہ وہ سبھی علوم ہیں، اگر زید کا یہ علم کسی معنی کے سبب سے ہے تو پھر معمر کا یہ قول صحیح ہوگا کہ ہر معنی ایک معنی کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جس کی کوئی نہایت و حد نہیں ہوتی، اگر زید کا یہ علم جو اس کے ساتھ مختص ہے، نہ اس کی ذات کے سبب سے ہے اور نہ ہی کسی معنی کے سبب سے ہے، تو زید کا ان علوم کے ساتھ مختص ہونا، دوسروں کے مقابلہ میں مرجح اور اولیٰ ہوگا۔ اس کے جواب میں ابو ہاشم نے کہا کہ زید ان علوم کے ساتھ ایک حال کے سبب سے مختص ہے۔

## اشاعرہ کا مسلک:

ہمارے اصحاب (اشاعرہ) کہتے ہیں کہ: زید کا علم اس کے ساتھ کا عین ہونے کے سبب سے مختص ہے، نہ اس کے علم ہونے کے سبب سے اور نہ ہی اس کے زید ہونے کے سبب سے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا ہم کہتے ہیں کہ سیاہی اس لئے سیاہی ہے کہ اس کا عین ہے اور وہ سیاہی ہے، نہ کہ اس سے کہ اس کی کوئی ذات یا اس کا کوئی عین ہے۔

## احوال کیا ہیں؟:

بعد ازاں ابو ہاشم سے یہ سوال کیا گیا کہ: کیا تم احوال کو جانتے ہو، یا نہیں جانتے ہو؟ اس

نے کہا: نہیں! کیونکہ اگر وہ یہ کہتا کہ یہ حال معلوم ہیں تو اس پر لازم آتا کہ وہ ان کو اشیاء تسلیم کرے۔ اس لئے کہ اس کے خیال میں جن کا علم حاصل ہوتا ہے اور جو جانی جاتی ہیں وہ صرف ''اشیاء'' ہیں۔ ابو ہاشم نے یہ بھی نہیں کہا کہ: وہ احوال متغایرہ ہیں، کیونکہ یہ تفاسیر اشیاء اور ذرات (ذات) کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ وہ احوال کے بارے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ موجود ہیں، نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ معدوم ہیں، نہ یہ کہ وہ قدیم ہیں، اور نہ یہ ہی کہہ سکتا ہے کہ وہ محدث ہیں، اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ معلوم ہیں یا مجہول ہیں۔ اسی طرح ابو ہاشم احوال کے متعلق یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ مذکور ہیں، حالانکہ اس کا یہ بیان ہے کہ وہ غیر مذکور ہیں۔ یہ بات تناقض اور ایک دوسرے کی ضد ہے (یعنی ابو ہاشم کے نزدیک احوال نہ تو موجود ہیں، نہ معدوم ہیں، نہ قدیم ہیں نہ محدث ہیں، نہ معلوم ہیں مجہول ہیں اور نہ ہی مذکور ہیں اور نہ غیر مذکور ہیں، یوں احوال کے بارے میں اس کا قول تناقض اور ایک دوسرے کی ضد ہے)۔

### احوال لانہایت ہیں:

ابو ہاشم یہ بھی کہتا ہے کہ: عالم کا ہر معلوم میں ایک حال ہوتا ہے جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ دوسرے علوم میں بھی اس کا وہی حال ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہتا ہے کہ ذات باری عزوجل کے اپنے معلومات میں لانہایت احوال ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقدورات میں احوال لانہایت ہیں۔ جس طرح کہ اس کے مقدورات کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

### ابو ہاشم پر اعتراض:

ہمارے اصحاب (اشاعرہ) ابو ہاشم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ: تم کیوں اس بات سے انکار کرتے ہو کہ ایک ''معلوم'' کے لا انتہاء احوال ہو سکتے ہیں، حالانکہ ہر ''معلوم'' کا لا انتہاء ''عالم'' کے ساتھ پایا جانا صحیح اور درست ہے؟ ابو ہاشم سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ: کیا باری تعالیٰ کے ''احوال'' اس کے غیر کا عمل ہیں یا یہ احوال وہی (اللہ تعالیٰ) ہے؟ اس کا اس نے یہ جواب دیا کہ: یہ احوال نہ تو اللہ تعالیٰ ہے اور نہ اس کا غیر ہی ہے۔ اس جواب پر (اشاعرہ نے)

ابو ہاشم سے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو تم الصفاتیہ کے اس قول پر ان کی کیوں نکیر کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات نہ تو اس کی ازل میں صفات ہی ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ وعزوجل کا غیر ہی ہیں؟

## اعراض کی نفی ..........۷۔ فضیحت ہفتم:

ابو ہاشم ان تمام اعراض کی، جواز قسم بقاء، ادراک، کدورت، الم اور شک ہیں، نفی کرتا ہے، حالانکہ اعراض کا اثبات کرنے والوں کی اکثریت نے ان کا اثبات کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ: وہ الم جو انسان پر مصیبت کے وقت طاری ہوتا ہے اور وہ الم جس سے وہ بدمزہ دواء پینے کے وقت دوچار ہوتا ہے، وہ اس ادراک سے زیادہ جس سے طبیعت کو نفور ہو، کوئی معنی نہیں ہیں۔ ابو ہاشم کے خیال میں ''ادراک'' کوئی ''معنی'' نہیں ہے۔ یہی صورت حال دوزخ میں دوزخیوں کے جواہر کے ادراک کی ہے، اسی طرح لذتیں بھی اس کے نزدیک ''معنی'' نہیں ہیں اور وہ مشتہی (جس کی اشتہاء کی جائے) کے ادراک سے زیادہ کچھ اور نہیں ہیں۔ اور ادراک ابو ہاشم کے ہاں ''معنی'' (صفت، حال) نہیں ہے۔ ابو ہاشم نے ''الم'' کے بارے میں جو ''وباء'' کے زمانہ میں ہوتا ہے، کہا ہے کہ وہ اس ''الم'' کی طرح جو مار سے پیدا ہوتا ہے، ایک معنی ہے۔ اس پر اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ: وہ احساس (حس) کے تحت واقع ہوتا ہے (یعنی آدمی الم کو صرف محسوس کرتا ہے) یہ بات بڑی تعجب خیز ہے، کیونکہ لکڑی سے مار کا الم، رائی کی مہک کا الم، آگ سے جلنے کا الم اور مصبر کے پینے کا الم حس میں یکساں ہے (جبکہ ان سے جو آلام وتکالیف پہنچتی ہیں ان کے اثرات میں بڑا فرق ہوتا ہے) چونکہ ابو ہاشم لذات (لذتوں) کو معنی نہیں مانتا اس لئے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جنت میں ثواب پانے والوں کی لذت بچوں کی اس لذت سے جو وہ بعض نوازشوں سے پاتے ہیں، زیادہ نہ ہو، کیونکہ یہ محال ہے کہ ''لاشئی''، ''لاشئی'' سے زیادہ ہو۔ ابو ہاشم نے کہا کہ: لذت اپنی ذات میں نفع اور حسن ہے، یوں اس نے ایسے نفع اور ایسے حسن کا اثبات کیا ہے، جو شئی نہیں ہیں۔ نیز وہ کہتا ہے کہ: ہر الم ضرر اور نقصان ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو ہاشم کے نزدیک ''ضرر'' ایسی بات ہے جو شئی نہیں ہے۔

## اللہ عالم کو جزوی فنا کرنے پر قادر نہیں ............ ۸۔ فضیحت ہشتم:

فناء کے متعلق ابو ہاشم کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا سے ایک ذرہ کے فناء کرنے پر بھی آسمانوں اور زمین کی بقاء کے ساتھ، قادر نہیں ہے۔ اس نے اپنے اس دعویٰ کی بنیاد اس اصول پر رکھی ہے کہ اجسام صرف اس فناء سے فناء ہوتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ''لا فی محل'' میں خلق کرتا ہے، جو تمام اجسام کی ضد ہوتی ہے، کیونکہ وہ بعض جواہر کے بجائے بعض جواہر کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ ان میں سے کسی شئی کے ساتھ قائم نہیں ہے، چنانچہ وہ اس کی ضد ہونے کے سبب سبھی کی نفی کرتا ہے (یعنی اللہ تمام عالم کو فناء کرنے پر قادر ہے، لیکن بعض کو باقی رکھنے اور بعض کو فناء کرنے پر قادر نہیں ہے)۔ ابو ہاشم کے لئے یہ فضیحت کافی ہے کہ اس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم کو فناء کرنے پر تو قادر ہے مگر اس میں سے کچھ کو فناء کرنے پر اُسے کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔

## نماز کیلئے طہارت ضروری نہیں ............ ۹۔ فضیحت نہم:

ابو ہاشم کہتا ہے کہ (نماز کے لئے) طہارت واجب نہیں ہے۔ اس قول کو اس نے اس لئے اختیار کیا کہ اسی کے اور اس کے والد (الجبائی) کے ہاں ''ارض مغصوبہ'' (غصب کی ہوئی زمین) پر نماز ادا نہیں ہوتی اور وہ فاسد ہے، اس پر قیاس کر کے اس نے ''ماء مغصوبہ'' (غصب شدہ پانی، کنواں، نہر، چشمہ) سے طہارت کے بارے میں غور کیا کہ اس سے طہارت کرنے سے آدمی طاہر ہوتا ہے یا نہیں؟ اس نے اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ: ''ماء مغصوبہ'' سے طہارت کرنا صحیح ہے۔ اور اس کے اور ''ارض مغصوبہ'' میں نماز کی ادائیگی میں یہ فرق کیا کہ: طہارت واجب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آدمی اس وقت نماز پڑھے جب طاہر ہو۔ پھر طہارت کے واجب نہ ہونے پر اس نے یہ استدلال کیا کہ: گو آدمی تندرست ہو مگر اسے کوئی دوسرا طہارت کرا دے تو وہ طاہر ہو جائے گا، بعد ازاں ابو ہاشم نے اس استدلال کو مسائل حج پر منطبق کر کے کہا کہ: وقوف، طواف اور سعی حج میں واجب نہیں ہیں، کیونکہ ان سب کو حج کرنے

والوں کی جانب سے اگر اسے سوار کر کے لایا جائے کوئی دوسرا اداء کر سکتا ہے۔ اس اصول کی رد سے ابو ہاشم پر یہ لازم آئے گا کہ زکوۃ کے متعلق بھی وہ یہ کہے کہ وہ واجب نہیں ہے، اسی طرح کفارہ، نذر (منتیں) اور قرضوں کی ادائیگی بھی واجب نہ ہوگی، کیونکہ ان سب کو آدمی کا نائب اور ایجنٹ اس کی جانب سے ادا کر سکتا ہے۔ یوں ابو ہاشم کے اس مزعومہ کے باعث شریعت کے احکام اٹھ جائیں گے اور ان پر عمل درآمد کرنا ممکن نہ رہے گا۔

## معتزلہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں:

ہم نے اس فصل (سوم، باب سوم) میں جو کچھ بیان کیا ہے، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ زعماء معتزلہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ان زعماء میں سے اکثر اپنے متبعین کو، جو ان کی تقلید کرتے ہیں، کافر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے کہ: ''ہم نے ان لوگوں کے مابین عداوت اور دشمنی ڈال دی جو قیامت تک باقی رہے گی اور اللہ تعالیٰ انہیں جلد ان کے کرتوت سے آگاہ کرے گا (القرآن، سورۂ المائدہ، آیت ۱۴)''۔ جہاں تک ان کے متبعین کا معاملہ ہے تو ان کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے کہ: ''جب (وہ سزا دے گا اس وقت) وہی پیشوا جن کی پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے، مگر عذاب پا کر رہیں گے، اور ان کے سارے وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو ایک موقع دیا جاتا، تو جس طرح یہ آج ہم سے لاتعلقی ظاہر کر رہے ہیں، ہم بھی ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے۔ (القرآن، سورۂ البقرہ، آیت ۱۶۶ تا ۱۶۷)''۔

## مکابرات معتزلہ:

ان معتزلہ کے زعماء کے مکابرات (انکارِ حق) میں سے نظام کا ''نظریہ طفرہ'' ہے، اس

کی رو سے جسم پہلے مقام سے تیسرے یا دسویں مقام و منزل میں درمیانی منازل طے کئے بغیر پہنچ سکتا ہے۔ جو معتزلی علماء تولد کے قائل اور اصحاب التولد کہلاتے ہیں (یعنی بشر بن معتمر وغیرہ)، ان کے مکابرات میں سے یہ دعویٰ ہے کہ ''مردے'' زندوں کو قتل کر سکتے ہیں، اس طرح جمہور معتزلہ کے انکارِ حق کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں جو شخص زمین سے ایک بالشت اوپر اٹھ سکتا ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ہفت آسمان سے اونچا اوپر اٹھ سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص مقید ہو اور اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہوں، آسمان پر چڑھنے پر قادر ہے۔

## قاسم دمشقی کی ہرزہ سرائی:

ایک معتزلی عالم جو قاسم الدمشقی کے نام سے مشہور ہے کہتا ہے ''صدق'' کے حروف وہی ہیں، جو ''کذب'' کے حروف ہیں۔ اور وہ حروف جو ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والے کے قول میں ہیں، وہی ہیں جو ''المسیح الہ'' کہنے والے کے قول میں ہیں۔ اسی طرح جو حروف قرآن کریم میں ہیں وہی حروف زردشت مجوسی کی کتاب میں بعینہ ہیں، اس مفہوم میں نہیں ہیں کہ یہ حروف (قرآن کریم) حروف (کتاب زردشت) جیسے ہیں بلکہ اعیاناً دونوں کے حروف ایک ہی ہیں۔

جو شخص ان امور کو مکابرات (انکارِ حق) میں شمار نہیں کرتا اور انہیں عقل کے منافی نہیں سمجھتا، اسے اس بات کا بھی کوئی حق نہیں پہنچتا کہ (گروہ فلاسفہ میں سے) سوفطائیہ کے محسوسات سے انکار کو، وہ مکابرہ اور عقل و فہم انسانی کے خلاف سمجھے۔

## ایک مجلس مذاکرہ:

عقائد پر لکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ سات ۳۳ معتزلی قدری زعماء اور اہل دانش ایک مجلس میں جمع ہوئے اور انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی کہ آیا اللہ تعالیٰ ظلم کرنے اور جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں؟ جب یہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ان میں سے ہر ایک دانشور دوسرے سارے دانش وروں کو کافر قرار دے چکا تھا۔ اس مذاکرہ کی تفصیل یوں ہے کہ:۔

(ایک شریکِ محفل) (نظام سے): کیا اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر قادر ہے جو بصورت وقوع اس کی جانب سے ظلم اور کذب ہو؟

نظام: اگر اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے تو ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس نے ماضی میں ظلم اور کذب کا ارتکاب کیا یا پھر مستقبل میں اس کا ارتکاب کرے گا یا یہ کہ اس نے دنیا کے کسی حصہ میں ظلم کیا، ہمیں اس کے ظلم اور کذب سے سوائے حسن ظن کی جہت کے کوئی امان و پناہ نہیں ملے گی۔

نظام: (اپنی بات جاری رکھتے ہوئے) ہاں کوئی ایسی دلیل جس کے باعث ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظلم و کذب کے وقوع سے محفوظ رہ سکیں، موجود نہیں ہے۔

ابو علی الاسواری: اس توجیہہ پر یہ امر لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر نہ ہو جس کے بارے میں اسے یہ علم یا خبر ہے کہ وہ اس کو نہیں کرے گا، کیونکہ اگر وہ اس پر قادر ہو، تو ہم ماضی یا مستقبل میں اس سے اس کے واقع ہونے سے محفوظ و مامون نہ رہیں گے۔

نظام: یہ اعتراض ہے۔ تم اس بارے میں کیا کہو گے؟

ابو علی الاسواری: میں ان دونوں امور میں تسویہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو جس امر کا علم ہے کہ وہ اسے نہیں کرے گا یا جس کے بارے میں اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اسے نہیں کرے گا، وہ اس کے کرنے پر قادر نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم اور تم دونوں ہی یہ کہتے ہیں کہ اللہ ظلم اور کذب پر قادر نہیں ہے۔

نظام: (اسواری سے) تمہارا یہ قول الحاد اور کفر ہے۔

ابو الہذیل: (اسواری سے) تم فرعون اور اس کے ساتھیوں کے متعلق، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے، کیا کہو گے؟ کیا وہ لوگ ایمان لانے پر قادر تھے یا نہیں؟ اگر تم یہ کہو کہ وہ لوگ ایمان لانے پر قادر نہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایسے امر کی تکلیف دی جس کی ان میں طاقت ہی نہ تھی۔ یہ بات

تمہارے نزدیک کفر ہے۔ اب اگر تم کہو کہ وہ لوگ ایمان لانے پر قادر تھے، تو تم اس بات سے کیسے محفوظ رہ سکو گے کہ ان میں سے کچھ سے وہ فعل (یعنی ایمان) سرزد ہوا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ سرزد نہ ہوگا یا اس نے یہ خبر دی تھی کہ ان سے اس کا صدور نہ ہوگا؟ یہ بات تمہاری اور النظام کی اس تعلیل واستدلال کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم اور کذب کا وقوع نہیں ہوسکتا۔

ابوعلی الاسواری: (ابوالہذیل سے) یہ ہمارا الزام اور اعتراض ہے، تم اس کا کیا جواب دو گے؟

ابوالہذیل: میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے اور جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔ اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ وہ اسے نہیں کرے گا۔

ابوعلی الاسواری ونظام: (ایک ساتھ بولتے ہوئے) اگر تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قادر ہے، تو ان دلائل و براہین کا کیا بنے گا جن سے اس امر کی جانب رہنمائی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ ظلم کرتا ہے اور نہ جھوٹ ہی بولتا ہے؟

ابوالہذیل: یہ محال ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو ظلم و کذب پر قدرت ہے)۔

ابوعلی الاسواری ونظام: (ایک آواز ہوکر) جو امر محال ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا مقدور (اس کی قدرت میں) کیسے ہوسکتا ہے؟ اور جب یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، تو تم نے اس کے اللہ تعالیٰ سے وقوع کو کیسے محال ٹھہرایا ہے؟

ابوالہذیل: اس لئے کہ (ظلم و کذب کا) وقوع صرف اللہ تعالیٰ پر کسی آفت کے باعث ہوسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر آفت کا طاری ہونا محال ہے۔

ابوعلی الاسواری ونظام: (ایک ساتھ) یہ بھی تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے جو اس سے اسی صورت میں واقع ہو جب اس پر کوئی آفت طاری وساری ہو۔

ابوعلی الاسواری ونظام اور ابوالہذیل: تینوں لاجواب ہوکر دم بخود ہو جاتے ہیں۔

بشر بن معتمر: تم سبھوں نے خلط مبحث کر دیا ہے۔

ابوالہذیل: (بشر سے) اس مسئلہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بچہ کو عذاب دینے پر قادر ہے، یا (نظام کی طرف اشارہ کر کے) ان جیسی بات کہتے ہو؟

بشر بن معتمر: میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

نظام (ابوالہذیل سے): اللہ کو بچہ کے عذاب دینے پر جو قدرت ہے اگر اس نے بچہ پر تعذیب میں ظلم کیا، تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بچہ عاقل، بالغ، عاصی اور اس عذاب کا مستحق ہو گا جس میں اسے اللہ تعالیٰ نے مبتلا کیا ہے اور یہ عدل الٰہی کے عین مطابق ہو گا؟

ابوالہذیل: (نظام سے) تجھ پر مصیبت ٹوٹے! جو ظلم پر اپنے مقدورات کو سرانجام نہیں دے سکتا، اس کی عبادت کیسے کی جا سکتی ہے؟

(ابوموسیٰ) المردار: تم نے میرے استاد (بشر) کی فکر کا انکار کیا اور استاد نے غلطی کی۔

بشر بن معتمر: (مردار سے) اس ضمن میں تمہاری کیا رائے ہے؟

المردار: میرے خیال میں اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قادر ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو وہ ظالم و کاذب الٰہ (اللہ) ہو گا۔

بشر: اس صورت میں وہ عبادت کا مستحق ہو گا یا نہیں؟ اگر وہ عبادت کا مستحق ہے تو عبادت معبود کا شکر ہوتی ہے مگر جب وہ ظلم کرے گا تو وہ مذمت کا سزاوار ہو گا، شکر کا مستحق نہ ہو گا۔ بصورت دیگر اگر وہ عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو وہ کیسا رب ہے کہ عبادت کا حق دار ہی نہیں ہے؟

الاشج: (تمام شرکاء سے) میں کہتا ہوں کہ اللہ ظلم اور کذب پر قادر ہے اور اگر وہ ظلم و کذب کا ارتکاب کرے تو بھی وہ عادل ہی ہو گا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ اللہ جس بات کے متعلق یہ جانتا ہے کہ وہ اُسے نہیں کرے گا، مگر اس کے کرنے پر اس کو قدرت ہوتی ہے۔ اب اگر اسے وہ کرے تو وہ یہ جاننے والا ہو گا کہ وہ اسے کرے گا۔

(ابوجعفر) الاسکافی: ذرا یہ تو بتاؤ کہ ظلم عدل سے کیسے بدل جائے گا؟

الاشج: (الاسکافی سے) تمہاری کیا رائے ہے؟

(ابوجعفر) الاسکافی: میری رائے یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ظلم و جور اور کذب کا ارتکاب کیا، تو یہ فعل موجود نہ ہوگا (یعنی ظلم و کذب کا جس کے ساتھ صدور ہوگا، اسے اس کا احساس ہی نہ ہوگا) اور وہ کسی مجنون (پاگل) و بے حس شخص پر واقع ہوگا۔

جعفر بن حرب: گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ پاگلوں اور ذہنی معذوروں پر تو ظلم کرنے پر قادر ہے، مگر صاحبان عقل و تمیز پر ظلم کرنے پر وہ قادر نہیں ہے۔

(اس کے بعد محفل برخاست ہو جاتی ہے۔ ہر دانش ور دوسرے دانش ور سے ملے بغیر حد درجہ خفگی اور بیزاری کے عالم میں رخصت ہوتا ہے اور پھر کبھی کسی محفل میں شرکت نہ کرنے کا عہد کرتا ہے)۔

## الجبائی اور ابو ہاشم کی معذرت:

جب معتزلہ کے قدماء کا دور ختم ہوا اور ابو علی الجبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کی نوبت آئی، تو انہوں نے سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ کے جواب سے احتراز کیا کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر ہے یا نہیں اور یہ کہ اس سے کذب کا صدور ہو سکتا ہے یا نہیں؟

## ابو ہاشم کے ایک شاگرد کا بیان:

مگر ابو ہاشم کے بعض تلامذہ نے اس مسئلہ کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو شخص ہم سے یہ دریافت کرتا ہے کہ: کیا اللہ تعالیٰ کو ظلم اور کذب پر جو قدرت حاصل ہے، اس کا وقوع پذیر ہونا صحیح ہے؟ ہم اس سے کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز پر قادر ہے اگر اس کا صدور وقوع اس سے صحیح نہ ہو، تو وہ اس پر قادر نہ ٹھہرے گا، اس لئے کہ محال پر قدرت محال ہے۔ اب اگر سائل یہ پوچھتا ہے کہ: کیا ظلم و کذب کا وقوع اللہ تعالیٰ سے جائز ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس کا وقوع و صدور اللہ تعالیٰ کی ذات سے جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ قبیح ہے، اللہ تعالیٰ اس سے مستغنیٰ ہے اور اسے یہ علم ہے کہ وہ اس سے مستغنیٰ ہے اگر وہ سائل یہ کہے کہ: ذرا یہ بتائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ظلم و کذب کا مقدور (قدرت) واقع ہو گیا اور اس سے ظلم و کذب سرزد ہو گیا، تو اس کی ذات میں اس کا کیا حال ہوگا؟ کیا اس سے ظلم کا وقوع اس کی جہالت (ظلم کے

قبح سے ناواقفیت) یا اس کی حاجت وضرورت پر دلالت کرتا ہے؟ ہم اس سے کہتے ہیں کہ: یہ محال ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم اور غنی ہے۔ اس پر اگر سوال کرنے والے یہ کہے کہ: اگر اللہ تعالیٰ سے ظلم اور کذب وقوع پذیر ہوں، تو کیا یہ کہنا روا ہوگا کہ یہ اس کے جہل اور حاجت مندی پر دلیل نہیں ہے؟ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو اس سے متصف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ظلم، ظالم کے جہل اور اس کی حاجت کی دلیل ہے۔ اب اگر وہ سائل یہ کہے کہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سوال کا کہ اللہ سے ظلم و کذب کا وقوع اس کے جہل اور اس کی حاجت پر دلالت کرتا ہے، اثبات اور نفی میں جواب دینا نہیں چاہتے۔ ہم کہتے ہیں کہ: ہم ایسا ہی کہتے ہیں۔

### معتزلہ کا عجز اور اشاعرہ کا جواب:

یہ ہمارے زمانے کے زعماء قدریہ معتزلہ ہیں جو اپنے اور اپنے اسلاف کے اس مسئلہ کے جواب سے عجز اور بے بسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اگر اس مسئلہ میں انہیں صواب اور درست جواب کی توفیق ہوتی، تو ہمارے اصحاب (اہل السنت) کے قول کی جانب رجوع کرتے اور کہتے کہ: اللہ تعالیٰ ہر مقدور پر قادر ہے، اور اس کا ہر مقدور اگر اس سے وقوع پذیر ہو تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اگر معتزلہ یہ اللہ تعالیٰ سے کذب کے صدور کو محال مانتے، جیسا کہ ہمارے اصحاب اسے محال خیال کرتے ہیں، تو وہ اس الزام سے نجات پا جاتے جو اس مسئلہ میں ان پر عائد ہوتا ہے۔

### الجبائی کی عذر خواہی:

اس مسئلہ میں اثبات یا نفی میں جواب دینے سے الجبائی رکتا تھا اور یہ معذرت کرتا تھا کہ: اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ اگر نبی، کذب کا ارتکاب کرے، تو کیا یہ امر اس پر دلالت کرے گا کہ وہ نبی نہیں ہے، یا یہ اس کے نبی نہ ہونے پر دلالت نہ کرے گا؟ الجبائی نے یہ کہا کہ اس سوال کا جواب محال ہے۔

اشاعرہ کا مسلک:

یہ الجبائی کا محض گمان ہے جس کی بنیاد اس کی قائم کردہ اساس و اصول پر ہے۔ جہاں تک اہل السنّت کے اصول کا تعلق ہے، تو ان کے ہاں نبی، کذب اور ظلم سے معصوم ہوتا ہے اور ان کے ارتکاب پر اسے کوئی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ النظام اور علی الاسواری کے علاوہ تمام معتزلہ قدریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قدرت رکھتا ہے، اس لئے ان پر سائل کے اس سوال کا جواب دینا لازم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا مقدورِ ظلم و کذب جب وقوع پذیر اور سرزد ہوتا ہے، تو کیا یہ امر اس کے جہل یا اس کی حاجت وضرورت پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اس کا معتزلہ کو ہاں یا نہیں میں جواب دینا پڑ گیا، اور جو بھی جواب وہ دیں گے اس سے ان کے اپنے ہی قائم کیے ہوئے اصول ٹوٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں معتزلہ کی گمراہیوں سے نجات دی، جن سے باہم دگر متضاد افکار پیدا ہوتے ہیں۔

## حواشی باب سوم ۔ فصل سوم (القدریہ المعتزلہ)

(۱) مولف نے اس فصل میں صرف اٹھارہ (۱۸) قدری معتزلی فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ المریسیہ کا ذکر اس باب کی فصل چہارم میں ''مرجیہ'' کے ضمن میں کیا ہے۔ اس طرح صالح قبہ کے متبعین کا بھی اجمالی ذکر اسی فصل میں کیا ہے۔ بقیہ دو فرقے کہ مصنف کے نزدیک اسلام سے خارج ہیں، بغدادی نے ان کا ذکر باب چہارم کی فصل سیزدہم و چہاردہم میں کیا ہے۔ جہاں تک صالح قبہ کا تعلق ہے، اس کے عقائد الاشعری نے مقالات الاسلامیین جلد دوم میں بیان کئے ہیں، نیز زہدی جار اللہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے نمایاں افکار میں جزء لایتجزیٰ کا اثبات، خواب کی صداقت اور اعراض کی تحلیل سے متعلق مسائل ہیں۔ مزید معلومات کے لئے اشعری زہدی جار اللہ اور دیگر کتب مقالات سے رجوع کیجئے۔

(۲) واصل بن عطاء ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا۔ بصرہ میں اس کی نشو ونما ہوئی، یہیں امام حسن بصریؒ اور دوسرے فضلاء سے اس نے تحصیل علم کی اور اس شہر میں اپنا حلقہ درس قائم کیا۔ ۱۳۱ھ میں بصرہ میں پیوند خاک ہوا۔ اس نے یہ خیال سب سے پہلے پیش کیا کہ گناہ گار نہ مومن ہے اور نہ کافر، بلکہ فاسق ہے اور ایمان و کفر کی دو منزلوں کے درمیان ایک منزل میں ہے۔ واصل نہایت ذہین، ذکی اور دراک تھا۔ معتزلہ کا شیخ الکل، ان کے مسلک کا بانی اور ان کے اصول کا مرتب وہی ہے۔ اکثر نامور معتزلی علماء اس کے سلسلہ تلامذہ سے وابستہ ہیں۔ تحریک اعتزال کی اشاعت اور تعلیمات قدری کی تبلیغ کے لئے اس نے مختلف علاقوں میں داعی روانہ کئے تھے۔ مزید معلومات کے لئے اشعری، شہرستانی اور زہدی جار اللہ کی کتابیں اور طبقات معتزلہ دیکھئے۔

(۳) معبد بن خالد جہنی، سوسن نامی ایرانی عیسائی کا مسائل قدر میں شاگرد اور اسلام میں انہیں روشناس کرانے والا پہلا شخص ہے۔ اسے اموی خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں ۸۰ھ میں

عراق میں قتل کرا دیا گیا۔ ابو مروان غیلان دمشقی اسی معبد کا شاگرد تھا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مارا گیا۔ (العبر ۱:۹۲، شہرستانی ۱:۳۰، المعارف ۲۲۵)۔

(۴) ابوعثمان عمرو بن عبید بن باب، امام حسن بصری کا شاگرد اور واصل کا دوست و برادر نسبتی تھا۔ علم و فضل کے سوا زہد و ورع میں سرآمد روزگار تھا۔ علم میں واصل کو اس پر اور زہد میں اسے واصل پر ترجیح حاصل ہے۔ عباسی خلیفہ المنصور کا نوجوانی کا دوست تھا مگر اس کے عہد خلافت میں اس سے لاتعلق ہی رہا۔ ۱۴۳ھ میں سفرحج کے دوران انتقال کیا (مزید معلومات کے لئے حاشیہ نمبر۲ کے حوالہ جات سے رجوع کیجئے)۔

(۵) مصنف نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر مشاجرات صحابہؓ کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات کو اہل السنّت والجماعت کے متفق علیہ مسلک و موقف کے بطور پیش کیا ہے۔ ان واقعات کا عقائد سے اتنا ہی تعلق ہے کہ ان سے صحابہ کرامؓ کی عدالت مجروح نہ ہو کیونکہ احادیث و آثار اور اجماع کے اصول انہیں کی عدالت ثقاہت و اعتبار سے حجیت کا درجہ حاصل کر سکے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حد درجہ افسوس ناک شہادت سے شروع ہوا، جو کچھ بھی ہوا وہ بھی حد درجہ افسوس ناک ہے۔ ان کا عہد خانہ جنگیوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ تین بڑی لڑائیاں جو حضرت علیؓ کو لڑنی پڑیں وہ ''قصاص'' کی صدائے بازگشت تھیں۔ جنگ جمل و جنگ صفین خون عثمانؓ کے مطالبہ قصاص پر اور جنگ نہروان خون عبداللہ بن خبابؓ کے مطالبہ قصاص پر لڑی گئیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ حضرت علیؓ کا طرز عمل ان تینوں موقعوں پر یکساں نہ تھا۔ جمل اور صفین کی جنگوں میں انہیں قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کرنے والوں سے نبرد آزما ہونا پڑا، جبکہ جنگ نہروان میں وہ خود قصاص ابن خبابؓ کے مطالبہ کے ساتھ خوارج سے برسرپیکار ہوئے۔ ایک حقیقت پسند آدمی کی نگاہ میں اس کی کیا توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ خون عثمانؓ کا بدلہ لینے سے حضرت علیؓ معذور تھے مگر اس کا مطالبہ کرنے والوں سے معذور نہ تھے۔ خلیفہ کی حیثیت سے قصاص عثمانؓ کے لئے حضرت علیؓ کو اسی چوکسی کا مظاہرہ کرنا چاہئے تھا جیسا کہ انہوں نے ابن خبابؓ کے سلسلہ میں کیا، لیکن وہ ایسا نہ

کر سکے۔ ان کی مجبوریاں ہوں گی۔ اس لئے ہم انہیں معذور سمجھ سکتے ہیں لیکن اصحاب جمل جب یہ دیکھ رہے تھے کہ قاتلین عثمان لشکر علوی کے کرتا دھرتا ہیں اور خون عثمانؓ رائیگاں جارہا ہے تو کیا وہ تلوار اٹھانے میں حق بجانب نہ تھے؟ اس لئے یہاں بغدادی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ ان کے ذاتی یا ان کے اشعری ساتھیوں کے خیالات ہوسکتے ہیں، لیکن یہ خیالات اہل السنّت والجماعت کے نہیں ہیں، اہل السنّت کے نزدیک جنگ جمل کے دونوں فریق برسر حق تھے، ان میں سے کوئی بھی مخطی نہیں تھا، نہ ہی سرکش تھا اور نہ ہی باغی۔ یہ دعویٰ اس وقت کیا جاسکتا تھا جب حضرت علیؓ کی خلافت مکمل ہو جاتی، حالانکہ ان کی خلافت پر امت اسلامیہ کا کبھی بھی اجماع نہ ہوا۔ اصحاب جمل، اہل بصرہ، اہل شام، اہل مصر اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ سو ان کی خلافت منعقد ہی نہ ہوئی اس پر امت کا اجماع ہی نہ ہوا اور وہ قاتلین عثمانؓ سے خون خلیفہ مظلوم کا قصاص بھی لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے ''قصاص عثمان'' کا مطالبہ کرنے والوں کو مخطی کہنا، جبکہ ان میں ام المومنین حضرت عائشہؓ، عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ وغیرہ شامل تھے، ایک بڑی جسارت ہے۔ حضرت علیؓ کو عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہما کے قصاص میں نہروان میں خوارج سے جنگ کرنے پر تو کوئی روک نہ سکا مگر قاتلین عثمانؓ کے خلاف قتال سے وہ کیوں رک گئے، یہ بات غور طلب ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رہے کہ قاتلین عثمانؓ عساکر علویؓ میں نہ صرف یہ کہ موجود تھے بلکہ اہم عہدوں پر بھی فائز تھے اور ان کے مشیروں میں بھی شامل تھے۔ عہد علوی کے پونے پانچ سال ہماری تاریخ کے افسوس ناک واقعات سے بھرے پڑے ہیں، ان میں کون برسر حق تھا اور کون برسر خطاء، اس کا فیصلہ خوش عقیدگی یا بدعقیدگی سے نہیں کیا جاسکتا، اسے غیر جانب داری اور اصابت نظر سے دیکھنا چاہئے ورنہ خوارج یا شیعہ کی تردید اہل السنّت کے لئے ممکن نہ ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے تمام واقعات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے ایک فریق کو خطا کار اور تائب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بنو ضبہ اور بنو ازد پر یہ الزام لگا دیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے جنگ کی آگ

بھڑکائی تھی اور یہ بات نظر انداز کر دی کہ لشکر علویؓ کے سپاہیوں، کوفیوں اور قاتلین عثمانؓ نے اصحاب جمل پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کیا تھا۔ مصنف اصحاب علیؓ کو برسر حق سمجھتا ہے، جبکہ اس میں قاتل زبیرؓ ابن جرموز بھی تھا، اس میں قتل عثمانؓ میں ملوث محمد بن ابی بکر، مالک الاشتر، ابن الحمق وغیرہ بھی تھے۔ کیا وہ سب برسر حق تھے؟ مصنف نے سبائی راویوں کی یہ روایت تو لے لی کہ حضرت طلحہؓ کو مروان نے تیر مارا تھا، مگر اس کی تنقیح تک نہ کی کہ میدان جنگ کا جو اندھا تیر انہیں لگا اس کے تیرانداز کا تعین، ہزاروں کے لشکر میں کہ تیر، نیزے اور تلواریں چل رہی تھیں، ایک ہنگامہ دار و گیر بپا تھا، اور لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں، کیسے ممکن ہو سکا اور پھر یہ یقین کہ وہ تیر مروان ہی نے چلایا کیسے ممکن ہے؟ ایک غیر جانب دار مورخ جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں اور ان میں لاکھوں اہل ایمان کے خون ناحق کے افسوس ناک واقعات کا تجزیہ حقائق کی روشنی میں کرتا ہے مگر افسوس کہ ہمارے مصنف کے پاس نہ مورخ کی عدالت ہے اور نہ تجزیہ نگاری کی قوت، محشی و مترجم نے یہ سطور بڑے دکھ کے ساتھ محض اظہار واقعہ کے طور پر سپرد قلم کی ہیں۔ اس کی نگاہ میں اصحاب جمل، اصحاب صفین اور اصحاب علیؓ میں بہت سی شخصیات قابل صد احترام ہیں، مگر سب نہیں۔ ان میں بڑی تعداد فتنہ سامانوں کی بھی تھی کہ انہیں سے آتش فساد بھڑکی اور اتحاد اسلامی کے قصر بلند کو جلا کر خاکستر کر گئی۔ ایسے لوگ ہر فریق کے ساتھ تھے۔ ہم اچھوں سے تولا کرتے ہیں اور بروں کا معاملہ ان کے اور اپنے پروردگار پر چھوڑتے ہیں۔

(٦) ابوالہذیل: محمد بن ہذیل بن عبداللہ بصری، العلّاف، اپنے زمانہ میں معتزلہ کا شیخ تھا۔ اس کو معتزلہ کے مسلک اور اصول کی تمہید و ترتیب میں شرف تقدم حاصل ہے۔ ایک واسطہ سے واصل بن عطاء کا شاگرد تھا۔ نہایت ذکی و زبان آور تھا۔ اس نے اپنے مخالفوں سے بکثرت مناظرے کئے۔ اسلام دشمن گروہوں کے خلاف اس کی زبان شمشیر براں اور ذہن تیر رسا تھا۔ ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور ۲۲۶ تا ۲۳۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ مزید تفصیل کے لئے زبیدی کی طبقات المعتزلہ، احمد امین کی فجر الاسلام، زہدی جاراللہ کی تاریخ معتزلہ اور شبلی نعمانی کی الکلام و علم الکلام کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ابن خلکان کی وفیات الاعیان میں

بھی اس کا سوانحی خاکہ ملے گا۔ شہرستانی اور رازی کے ہاں اس کے عقائد کی بحث ملے گی۔ •

(۷) ابو اسحاق ابراہیم بن سیار بن ہانی بصری مولیٰ تھا۔ ذہن کی تیزی و ذکاوت میں اپنی نظیر آپ تھا۔ علم و فضل و وسعت معلومات میں اس کا جواب نہ تھا۔ ابوالہذیل علاف کا شاگرد تھا۔ فلسفہ و کلام کے علاوہ عربی زبان و ادب کا بھی بہت بڑا عالم تھا۔ چھتیس (۳۶) سال کی عمر میں ۲۲۱ھ میں وفات پا گیا۔ بغدادی کی یہ رائے کہ نظام عربی نثر و نظم کا نظام نہ تھا۔ محض بغض و عداوت پر مبنی ہے۔ اس کی نثری تحریروں اور اشعار کی متعدد نادر المثال شہادتیں احمد امین کی ضحیٰ الاسلام جلد سوم میں موجود ہیں۔ بقول احمد امین نظام کے بعد معتزلہ اس کی فکر کے پروردہ اور اس کی عقلیت کے پیرو تھے۔ جاحظ جیسے فاضل عصر کو نظام سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ تفصیل کے لئے ضحیٰ الاسلام جلد سوم، زہدی جار اللہ کی المعتزلہ اور دیگر کتب تراجم و عقائد سے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے رجوع کیجئے۔

(۸) ''ظہار'' ایک شرعی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو یا اس کے خاص خاص عضوء کو اپنی محرم عورتوں میں ماں، بہن یا پھوپھی وغیرہ کے ان اعضاء سے تشبیہہ دے جن پر نظر ڈالنا اس کے لئے شرعاً ناجائز ہے، مثلاً پیٹ، پیٹھ، ران، شرم گاہ وغیرہ اور اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح مثلاً میری ماں کی پیٹھ حرام ہے۔ اس کے بعد مرد کے لئے اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے۔ (مختصر القدوری، ص ۱۸۱ تا ۱۸۲، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۱ھ)۔

(۹) النظام نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر، خصوصاً سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی مرتضیٰ، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو زبان طعن دراز کی ہے، اسے بعض متجددین حریت فکر اور آزادی رائے خیال کرتے ہیں، مگر یہ اس کی دریدہ ذہنی اور ذہنی ژولیدگی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ نظام کا جھکاؤ تشیع کی طرف تھا اور یہ ہرزہ سرائی اسی میدان طبع کا بدترین مظاہرہ ہے۔ ان مطاعن کے جواب کے لئے ایک سفینہ چاہئے اور اس مختصر حاشیہ میں ان کا مجمل ذکر بھی ممکن نہیں ہے۔ تاریخ کی کتابوں خصوصاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی

ازالۃ الخفاء، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحفہ اثنا عشریہ، نواب محسن الملک کی آیات بینات اور صلاح الدین یوسف کی کتاب درردِ مودودی سے رجوع کرنا مفید ہوگا۔ اس سلسلہ میں علمی بحث کے لئے امام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ کی مراجعت کی جانی چاہیئے۔ روایت حدیث کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو سب وشتم سے نوازنا، سنت نبوی ﷺ کی حیثیت کو مجروح کرنا اور نتیجۃً شریعت اسلامی کے القاء اور قصر اسلامی کے انہدام کی سعی ناشکور ہے۔ صحابہؓ کی عدالت، ان کی مرجعیت، ان کے اجتہادات وقضایا، پر فقہ اسلامی کی بلند و بالا عمارت کھڑی ہے، اس لئے صحابہ پر زبان طعن دراز کرنا، ان کے مرویات کو کذب وافتراء قرار دینا اور ان کے ایمان کو متنازعہ بنانا، اسلام کی کوئی خدمت نہیں، بلکہ اس کی جڑیں کاٹنے کے برابر ہے۔ معتزلہ کی اسی خیرہ سری اور سوءِ ادب کے سبب ان کے بعض اچھے کام بھی نظروں سے اوجھل ہوگئے اور آج ان کی کثیر تصانیف کا چند اجزاء کے سوا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

(۱۰) ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری بغدادی اپنے عہد کے بہت بڑے ادیب، محدث اور مورخ تھے۔ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے چند یہ ہیں المعارف، ادب الکاتب، الشعر والشعراء ومختلف الحدیث (العبر ۲ : ۵۶، الفہرست ص ۱۲۱)۔

(۱۱) علی الاسواری، ابوالہذیل کے ارشد تلامذہ میں تھا۔ اس کے بعد اس نے نظام کی ہم جلیسی اختیار کی۔ طبقات معتزلہ کے بیان کے مطابق اپنے استاد سے بڑا عالم و فاضل تھا اور اس نے اس خوف سے کہ کہیں اس پر سبقت نہ لے جائے، اسے بغداد سے واپس کردیا تھا۔ علی الاسواری نے ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔ مزید حالات کے لئے طبقات معتزلہ، تاریخ معتزلہ اور دیگر کتب مقالات سے رجوع کیجئے۔

(۱۲) معمر بن عباد، ابوعمرو السلمی، عالم و فاضل شخص تھا۔ معمر بن عباد کے تلامذہ میں بشر بن معتمر، ہشام بن عمرو اور ابوالحسن المدائنی مشہور ہیں۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے سندھ کے کسی ہندو راجہ سے مناظرہ کے لئے معمر کو بھیجا تھا، مگر اس کی علمی شہرت سے خائف ہوکر سندھی

راجہ نے اسے اثناء سفر میں سازش کر کے مروا دیا یہ واقعہ ۲۲۰ھ کا ہے جبکہ عباسی خلیفہ المعتصم حکمراں تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دورانِ قیام یا سندھ سے واپسی کے سفر میں معمر کی موت واقع ہوئی تھی۔ (دیکھئے طبقات المعتزلہ و تاریخ معتزلہ از زہدی جار اللہ)۔

(۱۳) ابوسہل بشر بن معتمر بلال بغدادی، بشر بغداد کے مدرسہ اعتزال کا بانی اور وہاں کے نامور معتزلی علماء مثلاً المردار، ثمامہ بن اشرس اور احمد بن ابی دواد کا استاد ہے۔ ادب و بلاغت میں اپنی نظیر آپ تھا۔ عربی فن بلاغت کا موسس وہی ہے۔ شاعر بھی تھا چالیس ہزار ابیات کا ایک قصیدہ لکھ کر اپنے مخالفین کا رد کیا ہے۔ ہارون کے عہد میں شیعیت کے الزام میں قید بھی ہوا مگر رفض سے اظہار برائت کے بعد اسے رہائی ملی۔ ۲۲۶ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ طبقات معتزلہ، ضحیٰ الاسلام، جلد سوم، تاریخ معتزلہ، التبصیر اور الملل والنحل جلد اول میں بشر سے متعلق مزید معلومات ملیں گی۔

(۱۴) ہشام بن عمرو شیبانی فوطی، عباسی خلیفہ مامون کے ہاں بڑا قابل احترام تھا۔ المعتصم کے دور میں ۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ التبصیر، مقالات الاسلامیین جلد اول، الملل و النحل جلد اول، طبقات المعتزلہ اور تاریخ معتزلہ کا مطالعہ مزید معلومات مہیا کرے گا۔

(۱۵) عباد بن سلیمان معتزلہ کے ساتویں طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ہشام الغوطی کا شاگرد اور متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اپنے زمانہ میں بڑی شہرت حاصل کی اور اپنے حامیوں اور مخالفوں کی ایک بڑی جماعت اپنے گرد جمع کر لی تھی۔ (طبقات المعتزلہ ص ۷۷، مقالات الاسلامیین جلد اول ص ۲۴۷ وغیرہ)۔

(۱۶) ابوموسیٰ عیسی بن صبیح کا لقب مردار تھا۔ بشر بن معتمر کا شاگرد تھا۔ بغداد میں اعتزال کی ترویج و اشاعت اسی سے ہوئی۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار اور زہد و ورع میں سرآمد اتقیاء تھا۔ راہب معتزلہ کہلاتا تھا۔ نہایت زبان آور و خوش بیان تھا۔ (دیکھئے طبقات معتزلہ و دیگر کتب محولہ بالا)۔

(۱۷) ابوالفضل جعفر بن حرب علم کلام کی متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ خلفاء کے دربار

میں نہ جاتا تھا، ایک مرتبہ خلیفہ واثق کے دربار میں مناظرہ علمی کی غرض سے گیا اور نماز کا وقت ہوگیا، جعفر نے واثق کی اقتدا میں نماز نہ ادا کی اور اس کے بعد کبھی دربار میں نہ گیا۔ مردار کا شاگرد تھا۔ ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔ مزید حالات کے لئے کتب عقائد وضحیٰ الاسلام جلد سوم سے رجوع کیجئے، جہاں اس کے تورع وزہد کے متعدد واقعات ملیں گے۔

(۱۸) ابو محمد جعفر بن بشر ثقفی، مردار کا شاگرد اور علم وزہد میں ضرب المثل تھا۔ باپ دادا کی طرف سے نہایت مالدار تھا، مگر اس دولت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، ۲۳۶ھ میں انتقال کیا۔ (بحوالہ کتب محولہ بالا)۔

(۱۹)

(۲۰) ابو جعفر محمد بن عبداللہ اسکافی کو معتزلہ کے ساتویں طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ جعفر بن حرب کا عزیز ترین شاگرد تھا اور وہی اس کی اور اس کے اہل خاندان کی کفالت کرتا تھا۔ ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔ (دیکھئے طبقات المعتزلہ ص ۷۸، والتبصیر ص ۴۸)۔

(۲۱) ثمامہ بن اشرس نمیری، بشر بن معتمر کا شاگرد اور بغداد کے مدرسہ اعتزال سے وابستہ تھا۔ وہ پہلا معتزلی عالم ہے جس نے عباسی خلفاء کے دربار میں حاضری دی اور اثر ورسوخ قائم کیا۔ ہارون سے واثق تک وہ دربار سے وابستہ رہا اور اعتزال کی ترویج وتبلیغ میں حکومت کی سرپرستی حاصل کی اس کی اور احمد بن ابی دواد کی سازشوں کی وجہ سے اہل السنّت کے علماء پر بڑا کٹھن وقت آیا، متوکل کے زمانہ میں معتزلہ کا زوال ثمامہ کی اس حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ بقول احمد امین معتزلہ پر جو بعد میں مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے اس میں ثمامہ کی غلط انداز میں تبلیغ اور مخالفین کی تعذیب کو بڑا دخل ہے۔ یہ شخص دینی اعتبار سے بھی کسی قابل رشک حیثیت کا مالک نہ تھا اور محرمات شرعیہ کا علی الاعلان ارتکاب کرتا تھا۔ مزید مطالعہ کے لئے اسفرائینی، شہرستانی، رازی، احمد امین اور زہدی جاراللہ کی کتابوں سے رجوع کیجئے۔ نیز طبقات المعتزلہ اور میزان الاعتدال دیکھئے۔

(۲۲) احمد بن نصر الخزاعی کا تعلق ابتدائی عباسی داعیوں کے خاندان سے تھا، اس لئے وہ

''اولاد الامراء'' کہلاتے تھے۔ انہوں نے امام مالک سے حدیث روایت کی اور دیگر علوم میں اپنے عہد کے علماء سے کسب فیض کیا تھا۔ حد درجہ زاہد و قانع تھے۔ الواثق نے ۲۳۱ھ میں احمد بن ابی دواد اور ثمامہ بن اشرس وغیرہ کے غلط مشورہ سے انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ مزید حالات کے لئے کتب تاریخ وطبقات سے رجوع کیجئے۔

(۲۳) ابو عبداللہ احمد بن ابی دواد الایادی، واثق کے عہد میں قاضی القضاۃ تھا، حکومت کے معاملات میں بڑے اختیار کا مالک تھا۔ شاعر اور زبان آور خطیب و مناظر تھا۔ اعتزال کی تعلیم اپنے عہد کے معتزلی علماء سے حاصل کی اور اس میں کمال بہم پہنچایا۔ بصرہ میں ۱۶۰ھ میں پیدا ہوا اور بغداد میں ۲۴۰ھ میں متوکل کے عہد میں حد درجہ ذلیل و خوار ہو کر بحالت فالج انتقال کیا۔ مامون، معتصم اور واثق کے ادوار میں اس کی سازشوں سے علماء حق پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔ امام احمد بن حنبل، احمد بن نصر الخزاعی وغیرہ اسی کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے۔ احمد بن ابی دواد اور ثمامہ بن اشرس نے حکومتی طاقت سے اعتزال پھیلانا چاہا، مگر انہیں کی وجہ سے تحریک اعتزال موت کی نیند سوگئی۔ مزید حالات کے لئے کتب محولہ بالا دیکھئے۔

(۲۴) ابو جعفر محمد بن عبدالملک الزیات، عباسی خلفاء معتصم، واثق اور متوکل کا وزیر رہا۔ نہایت لائق و کارگزار شخص تھا۔ ادیب و شاعر تھا۔ متوکل کے زمانہ میں اس کا زوال ہوا، بھاری جرمانہ ہوا اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔ اسی قید کی حالت میں اس نے کارزار ہستی سے رخت سفر باندھا اور راہی ملک عدم ہوا۔ عبدالقاہر کا یہ بیان کہ الزیات حمام کی بھٹی میں گر کر مرا، عام تاریخی مندرجات سے مختلف ہے۔ ممکن ہے حالت اسیری میں یہ سانحہ پیش آیا ہو۔ اس کے حالات تاریخ کی عام کتابوں میں ملتے ہیں۔ اس نے ۲۳۳ھ میں یعنی متوکل کی خلافت کے پہلے سال انتقال کیا۔ اس سال کے واقعات کے ضمن میں طبری اور ابن اثیر کے ہاں اس کے حالات ملیں گے۔ نیز ذہبی کی العبر جلد اول و بغدادی کی تاریخ بغداد میں بھی الزیات کے حالات مذکور ہیں۔

(۲۵) ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ البصری، ۱۵۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا اور سو سال سے

زیادہ عمر پاکر ۲۵۵ھ میں فوت ہوگیا۔ عربی زبان، ادب، تاریخ، کلام، فلسفہ اور دینی علوم کا بحرِ ذخار تھا۔ عربی ادب کے اساطین عظام میں شمار ہوتا ہے۔ علم کلام میں ثمامہ بن اشرس اور ابراہیم بن سیار النظام کا فخر استاد شاگرد تھا۔ فقہ اور علوم دینیہ کی تحصیل امام وقاضی القضاۃ ابو یوسفؒ سے کی تھی۔ دوسو سے زائد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کی بیشتر کتابیں مخالفوں اور دست برد زمانہ سے ضائع ہوگئیں۔ جو موجود ہیں ان میں کتاب الحیوان، کتاب البخلاء، المحاسن والاضداد، والبیان والتبیین وغیرہ نمایاں ہیں۔ جاحظ اپنے عہد کی علمی وثقافتی تاریخ کا نشان امتیاز اور جوہر عصر تھا۔ اس کی اسٹائل ایک عرصہ تک عربی انشاء پردازی میں قابل تقلید رہی ہے۔ عربی زبان، ادب، تاریخ وکلام کی ہر کتاب میں اس امام عصر اور روح دہر کا ذکر ملے گا۔ اس کی ایک ہزار سالہ ''عہد زہبی'' بھی منائی گئی ہے اور مصر میں اس کے علمی آثر کی یادگار قائم کی گئی ہے۔ دائرۂ معارف اسلامیہ کے علاوہ احمد امین کی ضحیٰ الاسلام کی جلدیں دیکھیے۔

(۲۶) ابو یعقوب یوسف بن عبداللہ بن اسحاق الشمام، ابوالہذیل کا شاگرد اور اپنے وقت میں بصرہ کے معتزلہ کا شیخ تھا۔ واثق کے عہد میں احمد بن ابی دواد کے مشورہ سے بعض سرکاری خدمات سے بھی منسلک رہا۔ ابوعلی الجبائی کا استاد ہے۔ اس نے ۲۶۷ھ میں انتقال کیا۔ دیکھیے طبقات معتزلہ ص ۷۲، تاریخ معتزلہ ص ۲۶۵، التبصیر ص ۵۱۔

(۲۷) ابوالحسین عبدالرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط، معتزلہ کے آٹھویں طبقہ میں محسوب ہوتا ہے۔ اس نے ابن الراوندی کی کتاب ''فضیحۃ المعتزلہ'' کے رد میں اپنی مشہور کتاب ''الانتصار'' لکھی جو معتزلہ کی باقی بچنے والی واحد کتاب ہے اور مصر سے شائع ہوچکی ہے۔ الخیاط فقیہ، محدث اور متکلم تھا۔ وسعت معلومات میں اپنا جواب آپ تھا۔ ۳۰۰ھ میں فوت ہوا۔ مزید معلومات کے لئے اسفرائینی، شہرستانی، طبقات المعتزلہ، زہدی جاراللہ کی کتابوں سے رجوع کرنا مفید ہوگا۔

(۲۸) ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود بلخی کعبی، الخیاط کا شاگرد رشید اور اپنے زمانہ میں شیخ المعتزلہ تھا۔ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ ۳۱۹ھ میں انتقال کیا۔ دیکھیے التبصیر ۵۱، الملل والنحل

۱/ ۲۷۶، العبر ۲/ ۱۷۶، شذرات الذہب ۱/ ۱۸۱، طبقات المعتزلہ ۸۸، تاریخ المعتزلہ ۳۰۲۔

(۲۹) ابوعلی محمد بن عبدالوہاب بن سلام بن خالد بن حمران بن ابان الجبائی، خوزستان کے قصبہ جُبّیٰ کی نسبت سے جُبّائی کہلاتا تھا۔ بصرہ کا شیخ المعتزلہ اور رئیس اہل اعتزال تھا۔ بہت بڑا متکلم، فقیہہ، زاہد و عابد تھا۔ ابوالہذیل کے بعد تمام معتزلہ میں جبائی سے زیادہ کوئی عالم محترم و مقدم نہیں گزرا ہے۔ فقہ، حدیث اور عربیت کی تعلیم اپنے عہد کے افاضل سے حاصل کی اور اعتزال کی تحصیل ابویعقوب الشمام سے کی۔ ۳۰۳ھ میں انتقال کیا۔ الجبائی کے شاگردوں میں اس کا بیٹا ابوہاشم اور ربیب ابوالحسن الاشعری کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ (العبر ۲: ۱۲۵، شذرات الذہب ۲: ۲۴۱، طبقات المعتزلہ ص ۸۰۔ ۸۵ و دیگر کتب)

(۳۰) ابوہاشم عبدالسلام بن محمد بن عبدالوہاب الجبائی، معتزلہ کے طبقہ نہم میں سب سے مقدم تھا۔ علم کلام کا ماہر اور اپنے باپ الجبائی کا فخر پدر شاگرد تھا۔ بغداد میں ۳۲۱ھ میں وفات پائی۔ معتزلی علماء میں زمانہ کے اعتبار سے متاخر مگر علم و فضل کے لحاظ سے شرف تقدم کا مالک تھا۔ (دیکھیے، طبقات المعتزلہ ص ۹۴۔ ۹۶، العبر ۲: ۱۸۷، التبصیر ص ۵۳، تاریخ المعتزلہ ص ۳۰۴۔ ۳۰۷)۔

(۳۱) ابوالقاسم اسماعیل بن عباد الطالقانی، ملقب بہ صاحب، نادر روزگار، مجموعہ فضائل و مکارم تھا۔ ادب کی تحصیل ابوالحسین بن فارس لغوی اور ابوالفضل بن عمید وغیرہ سے کی۔ آل بویہہ کا وزیر تھا۔ علم دوست اور علماء پرور تھا۔ ۳۲۶ھ میں پیدا ہوا اور اسی میں ۳۸۵ھ میں وفات پائی (صاحب کے مزید حالات ابن خلکان، الثعالبی اور دیگر کتب ادب و تاریخ میں دیکھے جاسکتے ہیں)

(۳۲) ابوبکر احمد بن علی الاخشید کو معتزلہ کے طبقہ نہم میں شمار کیا گیا ہے۔ معتزلی شیوخ میں وہ آخری نمایاں فرد تھا جسے لوگوں میں پذیرائی حاصل تھی اور بغداد کے اکثر لوگ اس سے عقیدت رکھتے تھے۔ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف تھا، جن میں ابوعلی الجبائی کی کتاب کا اختصار اور ابوجعفر بن جریر طبری کی تفسیر کا اختصار نمایاں ہیں۔ اس نے زیادہ عمر نہ پائی۔ اس سے

علمی دنیا کو بڑی توقعات تھیں۔ ۳۲۶ھ میں انتقال کیا۔ (طبقات المعتزلہ ص ۱۰۰، الفہرست لابن الندیم صفحہ ۲۵۹)۔

(۳۳) بغدادی نے شرکاء مجلس کی تعداد سات لکھی ہے، مگر جو نام گنوائے ہیں، وہ آٹھ ہیں (یعنی ۱۔ ابوالہذیل، ۲۔ النظام، ۳۔ علی الاسواری، ۴۔ بشر، ۵۔ المردار، ۶۔ الاشج، ۷۔ الاسکافی اور ۸۔ جعفر بن حرب) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''الاشج، بقیہ سات فضلا میں سے کسی کا لقب ہے، مگر مجھے اس کی تحقیق نہ ہوسکی، اگر ایسا نہیں ہے تو شرکاء سات کے بجائے آٹھ ہوں گے۔

باب سوم............فصل چہارم

# فرقہ ہائے المرجئہ اور ان کے مذاہب کی تفصیل

**المرجئہ کے اقسام**: المرجئہ تین طرح کے ہیں:۔

(۱)۔ المرجئہ کا ایک فریق ایمان میں ''ارجاء'' اور ''القدریہ'' ''المعتزلہ'' کے مذہب کے مطابق ''القدر'' کا قائل ہے۔ مثلاً غیلان، ابوشمر اور محمد بن شبیب بصری۔ یہ لوگ اس حدیث کے مصداق ہیں جو ''القدریہ'' پر لعنت کے سلسلہ میں وارد ہے۔ المرجئہ اس لعنت کے دو وجہوں سے مستحق ہیں۔

(۲)۔ المرجئہ کی دوسری قسم ایمان میں ''ارجاء'' اور اعمال میں ''جبر'' کی معتقد ہے۔ جہم بن صفوان کا یہی مذہب ہے، اس لئے ان لوگوں کا شمار فرقہ ''الجہمیہ'' میں ہوتا ہے۔

(۳)۔ المرجئہ کی تیسری قسم فرقہ ''الجبریہ'' اور فرقہ ''القدریہ'' سے علیحدہ ہے۔ (یہی لوگ المرجئہ خالص ہیں) ان کے پانچ فرقے ہیں: الیونسیہ، الغسانیہ، الثوبانیہ، التومنیہ اور المریسیہ۔ ان لوگوں کو المرجئہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں ''عمل''، ''ایمان'' سے مؤخر ہے اور ''ارجاء'' کے معنی ہیں ''تاخیر''۔ کہتے ہیں اَرجیتہ وارجاتہ، یعنی میں نے اسے مؤخر کر دیا، بعد میں کر دیا، پیچھے کر دیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''المرجئہ پر ستر (۷۰) انبیاء نے لعنت بھیجی ہے''۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) المرجئہ کون لوگ ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان ''کلام'' ہے۔'' یعنی وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار کا نام ہے اور بس۔ ہم نے المرجئہ کے جن پانچ فرقوں کی اسم شماری کی ہے، ان میں سے ہر فرقہ دوسرے

فرقہ کو گمراہ قرار دیتا ہے، جبکہ دوسرے تمام فرقے ان المرجئہ کو برسر ضلالت سمجھتے ہیں۔ انشاء اللہ عزوجل ہم ان فرقوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے:۔

### ا۔ المرجئہ کا فرقہ الیونسیہ:

یہ فرقہ یونس بن عون کا متبع ہے۔ اس شخص کا خیال ہے کہ ایمان قلب اور زبان میں ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، دل سے اس کی محبت و خشوع و خضوع اور زبان سے یہ اقرار کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس جیسی کوئی اور چیز نہیں ہے، ایمان ہے اور اتنا اقرار اس وقت تک کافی ہے جب تک کہ رسولوں کی حجت و برہان اس پر قائم نہ ہو، مگر جب لوگوں پر رسولوں کی حجت قائم ہو جائے تو پھر ان پر ان کی تصدیق کرنا اور ان کے پیغام کی معرفت لازم ہو جاتی ہے اور ان تمام باتوں کا اجمالی علم ''ایمان'' کہلاتا ہے لیکن رسولوں کی لائی ہوئی شریعتوں کی تفصیلی معرفت ایمان یا من جملہ ایمان نہیں ہے۔ اس گروہ کے نزدیک ایمان کی ہر خصلت (حصہ، صفت) نہ تو ایمان ہے اور نہ اس کا بعض (جزء، حصہ) ہی ہے، بلکہ ان تمام خصائل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ (یوں ایمان سے عمل کا عنصر خارج کر دیا گیا ہے اور اسے تصدیق بالقلب و اقرار باللسان سے مربوط کر دیا گیا ہے، یہی ''ارجاء'' ہے اور اس کے ماننے والے ''المرجئہ'')۔

### ۲۔ المرجئہ کا فرقہ الغسانیہ:

یہ فرقہ غسان مرجئی کے پیروؤں پر مشتمل ہے۔ اس نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کے اقرار یا اس کی محبت و تعظیم کا اور اس پر استکبار کو ترک کر دینے کا۔ اس نے یہ کہا کہ ایمان بڑھتا ہے مگر کم نہیں ہوتا (یعنی عمل سے ایمان بڑھتا ہے مگر ترک عمل سے کم نہیں ہوتا)۔ اس نے یہ کہہ کر الیونسیہ سے علیحدگی اختیار کر لی کہ ایمان کی ہر خصلت، بعض ایمان ہے۔ غسان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس کا یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے قول کے عین مطابق ہے۔ اس نے یہ کہہ کر امام ابوحنیفہؒ پر غلط الزام عائد کیا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید، اس کے انبیاء کی تصدیق

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے احکام کا مجمل اقرار، نہ کہ اس کی تفصیل ایمان ہے۔ اور یہ ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ کم ہی ہوتا ہے۔ اور اس میں لوگوں کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے۔ جبکہ غسان کہتا ہے کہ یہ ایمان بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں۔

### ۳۔ المرجئہ کا فرقہ التومنیہ:

ابو معاذ التومنی کے یہ لوگ پیروکار ہیں۔ ایمان کے متعلق اس شخص کا خیال ہے کہ ایمان ان چیزوں کا نام ہے جو آدمی کو کفر سے محفوظ رکھیں۔ اور ایمان ''خصال'' (خصلتوں کے مجموعہ) کا اسم جامع ہے جس نے ان خصلتوں کو یا ایک خصلت کو بھی چھوڑ دیا، وہ کافر ہو گیا۔ کیونکہ ان خصلتوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، اور کسی ایک خصلت کو ایمان یا بعض کو ایمان کہنا درست نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ تمام فرائض جن کے ترک کر دینے سے کفر لازم آنے پر امت کا اجماع نہیں ہے، ایمان کی شریعت اور اس کا قانون تو ہے، لیکن ایمان نہیں ہے۔

اس نے یہ بھی کہا کہ وہ فرض جو ایمان نہیں ہے، اس کے تارک کو کہا جائے گا کہ: ''اس نے فسق کا ارتکاب کیا''۔ اسے مطلق ''فاسق'' نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس نے اس فرض کا انکار کر کے اسے نہیں ترک کیا ہے۔

اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ جس کسی نے نبی کو تمانچہ مارا یا جان سے مار ڈالا وہ کافر ہو گیا، لیکن تمانچہ مارنے یا جان سے مار ڈالنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کی عداوت، اس سے کینہ اور اس کی تذلیل کی وجہ سے۔

### ۴۔ المرجئہ کا فرقہ الثوبانیہ:

ابو ثوبان مرجئی کے متبعین کا یہ گروہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، اسکے رسولوں اور ہر وہ بات جس کا کرنا عقل کی رو سے لازم و واجب ہو، ان کا اقرار کرنا اور ان کی معرفت حاصل کرنا، ایمان ہے، مگر جن باتوں کا نہ کرنا از روئے عقل جائز ہو، ان کی معرفت ایمان نہیں ہے۔

یہ لوگ ''الیونسیہ'' اور ''الغسانیہ'' سے اس وجہ سے علیحدہ ہو گئے کہ یہ لوگ کسی چیز کے

وجوب پر احکام شریعت کے وارد ہونے سے پہلے از روئے عقل اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

## ۵۔المرجئہ کا فرقہ المریسیۃ:

بغداد کے یہ المرجئہ بشر المریسی کے پیروکار ہیں۔ یہ شخص فقہ میں امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۳ھ) کے مسلک کا متبع اور اُن کا شاگرد تھا۔ مگر جب اس نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ قرآن مخلوق ہے تو امام ابو یوسف نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ اس عقیدہ پر فرقہ ''الصفاتیہ'' اسے گمراہ سمجھتے ہیں۔ مگر جب اس نے یہ کہہ کر فرقہ الصفاتیہ کی موافقت کی کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اکساب کا خالق ہے اور یہ کہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے، تو معتزلہ نے اسے کافر قرار دیا۔ یوں بشر المریسی کو الصفاتیہ اور المعتزلہ دونوں نے ہی چھوڑ دیا۔

ایمان کے متعلق وہ کہتا تھا کہ: وہ دل اور زبان سے تصدیق کا نام ہے۔ جیسا کہ ابن الراوندی کے نزدیک کفر نام ہے انکار کا۔ ان دونوں (بشر اور ابن الراوندی) کے خیال میں بتوں کو سجدہ کرنا کفر نہیں ہے، بلکہ کفر کی نشانی اور اس کی طرف یک گونہ رہنمائی ہے۔

## المرجئہ القدریہ:

المرجئہ کے یہ پانچوں فرقے ''جبر'' و ''قدر'' سے مبرا اور خارج ہیں (اور یوں خالص مرجئی ہیں) جہاں تک المرجئہ القدریہ کا تعلق ہے مثلاً ابو شمر، ابن شبیب، غیلان اور صالح قبہ تو ایمان سے متعلق ان کے ہاں اختلافات ہیں۔ (ہم ذیل میں ان کا کسی قدر ذکر کرتے ہیں)۔

## ابو شمر کے عقائد:

ابو شمر کہتا ہے کہ: ''ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے اقرار کا۔ اور ان احکام و شرائع کی معرفت و اقرار کا جن کے من جانب اللہ ہونے پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے، یعنی صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام، و حج کی فرضیت کا، مردار، خون، گوشت، خنزیر، زنا وغیرہ کی حرمت کا اور جو امور عقل سے معلوم کیے جا سکتے ہیں، از قسم عدل و توحید باری تعالیٰ اور اس سے تشبیہ کی نفی، ان سب کی معرفت اور ان کے اقرار کا ''ایمان نام ہے''۔ اس نے عقل کا ذکر کر کے اپنے عقیدہ

القدر کو مراد لیا ہے اور توحید سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ کی نفی کی جائے۔

ابوشمر کہتا ہے کہ یہ ساری باتیں ایمان ہیں۔ جو اس میں شک کرے وہ کافر ہے اور جسے شک کرنے والے کے کفر میں شک ہو، وہ بھی کافر ہے۔ پھر ایسا ہی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اس کے خیال میں یہ ''معرفت'' اس وقت تک ''ایمان'' نہیں کہلائے گی، جب تک کہ اس کا اقرار نہ کیا جائے۔

ابوشمر اپنی اس بدعت کے باوجود اس شخص کو جو عقائد قدر میں اس کے موافق ہو، فسق کے ارتکاب پر مطلق فاسق نہ کہتا تھا، بلکہ یہ کہتا تھا کہ: ''وہ اس بات میں فاسق ہے۔''

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک مرجئہ کا یہ فرقہ کافر ترین ہے، کیونکہ وہ قدر اور ارجاء کی گمراہیوں کا مجموعہ ہے۔ ابوشمر نے جس ''عدل'' کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ دراصل ''شرک'' ہے، کیونکہ اس نے اس سے اللہ تعالیٰ کے سوا دو بڑے خالقوں کے وجود کا اثبات کیا ہے۔ اسی طرح اس نے جس ''توحید'' کی نشان دہی کی ہے، وہ درحقیقت ''تعطیل'' ہے، اس لئے کہ اس نے اس سے اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، رویت اور تمام ازلی صفات کی نفی کی ہے۔ رہا اس کا یہ قول کہ اس کے مخالف کافر ہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، یہ خود اس کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کے اس قول کے بالمقابل ہے کہ وہ کافر ہے اور اس کے کفر میں شک کرنے والا شخص بھی کافر ہے۔

## غیلان کے عقائد:

غیلان القدری قدر اور ارجاء کے عقائد کا مجموعہ تھا۔ اس کے خیال میں ایمان نام ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت ثانی (دوسری معرفت) کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لائے اور جو احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے ان کے اقرار، ان کی اطاعت، خشوع وخضوع اور محبت کا۔ اس کے خیال میں معرفت اولیٰ ایک اضطراری فعل ہے، ایمان نہیں ہے۔

زرقان نے اپنی کتاب عقائد میں غیلان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ایمان اقرار باللسان ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، مگر ایمان سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

غیلان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ اور نہ اس میں لوگوں کو ایک دوسرے پر کوئی برتری حاصل ہے۔

### محمد بن ابی شبیب کے عقائد:

محمد بن ابی شبیب کا خیال ہے کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے، اس کے رسولوں اور ان تمام امور کی جو مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارد ہوئے ہیں، مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام، حج اور دیگر تمام غیر مختلف فیہ مسائل کی معرفت حاصل کی جائے۔

اس نے یہ بھی کہا کہ ایمان اجزاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور لوگوں کو اس میں ایک دوسرے پر تفوق حاصل ہوتا ہے۔ اور ایمان کی ایک خصلت بھی کبھی بعض (جزء) ایمان ہوتی ہے اور اس کا تارک بعض ایمان کے ترک کرنے کے سبب سے کافر ہو جاتا ہے۔

### الصالحی کا عقیدہ:

الصالحی کے قول کی رو سے ایمان صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور کفر صرف اس سے جہل کا نام ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ: ''اللہ تین میں کا تیسرا ہے'' (یعنی وہ تثلیث کا قائل ہے) اس کا یہ قول کفر نہیں ہے۔ مگر ایسی بات صرف کسی کافر ہی سے سرزد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو شخص رسولوں کا انکار کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا مگر اس لئے نہیں کہ یہ بات محال ہے، بلکہ اس لئے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: ''جو مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں لاتا۔''

صالحی کا یہ بھی خیال ہے کہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام اور حج طاعات (اطاعت الٰہی اور اس کی بندگی) ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادات نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی صرف یہی عبادت ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، اور یہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا۔ صالحی کے نزدیک ایمان ایک خصلت ہے جو نہ بڑھتی ہے اور نہ کم ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کفر بھی صرف ایک خصلت ہے۔

یہ تھے فرقہ المرجئہ کے ایمان کے بارے میں عقائد و افکار۔ اور ایمان سے اعمال کو موخر کرنے کے باعث ان لوگوں کو المرجئہ کا نام دیا گیا ہے۔

## حواشی ............باب سوم، فصل چہارم

(۱) المرجئہ اور اس کے مختلف فرقوں کے مزید احوال و افکار کے لئے اشعری کی مقالات الاسلامیین (عربی و ترجمہ اردو از مولانا محمد حنیف ندوی)، اسفرائینی کی التبصیر، رازی کی اعتقادات فرق المسلمین (عربی اور میرا اردو ترجمہ) شہرستانی کی الملل والنحل (عربی اور میرا اردو ترجمہ) اور احمد امین کی ضحیٰ الاسلام سے رجوع کیجئے۔

(۲) بشر بن غیاث المریسی نے علم فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ سے حاصل کی۔ بعد ازاں علم کلام کی تحصیل کی اور اس میں مہارت بہم پہنچائی۔ اس نے ''خلق قرآن'' کے مسئلہ میں اپنے وقت کے دیگر علماء سے مناظرے کئے اور ہر چند کہ جہم بن صفوان کا زمانہ اسے نہ ملا، مگر اس نے اس کے ''مقالات'' سے بھرپور اخذ و استفادہ کیا۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے زمانہ میں اسے اپنے عقائد کی پاداش میں تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ خلیفہ المامون کے آخری زمانہ میں ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔ بشر کے مزید حالات، خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد جلد ہفتم، ابن خلکان کی وفیات الاعیان اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں ملیں گے۔

(۳) صالح قبہ معتزلی تھا، اسے الزبیدی نے معتزلہ کے ساتویں طبقہ میں شمار کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۷۳ طبقات المعتزلہ) بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔

باب سوم............فصل پنجم

# فرقہ ہائے النجاریہ ۱ کے عقائد کا بیان

النجاریہ حسین بن محمد النجار ۲ کے پیرو ہیں۔ بعض اصولِ عقائد میں یہ لوگ ہمارے اصحاب (اہل السنّت والجماعت) کے اور بعض اصولِ عقائد میں القدریہ کے ہم خیال ہیں۔ اور بعض دیگر اصول عقائد میں دوسروں سے منفرد اور الگ ہیں۔

جس عقیدہ پر یہ لوگ ہمارے اصحاب سے متفق ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اکساب کا خالق ہے، استطاعت فعل کے ساتھ ہے اور عالم میں وہی کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

النجاریہ نے وعید کے ابواب اور گناہگاروں کی مغفرت کے جواز اور تعدیل (عدل) تحریر (جور) کے اکثر و بیشتر ابواب میں ہمارے اصحاب سے اتفاق کیا ہے۔

جن عقائد میں انہوں نے القدریہ سے اتفاق کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، حیات اور اس کی تمام ازلی صفات کی نفی ہے اور آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی روئیت کا محال ہونا اور اس کے کلام (قرآن کریم) کا حادث ہونا ہے۔

جن عقائد میں النجاریہ ہمارے اصحاب کے ہم خیال ہیں، ان کی وجہ سے القدریہ نے ان کو کافر گردانا ہے، اسی طرح جن عقائد میں یہ لوگ القدریہ سے متفق ہیں، ان کی بناء پر ہمارے اصحاب نے ان کی تکفیر کی ہے۔

تمام نجاریہ میں ایمان سے متعلق جو عقیدہ متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ ایمان نام ہے اللہ

تعالیٰ کی، اس کے رسولوں کی اوران فرائض کی، جن پر مسلمانوں کا اجماع ہے، معرفت کا اور اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع کا اوران باتوں کے زبان سے اقرار کا۔ سواس پر حجت کے قیام کے بعد اگر کوئی اس میں سے کسی ایک بات سے بھی ناواقف رہا یا واقف تو رہا لیکن اس کا اقرار نہ کیا، تو وہ کافر ہو گیا۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایمان کی خصلتوں میں سے خصلت، طاعت، لیکن ایمان نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام خصلتوں کا مجموعہ ایمان ہے اور ہر خصلت انفرادی طور پر نہ ایمان ہے اور نہ طاعت۔ النجاریہ کا عقیدہ ہے کہ ایمان بڑھتا ہے، لیکن کم نہیں ہوتا۔

النجاریہ کے نزدیک ''جسم'' ''اعراض مجتمعہ'' کا نام ہے۔ اور یہ وہ اعراض ہیں جن سے جسم کبھی جدا نہیں ہوتا۔ مثلاً رنگ، مزا، بو اور ایسی ہی وہ تمام اعراض اوران کے اعداد جن سے جسم الگ نہیں ہوتا مگر وہ اعراض اوران کی اضرار جن سے جسم خالی اور الگ ہوتا ہے، مثلاً علم، جہل اوران جیسی دوسری چیزیں تو ان میں سے کوئی جسم کا بعض (جزء) نہیں ہے۔

نجار کا یہ بھی کہنا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ جب پڑھا جائے تو عرض ہے، جب لکھا جائے تو جسم ہے اور جب اس کو خون سے لکھا جائے تو وہ الدم المقطع، کہ جملہ (کلام) کے حروف کی تقطیع ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام ہو جائیگا، ہر چند کہ جب الدم المسفوح تھا، تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ تھا۔ چنانچہ یہ ہیں فرقہ النجاریہ کے اصول (مترجم النجاریہ کے اس عجیب وغریب عقیدہ کو، کہ عقدہ لانیحل ہے، سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔ قارئین سے اس کے حل کا متوقع ہے)۔

فرقہ النجاریہ کے یہ متفق علیہ اصول (عقائد) ہیں۔ اس کے بعد مسئلہ خلق قرآن کی تعبیر اور اس بارے میں اپنے مخالفین کی حیثیت سے متعلق ان میں بہت سے فرقے بن گئے۔ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے سارے فرقوں کی تکفیر کرتا ہے لیکن ان میں سے مشہور فرقے تین ہیں یعنی ''البرغوثیہ''، ''الزعفرانیہ'' اور ''الزعفرانیہ'' کا ''المستدرکہ''۔

### ۱۔النجاریہ کا فرقہ البرغوثیہ

محمد بن عیسیٰ الملقب بہ ''برغوث'' (پسو، جھینگا) کے یہ لوگ متبع اور ہم خیال ہیں۔ یہ شخص اکثر امور میں النجار کے مذہب پر قائم تھا۔ مگر اس نے نجار کی اس مسئلہ میں مخالفت کی کہ کسی عمل کا ''مکتسب''، اس عمل کا ''فاعل'' ہے۔ اس نے اس کے ''فاعل'' ہونے سے انکار کیا اور نجار نے اسے علیحدہ کر دیا۔ البرغوث نے نجار کی ''المتولدات'' کے مسئلہ میں بھی مخالفت کی۔ اور یہ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، طبیعت و جبلت کی وجہ سے یعنی اللہ تعالیٰ نے پتھر کو اس طبیعت پر پیدا کیا ہے کہ جب گرے گا تو اپنی جگہ سے ہٹے گا اور حیوان کی طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب اسے مارا جائے گا تو اسے تکلیف و اذیت پہنچے گی۔ (یوں اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے کہ اس نے مخلوقات کی تخلیق میں جو بات رکھی ہے وہی اس سے ظاہر ہوتی ہے) مگر ''المتولدات'' سے متعلق نجار کے عقائد وہی ہیں، جو ہمارے اصحاب (اہل السنت والجماعت) کے ہیں، یعنی یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں اور اختیاری ہیں اور وہ اس جسم کی طبیعت و جبلت سے سرزد نہیں ہوتے جسے انہوں نے مولد (پیدا کرنے والا) کا نام دے رکھا ہے۔

### ۲۔النجاریہ کا فرقہ الزعفرانیہ:

یہ لوگ زعفرانی نامی ایک شخص کے، جو ری کے شہر میں رہتا تھا پیرو ہیں۔ یہ شخص اپنے آخر کلام سے خود اپنے اول کلام کی تنقیص و تردید کر دیتا تھا۔ (یعنی جو بات پہلے کہتا، بعد میں ایسی بات کہہ دیتا جس سے اس کی پہلی بات خود ہی غلط ثابت ہو جاتی)۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا ''غیر'' ہے، اور ہر وہ چیز جو ''غیر اللہ'' ہے، وہ مخلوق ہے۔ (سو کلام اللہ یعنی قرآن کریم مخلوق ہے) اس قول کے بعد اس نے یہ بھی کہا: ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ کلام اللہ'' (یعنی قرآن کریم) مخلوق ہے، اس سے کتا بھی اچھا ہے۔'' (یوں زعفرانی سے کتا اچھا ہوا)۔

بعض تاریخ نویسوں نے بیان کیا ہے کہ اس زعفرانی نے چار دانگ عالم میں شہرت حاصل کرنے کی غرض سے ایک شخص کو کرایہ پر مکہ بھیجا کہ وہ حج کے موقعوں پر اسے گالیاں دے

اوراس پرلعنت بھیجے تاکہ لوگ اسے جان لیں۔ اور دنیا بھر سے آئے حاجیوں میں اسے شہرت حاصل ہو جائے۔ ری میں زعفرانی کے جو حامی بستے ہیں ان کی حماقت کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ لوگ عنجد (ایک قسم کا خشک انگور یا سوکھی انجیر) نہیں کھاتے اور کہتے ہیں کہ یہ زعفران کو بہت پسند تھی اور وہ اس کے ''محبوب'' کو اس کے احترام میں کھانا پسند نہیں کرتے ہیں۔

**۳۔ النجاریہ کا فرقہ المستدرکہ:**

النجاریہ کی یہ جماعت یہ کہتی ہے کہ جو بات ان کے اسلاف سے پوشیدہ تھی اسے انہوں نے جان لیا ہے اوراس کی اصلاح وتلافی کر دی ہے۔ کیونکہ ان کے اسلاف نے قرآن کریم کومخلوق کہنے سے منع کیا تھا جبکہ وہ اُن کے خیال میں مخلوق ہے۔ بعدازاں اس سلسلہ میں ان کے دوگروہ ہوگئے:۔

(۱) ایک گروہ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کا کلام ان حروف کی ترتیب پرمخلوق (پیدا کیا ہوا) ہے۔ مگر انہوں نے ''اس لفظ سے اس کے حروف کی ترتیب'' کے الفاظ کہہ کر اس پر اعتقاد کا اظہار کیا ہے اور واضح طور سے اسے مخلوق نہیں کہا ہے۔ جوشخص یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اس کے حروف کی ترتیب پر'' (علی ترتیب ہذہ الحروف) نہیں کہا ہے، وہ کافر ہے۔

(۲) ان کے دوسرے گروہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: ''کلام اللہ تعالیٰ ان حروف کی ترتیب پرمخلوق ہے''۔ بلکہ انکا یہ اعتقاد تھا اوراس کی جانب انہوں نے نشان دہی کی ہے اور جوشخص یہ کہے گا کہ ان الفاظ کے ساتھ کلام اللہ مخلوق ہے، تو ایسا شخص کافر ہے۔

ان المستدرکہ کا ایک گروہ جوری میں مقیم ہے کہتا ہے کہ ان کے مخالفین کی تمام باتیں جھوٹ ہیں یہاں تک کہ اگر ان کا کوئی مخالف سورج کے بارے میں یہ کہے کہ ''یہ سورج ہے''، تو وہ بھی ان کے نزدیک جھوٹا ہی ٹھہرے گا۔ (مصنف کتاب) عبدالقاہر کا بیان ہے کہ میں نے ان میں سے ری کے شہر میں ایک شخص سے مناظرہ کیا اوراس سے کہا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمہارے متعلق یہ کہوں کہ تم ایک عقل مند آدمی ہو اور باقاعدہ نکاح کے نتیجہ میں، نہ کہ زناکاری کے نتیجے

میں پیدا ہوئے ہو، تو کیا میں یہ بات کہتے ہیں صادق اور سچا ہوں گا؟'' اس نجاری تے جواب دیا: اس بات میں تم کاذب اور جھوٹے ہو گے۔'' یہ سن کر میں نے اس سے کہا: ''تم اس جواب میں صادق اور سچے ہو'' ۔ وہ شخص اس بات سے شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

## حواشی ............ باب سوم۔ فصل پنجم

(۱) فرقۂ النجاریہ کے حالات کے لئے اشعری، اسفرائینی، شہرستانی اور رازی کی کتب عقائد کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۲) ابوعبداللہ حسین بن محمد بن عبداللہ النجار ابتداء میں عباس بن محمد ہاشمی عباسی کے پارچہ سازی کے کارخانہ میں پارچہ باف تھا۔ فرقہ الجبریہ کے متکلمین میں شمار ہوتا ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وہ پیشہ کے اعتبار سے ''ترازو ساز'' تھا۔ مشہور معتزلی (قدری) متکلم النظام سے اس کے بکثرت مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ نظام کی زبان درازی کے آگے نجار بند نہ ہوتا تھا، لیکن ایک مرتبہ ایسا لاجواب ہوا کہ اس کی زبان بالکل بند ہوگئی۔ وہ حد درجہ خجل و نادم ہوا اور اس صدمے سے داعی اجل کو لبیک کہا اور دنیا ہی چھوڑ دی۔ نجار متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ مزید حالات کے لئے ابن الندیم کی الفہرست دیکھئے۔

باب سوم............**فصل ششم**

# فرقہ ہائے الجہمیہ، البکریہ اور الضراریہ کے مذاہب کا بیان

۱۔ الجہمیہ:

یہ لوگ جہم بن صفوان ۲ کے متبع ہیں۔ یہ شخص ''جبر'' اور عمل میں ''اضطرار'' کا قائل تھا۔ (یعنی بندہ مجبور ہے اور اعمال اس سے اضطراری طور پر سرزد ہوتے ہیں) اس نے ہر قسم کی ''استطاعت'' (عمل کی قوت) کا انکار کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جنت اور دوزخ فنا ہو جائیں گی۔ اس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایمان صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نام ہے، اس طرح کفر صرف اللہ تعالیٰ سے جہل اور ناواقفیت ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کوئی فعل یا عمل سرزد نہیں ہوتا اور ان افعال و اعمال کو بندوں کی جانب صرف مجازاً منسوب کرتے ہیں۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے: ''سورج کو زوال ہوگیا'' یا ''چکی گھومی''۔ حالانکہ سورج اور چکی ان کاموں کو انجام نہیں دیتیں جن کی طرف ان کی نسبت کی گئی ہے بلکہ ایسا مجازی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ جہم نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو شئی، حیّ، عالم یا مرید کہنے سے منع کیا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو کسی ایسے وصف سے متصف نہیں کر سکتا جس کا اس کے غیر پر بھی اطلاق جائز ہو، مثلاً شئی، موجود، حیّ، عالم، مرید اور ان جیسی دوسری صفات (کہ انکا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوسکتا ہے)۔ مگر اللہ تعالیٰ کو قادر، موجد، فاعل، خالق، محی، ممیت کے صفات سے متصف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ صفات صرف اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جہم نے القدریہ کی طرح کلام اللہ کے حادث ہونے کا عقیدہ پیش کیا مگر اللہ تعالیٰ کو اس کلام کے ساتھ

متکلم کا نام نہیں دیا۔

ہمارے اصحاب نے جہم کو اس کی تمام گمراہیوں کے سبب کافر کہا ہے۔ اسی طرح اس کے اس عقیدہ کی بناء پر کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا خالق ہے، القدریہ اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ یوں امت کے مختلف فرقوں نے اس کی تکفیر پر اتفاق کیا ہے۔ یہ جہم اپنے گمراہ کن عقائد کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت کا قائل تھا۔ اس نے سریج بن حارث (صحیح حارث بن سریج) کے ساتھ (خراسان کے آخری اموی گورنر) نصر بن سیار کے خلاف بغاوت کی اور اسے (اموی سالار) سلم بن احوز مازنی نے شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس جہم کے پیروکار (ایران کے شہر) نہاوند میں موجود ہیں۔ ہمارے (مصنف کے) زمانے میں اسماعیل بن ابراہیم بن کعبوس الشیر ازی الدیلی ان لوگوں کے پاس گیا اور انہیں ہمارے شیخ امام ابوالحسن الاشعری کے مذہب کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اہل السنّت والجماعت کا حامی و ہم خیال ہو گیا۔

## ۲۔ البکریہ[۳]:

یہ لوگ عبدالواحد[۴] بن زید کے خواہر زادہ بکر کے متبعین ہیں۔ یہ شخص النظام معتزلی کے اس دعویٰ میں کہ انسان صرف روح ہے، وہ جسم نہیں ہے جس میں یہ روح ہے، اس سے متفق اور اس کا ہم خیال تھا۔ اسی طرح یہ شخص ''تولد'' (ایک فعل کے نتیجہ میں دوسرا فعل سرزد ہونا، یعنی پتھر پھینکا اور اس کے نتیجہ میں کسی کو چوٹ لگ گئی۔ اس فعل کا خالق کون ہے؟) کے ابطال میں ہمارے اصحاب کا ہم عقیدہ تھا۔ اسی طرح اس عقیدہ کے باطل ہونے میں کہ مار پڑنے سے جو تکلیف ہوتی ہے، اس کا ایجاد کنندہ اللہ تعالیٰ ہے، ہمارا ہم خیال تھا۔ اس کے نزدیک ایسی مار بھی پڑ سکتی ہے جس سے کوئی اذیت نہ پہنچے، اسی طرح سے ایسی کاٹ بھی ہو سکتی ہے جس سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ بات ہمارے اصحاب کے ہاں بھی جائز ہے اور واقع ہو سکتی ہے۔

جہم جن گمراہ عقائد میں سب سے علیحدہ ہے اور جن پر امت نے اس کی تکفیر کی ہے ان

میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس صورت میں لوگوں کو دکھائی دے گا جسے وہ خود اپنے لئے تخلیق کرے گا اور اسی صورت سے اپنے بندوں سے بات کرے گا۔

(۲) اہل قبلہ سے جو گناہ کبیرہ سرزد ہوتے ہیں، وہ ''نفاق'' ہیں اور ان کا مرتکب ''منافق'' ہے۔ ایسا شخص خواہ پابند صلوٰۃ ہی کیوں نہ ہو شیطان کا پجاری ہے بکر کے خیال میں ایسا شخص منافق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا اور اس کا انکاری بھی ہے، وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ شخص مسلم و مومن ہے۔ اس نے اپنے مبتدعانہ خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ (حضرات) علیؓ، طلحہؓ و زبیرؓ کے گناہ کفر و شرک ہیں مگر یہ لوگ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ یہ لوگ شرکاء بدر میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ اہل بدر کے بارے میں باخبر ہے اور اس نے کہا ہے تم جو چاہو کرو میں نے تم سب کو بخش دیا ہے۔''

(۳) بکر کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ جس میں وہ صاحبان عقل کے خلاف کہتا ہے کہ شیر خوار بچے جو پنگوڑوں میں ہو اگر انہیں کوئی زخم لگ جائے یا وہ جل جائیں، تو اس سے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ اس کے خیال میں یہ بھی ممکن ہے کہ مار، کاٹ یا جلنے کے وقت یہ بچے ان باتوں سے ایک طرح کی لذت محسوس کرتے ہوں خواہ ان سے رونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں ہی کیوں نہ نکلتی ہوں۔

(۴) اس نے فقہ میں ایک نیا مسئلہ اور بدعت یہ پیدا کی کہ لہسن اور پیاز حرام ہیں۔ انہیں نہیں کھانا چاہئے۔ اسی طرح اگر پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہو تو اس سے وضو لازم آتا ہے۔ فقہ کے مسائل میں اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ''اہل الاہواء'' کی مخالفت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۳۔ الضِرار یہ ۵:

یہ فرقہ ضِرار[۶] بن عمرو کا پیرو ہے۔ یہ شخص اس مسئلہ میں کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے

''مخلوق'' (پیدا کردہ) اور بندوں کے ''اکساب'' (کمائی) ہیں، ہمارے اصحاب کا ہم عقیدہ ہے۔ اسی طرح ''التولد'' کے باطل ہونے میں بھی یہ ضرار ہم لوگوں کا ہم عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ میں کہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے، وہ المعتزلہ کا ہم مسلک ہے۔ اس پر اس نے یہ اضافہ بھی کیا کہ استطاعت، فعل سے پہلے، فعل کے ساتھ اور فعل کے بعد بھی ہوتی ہے اور یہ صاحب استطاعت کا بعض (جزء، حصہ) ہے۔ اسی طرح وہ فرقہ نجاریہ کا اس دعویٰ میں ہم خیال ہے کہ جسم نام ہے رنگ، مزا، بو اور اس جیسی دوسری ایسی اعراض کے مجموعہ کا جن سے جسم کبھی خالی نہیں ہوتا۔

ضرار نے دوسرے فرقوں سے متعدد امور میں علیحدہ گمراہ کن رائے ظاہر کی ہے، مثلاً:۔

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو چھٹیں حاسہ سے دیکھا جائے گا۔ اس حس سے مومن اللہ تعالیٰ کی ماہیت کو دیکھیں گے۔ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ماہیت کو اُن کے سوا کوئی اور نہیں جانتا، اسے اہل ایمان چھٹیں حس سے دیکھیں گے۔ اس امر پر حفص الفرد نامی شخص اس کا متبع و پیرو ہے۔

(۲) اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲ھ) اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۰ھ) کی قرأت قرآن کریم سے انکار کیا اور یہ گواہی دی کہ ان قرائتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل نہیں کیا ہے۔ یوں اس نے ان دو جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو ان کے مصحفوں میں گمراہی وضلالت سے منسوب کیا ہے۔

(۳) اس نے عامۃ المسلمین کے متعلق شک کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ عامہ مسلمین کے دلوں میں جو کچھ ہے آیا وہ سب کا سب کفر ہے یا شرک ہے؟

(۴) اس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم اور حی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جاہل نہیں ہے، مردہ نہیں ہے۔ اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں ایسا ہی قیاس کرتا ہے جس سے کسی قسم کے معنی کا اثبات یا کوئی فائدہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ ہر وصف کی اس کی ضد سے نفی کر دی جائے۔

## حواشی ........... باب سوم۔ فصل ششم

(۱) فرقہ الجہمیہ کے متعلق التبصیر، الملل والنحل واعتقادات فرق المسلمین دیکھئے۔

(۲) ابومحرز جہم بن صفوان الراسبی۔ بقول طبری یہ جہم حارث بن سریج کا سکریٹری تھا۔ جس نے آخری اموی دور میں ۱۲۸ھ میں خراسان میں بغاوت کی تھی۔ اموی افواج نے ان دونوں کا کام تمام کر دیا تھا۔ علم کلام میں جہم، جعد بن درہم زندیق کا شاگرد تھا۔ اسلام میں ''خلق قرآن'' کا باطل نظریہ سب سے پہلے اس نے پیش کیا تھا۔

(۳) مزید معلومات کے لئے اسفرائینی کی التبصیر اور اشعری کی مقالات الاسلامیین جلد اول سے رجوع کیجئے۔

(۴) ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کا نام بکر بن زیاد باہلی لکھا ہے۔ جھوٹی حدیثیں وضع کرنے میں بڑا جری تھا۔ دیکھئے کتاب مذار جلد اول، صفحہ ۳۴۵۔

(۵) اس فرقہ کے لئے مقالات الاسلامیین جلد اول، الملل والنحل جلد اول، التبصیر اور اعتقادات فرق المسلمین دیکھئے۔

(۶) ضرار کی نشو و نما واصل بن عطاء الغزال کے زمانہ میں ہوئی۔ مشہور معتزلی عالم بشر بن معتمر نے اس کے عقائد کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی۔ خود ضرار نے ایک کتاب بنام ''التحریش'' لکھی تھی جس میں وضعی احادیث درج کی ہیں، مزید معلومات کے لئے ذہبی کی میزان الاعتدال جلد دوم میں ضرار کے حالات دیکھئے۔

(۷) حفص الفرد، ابن الندیم کے مطابق فرقہ الجبریہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا شمار اس گروہ کے اکابر میں ہوتا ہے۔ مصر کا باشندہ تھا، وہاں سے بصرہ آیا اور حدیث کی سماعت کی۔ یہیں ابوہذیل علاّف سے علمی مناظرے کئے، اور ان مناظروں میں علاف سے شکست کھا گیا اور معتزلہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ ذہبی نے اسے بدعتی کہا ہے۔ نسائی نے اس کی حدیث نہیں لی ہے۔ امام شافعی نے اس کی تکفیر کی ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۵۶۴۔

باب سوم............فصل ہفتم

# فرقہ الکرّامیہ کے عقائد کا بیان

کرّامیہ کے فرقے:

خراسان میں فرقہ الکرامیہ ا کے تین گروہ ہیں، حقائقیہ، طرائقیہ اور اسحاقیہ۔ یہ تینوں گروہ ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے، ہر چند کہ دوسرے تمام فرقے انہیں کافر قرار دیتے ہیں، اس لئے ہم نے ان تینوں فرقوں کو ایک ہی فرقہ شمار کیا ہے۔

محمد بن کرّام:

فرقۂ الکرامیہ کا زعیم ورئیس محمد بن کرام ۲ نامی شخص تھا۔ اسے سیستان سے گرجستان بھگا دیا گیا تھا۔ اس کے زمانہ میں شورمین اور افشین کے ناسمجھ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ بعد ازاں وہ (خراسان کے عباسی گورنر) محمد بن عبداللہ بن طاہر (۲۵۹ھ) ۳ کے عہد میں نیشاپور آیا۔ وہاں نیشاپور کے مضافات کے کچھ دیہاتی کھیت مزدور اور عام لوگ اس کے گمراہانہ خیالات کے پیرو ہو گئے۔

کرّامیہ کے عقائد:

اِس زمانہ میں محمد بن کرام کے متبعین کی گمراہیاں بے شمار ہیں اور ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ ہم ان میں سے مشہور عقائد کا کہ وہ بھی قبیح ہیں، یہاں ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق عقائد:

ابن کرام اپنے معبود (اللہ تعالیٰ) کی تجسیم کی دعوت دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جسم ہے۔

نیچے اور اس سمت سے جہاں وہ اپنے عرش سے مل جاتا ہے اس کی ایک حد اور انتہاء ہے، یہ عقیدہ ''ثنویہ'' (مجوسی) کے عقیدہ کے مشابہ ہے، کہ ان کا معبود، جسے انہوں نے ''نور'' کا نام دیا ہے، وہ اس سمت سے جہاں وہ ''ظلمت'' سے جاملتا ہے، متناہی ہے مگر دیگر پانچوں سمتوں سے اس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ ابن کرام نے اپنی بعض کتابوں میں بیان کیا ہے کہ اس کا معبود ''جوہر'' ہے، نصاریٰ کا بھی یہی خیال ہے کہ انکا اللہ ''جوہر'' ہے۔ اس نے اپنی کتاب کے خطبہ میں جس کا نام ''عذاب القبر'' ہے، لکھا ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ احدی الذات اور احدی الجوہر ہے۔'' ہمارے زمانہ کے کرامیہ عوام الناس کے خوف سے اللہ تعالیٰ پر لفظ جوہر کا اطلاق نہیں کرتے، کیونکہ اس بات کی اشاعت سے ان کی رسوائی ہوگی۔ اس کے برخلاف وہ اللہ تعالیٰ پر لفظ ''جسم'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ حالانکہ ''جوہر'' کے بجائے اس پر لفظ ''جسم'' کا اطلاق زیادہ رسوائی وذلت کی بات ہے۔ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کو جوہر نہ کہنا اور اسے جسم کہنا، ایسا ہی ہے جیسا کہ روافض میں سے شیطان الطاق نے اللہ تعالیٰ پر لفظ جسم کا اطلاق کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ انسان کی شکل کا ہے۔ ہاں بدی کو اختیار کرنے میں جو رسوائی وخجالت ہے، وہ ناقابل قیاس ہے۔

ابن کرام نے اپنی کتاب (مذکور الصدر) میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے مماس (چھوئے ہوئے) ہے۔ اور عرش اس کا مکان ہے۔ مگر اس کے متبعین نے اس لفظ ''مماس'' کو ''ملاقاۃ'' سے بدل دیا ہے، اور کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اور عرش کے درمیان کسی اور جسم کا وجود ممکن نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ عرش کو نیچے کی جانب سے محیط (گھیرے ہوئے) ہو۔ درحقیقت ''مماس'' کا یہی مفہوم ہے جس کے اطلاق سے ان لوگوں نے رک کر ''ملاقاۃ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ابن کرام کے اصحاب نے آیت قرآنی ''الرحمٰن علی العرشِ استویٰ'' (رحمان عرش پر مستوی ہے۔ سورۃ طہٰ، آیت ۵)، میں مذکور لفظ ''استواء'' کے معنی میں اختلاف کیا ہے:۔

ان میں سے کچھ نے یہ کہا کہ سارا عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے بالمقابل بہت سے عرش بنا دے، تو یہ تمام عرش اس کا مکان ہوں گے، کیونکہ وہ ان سب سے بڑا ہے۔ ان لوگوں کے اس عقیدہ سے یہ امر ان پر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس وقت کا عرش

اپنی چوڑائی میں اللہ تعالیٰ کا بعض اور جزو ہو۔(اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے زیادہ ہے)۔

کچھ دوسروں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سمت میں جہاں وہ عرش سے مماس ہے، اپنے عرش سے زیادہ نہیں ہے، اور وہ ذرا بھی عرش سے فاضل و زائد نہیں ہے۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرض، عرش کے عرض کے مساوی اور برابر ہے (دونوں میں سے کوئی زیادہ نہیں ہے)۔ نیشاپور میں فرقہ کرامیہ کا ایک شخص ابراہیم بن مہاجر نامی تھا وہ اس عقیدہ کی حمایت کرتا تھا اور اس پر لوگوں سے مناظرہ بھی کرتا تھا۔

ابن کرام اور اس کے متبعین کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا معبود حوادث کا محل ہے جہاں بہت سے حوادث و اعراض جمع ہوگئے ہیں۔ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے ''اقوال''، ''ارادہ'' ''مرئیات'' اور ادراکات، مسموعات کے ادراکات اور عالم کے بالائی حصہ سے اس کا آمنے سامنے ہونا، یہ سب ''اعراض'' ہیں کہ اس میں حادث (پیدا) ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان تمام ''حوادث'' کا جو اس میں پیدا ہوتے ہیں محل و مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کسی شئی کو ''کن'' کہتا ہے، اُسے ان لوگوں نے مخلوق کے لئے خلق (پیدائش) محدث کے لئے احداث (حادث کرنا)، اور جو وجود کے بعد معدوم ہو، اس کے لئے اعدام (معدوم کر دینا) کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ مگر جو اعراض اللہ تعالیٰ کی ذات میں حادث (پیدا) ہوتی ہیں، ان کو یہ لوگ مخلوق، مفعول اور محدث کہنے سے رکتے ہیں۔

کرامیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے معبود کی ذات میں بہت سی ''اعراض'' کے ''حدوث'' کے بعد ہی عالم میں کوئی جسم یا کوئی عرض پیدا ہوتی یا ان کا حدوث ہوتا ہے۔ ان اعراض میں سے جو ذات معبود میں حدوث پذیر ہوتی ہیں، اس ''حادث'' کے ''حدوث'' (تخلیق) کا ارادہ ہے، ان میں اعراض میں سے اس حادث کے لئے لفظ ''کن'' کہنا ہے کہ جس طریقہ پر وہ اس کے حدوث پذیر ہونے کو جانتا ہے اسی طرح وہ ہو جائے۔ اس کا یہ ''قول'' اپنی جگہ پر بہت سے ''حروف'' کا مجموعہ ہے جس میں سے ہر حرف ایک عرض ہے جو ذات معبود میں حادث ہوتی ہے۔ انہیں اعراض حادثہ میں سے رؤیت ہے جو اس میں پیدا ہوتی ہے۔ جس سے وہ اس حادث

کو دیکھتا ہے۔ اگر اس میں یہ رؤیت نہ پیدا ہوتو وہ اس حادث کو دیکھ ہی نہ سکے گا۔ انہیں اعراض میں سے جو معبود کی ذات میں کسی جسم یا عرض کے پیدا کرنے کے وقت پیدا ہوتی ہیں، وہ اعراض ہیں جن کے ذریعہ وہ اس حادث کو اگر وہ مسموعات میں سے ہوں، سنتا ہے۔

ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عالم سے کوئی بھی ''عرض'' اس وقت تک معدوم نہیں ہوتی جب تک کہ ان کے معبود میں بہت ساری ''اعراض'' حدوث پذیر نہ ہو جائیں۔ ان پیدا ہونے والی اعراض میں سے اس عرض کو معدوم کرنے کا ارادہ الٰہی ہے ان میں سے وہ جس شئی کو معدوم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس کا یہ قول ہے کہ ''کن معدوما'' (معدوم ہو جا) یا ''افن'' (فنا ہو جا) یہ قول بذات خود بہت سے حروف کا مجموعہ ہے کہ ان میں سے ہر حرف ایک عرض ہے جو معبود میں حادث ہوتی ہے۔ اس طور سے کرامیہ کے عقیدہ کے مطابق عالم کے اجسام و اعراض سے ہزار ہا گنا زیادہ حوادث حادثہ ذات الٰہی میں درآتی ہیں۔

الکرامیہ کے ہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ حوادث جو ان کے خیال کے مطابق ذات الٰہی میں حادث (پیدا) ہوتے ہیں، کیا وہ معدوم ہوسکتے ہیں اور ان پر عدم کا اطلاق کرنا جائز ہے؟ ان میں سے بعض کے نزدیک ان کا معدوم ہونا جائز ہے۔ مگر اکثر کے ہاں ان کا عدم محال ہے۔ لیکن ان دونوں فریقوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مستقبل میں اپنے اندر حوادث کے حلول سے خالی نہیں، اگر چہ وہ ازل میں ان حوادث سے خالی تھی۔ یہ بات ''اصحاب الہیولیٰ'' کے اس قول سے مشابہ ہے کہ ہیولیٰ ازل میں جوہر تھا اور اعراض سے خالی تھا، مگر بعد میں اس کے اندر اعراض پیدا ہوگئے اور مستقبل میں وہ ان اعراض سے خالی نہ رہے گا۔

## اجسام کیا ہیں؟:

اجسام عالم معدوم یا فنا پذیر ہیں یا نہیں ہیں۔ اس مسئلہ میں الکرامیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے اکثر کی یہ رائے ہے کہ اجسام عالم کا معدوم ہونا محال ہے۔ یہ لوگ اس عقیدہ میں ''دہریہ'' اور ''فلاسفہ'' کے مشابہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آسمان اور ستارے طبیعت خاصہ پر ہیں

جو فنا اور فساد کو قبول نہیں کرتے یعنی فانی نہیں ہیں۔

لوگوں کو بصرہ کے معتزلہ کے اس عقیدہ پر سخت تعجب ہوتا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمام اجسام کو یک بارگی فنا کر دے مگر وہ بعض کو فنا اور بعض کو باقی رکھنے پر قادر نہیں ہے''۔ مگر الکرامیہ کے اس عقیدہ سے یہ تعجب ختم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم کو کسی حال میں فنا کرنے پر قادر نہیں ہے۔

تجسیم باری:

ان تمام امور سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ابن کرام نے اپنے معبود کے متعلق کہا ہے کہ وہ بھاری اور بوجھل ہے۔ اور وہ یوں کہ اس نے اپنی کتاب ''عذاب القبر'' میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہ: ''جب آسمان پھٹ جائے گا (القرآن، سورۃ الانفطار، آیت ۱)'' لکھا ہے کہ آسمان اللہ تعالیٰ کے بوجھ سے پھٹ جائے گا۔

اسماء باری:

ابن کرام اور اس کے اکثر پیروؤں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنے ان اسماء کے ساتھ موصوف تھا جو اہل لغت کے ہاں اس کے خیال سے مشتق ہیں، گو کہ ازل میں افعال کا وجود محال تھا۔ اس بناء پر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگرچہ ازل سے خلق، رزق اور نعمت کا وجود نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ ازل سے خالق، رازق و منعم تھا۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی ذات میں ''خالقیت'' کے سبب خالق تھا اور ''رازقیت'' کی وجہ سے رازق تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت نام ہے خلق کرنے پر اس کی قدرت کا اور اسکی رازقیت نام ہے رزق دینے پر اس کی قدرت کا۔ یہ قدرت قدیم ہے جبکہ خلق اور رزق اس کی ذات میں اس کی قدرت سے حادث (پیدا) ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ خلق سے عالم کی پیدا کردہ چیزیں مخلوق کہلاتی ہیں اور اس کی ذات میں جو رزق حادث ہوتی ہے، اس سے مرزوق (جسے رزق دیا جائے) مرزوق کہلاتا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ ''متکلم'' اور ''قائل'' کے مابین فرق کرتے ہیں۔ اسی طرح ''کلام'' اور ''قول'' کو ایک دوسرے سے الگ خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے متکلم و قائل ہے۔ پھر ان دونوں ناموں کے معنی میں یہ فرق بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے کلام کے ساتھ متکلم ہے کہ وہ قول پر اس کی قدرت سے عبارت ہے اور ازل سے وہ ''قائلیۃ'' سے قائل ہے، نہ کہ قول ہے۔ یہ ''قائلیت'' قول پر اس کی قدرت کا دوسرا نام ہے۔ اور اللہ کا ''قول'' حروف ہیں جو اس کی ذات میں حادث ہوتے ہیں۔ یوں ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا قول اس میں حادث ہوتا ہے اور اس کا کلام قدیم ہے۔

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ میں نے بعض کرامیہ سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا اور کہا: ''جب تم یہ کہتے ہو کہ ''کلام'' نام ہے ''قول'' پر قدرت کا اور تمہارے نزدیک ساکت (خاموش) اپنے سکوت کی حالت میں ''قول'' پر قادر ہے، تو اس بات سے یہ لازم آتا ہے کہ ''ساکت''، ''متکلم'' ہو جائے (جو محال ہے)''۔ اس بات سے وہ لاجواب ہو گیا۔

اس ضمن میں کرامیہ بڑی باریک بینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بات کہتے ہیں کہ: ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے مطلقاً خالق و رازق ہے۔ ہم ایسا کسی اضافت و نسبت سے نہیں کہتے کہ وہ ازل سے مخلوقات کا خالق ہے رزق یافتہ گان کا رازق ہے۔ ہم اس اضافت و نسبت کا ذکر مخلوقات و رزق یافتگان کے وجود میں آنے کے وقت کرتے ہیں۔''

اس پر قیاس کرتے ہوئے وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے معبود ہے، لیکن وہ ازل میں عابدین کا معبود نہ تھا، بلکہ وہ عابدین کا معبود، اس وقت ہوا جب یہ عابدین اور اس کی عبادت وجود میں آئیں۔

ابن کرام کی بوالعجبیاں:

ابن کرام نے ''عذاب القبر'' نامی اپنی کتاب میں عجیب و غریب عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے یعنی ''باب اللہ عزوجل کی ''کیفوفیۃ'' کے بارے میں''۔ عقل مند آدمی حیران ہے

کہ اس میں کس بات پر حیرت کا اظہار کرے، آیا اس کی اس جسارت پر کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں لفظ ''کیفیت'' کا اطلاق کیا ہے یا ''کیفیت'' کو ''کیفوفیت'' بنا کر اس کی عبارت کی قباحت اور بے ڈھنگے پن پر؟ اس نے اس قسم کی عبارتیں اور الفاظ سازی کثرت سے کی ہے۔ مثلاً مسئلہ ایمان میں ''اصحاب الحدیث'' پر اعتراض کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے: ''انہوں نے اپنی ''احموقیت'' (حماقت) سے یہ کہا کہ ایمان قول اور عمل سے عبارت ہے''۔ اس طرح اپنی بعض کتابوں میں اپنے معبود کے مکان کو ''حیثوثیت'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے مضحکہ خیز مذہب کے لئے ایسی ہی مضحکہ خیز اور سبک عبارات موزوں و مناسب ہیں۔

## مقدورات باری:

کرّامیہ نے اللہ تعالیٰ کے مقدورات کے بارے میں بھی کلام کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف ان حوادث پر، جو اس کی ذات میں از قسم ارادہ، اقوال، ادراکات و روبرو آنے والی چیزوں سے ملاقات' حدوث پذیر ہوتے ہیں، قادر ہے۔ لیکن اجسام عالم اور ان کی اعراض جیسی مخلوقات میں سے کوئی شئی بھی اس کی قدرت اور مقدور میں نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ اشیاء مخلوقات ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی شئی پر قادر نہیں۔ اس نے عالم کی تمام مخلوقات کو اپنے قول ''کن'' سے پیدا کیا ہے، انہیں اپنی قدرت سے پیدا نہیں کیا ہے۔

یہ عقیدہ ایسی بدعت ہے کہ ان سے پہلے کسی نے اس کا اعلان و اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے قبل کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی ''مقدورات'' کے متعلق کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اہل السنّت والجماعت کے مطابق ہر مخلوق کی تخلیق اس کے حدوث سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اللہ تمام حوادث کا اپنی قدرت سے محدث (حادث کرنے والا) ہے۔ اسی طرح معمر (معتزلی) کے خیال میں تمام اجسام ان کی تخلیق سے پہلے ہی ''اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں، لیکن اعراض نہ تو اس کی پیدا کردہ ہیں اور نہ اس کی قدرت میں ہی ہیں۔ اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ تمام اجسام، الوان (رنگ)، طعوم (مزے) روائح (بو) اور ہر قسم کی اعراض کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ ان لوگوں نے غیر اللہ کے مقدورات پر اللہ تعالیٰ کو قدرت کے ساتھ

متصف کرنے سے احتراز کیا ہے۔ الجہمیہ کہتے ہیں کہ تمام حوادث کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ اوراس کے سوا کوئی دوسرا قادر یا فاعل نہیں ہے۔ یوں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کرامیہ سے پہلے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان حوادث کی تخلیق پر قادر ہے جو اس کی ذات میں حدوث پذیر ہوتے ہیں اور دیگر اجسام و اعراض کی تخلیق پر قادر نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بلند و برتر ہے۔

عدل وجور الٰہی :

کرامیہ نے تعدیل (عدل) اور تجویر (جور) کے مسائل میں عجیب عجیب باتیں کہی ہیں مثلاً:۔

(۱) سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی، ضروری و لازمی ہے کہ وہ جسم حی (زندہ جسم) ہو جو معتبر اور مکلف قرار دی جائے، ان کے خیال میں اگر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا آغاز "جمادات" سے کیا ہوتا، تو وہ صاحب حکمت نہ ہوتا۔ انہوں نے اس بدعت سے معتزلہ کے اس قول پر اضافہ کیا کہ ضروری ہے کہ مخلوقات میں ایسے لوگ بھی ہوں جو معتبر ہوں (اور جو مکلف قرار دیئے جا سکیں) ہر چند کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلی مخلوقات حی ہو جو معتبر ہو (یعنی) (مکلف ہو)۔

کرامیہ نے اپنے اس مبتدعانہ عقیدہ سے ان صحیح احادیث کی تردید کر دی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے "لوح" و "قلم" کو پیدا کیا۔ پھر قلم کو لوح پر جاری کیا اور جو امور قیامت تک ہونے والے ہیں انہیں رقم کیا۔

کرامیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کی تخلیق کرے جس کے متعلق اسے معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی بھی اس پر ایمان نہ لائے گا، تو اس کی یہ تخلیق فضول، عبث اور بے فائدہ ہوگی۔ اس سے بہتر یہ ہوگا کہ وہ تمام مخلوقات کو ایک ساتھ پیدا کرے، کیونکہ اسے یہ بات معلوم ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔

اہل السنّت کی رائے :

اس سلسلہ میں اہل السنّت والجماعت کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مومنین کے بجائے صرف

کافروں کو پیدا کرتا یا کافروں کے بجائے صرف اہل ایمان کی تخلیق کرتا' تو جائز تھا۔ اور اس سے اس کی حکمت میں کوئی نقص اور کمی نہ واقع ہوتی۔

## حکمت الٰہی کے تقاضے:

کرامیہ کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے یہ دور ہے کہ ایسے بچوں کو موت کے منہ میں ڈالدے، جن کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اگر وہ زمانہ بلوغ تک زندہ رہے تو بالغ ہو کر ایمان لائیں گے۔ اسی طرح اس کافر کو موت کی بھینٹ چڑھا دینا اس کی دانائی سے بعید ہے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ اگر وہ ایک عرصہ تک زندہ رہا تو ایمان لائے گا۔ بشرطیکہ ایمان لانے سے قبل اس کی موت میں کسی دوسرے کی صلاح اور بھلائی مضمر نہ ہو۔

کرامیہ کے اس عقیدہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ ابراہیم بن محمد کو بلوغ سے پہلے ہی جو موت دیدی تو اسے یہ معلوم تھا کہ اگر انہیں بلوغ تک زندہ رکھا گیا تو وہ ایمان نہ لائیں گے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اس عقیدہ کی رو سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے کم سن بچوں کی موت سے متعلق کرامیہ کے لئے قدح، برائی اور رسوائی ہے۔

## کرّامیّہ کے نبوت سے متعلق عقائد:

نبوت و رسالت سے متعلق کرامیہ کی جہالتوں میں سے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت دو صفتیں ہیں جو نبی اور رسول میں در آئی ہیں اور وہ وحی، معجزات اور گناہوں سے عصمت کے علاوہ ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس میں یہ صفات موجود ہوں، تو اللہ تعالیٰ اسے رسول بنا کر لوگوں کے پاس بھیجے گا، ان لوگوں نے ''رسول'' اور ''مرسل'' میں فرق پیدا کیا اور کہا: رسول وہ ہے جس کے ساتھ یہ صفات (وحی، معجزہ و عصمت) قائم ہوں اور مرسل وہ ہے جسے رسالت (پیغام) کی ادائیگی پر مامور کیا جائے۔''

بعد ازاں کرامیہ نے انبیاء علیہم السلام کی ''عصمت'' میں غور و خوض کیا اور کہا کہ: ہر وہ گناہ

جس سے ''عدالت'' ساقط ہو جائے یا جس کے ارتکاب سے حد شرعی لازم آئے، انبیاء اس سے معصوم اور پاک ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے کمتر گناہوں کے ارتکاب سے وہ معصوم نہیں ہیں۔ بعض کرامیہ کا قول ہے کہ تبلیغ دین کے امور میں انبیاء پر خطاء کا وقوع ہونا جائز نہیں ہے۔ مگر بعض کرامیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے البتہ اس قول کی تبلیغ میں خطاء کا ارتکاب کیا ہے (نعوذ باللہ) کہ: ''کیا تم نے لات، عزیٰ اور تیسری دیوی مناۃ کے حال پر نظر کی؟ (کہ انہیں کچھ بھی قدرت حاصل ہے) (القرآن، سورۃ النجم، آیت ۱۹، ۲۰)۔'' اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) یہ فرمایا: ''یہ بت خوب صورت آبی پرندوں کی مانند ہیں اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش سنی جائے گی۔'' ؎

اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ یہ کلمات شیطان نے اداء کئے تھے جنھیں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے درمیان پڑھا تھا۔ ہمارے شیخ امام ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ نبوت عطاء کئے جانے کے بعد انبیاء کرام تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔

کرامیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب نبی کی دعوت کا اعلان کر دیا جائے، تو جو شخص بھی اسے سنے یا اسے اس کی خبر پہنچے، کسی دلیل کو جانے بغیر ہی اس شخص پر اس کی تصدیق اور اس کا اقرار لازمی ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اس ''بدعت'' کو خوارج کے فرقہ الاباضیہ سے سرقہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: نبی علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ''میں نبی ہوں'' بذات خود حجت ہے اور اسے کسی برہان اور دلیل کی مزید کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کرامیہ نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ جس شخص تک رسولوں کی دعوت نہ پہنچے، اسے لازم ہے کہ ان امور پر اعتقاد رکھے جو عقل کی رو سے واجب ہیں۔ ان لوگوں سے پہلے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ رسولوں کے مبعوث ہونے کی اطلاع ملنے سے قبل ہی رسولوں کے موجود ہونے پر یقین رکھنا اور ان کا اعتقاد رکھنا واجب ولازم ہے۔

کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ زمانہ تکلیف (تخلیق بشر) کے آغاز سے قیام

قیامت تک، ایک ہی رسول کے مبعوث کرنے پر قناعت کرتا اور اسی پہلے رسول کی شریعت کو جاری رکھتا، تو وہ حکیم اور صاحب دانائی نہ ہوتا۔

اہل السنّت والجماعت کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرتا، تو یہ جائز ہوتا، جیسا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مقدسہ کو اس نے قیامت تک نافذ و جاری فرما کر کیا ہے۔

## امامت کے متعلق خیال:

بعد ازاں ابن کرام نے ''امامت'' کے مسئلہ میں غور و خوض کیا اور یہ خیال پیش کیا کہ ایک وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز ہے، ہر چند کہ ان دونوں کے درمیان جدال و قتال کا سلسلہ جاری رہے اور احکام شرعیہ کے متعلق اختلافات پیدا ہوں۔ ابن کرام نے اپنی کتاب میں اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما وقت واحد میں امام تھے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے حامیوں پر ان کی اطاعت واجب و لازم تھی، گو کہ ان میں سے ایک عادل اور دوسرا باغی تھا۔ ابن کرام کے متبعین کہتے ہیں کہ: علیؓ سنت کے مطابق امام تھے اور معاویہؓ سنت کے خلاف امام تھے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی اطاعت اُن کے پیروکاروں پر لازم تھی۔ حیرت ہے اس اطاعت پر جو ''خلاف سنت'' پر واجب و لازم ٹھہرائی گئی ہے۔

## مسئلہ ایمان:

اس کے بعد کرامیہ نے مسئلہ ''ایمان'' پر بحث و تمحیص کی اور کہا کہ ایمان عبارت ہے ایک فرد کے ابتداء میں اقرار سے۔ اور اس کا بار بار دہرانا صرف مرتد سے جو ارتداد کے بعد اس کا اقرار کرے، ایمان کہلائے گا۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ایمان وہ اقرار سابق ہے جو آغاز تخلیق کے وقت پہلی مرتبہ نبی علیہ السلام کے مطالبہ پر لوگوں نے ''ہاں'' کہہ کر کیا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اقرار ہمیشہ باقی رہے گا اور ارتداد کے سوا کسی اور بات سے زائل نہ ہوگا۔ کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس شخص نے شہادتیں (اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہیوں) کا اقرار کیا، وہ مومن برحق ہے، خواہ اس کے بعد وہ ''رسالت'' سے انکار

ہی کیوں نہ کرے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ منافقین جن کی تکفیر میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات نازل فرمائی ہیں، سچے اور برحق صاحب ایمان تھے۔ اور ان لوگوں کا ایمان انبیاء و ملائکہ کے ایمان جیسا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے اور اہل السنّت والجماعت کے مخالفین ''اہل الاہواء'' کے بارے میں اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ آخرت میں ان پر عذاب ہمیشہ ہمیشہ نہ رہے گا جبکہ ''اہل الاہواء'' کے خیال میں کرامیہ ہمیشہ ہمیشہ آگ میں جلیں گے۔

مسائل فقہ:

پھر ابن کرام نے فقہ کے مسائل میں ایسی حماقتیں ایجاد کیں جنہیں اس سے پہلے کسی نے اختراع نہیں کیا تھا:۔

(۱) صلوٰۃ المسافر (مسافر کی نماز) سے متعلق اس نے کہا کہ اس صلوٰۃ کے لئے رکوع، سجود، قیام، قعود، تشہد اور سلام کے بغیر صرف دو تکبیروں کا کہہ لینا کافی ہے۔

(۲) صلوٰۃ ایسے کپڑے میں جو سارا کا سارا نجس و ناپاک ہو، ناپاک زمین پر اور بدن کے اوپر ظاہر ہونے والی نجاست کے باوجود درست اور صحیح ہے۔ اس کے نزدیک طہارت ''احداث'' سے واجب ہے ''انجاس'' سے نہیں۔ (یعنی پیشاب، پاخانہ کرنے سے طہارت ضروری ہے، جسم یا کپڑوں پر نجاست لگ جانے سے طہارت لازم نہیں آتی)۔

(۳) میت کو غسل دینا اور اس پر صلوٰۃ جنازہ پڑھنا، ایسی دو سنتیں ہیں جو فرض نہیں ہیں۔ اور جو چیز واجب ہے وہ میت کو کفن دینا اور اسے دفن کرنا ہے۔

(۴) صلوٰۃ فرض، صوم مفروض و حج فرض کی ادائیگی نیت کے بغیر بھی درست و صحیح ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ابتداء میں قبول اسلام کی نیت، اسلام کے فرائض میں سے ہر فرض کی نیت کے لئے کافی ہے۔

ابن مہاجر کا فتنہ:

ہمارے (مصنف کے) زمانہ میں ابراہیم بن مہاجر نامی شخص کرامیہ کا شیخ و مقتدا تھا۔ اس

نے ایسی گمراہیاں ایجاد کی ہیں جو اس سے پہلے کسی نے ایجاد نہ کی تھیں۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام ''اسماء'' اس کی ذات میں ''اعراض'' ہیں۔ اور اس طرح ہر مسمیٰ کا نام اسکی ذات میں ایک عرض ہے۔ یوں اس نے کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ ایک عرض ہے جو ایک قدیم جسم میں در آئی ہے۔ ''الرحمٰن'' دوسری عرض ہے اور ''الرحیم'' تیسری عرض ہے اور ''الخالق'' چوتھی عرض ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر نام ایک عرض ہے جو دوسری عرض کا غیر ہے۔ چنانچہ اس کے نزدیک ''اللہ'' غیر ''الرحمان'' ہے، ''الرحمان'' غیر ''الرحیم'' ہے اور ''الخالق'' غیر ''الرازق'' ہے۔ ابراہیم بن مہاجر کا یہ بھی خیال ہے کہ ''الزانی'' اس شخص کے جسم میں جس کی جانب زنا کی اضافت ونسبت کی جائے، ایک عرض ہے اور ''السارق'' اس آدمی کے جسم میں جس کی طرف سرقہ کی اضافت کی جائے، ایک عرض ہے۔ اور ''جسم'' زانی یا سارق نہیں ہے۔ اور جس پر (زنا میں) کوڑے کی حد جاری کی جائے یا (چوری میں) اس کے ہاتھ کاٹے جائیں وہ زانی یا سارق کا غیر اور ان کے علاوہ کوئی اور ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ''حرکت'' اور ''متحرک'' جسم میں حادث ہونے والی دو عرض ہیں۔ اسی طرح ''سواد'' (سیاہی) اور ''اسود'' (سیاہ) جسم میں دو عرض ہیں، یہی حال ''علم'' اور ''عالم''، ''قدرۃ'' اور ''قادر'' ''حی'' اور ''حیاۃ'' کا ہے کہ یہ سب ''اعراض'' ہیں، جو ''اجسام'' کا غیر ہیں۔ چنانچہ اس کے خیال میں ''علم'' ''عالم'' کے ساتھ ''قائم'' نہیں ہوتا بلکہ ''عالم'' کے ''محل'' کے ساتھ قائم ہوتا ہے (محل العلم۔ جس جگہ علم اترا ہے، صاحب علم) اور ''حرکت'' ''متحرک'' کیساتھ ''قائم'' نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق محل المتحرک سے ہوتا ہے۔

عبدالقاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابن مہاجر سے ''آل سامان[۵]'' کے سپہ سالار ناصر الدولہ ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن سیکجور[۶] کی مجلس میں ۳۷۰ھ میں، اس مسئلہ میں مناظرہ کیا اور اس پر یہ اعتراض کیا کہ اگر اس کی بات درست ہے تو زنا کے جرم میں جس پر حد جاری کی جائے گی وہ زانی کے سوا کوئی اور ہوگا اور سرقہ میں جس شخص کا ہاتھ کاٹا جائے گا وہ سارق کے علاوہ کوئی اور ہوگا۔ یہ سن کر وہ لاجواب ہوگیا۔ میں نے اس پر یہ بھی اعتراض کیا کہ اس کے عقیدہ کے مطابق اس کا معبود ''عرض'' قرار پائے گا، کیونکہ اس کے ہاں معبود ''اسم'' ہے اور ''اسماء'' ''اعراض'' ہیں

جو ایک ''قدیم جسم'' میں ''حلول'' کیے ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں ابن مہاجر نے کہا: ''معبود'' جسم قدیم میں ایک عرض ہے اور میں ''جسم'' کی عبادت کرتا ہوں ''عرض کی نہیں'' میں نے اُس سے کہا کہ ''اگر ایسا ہے تو تم اللہ عزوجل کی عبادت نہیں کرتے، کیونکہ تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ عرض ہے اور تم نے ابھی کہا ہے کہ تم ''جسم'' کی پرستش کرتے ہو ''عرض'' کی نہیں۔

کرامیہ کے رسوا کن عقائد بے شمار ہیں۔ ہم نے ان میں سے جس قدر اس فصل میں بیان کر دیے ہیں۔ وہ کافی ہیں۔ واللہ اعلم۔

## حواشی ............ باب سوم۔ فصل ہفتم

(۱) فرقہ ہائے کرامیہ کے لئے التبصیر، الملل والنحل جلد اول اور اعتقادات فرق المسلمین سے رجوع کیجئے۔ وہاں ان کے بارہ (۱۲) فرقوں کا ذکر ہے جن میں سے مشہور چھ (۶) ہیں، باقی فرقے ان کی فروع ہیں۔ یہ چھ فرقے ہیں العابدیہ، التونیہ، الزرینیہ، الاسحاقیہ، الواحدیہ اور الہیصمیہ، امام رازی نے ان کے سات فرقوں کا ذکر کیا ہے، یعنی الطرایقیہ، الاسحاقیہ، الحماقیہ، العابدیہ، الیونانیہ السوسیہ اور الہیصمیہ، یہ آخری فرقہ اہل السنّت والجماعت سے زیادہ قریب ہے۔

(۲) ابوعبداللہ محمد بن کرام سیستانی، زاہد و عابد تھا، کرامیہ کا شیخ الطائفہ یہی ہے۔ محمد بن طاہر کے عہد میں خراسان آیا، پھر فلسطین و شام چلا گیا اور وہیں ۲۵۵ھ میں فوت ہوا۔ اس کے متبعین کی بڑی تعداد شام، غور، گرجستان، و خراسان میں موجود تھی۔ ابن کرام اور اس کے تلامذہ کے ظاہری تقشّف و زہد کی وجہ سے گرجستان و غور کے بہت سے سادہ لوح عوام کرامیہ کے ہم عقیدہ ہو گئے تھے (دیکھئے ذہبی کی العبر جلد اول صفحہ ۱۰، تاریخ ابوالفداء جلد دوم صفحہ ۴۷، شہرستانی کی الملل والنحل جلد اول صفحہ ۳۳۱)۔

(۳) مشہور عباسی خلیفہ المامون نے ۲۰۵ھ میں اپنے سپہ سالار طاہر بن حسین ذوالیمینین کو خراسان اور خلافت عباسیہ کے مشرقی حصوں کی موروثی گورنری عطاء کی جو ۲۵۹ھ تک پچپن (۵۵) سال کے قریب باقی رہی اور اس خاندان کے چار گورنروں نے عباسیوں کی نیابت میں بلاد مشرقی پر حکومت کی۔ اگر چہ طاہری یک گونہ خود مختار تھے لیکن انہیں کی حسن تدبیر و قوت بازو سے خلافت عباسیہ کو اپنے مشرقی مقبوضات پر مزید پچاس (۵۰) تک بالادستی حاصل رہی۔ (مزید مطالعہ کے لئے تاریخ ابن خلدون (ترجمہ) جلد ششم دیکھئے)۔

(۴) اس سلسلہ میں علامہ شبلی مرحوم نے سیرۃ النبی ﷺ جلد اول صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۶ میں

جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ پیش نظر رکھنا چاہیے، وہ لکھتے ہیں کہ: 'رواتیوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے، وہاں کفار قریش بھی موجود تھے۔ جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "ومنوۃ الثالثه الاخریٰ" تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ ادا کر دیئے، "تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتہن لترجیٰ" اس کے بعد آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار کی یہ عادت تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ النجم کی یہ آیتیں پڑھیں تو کسی شیطان کافر (بدمعاش) نے آپ ﷺ کی آواز میں ملا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے (جو اگلی اور پچھلی آیتوں سے بالکل بے جوڑ تھے)۔ اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ ﷺ کی طرف سے یہ فقرے کہہ دیئے ہوں گے۔ اور اس واقعہ نے روایتوں میں بدل بدل کے یہ صورت اختیار کر لی۔ یہ صرف قیاس نہیں ہے، بلکہ اگلے محققین نے بھی ایسی ہی تصریحات کی ہیں۔ علامہ شبلی مرحوم کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی اس روایت پر تنقید کی ہے۔ مثلاً ہیکل کی "حیات محمد ﷺ" میں بھی اس پر مدلل بحث موجود ہے۔ بیشتر علماء کے خیال میں یہ روایت محض قصہ کہانی سے زیادہ نہیں ہے۔

(۵) عباسیوں کے دور انحطاط میں، آل طاہر کے زوال کے بعد خلافت عباسیہ کے مشرقی مقبوضات میں جو نیم، خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں، اور جو برائے نام عباسیوں کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتیں اور انہیں کی نیابت میں کاروبار حکومت سرانجام دیتی تھیں، انہیں میں آل سامان کی حکومت بھی تھی۔ اس خانوادہ کا نسلی سلسلہ ایران قدیم کے شاہی خاندان سے ملتا تھا اور ان کا دائرہ اقتدار خراسان و ماوراء النہر کے ایک بڑے حصہ تک وسیع تھا۔ آل سامان نے ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ تک حکومت کی اور نو (۹) حکمران یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ مرکز حکومت بخاریٰ کا شہر تھا۔ اپنی علم پروری اور فارسی زبان و ثقافت کی سرپرستی کے لئے اسے بڑی شہرت

حاصل ہے۔ بلعمی نے کہ سامانیوں کا وزیر تھا طبری کی تاریخ اور تفسیر کے ترجمے کئے، ثعالبی نے عربی زبان ولغت پر کتابیں لکھیں، حکیم بُوعلی سینا اسی دربار کا متوسل تھا۔ رودکی کہ فارسی شاعری کے ہراول دستہ کا سالار ہے، اسی خاندان سے وابستہ تھا۔ آل سبکتگین کہ محمود غزنوی کے حوالہ سے تاریخ میں بڑے نامور گزرے ہیں، انہیں سامانیوں کے ساختہ پرداختہ تھے۔ آل سامان راسخ العقیدہ اہل السنّت تھے۔ عباسیوں کی پشت پناہی ان کی حکمت عملی کا بنیادی اصول تھا۔ مزید معلومات کے لئے تاریخ ابن خلدون جلد ششم (ترجمہ)، تاریخ ابن اثیر اور نرشخی کی تاریخ بخارائی سے رجوع کیجئے۔

(۶) یہ شخص آخری سامانی حکمران نوح دوم (۳۶۲ تا ۳۸۷ھ) کا امیر اور خراسان کا گورنر تھا۔ سامانی حکومت کے انتشار اور ایران میں آل بویہ کی ریشہ دوانیوں کے سبب اسے متعدد بار خراسان پر حکومت کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً ۳۷۱ھ میں معزول ہوا۔ ۳۷۲ھ، میں معزول ہوکر ہراۃ کا گورنر ہوا اور پھر ۳۷۳ھ میں خراسان پر قابض ہوگیا۔ آخر سامانیوں کے ساتھ اس کے اقتدار کا آفتاب بھی غروب ہوگیا۔ (دیکھئے الکامل لابن الاثیر جلد ہفتم ص ۱۰۷ تا ۱۱۶)۔

# فرقہ ہائے المُشَبَّہہ کے مذاہب کا بیان

المشبہہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ''ذات'' کو اس کے غیر کی ذات کے مشابہ ٹھہرایا ہے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ''صفات'' کو غیر اللہ کی صفات کے مشابہ کہا ہے۔ ان دونوں اصناف کے لوگ متعدد متفرق صنفوں میں منقسم ہیں۔ (ہم ذیل میں انکا ذکر کرتے ہیں)۔

ذات باری تعالیٰ میں تشبیہہ:

(ا) وہ المشبہہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو غیر اللہ کی ذات سے تشبیہہ دے کر گمراہی کا ارتکاب کیا، وہ مختلف اصناف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''تشبیہہ'' کا سب سے پہلے ظہور روافض کے گروہ ''غُلاۃ'' سے ہوا۔ چنانچہ:۔

(۱) ان میں سے ''السبئیہ'' ہیں[۱]۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''اللہ'' کا نام دیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا شبیہ و مشابہہ ٹھہرایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو (اس گمراہ عقیدہ کی پاداش میں) آگ میں جلوا دیا تو ان لوگوں نے ان سے کہا: ''اب ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ آپ ''اللہ'' ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا آگ کا عذاب نہیں دیتا۔''

(۲) ان میں (روافض مشبہہ) میں سے 'بیانیہ' ہیں، جو بیان بن سمعان[۲] کے متبعین ہیں۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ اس کا ''معبود'' نور سے بنا ہوا انسان ہے، جس کے اعضاء انسانوں

جیسے ہیں اور کا یہ عقیدہ تھا کہ اس ''معبود'' نور سے بنا ہوا انسان ہے، جس کے اعضاء انسانوں جیسے ہیں اور اس کے چہرے کے سوا اس کا سارا جسم فنا ہو جائے گا۔

(۳) ان میں سے ''المغیریہ'' ہیں، کہ مغیرہ بن سعید عجلی کے پیروکار ہیں۔ اس مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ اس کے ''معبود'' کے اعضاء ہیں۔ اور یہ اعضاء حروف تہجی کی صورتوں کے مانند ہیں۔

(۴) ان میں ''المنصوریہ'' شمار ہوتے ہیں، جو ابو منصور عجلی کے متبعین ہیں۔ اس شخص نے اپنے کو ''رب'' سے تشبیہ دی اور کہا کہ وہ بنفس نفیس آسمان پر چڑھا اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا اور اس سے کہا: ''اے میرے بیٹے! میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دے۔'' (نعوذ باللہ)

(۵) ان میں ''الخطابیہ'' بھی ہیں، جو اپنے اماموں اور ابوالخطاب اسدی کی ''الوہیت'' کے قائل ہیں۔

(۶) انہیں میں وہ گروہ بھی ہے جو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر (بن ابی طالب) کو اللہ مانتا ہے۔

(۷) انہیں میں فرقہ ''الحلولیہ'' بھی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اماموں کے جسموں میں حلول کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے اپنے اماموں کی عبادت کرنی شروع کی۔

(۸) ان میں المشبہ میں ''الحلولیہ الحلمانیہ'' کا فرقہ بھی ہے۔ یہ لوگ ابوحلمان دمشقی کی جانب منسوب ہیں۔ اس شخص نے یہ خیال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر اچھی صورت میں حلول کرتا ہے، اسی لئے وہ ہر خوب صورت چیز کو سجدہ کرتا تھا۔

(۹) انہیں قائلین تشبیہ ذات میں دریائے جیجون پار (ماوراالنہر) کے المبیضہ (سفید جامہ گان) ''المقنعیہ'' ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ مقنع، اللہ تعالیٰ تھا۔ اور ہر زمانے میں وہ ایک نئی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

(۱۰) انہی میں ''الغدافرہ'' ہیں، جو ابوالغدافر کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اس شخص کو بغداد میں قتل کر دیا گیا تھا۔ (المشبہ بالذات کی) جس صنف کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے،

وہ سب کے سب دین اسلام سے خارج ہیں، خواہ انہیں ظاہراً مسلمان ہی کیوں نہ کہا جاتا ہو، مگر وہ دین اسلام سے خارج ہیں۔ ہم انشاء اللہ عزوجل ان گروہوں میں سے ہر صنف کے عقائد کی تفصیل، اس بحث کے خاتمہ کے بعد، اس کتاب کے باب چہارم میں بیان کریں گے۔

بعض دوسرے فرقے:

ان کے علاوہ المشبہہ کے کچھ ایسے بھی فرقے ہیں، جن کو متکلمین نے اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے، کیونکہ وہ احکام قرآن پر عمل کو ضروری جانتے ہیں، شریعت اسلام کے ارکان از قسم صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام وحج کی ادائیگی کو اپنے پر واجب سمجھتے ہیں اور محرمات کی تحریم کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ لوگ بعض ''اصول عقلیہ'' میں گمراہی میں مبتلا ہیں۔

(۱) المشبہہ کے اس قسم کے فرقوں میں ''ہشامیہ'' ہیں، جو ہشام بن الحکم رافضیؒ کی جانب منسوب ہیں۔ اس نے اپنے معبود کو انسان کے مشابہ ٹھہرایا اور یہ کہا کہ وہ اپنے بالشت سے، سات (۷) بالشت لانبا ہے، وہ جسم ہے جس کی ایک حد اور انتہاء ہے اور وہ طویل، عریض، عمیق، رنگ دار، مزہ دار، بودار ہے۔ اس ہشام سے مروی ہے کہ اس نے (مکہ کے پہاڑ) جبل ابی قبیس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''یہ پہاڑ اللہ تعالیٰ سے بڑا ہے''۔ (عیاذاً باللہ)۔ اس کا یہ بیان بھی نقل کیا گیا ہے کہ: ''اس کے معبود کی جس چیز کو وہ دیکھتا ہے، اس سے متصل ہوتی ہے''۔ تشبیہہ سے متعلق اس ہشام کے عقائد کو ہم نے اس سے قبل فرقہ ہائے الامامیہ کے ضمن میں (باب سوم، فصل اول) بیان کر دیا ہے۔

(۲) ان کا ایک فرقہ ہشامیہ ہے، یہ ہشام بن سالم جوالیقی کی جانب منسوب ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس کا معبود انسان کی شکل کا ہے۔ اس کا بالائی نصف حصہ کھوکھلا اور زیریں نصف حصہ ٹھوس ہے، اس کی کالی زلفیں ہیں اور قلب ہے جس سے حکمت و دانائی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

(۳) ان میں سے ایک فرقہ الیونسیہ ہے، یہ یونس بن عبدالرحمان القمی کی طرف منسوب

ہے۔ اس نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ''عرش'' کے حاملین اٹھائے ہوئے ہیں، ہر چند کہ وہ ان حاملین سے زیادہ قوی ہے۔ مگر اس کی مثال کرکی (ایک پرندہ) کی ہے جسے اس کے دونوں پاؤں اٹھائے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ اپنے دونوں پیروں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

(۴) اسی زمرہ میں وہ المشبہہ بھی داخل ہیں جو داؤد الجواربی سے نسبت رکھتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے معبود کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمام انسانی اعضاء ماسوا شرم گاہ اور ریش (داڑھی) اس کے اعضاء ہیں۔

(۵) انہیں میں الابراہمیہ ہیں کہ ابراہیم بن ابی یحییٰ اسلمی کی نسبت سے شہرت رکھتے ہیں۔ یہ شخص اخبار کے راویوں میں تھا مگر تشبیہہ کی گمراہی میں مبتلا ہوگیا اپنی بہت سی روایتوں میں اسے کاذب کہا گیا ہے۔

(۶) اسی گروہ میں الخابطیہ کہ قدری عقائد رکھتے ہیں، شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ احمد بن خابط کی جانب منسوب ہیں۔ اس کا تعلق معتزلہ کے اس فرقہ سے ہے جو النظام سے تعلق رکھتا ہے۔ بعدازاں اس خابط نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو ان کے رب (اللہ) کے مشابہہ ٹھہرایا اور کہا کہ (عیسیٰ) ''الٰہ ثانی'' ہیں اور وہی قیامت کے دن مخلوقات کے اعمال کا حساب کتاب کریں گے۔

(۷) انہیں میں الکرامیہ بھی شمار ہوتے ہیں۔ انکا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، اس کی ایک حد اور ایک نہایت ہے اور وہ حوادث کا محل، (اس میں حوادث و اعراض در آتے ہیں) ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے مماس (چھوئے ہوئے) ہے۔ ہم نے اس سے قبل ان لوگوں کے عقائد کی تفصیلات بیان کر دی ہیں، جو کافی ہیں۔

یہ وہ فرقے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی ذات کے مشابہہ و ہم شکل ٹھہراتے ہیں۔

### صفات باری میں تشبیہہ :

(ب) وہ المشبہہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہہ ٹھہراتے ہیں، ان کے بھی کئی اصناف ہیں۔ چنانچہ:۔

(۱) ان میں ایک گروہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو اس کی مخلوق کے ارادہ سے تشبیہ دیتا ہے۔ یہ بصرہ کے معتزلہ کا عقیدہ ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل اپنے مقصد و مراد کا ارادہ اس ارادہ سے کرتا ہے جو اس کی ذات میں حادث ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہم انسانوں کے ارادہ کی جنس سے ہے۔ پھر انہوں نے یہ کہہ کر اپنے اس دعویٰ کے بالکل متضاد بات کہی کہ: یہ بات جائز ہے کہ اللہ کا ارادہ کسی ''محل'' میں حادث نہ ہو مگر ہمارے ارادہ کا حدوث صرف کسی ''محل'' میں ہوتا ہے۔ یہ بات ان کے اس قول کے متضاد و متناقص ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہم انسانوں کے ارادہ کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ اگر دو چیزیں ایک دوسرے کے متماثل اور ایک جنس سے ہوں، تو اُن دونوں میں سے ہر ایک پر وہی امر جائز ہوگا تو دوسرے پر جائز ہو (یعنی دونوں کا ایک ہی حکم اور دونوں کی ایک ہی حالت ہوگی)۔ اور اسی طرح ان دونوں میں ہر ایک پر وہی بات محال و ناممکن ہوگی جو دوسرے پر مستحیل و ناممکن ہوگی (یعنی جو امر ایک سے محال ہوگا دوسرے پر بھی اس کا اطلاق نہ ہوگا)۔

کرامیہ نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو اس کے بندوں سے تشبیہ دینے کے مسئلہ میں، بصرہ کے معتزلہ کے افکار پر یہ اضافہ کیا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہمارے ارادہ کی جنس سے ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اسی طرح حادث ہوتا ہے، جس طرح ہمارا ارادہ ہم میں حادث ہوتا ہے، یوں ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف ''حوادث'' کا محل ہے۔ (اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔)

(۲) انہیں میں وہ گروہ بھی ہے جو اللہ عزوجل کے کلام کو اس کی مخلوق کے کلام کے مشابہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس جنس کی اصوات وحروف کا مجموعہ ہے، جو ان اصوات وحروف کی جنس ہے، جن کو بندوں کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اس بناء پر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہے۔'' ''الجبائی'' کے علاوہ ان (معتزلہ مشبہہ) کی غالب اکثریت اللہ تعالیٰ کے کلام کی بقاء کو محال سمجھتی ہے۔ ان (معتزلہ مشبہہ) میں سے النظام کہتا ہے کہ: ''اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کلام کے نظم و ترتیب میں کوئی اعجاز نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بندوں کے کلام کی ترتیب و نظم میں کوئی معجزہ نہیں ہوتا۔'' معتزلہ کی اکثریت کا عقیدہ ہے کہ زنگی، ترک اور خزر (غیر عرب اقوام)

بھی اس بات پر قادر ہیں کہ قرآن کریم جیسا منظم اور اس جیسی ترتیب پر کلام پیش کر سکتے ہیں، بلکہ وہ لوگ اس سے بھی زیادہ فصیح کلام کی تالیف و ترتیب پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے کلام اللہ کی تالیف و ترتیب کے علم کو معدوم (فنا پذیر) قرار دیا ہے، کیونکہ اس علم کا تعلق ان امور سے ہے جن کا بندوں کی قدرت و طاقت میں ہونا درست ہے۔

کرامیہ فرقہ معتزلہ کے اس دعویٰ میں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث و فنا پذیر ہے، شریک ہیں۔ مگر وہ لوگ ''قول'' اور ''کلام'' میں فرق کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ سبحانہ کا ''قول'' بندوں کی اصوات (آواز) اور حروف کی جنس سے ہے مگر اس کا ''کلام'' اس کی وہ ''قدرت'' ہے جو ''قول'' کو پیدا کرتی ہے (حادث کرتی ہے)۔ کرامیہ نے معتزلہ پر یہ اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اس کی ذات میں حادث ہوتا ہے۔ اور یہ ان کے اس اصولی موقف کی بناء پر ہے کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا محل حوارث ہونا جائز ہے۔

(۳) (اللہ تعالیٰ کی صفات کو بندوں کی صفات کے مشابہ و ہم جنس قرار دینے والوں میں) ''الزراریہ'' بھی ہیں، کہ زُرارہ بن اعین رافضی کے متبعین ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ عزوجل کی تمام صفات حادث ہیں اور وہ ہماری صفات کی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں حی نہ تھا، نہ وہ عالم تھا، نہ قادر تھا، نہ صاحب ارادہ (مرید) تھا، نہ سمیع تھا اور نہ بصیر تھا۔ وہ ان صفات سے متصف ہونے کا مستحق اس وقت ٹھہرا جب اس نے اپنی ذات کے لئے حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع اور بصر پیدا کی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم انسانوں میں سے کوئی شخص اس وقت حی، قادر، سمیع، بصیر اور مرید ہوتا ہے، جب اس کے اندر حیات، قدرت، ارادہ، علم، سمع اور بصر کا حدوث ہوتا ہے۔

(۴) انہی میں سے وہ روافض بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کسی شیٔ کو اس وقت تک نہیں جانتا جب تک کہ وہ ہو نہ جائے۔ یہ کہہ کر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کو ایسا ہی حادث ٹھہرایا جیسا کہ ہم انسانوں میں سے کسی جاننے والے کا علم حادث و فنا پذیر ہوتا ہے۔

یہ ایسا موضوع ہے کہ اگر ہم اسے طول دیں، تو طویل تر ہو جائے گا اور اس کے دامن

بہت دور تک پھیل جائیں گے۔ ہم نے معتزلہ، مشبہہ اور تمام اہل الاہواء کے عقائد اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں نہایت تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ اس لئے اس باب (سوم) میں ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے وہ کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

## حواشی ............ باب سوم۔ فصل ہشتم

(۱) السبئیہ :۔ یہ لوگ فتنہ پرداز عبداللہ بن سبا (معروف بہ ابن السوداء) کے پیروکار ہیں۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا پرچار کیا، چنانچہ آپ نے اسے مدائن کی طرف بھگا دیا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ: علی مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں اور ابن ملجم نے جسے قتل کیا تھا، وہ شیطان تھا کہ علیؓ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ علیؓ بادلوں میں رہتے ہیں۔ رعد اُن کی آواز ہے، برق انکا کوڑا ہے، وہ زمین پر دوبارہ واپس آئیں گے اور اسے عدل سے بھر دیں گے"۔ السبئیہ کے لئے رازی، شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ج ۲، ص ۳۰۹، اور سید شریف جرجانی کی التعریفات ص ۷۹ دیکھئے۔ نیز کتاب ہذا کی فصل اول، باب چہارم دیکھئے۔

(۲) بیان بن سمعان کے لئے اس کتاب کی فصل اول از باب سوم دیکھئے۔ فرقہ کیسانیہ کے ضمن میں اس کا ذکر ملے گا۔

(۳) مغیرہ کے لئے دیکھئے اس کتاب کی فصل اول باب سوم، ذکر فرقہ المحمدیہ (الامامیہ)۔

(۴) ہشام کا ذکر اس کتاب کی فصل اول، باب سوم میں "الامامیہ" کے ضمن میں آ چکا ہے۔

(۵) اس کتاب کی فصل اول، باب سوم میں "الامامیہ" کے زمرہ میں الیونسیہ کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۶) بقول سمعانی داؤد الجوادبی، ہشام بن سالم جوالیقی کا شاگرد تھا، اشعری نے اسکا ذکر قائلین "تجسیم" کے زمرہ میں کیا ہے۔

(۷) الزراریہ کا ذکر، الامامیہ کے ضمن میں باب سوم کی فصل اول میں گزر چکا ہے۔

باب چہارم (صفحہ ۲۴۰ ۔ ۳۱۲)

# اُن فرقوں کا بیان جو اگرچہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، مگر حقیقت میں مسلمان نہیں ہیں

## کون سے فرقے مسلمان ہیں؟:

کن فرقوں کو امت مسلمہ اور ملت اسلام میں شمار کیا جانا چاہئے، اس میں متکلمین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ اس باب میں اسی سے متعلق گفتگو ہوگی۔ ہم نے اس سے قبل یہ ذکر کیا ہے (دیکھئے باب دوم، فصل اول) کہ بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ آپ ﷺ نے جو شریعت پیش کی، وہ برحق ہے، وہ مسلمان اور ملت اسلام میں داخل ہے۔ خواہ اس کے بعد وہ کچھ بھی کیوں نہ کہے اور کرے۔ کعبی (معتزلی) نے اپنی ''کتاب مقالات'' میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ فرقہ کرامیہ کے نزدیک ہر وہ شخص امت اسلام میں داخل اور مسلمان ہے، جو ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہے، چاہے وہ اپنے اس قول میں مخلص ہو یا اس کے برخلاف اعتقاد رکھتا ہو۔ ان دونوں گروہوں کی آراء کی روشنی میں یہ لازم آئے گا کہ یہود کے فرقے العیسویہ'' اور ''الموشکانیہ'' کو ملت اسلام میں داخل سمجھا جائے کیونکہ یہ لوگ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جناب محمد مصطفےٰ ﷺ عربوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ لوگ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کو آپ ﷺ جو شریعت لائے وہ برحق ہے۔[1]

اہل الحدیث کے بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ہر اس شخص پر امت اسلام کا اطلاق درست

ہے جو صلوٰۃ پنج گانہ کی کعبہ کی جانب ادائیگی کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ مرتدین (عرب) جو صحابہ کرام کے زمانے میں زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کر کے اسلام سے پھر گئے تھے۔ ان کی اکثریت کعبہ کی سمت صلوٰۃ کی ادائیگی کے وجوب کی قائل تھی۔ ان کے ارتداد کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کر دیا تھا۔ ان مرتدین کا تعلق (عرب کے قبیلے) بنو کندہ اور بنو تمیم سے تھا۔ جہاں تک بنو حنیفہ اور بنو اسد کا تعق ہے تو وہ لوگ دو طرح سے کافر ہو گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کر دیا تھا، دوسرے یہ کہ انہوں نے (بنو حنیفہ کے) مسیلمہ (کذاب) اور (بنو اسد کے) طلیحہ (اسدی) کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کر کے انہیں نبی مان لیا تھا۔ ان میں سے بنو حنیفہ نے صلوٰۃ فجر اور صلوٰۃ مغرب کی فرضیت ساقط کر کے اپنے کفر پر ایک اور کفر کا اضافہ کر لیا تھا۔[۲]

(مصنف کہتے ہیں کہ) ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اسلام کے نام کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے، جو عالم کے حدوث (حادث ہونا، فانی ہونا) کا، اس کے صانع کی توحید کا، اس کے قدیم ہونے کا اور اس بات کا کہ وہ عادل اور صاحب حکمت و دانائی ہے، اقرار کرتا ہے۔ اس لئے تشبیہ اور تعطیل (نفی صفات) کی نفی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام انبیاءؑ کی نبوت کا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت اور تمام نوع بشر کی جانب ان کی رسالت کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ابدی ہونے کا، یہ کہ آپ ﷺ جو کچھ لائے وہ برحق ہے اور اس بات کا کہ قرآن کریم آپ ﷺ کی شریعت کا منبع ہے اقرار کرنا۔ اور کعبہ کی سمت نماز پنج گانہ کی ادائیگی کو واجب جاننا، زکوٰۃ، صومِ رمضان اور حج بیت اللہ کے مجملاً واجب ہونے کا اقرار کرنا، اسلام ہے۔ یوں جو لوگ ان تمام باتوں کا اقرار کریں وہ زمرۂ اہل اسلام میں داخل ہیں۔ اِن کے بعد آدمی کے عمومی حالات پر نظر ڈالی جائے گی۔ اگر وہ اپنے ایمان کو ان رسوا کن بدعتوں سے، جو آدمی کو کفر کی طرف لے جاتی ہیں، آلودہ نہ کرے تو ایسا شخص ''موحد سنی'' ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے ایمان کو بدعت شنیعہ سے آلودہ ملوث کر لے تو اس کے حالات پر غور کیا جائے گا:۔

(۱) اگر وہ ''الباطنیہ'' کی بدعات کا مرتکب ہو، یا ''البیانیہ'' یا ''المغیریہ'' یا ''المنصوریہ'' یا ''الجناحیہ'' یا ''السبئیہ'' یا ''روافض'' کے فرقہ ''الخطابیہ'' کی بدعات کا ارتکاب کرے یا ''الحلولیہ'' کے مذہب کا متبع ہو جائے، یا ''اصحاب التناسخ'' کے مذہب پر ہو جائے، یا ''خوارج'' کے فرقہ ''المیمونیہ'' یا ''الیزیدیہ'' کا ہم مذہب ہو جائے، یا ''القدریہ'' میں سے ''الخابطیہ'' یا ''الحماریہ'' کے مسلک پر کاربند ہو جائے، یا ان لوگوں میں شامل ہو جائے، جو ان چیزوں کو حرام گردانتے ہوں جنہیں نام کے ساتھ قرآن کریم نے مباح وحلال قرار دیا ہے، یا ان لوگوں کا ہم مسلک ہو جائے جو ایسی چیزوں کو مباح وحلال مانتے ہیں جنہیں قرآن کریم نے نام کے ساتھ حرام ٹھہرایا ہے، تو ایسا شخص امت اسلام سے نہیں ہے بلکہ اس سے خارج ہے۔

(۲) اگر ایسے شخص کی بدعات کا تعلق شیعوں کے فرقہ ''الزیدیہ'' یا فرقہ ''الامامیہ'' جیسی بدعات سے ہو، یا اس کی بدعتیں ایسی ہوں جیسی کہ اکثر ''خوارج'' کی ہیں، یا ''المعتزلہ'' کی بدعات جیسی ہوں، یا ''النجاریہ'' یا ''الجہمیہ'' یا ''الضراریہ'' کی بدعات جیسی ہوں، یا امت مسلمہ کے فرقہ ''المجسمہ'' کی بدعات کی جنس سے ہوں، تو ایسا شخص بعض احکام میں ''اہل اسلام'' کی طرح محسوب ہوگا، یعنی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اگر وہ شخص مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد کرے گا، تو اسے ''مال غنیمت'' میں سے حصہ دیا جائے گا، مسلمانوں کی مساجد میں اسے داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا، نہ ہی اسے ان میں صلوٰۃ کی ادائیگی سے روکا جائے گا۔ مگر ایسا شخص بعض دوسرے احکام میں امت اسلام سے خارج سمجھا جائے گا، مثلاً اس کی صلوٰۃ جنازہ پڑھنا یا اس کی امامت میں صلوٰۃ ادا کرنا جائز نہ ہوگا، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا، کسی سنی مسلمان کے لئے ان لوگوں کی عورت سے نکاح کرنا مباح وحلال نہ ہوگا اور نہ ہی کسی سنی مسلمان خاتون کا نکاح ان کے مردوں سے جائز ومباح ہوگا۔

## جو فرقے مسلمان نہیں ہیں:

وہ فرقے جو ظاہری حالات کی بناء پر مسلمانوں کی طرف منسوب ہیں مگر حقیقت میں اسلام سے خارج اور امت مسلمہ سے باہر ہیں، بیس (۲۰) فرقے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:۔

سَبئیّہ، بَیَانیہ، حَربیّہ، مُغیرِیّہ، منصوریّہ، جناحِیّہ،

خَطَّابِیَّه ، غُرَابِیَّه ، مُفَوِّضِیَّه ، حُلُولِیَّه ، اَصحابُ التناسُخِ ،
خابِطِیَّه ، حِمارِیَّه ، مُقَنَّعِیَّه ، رِزَامِیَّه ، یَزِیْدِیَّه ، مَیْمُونِیَّه ،
باطِنِیَّه ، حُلاَّجِیَّه ، غَدَافِرِیَّه ، اَصَاب اباحۃَ ،

بعض اوقات ان فرقوں میں سے ایک فرقہ کی بہت سی شاخیں پھوٹ گئی ہیں، ہم انشاء اللہ عزوجل ان کو تفصیل کے ساتھ ان فصلوں میں جو ان کے لئے ترتیب دی گئی ہیں، بیان کریں گے۔

باب چہارم..........فصلِ اوّل

# السبئیہ کے عقائد اور ملت اسلام سے ان کے خارج ہونے کا بیان

السبئیہ :

عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو سے کام لیا اور پہلے یہ کہا کہ وہ نبی ہیں۔ اس کے بعد مزید غلو کرتے ہوئے کہا کہ وہ اللہ ہیں۔ اس نے لوگوں کو اس کی دعوت بھی دی اور کوفہ کے کچھ گمراہ افراد اس کے ہم خیال ہو گئے۔ جب ان لوگوں کی خبر حضرت علیؓ تک پہنچائی گئی تو آپؓ نے دو گڑھے کھدوا کر ان میں سے کچھ لوگوں کو جلوا دیا۔ ایک شاعر نے ان دو گڑھوں کا یوں تذکرہ کیا ہے۔

''حوادث زمانہ مجھے جہاں چاہیں لے جائیں، میں وہاں جانے کو تیار ہوں، بشرطیکہ مجھے وہ ''حفرتین (گڑھوں) میں نہ لے جائیں''

مگر باقی ماندہ لوگوں کو جلوانے سے حضرت علیؓ اس اندیشہ سے رک گئے کہ اس پر ان کے مخالف اہل شام خوش ہوں گے اور نیز یہ کہ ان کے اپنے حامیوں میں اس سے اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ لیکن آپؓ نے ابن سبا کو ساباط مدائن نامی شہر کی طرف بھگا دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو ابن سبا نے کہا ''جسے قتل کیا گیا ہے، وہ حضرت علیؓ نہ تھے بلکہ وہ شیطان تھا جو لوگوں کے سامنے علی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ علی تو آسمان پر چڑھ گئے ہیں جیسا کہ عیسیٰ بن مریم آسمان پر چڑھ گئے تھے''۔ ابن سبا نے مزید کہا: ''جس طرح یہود و نصاریٰ نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کر دیا، اسی طرح ناصبیوں اور خارجیوں نے یہ جھوٹا دعویٰ

کیا ہے کہ انہوں نے علی کو قتل کر دیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ایک شخص کو سولی پر چڑھا دیکھ کر اسے عیسیٰ کے مشابہ قرار دیا، اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علی قتل کر دیے گئے، انہوں نے علی کے ہم شکل شخص کو مقتول دیکھا اور یہ گمان کر لیا کہ مقتول علی ہیں۔ حالانکہ علی آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور جلد ہی دنیا میں واپس آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔"

## حضرت علیؓ بادلوں میں رہتے ہیں :

فرقہ السبئیہ کے کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بادلوں میں رہتے ہیں، رعد ان کی آواز ہے، برق ان کا کوڑا ہے۔ ان لوگوں میں سے جو رعد کی آواز سنتا ہے تو کہتا ہے: "تم پر سلام ہو اے امیر المومنین"۔

## حضرت علیؓ زندہ ہیں :

عامر بن شراحیل الشعبی [۱] سے روایت ہے کہ ابن سبا سے کہا گیا: "کہ علیؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔" اس نے کہا: "اگر تم لوگ ایک تھیلی میں ان کا دماغ بھی میرے پاس لے کر آؤ تو بھی میں ان کی موت کو سچ نہ مانوں گا۔ وہ اس وقت تک مر نہیں سکتے، جب تک کہ آسمان سے اتر کر نہ آئیں اور تمام دنیا میں پھر حکومت نہ کریں۔"

## حضرت علیؓ مہدی منتظر ہیں :

اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ مہدیٔ منتظر علی ہی ہیں، ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ اسی گروہ کے متعلق اسحاق بن سوید العدوی نے ایک قصیدہ کہا ہے، جس میں اس نے خوارج، روافض اور قدریہ سے اظہار برائت کیا ہے۔ اس قصیدہ میں یہ اشعار بھی ہیں۔

"میں خوارج سے اظہار برأت کرتا ہوں، میں ان میں سے نہیں ہوں، نہ میں (واصل بن عطاء) غزال سے اور نہ (عمرو بن عبید) بن باب سے کوئی تعلق رکھتا ہوں۔

میں اس قوم (سبئیہ) سے بھی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جس کے سامنے جب علیؓ کا ذکر کیا جائے تو وہ بادلوں کو سلام کرتے ہیں۔ مگر اپنے دل کی گہرائی سے محبت کرتا ہوں اور جانتا

ہوں کہ یہی درست اور صحیح ہے یعنی۔

میں اللہ کے رسول ﷺ سے اور ابوبکر صدیقؓ سے محبت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ کل روز جزاء میں اس کا اچھا بدلہ ملے گا''۔

ابن السوداء کون تھا:

شعبی نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن سوداء جو فرقہ السبئیہ کا ہم عقیدہ تھا، دراصل حیرہ (شہر) کا ایک یہودی تھا۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہے اور کوفہ والوں میں شہرت و سرداری حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں سے یہ کہا کہ: ''میں نے تورات میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور یہ کہ علیؓ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ''وصی'' ہیں۔ اور وہ اسی طرح ''خیر الاوصیاء'' ہیں جس طرح کہ محمد ﷺ خیر الانبیاء ہیں۔'' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیعوں نے یہ بات سنی تو حضرت علیؓ سے جا کر کہا کہ ابن السوداء آپ کا دوست اور آپ سے محبت کرنے والا ہے۔ اس وجہ سے حضرت علیؓ نے اس کی عزت اور قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا اور اسے اپنے منبر کے زینے کے نیچے بٹھانا شروع کر دیا۔ بعد ازاں ان کو ابن السوداء کی ان کے بارے میں غلو اور انتہا پسندی کی خبر ملی تو آپ نے اسے قتل کرا دینا چاہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: ''اگر آپ اسے قتل کرا دیں گے تو لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے، اور آپ اہل شام سے دوبارہ جنگ کی غرض سے روانہ ہونے والے ہیں اور آپ کو اپنے ساتھیوں کی دل جوئی و مدارات کی ضرورت ہے۔'' چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن السوداء اور ابن سبا کے قتل سے اس فتنہ کے برپا ہونے کا اندیشہ ہوا جس سے انہیں حضرت ابن عباسؓ نے ڈرایا تھا، تو آپ نے ان دونوں کو شہر مدائن کی طرف بھگا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ان دونوں کی وجہ سے، وہاں کے عوام فتنہ میں ملوث ہو گئے۔ ابن السوداء نے ان لوگوں سے کہا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم علی کے لئے کوفہ کی جامع مسجد میں دو چشمے پھوٹیں گے، ان میں سے ایک چشمہ شہد کا اور دوسرا گھی کا ہوگا اور ان سے ان کے شیعہ چلو بھر بھر کر پئیں گے۔''

ابن السوداء یہودی تھا:

اہل السنت کے محققین کہتے ہیں کہ: ابن السوداء یہود کے دین پر قائم تھا۔ اس نے چاہا کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں طرح طرح کی تاویلیں کر کے مسلمانوں کے دین کو خراب کر دے اور ان میں فتنہ و فساد برپا کرا دے اس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمان حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے متعلق وہی عقائد اختیار کر لیں جو نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کے بارے میں ہے اور یوں دین اسلام میں فساد برپا ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر اس نے روافض سبئیہ میں شمولیت اختیار کر لی، کیونکہ ان لوگوں کو ''اہل الاہواء'' میں سے اس نے سب سے زیادہ کفر میں پختہ پایا اور یوں طرح طرح کی تاویلات سے اپنی گمراہی کو چھپانے کی کوشش کی اور ان تاویلات کے پردے میں اپنے گمراہ کن عقائد کو مسلمانوں میں عام کیا۔

السبئیہ اسلام سے خارج ہیں:

عبدالقاہر کہتے ہیں: ان لوگوں کو کیسے اسلامی فرقوں میں محسوب کیا جا سکتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی اللہ یا نبی ہیں؟ اگر ان لوگوں کو اسلامی فرقوں میں شامل کرنا درست ہو، تو مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والوں کو بھی اسلامی فرقوں میں داخل کرنا پڑے گا۔ ہم فرقہ السبئیہ سے کہتے ہیں: جس کو عبدالرحمان بن ملجم نے قتل کیا تھا، اگر وہ شیطان تھا جس نے لوگوں کو فریب دینے کی غرض سے علیؓ کا روپ دھار لیا تھا، تو تم لوگ ابن ملجم پر لعنت کیوں بھیجتے ہو؟ تم لوگوں کو تو اس کی تعریف و مدح کرنی چاہیے، کیونکہ شیطان کو قتل کرنے والے کو اس فعل پر قابل تعریف سمجھا جائے گا نہ کہ اس کی مذمت کی جائے گی۔ ہم نے السبئیہ سے یہ بھی کہا کہ: تمہارا یہ دعویٰ کہ ''رعد'' علیؓ کی آواز اور ''برق'' ان کا کوڑا ہے، کیسے صحیح سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ اسلام سے قبل فلاسفہ (یونان) کے زمانے میں بھی ''رعد'' کی آواز سنائی دیتی تھی اور ''برق'' کا حس سے ادراک کیا جاتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ نے رعد اور برق کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے مگر ان کی علت کے متعلق کہ ایسا کیوں ہوتا ہے ان میں اختلاف رائے موجود تھا۔ ابن السوداء سے یہ

بھی کہا جاتا ہے: کہ علیؓ تمہارے نزدیک اور ان یہود کے نزدیک جن کی طرف تمہارا جھکاؤ ہے، موسیٰ، ہارون اور یوشع بن نون سے زیادہ بلند مرتبہ نہیں ہیں۔ مگر ان تینوں کی موت کی خبر صحیح ہے، ان کے لئے شہد اور گھی کے چشمے نہیں پھوٹے، ماسوا اس میٹھے پانی کے چشمے کے جو ''تیہ'' (صحرائے سنیا) میں موسیٰ اور ان کی قوم کے لئے سخت پتھر کی چٹان سے پھوٹا تھا۔ تو ذرا بتاؤ کہ کس چیز نے علیؓ کو موت سے محفوظ رکھا؟ حالانکہ ان کے بیٹے حسینؓ اور ان کے ساتھی کربلا میں پیاسے مر گئے اور ان کے لئے شہد اور گھی تو کجا، پانی کا چشمہ بھی نہ پھوٹا۔

## حواشی .......... باب چہارم

(۱) الیسو بہ والموشکانیہ کے لئے دیکھئے حواشی باب دوم، فصل اول۔

(۲) جب بنوحنیفہ کے کاذب نبی مسلیمہ نے بنوتمیم و بنوتغلب کی کاذبہ نبیہ سجاح سے شادی کر لی، تو اسی خوشی میں نماز عصر معاف کر دی تھی، (دیکھئے ابن طقطقیٰ کی الفخری فی الاداب السلطانیہ، طبع رحمانیہ مصر ۱۹۲۷ء، صفحہ ۵۴، و نیز دیگر کتب تاریخ۔

(۳) مصنف نے ان فرقوں کی تعداد اگرچہ بیس (۲۰) بتائی ہے، مگر جو نام گنوائے ہیں، ان کی تعداد اکیس (۲۱) ہے۔

## حواشی ...... باب چہارم ...... فصل اوّل

(۱) ابو عمرو عامر بن شراحیل کا نسلی تعلق یمن کے قبیلہ، ہمدان سے تھا، وہ کوفہ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ اجلہ تابعین و محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ کوفہ کے بیشتر فقہاء کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ایک طویل عمر پا کر ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا۔ ذہبی کی العبر جلد اوّل صفحہ ۱۲۷، تہذیب التہذیب جلد پنجم صفحہ ۶۵، دیکھئے، نیز کتب تاریخ عہد عبدالملک و ولید اول کے واقعات کے ضمن میں شعبی کا ذکر اور سیاسی افکار ملیں گے۔

(۲) مصنف کے بیان سے شبہہ ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور عبداللہ بن سوداء دو اشخاص ہیں، حالانکہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔ عبداللہ کے باپ کا نام ''سبا'' اور اس کی ماں کہ باندی تھی، اس کا نام ''سوداء'' تھا۔ یہ یمن کا یہودی تھا، عہد فتوحات میں عراق آیا وہ عہد عثمانی میں کوفہ اور بصرہ کے فتنہ پردازوں کا سرغنہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

اسے اپنے فاسد عقائد کی ترویج کا موقع ملا اور آپ کے بعد اسے اور بھی کھل کھیلنے کے لئے میدان کھلا ملا۔ تمام مورخین ان دونوں نامی کا مسمی ایک ہی شخص کو سمجھتے ہیں، اس لئے مصنف کے بیان کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ محض اس لئے کہ کتاب کا متن برقرار رہے، میں نے اس کی تصحیح کی کوشش نہیں کی ہے، جبکہ رفع التباس کے لئے اس کی تصحیح ضروری تھی، بہرکیف قاری پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رکھے کہ ابن سبا اور ابن سوداء ایک ہی مسمیٰ کے دو نام ہیں۔

# غُلاۃ سے تعلق رکھنے والے فرقہ ''البیانیہ'' کا اور اسلام سے ان کے خارج ہونے کا بیان

بیانیہ ا، بیان بن سمعان تمیمی کے متبع ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ کے بعد امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم کو ملی، پھر ابو ہاشم عبداللہ بن محمد (بن علی بن ابی طالب) سے اس کی وصیت کے مطابق امامت بیان بن سمعان کو منتقل ہوئی۔

## بیان نبی تھا یا اللہ؟:

اپنے زعیم (سربراہ رئیس) بیان کے متعلق ان لوگوں میں اختلاف ہے:۔

(۱) ان میں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ بیان ''نبی'' تھا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے بعض حصوں کو منسوخ کر دیا ہے (عیاذاً باللہ)۔

(۲) ان میں سے کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بیان ''الاہ'' تھا۔ ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بیان نے ان سے کہا ہے کہ: روحِ الٰہی تناسخ کے طور پر انبیاءؑ اور ائمہ میں منتقل ہوتے ہوتے ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کے جسم میں منتقل ہوئی۔ بعدازاں ابو ہاشم سے اس (یعنی بیان) کے جسم میں منتقل ہوئی۔ یوں اس نے الحلولیہ کے مذہب کے مطابق اپنی ذات کے لئے ''ربوبیت (خدائی) کا دعویٰ کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ فرما کر اسی کا ذکر کیا ہے کہ: ''یہ لوگوں کے لئے بیان، اور متقین کے لئے ہدیٰ (ہدایت) و موعظت (نصیحت) ہے (القرآن سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۸)۔'' اس نے کہا: ''میں بیان ہوں، میں

ہدٰی ہوں اور میں ہی موعظت ہوں۔"

## بیان کی لاف زنی:

بیان یہ کہتا تھا کہ: وہ اسم اعظم جانتا ہے، اس کے ذریعہ لشکروں کو شکست دے سکتا ہے اور اس سے وہ (ستارہ) زہرہ کو بلاتا ہے اور وہ اسے قبول کر کے اس کے پاس آتا ہے۔

پھر اس نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ: اللہ ازلی، ایک "نوری آدمی" ہے۔ وہ اپنے چہرہ کے سوا بالکل سارا کا سارا فنا ہو جائے گا۔ اس نے اپنے اس زعم باطل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ: "ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے۔ ماسوا اللہ کے چہرہ کے" (القرآن سورۃ القصص آیت ۸۸)" اور اس کے اس ارشاد کی کہ: "ہر وہ چیز جو زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے۔ اور تیرے رب کا جو جلال و اکرام والا ہے، چہرہ باقی رہے گا (القرآن، سورۂ یٰس، آیت ۲۶، ۲۷)۔" باطل تاویل کی (اور یوں قرآن کریم میں معنوی تحریف کا مرتکب ہوا)۔

## بیان کا حشر:

بیان کی بدعقیدگی کی اطلاع اس زمانہ کے عراق کے اموی گورنر خالد بن عبداللہ القسری (۱۰۵ھ تا ۱۲۰ھ) کو ہوئی تو اس نے اس کو ڈھونڈ نکالا اور تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اور اس سے کہا: اگر تو لشکروں کو اس نام کے سحر سے جس کا تجھے علم ہے، شکست دینے پر قادر ہے، تو اپنے خلاف میرے مددگاروں کو شکست دے دے۔"

## بیانیہ اسلام سے خارج ہیں:

یہ فرقہ اسلام کے تمام فرقوں سے خارج ہے کیونکہ وہ اپنے رئیس (بیان) کی الوہیت کا مدعی ہے۔ اور یوں وہ ایسے ہی اسلام سے خارج ہے، جیسے کہ بت پرست دائرہ اسلام سے باہر ہیں۔ ان میں سے جس گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بیان نبی تھا، اس کی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو نبی مانا تھا۔ اور یوں یہ دونوں فریق اسلام سے خارج ہیں۔

البیانیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ: جب تمہارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بعض

اعضاء کا فنا ہونا جائز ہے، تو اس کے چہرے کے فنا ہونے سے کیا امر مانع ہے؟ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ: ''ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے، اس کے چہرہ کے سوا''۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر وہ عمل جس سے ''وجہ اللہ عزوجل'' (رضائے الٰہی) مطلوب نہ ہو، باطل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ: ''ہر وہ چیز، جو زمین پر ہے، فناء ہو جانے والی ہے، اور تیرے رب کا جو جلال و اکرام والا ہے، چہرہ باقی رہے گا۔'' یہ مطلب ہے کہ تیرا رب باقی رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''ذوالجلال والاکرام'' کہا ہے، اور ''ذو'' رفعی حالت میں ''وجہ'' کا بدل ہے۔ اگر ''وجہ'' ''رب'' کی جانب مضاف ہوتا، تو وہ ''ذوالجلال والاکرام'' کے بجائے ''ذی الجلال والاکرام'' کہتا، اور ''ذی'' حالت جری میں ہوتا، کیونکہ عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر موصوف مخفوض (مجرور) ہو، تو صفت بھی مخفوض (مجرور) ہوگی۔ یوں آیات قرآنی کا مفہوم فی نفسہ واضح ہے۔

## حواشی ......... باب چہارم۔ فصل دوم

(۱) بیانیہ سے متعلق مزید معلومات کے لئے اسفرائینی، اشعری، شہرستانی و رازی کی کتب عقائد، شرح مواقف اور تاریخ ابن اثیر سے رجوع کیجئے۔

باب چہارم ............ فصل سوم

# غُلاۃ کے فرقہ ''المغیریہ'' کا اور اسلامی فرقوں سے اس کے خارج ہونے کا بیان

**المغیریہ:**

المغیریہ، مغیرہ بن سعید العجلی[۱] کے پیرو ہیں۔ وہ شروع میں فرقہ الامامیہ سے وابستہ تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حضرات علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بعد اُن کا سبط (پوتا، پڑپوتا) محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی امام ہوگا۔ اور وہی ''مہدی منتظر'' ہے۔ اس نے اس کی مہدیت پر اس حدیث سے استدلال کیا جس میں یہ مذکور ہے کہ مہدی کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اس کے والد کا نام نبی اکرم علیہ السلام کے والد کا نام جیسا ہوگا۔ اس کی اس دعوت پر کہ وہ مہدی ہے روافض نے مغیرہ کی پیروی کی اور اس کی آمد کے منتظر ہیں۔

مگر جب مغیرہ کو اپنے پیروں پر اقتدار حاصل ہوگیا تو اس نے صریح کفر کا اظہار کیا۔

**مغیرہ کا دعویٰ نبوت:**

(۱) اس کفر صریح میں مغیرہ کا دعویٰ نبوت ہے اور اس کا یہ ادعاء ہے کہ وہ ''اسم اعظم'' جانتا ہے جس سے وہ مردوں کو زندہ اور دشمن کی افواج کو شکست دے سکتا ہے۔

**مغیرہ تشبیہہ کا قائل تھا:**

(۲) اس ضمن میں ''تشبیہہ'' سے متعلق اس کی انتہاء پسندی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے کہا

کہ اس کا معبود ایک ''نوری شخص'' ہے، اس کے اعضاء ہیں اور قلب ہے جس سے حکمت و دانائی کے چشمے ابلتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء حروف تہجی کی صورت کے ہیں، مثلاً الف (ا) اس کے دونوں پاؤں کی طرح، عین (ع) اس کی آنکھ کے مانند اور ھا (ہ) اس کی شرم گاہ جیسی ہے۔ (نعوذ باللہ)

## آغاز تخلیق کے بارے میں ہرزہ سرائی:

(۳) اسی کفر صریح میں آغاز تخلیق کے سلسلہ میں اس کا کلام ہے۔ اس کا قول ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اپنا اسم اعظم پڑھا۔ سو وہ نام اڑا اور اس کے سر پر ''تاج'' بن گیا۔ اس نے اس پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے تاویل کی کہ: ''اپنے اعلیٰ پروردگار کے نام کی پاکی بیان کر۔ (القرآن، سورۃ الاعلیٰ، آیت ۱)''۔ ''اسم اعلیٰ'' جو اس آیت میں وارد ہوا ہے یہ وہی تاج ہے۔ بعد ازاں اپنے سر پر اس تاج کے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی انگلیوں سے اپنی ہتھیلی پر اپنے بندوں کے اعمال لکھے۔ جب اسے دیکھا تو بندوں کی معاصی اور ان کے گناہوں پر اسے غصہ آیا۔ اس کی وجہ سے وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ یہ پسینہ جمع ہو کر دو سمندر بن گئے۔ ایک تاریک اور نمکین پانی کا اور دوسرا روشن میٹھے پانی کا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر میں اتر کر اپنا سایہ دیکھا اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ اڑ گیا۔ مگر اس نے اپنے سایہ کی دونوں آنکھیں نوچ لیں اور ان سے سورج اور چاند بنا دیئے اور باقی سایہ کو فنا کر دیا۔ اور بولا کہ میرے ساتھ کسی اور کا ''الٰہ'' ہونا مناسب نہیں ہے۔ بعد ازاں اس نے ان دونوں سمندروں سے مخلوقات کی تخلیق کی، چنانچہ شیعوں کو میٹھے پانی کے روشن سمندر سے پیدا کیا، سو وہ لوگ صاحب ایمان ہیں۔ اور کفار کو کہ وہ شیعوں کے دشمن ہیں، تاریک نمکین پانی کے سمندر سے پیدا کیا۔

## کفر صریح:

مغیرہ نے یہ بھی کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے جسموں (اجساد) سے پہلے پیدا کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے محمد ﷺ کا سایہ پیدا کیا۔ اس کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ: ''کہہ دیجیے کہ اگر رحمان کے کوئی بیٹا ہوتا، تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوں۔

(القرآن، سورۂ الزخرف، آیت ۸۱)'' اسی سے تعلق ہے بعدازاں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے سایہ کو لوگوں کے سایوں پر چھوڑا۔ پھر سماوات، و جبال سے کہا کہ علی کی ان کے ظالموں سے حفاظت کریں، مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے اس ذمہ داری کو انسان کے سامنے پیش کیا، عمر (رضی اللہ عنہ) نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ علی (رضی اللہ عنہ) کی نصرت اور ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ضمانت دیدیں، اس ذمہ داری کو قبول کرلیں اور بعد میں دنیا میں ان کے ساتھ غداری و بے وفائی کریں۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی اس بے وفائی اور غداری پر ان کی مدد کا ذمہ لیا، بشرطیکہ وہ ان کو اپنے بعد خلافت کا منصب تفویض کر دیں۔ چنانچہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے ایسا ہی کیا۔ اور اس (مغیرہ) کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی یہی تاویل ہے کہ: ''ہم نے امانت کو سموات پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، انہوں نے اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھالیا، بیشک وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل تھا (القرآن سورۂ احزاب، آیت ۸۲)''۔ اس نے کہا کہ ''ظلوم'' اور ''جہول'' ابوبکر ہیں۔ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کی کہ: ''شیطان کی مثال لو، جب اس نے انسان سے کہا: کافر ہو جا، جب وہ کافر ہوگیا تو کہا میں تجھ سے بری الذمہ ہوں۔ (القرآن، سورۂ الحشر، آیت ۱۶)''۔ اس کے نزدیک ''شیطان'' عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں''۔ (عیاذ أباللہ) اس شیطان مغیرہ کے خیال میں امت محمدیہ ﷺ کے دو جلیل القدر امام اور افضل الناس بعد الانبیاء سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما، ظلوم، جہول اور شیطان ہیں۔ اس کا یہی عقیدہ اس کے کفر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ اس کے دیگر ضال و مضل عقائد فاسدہ و مشرکانہ)۔

### محمد بن عبداللہ کا انتظار:

ان گمراہیوں کے باوجود جن کا ہم نے ذکر کیا یہ مغیرہ اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا تھا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کی آمد کا انتظار کریں۔ جب (والیٔ عراق) خالد بن عبداللہ

القسری کو مغیرہ کی گمراہیوں کی خبر ہوئی تو اس نے اسے بلوا بھیجا (اور قتل کروا دیا)۔ مغیرہ کے قتل کے بعد اس کے متبعین محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کی آمد (ولادت و دعویٰ امامت) کے منتظر رہے۔ جب (۱۴۵ھ میں) مدینہ میں محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا تو (عباسی خلیفہ) ابو جعفر المنصور نے اپنے سپہ سالار (اور برادر زادہ) عیسیٰ بن موسیٰ (عباسی) کو ایک لشکر جرار کے ہمراہ اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ محمد کو ہر چند کہ مکہ اور مدینہ پر تسلط حاصل ہو گیا تھا مگر وہ جنگ میں مارا گیا۔ اس کا ایک بھائی ادریس بن عبداللہ (ہارون کے عہد میں) بلاد مغرب پر قابض ہو گیا۔ اس کا ایک اور بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی (عراق میں باغی ہوا اور) تھوڑے سے لوگوں اور اس کے معتزلی پیروؤں نے اسے ورغلا کر اور اس کی مدد کی ذمہ داری لے کر اسے ابو جعفر المنصور کی افواج پر چڑھایا۔ باخمریٰ کے مقام پر کہ کوفہ (بصرہ) سے سولہ (۱۶) فرسخ کے فاصلہ پر ہے، مصاف ہوا۔ ابراہیم میدان جنگ میں کھیت رہا، معتزلہ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان کی نحوست اسے جا لگی، (خلیفہ) المنصور کی جانب سے ابراہیم سے جنگ کی سیادت عیسیٰ بن موسیٰ اور مسلم بن قتیبہ کو تفویض کی گئی تھی۔ (دیکھئے، تاریخ طبری جلد ہفتم بضمن واقعات ۱۴۵ھ) جہاں تک اس کے بھائی ادریس کا تعلق ہے تو اس نے المغرب (شمالی افریقہ) میں انتقال کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے زہر دے دیا گیا۔ بعض مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن جریر زیدی نے ادریس کو زہر دیا پھر بھاگ کر عراق چلا آیا۔[۲]

محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے قتل کے بعد فرقہ میں خود اس کے بانی مغیرہ کے بارے میں اختلافات پھوٹ پڑے۔ سو ان میں سے ایک گروہ نے اس سے اظہار برأت کیا اور اس پر لعنت بھیجی اور کہا کہ مغیرہ اپنے دعویٰ میں کاذب تھا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی مہدی ہے اور دنیا پر حکومت کرے گا، کیونکہ اسے قتل کر دیا گیا اور دنیا پر اس کی حکومت قائم نہ ہوئی، حتیٰ کہ اس کے دسویں حصہ پر بھی اسے تسلط حاصل نہ ہو سکا۔ مگر ایک دوسرا گروہ مغیرہ کی حمایت پر ثابت قدم رہا اور کہا کہ اس نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ محمد بن عبداللہ مہدی ہے تو وہ سچا ہے۔ محمد بن

عبداللہ قتل نہیں ہوا، وہ زندہ ہے وہ حاجر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ میں مقیم ہے اور وہاں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اسے وہاں سے ''خروج'' کرنے کا حکم نہ دیا جائے۔

جب وہ خروج کرے گا تو اس کی بیعت امامت ''رکن'' اور ''مقام'' کے درمیان ہوگی اور اس کے لئے سترہ (۱۷) اشخاص کو زندہ کر کے ان میں سے ہر ایک کو اسم اعظم کا ایک حرف دیدیا جائے گا۔ یہ لوگ اس اسم اعظم کے ذریعہ مخالفین کے لشکروں کو شکست دے کر دنیا پر اپنی حکومت قائم کرلیں گے۔ ان لوگوں کا خیال ہے جسے خلیفہ المنصور عباسی کے لشکریوں نے مدینہ میں قتل کیا تھا، وہ شیطان تھا جو محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن کی شکل میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوا تھا۔ ان لوگوں کو ''المحمدیہ'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن کی رجعت کے منتظر ہیں۔

## جابر کی ہرزہ سرائی:

جابر الجعفی ؒ نامی شخص بھی اسی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ مغیرہ بن سعید عجلی نے اس کے حق میں وصیت کی ہے (یعنی اسے اپنا جانشین مقرر کیا ہے) جب جابر مرگیا تو بکر الاعور ہجری القتات نے کہا کہ جابر نے اس کے حق میں وصیت کی ہے۔ اس نے یہ کہا کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ وہ یوں فرقہ المغیریہ کے لوگوں کے تمام اموال کو انہیں بے وقوف بنا کر چٹ کر گیا۔ جب وہ مرا تو اس کے ہم مذہبوں کو اس کے جھوٹ کا پتا چلا اور وہ اس پر لعنت بھیجنے لگے۔

## یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں:

عبدالقاہر کہتے ہیں کہ ایسی قوم کو اسلامی فرقوں میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے، جنہوں نے اپنے معبود کو حروف تہجی سے تشبیہہ دی اور اپنے زعیم کو نبی سمجھ بیٹھے؟ اگر یہ لوگ مسلمان مان لئے جائیں، تو ان لوگوں کی بات بھی ماننی پڑے گی جو یہ کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی بھی امت محمدیہ ﷺ سے تعلق رکھتے تھے۔

## المغیر یہ پر اعتراض:

المغیر یہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تم محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے قتل سے انکار کرتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ جو قتل کیا گیا وہ شیطان تھا جس نے اس کی صورت کا بہروپ بھر لیا تھا، تو تم لوگ اُن سے اپنے کو کیوں علیحدہ کر لیتے ہو، جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین بن علی اور ان کے ساتھی کربلاء میں قتل نہیں کیے گئے تھے، بلکہ وہ سب لوگ غائب ہو گئے اور شیاطین جنہوں نے ان کا روپ دھار لیا تھا مارے گئے تھے۔ تمہیں حضرت حسینؓ کی رجعت کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے بھائی جناب حسنؓ کے پڑپوتے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن سے زیادہ بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ بلکہ جس طرح فرقہ السبئیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا منکر اور ان کی رجعت کا منتظر ہے، تم لوگ بھی انھیں رجعت کا انتظار کرو کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں پوتوں سے مرتبہ میں بہت اعلیٰ وارفع ہیں۔ اس اعتراض سے ان لوگوں کو چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

❁ ❁ ❁

### حواشی ........ باب چہارم۔ فصل سوم

(۱) مغیرہ بن سعید عجلی جادوگر تھا۔ وہ لایعنی دعوے کرتا تھا اور مردوں کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔ اس کے متعلق، عراق کے گورنر خالد بن عبداللہ القسری کو اطلاع ملی تو اسے پکڑوا کر جلوا دیا۔ یہ واقعہ ۱۱۹ھ کا اور زمانہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا تھا۔ اس کے مزید حالات کے لئے التبصیر، الملل والنحل، مقالات الاسلامیین اور مقدیسی کی البدء والتاریخ جلد پنجم، صفحہ ۱۳۰، دیکھئے۔

(۲) محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب کی، فصل اول، باب سوم۔

(۳) جابر بن یزید جعفی کے لئے دیکھئے باب سوم، فصل (الامامیہ، محمدیہ) اور میرا حاشیہ۔

❁ ❁ ❁

باب چہارم............فصل چہارم

# فرقۂ الحربیہ کا اور امت مسلمہ سے ان کے خروج کا بیان

## عقیدۂ تناسخ:

الحربیہ: عبداللہ بن عمرو بن حرب الکندی کے پیرو ہیں۔ ابتداء میں یہ شخص فرقہ البیانیہ کا ہم خیال تھا۔ اور انہیں کی طرح یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ روح الٰہی انبیاء وائمہ میں تناسخ کے طور پر منتقل ہوتی ہے۔ یہ تناسخ روحِ الٰہی کا سلسلہ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ تک پہنچا۔ الحربیہ نے اب یہ کہا کہ یہ روح الٰہی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سے عبداللہ بن عمرو بن حرب کو منتقل ہوگئی ہے۔ یوں الحربیہ نے اپنے زعیم عبداللہ بن عمرو بن حرب کے بارے میں وہی الوہیت کا دعویٰ کیا جو البیانیہ اس سے پہلے اپنے زعیم بیان بن سمعان کے متعلق کر چکے تھے۔

الحربیہ اور البیانیہ دونوں ہی فرقوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور اس کے تعلق سے کفر کا ارتکاب کیا۔ یوں یہ فرقے اسلامی فرقوں میں سے نہیں ہیں۔ اس طرح تمام فرقہ ہائے حلولیہ اسلامی فرقوں سے خارج [1] ہیں (اور چونکہ الحربیہ اور البیانیہ بھی انسانی جسم میں روح الٰہی کے حلول اور درآنے کے قائل ہیں اور حلولیہ ہیں، اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں)۔

............

حواشی.....۱.......باب چہارم۔ فصل چہارم

(۱) اس فرقہ کا ذکر باب سوم، فصل اول میں فرقہ الکیسانیہ کے زمرہ میں دیکھئے۔

............

باب چہارم............فصل پنجم

# فرقہ المنصوریہ کا اور دائرہ اسلام سے اس کے خارج ہونے کا بیان

**المنصوریہ:**

المنصوریہ، ابومنصور العجلی[1] کے متبع ہیں۔ اس کے نزدیک امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں گردش کرتے ہوئے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی (بن ابی طالب) المعروف بہ "باقر" تک پہنچی۔ ان کے بعد عجلی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ امام باقر کا جانشین و خلیفہ ہے۔ بعدازاں اس نے ملحدانہ دعوے کیے مثلاً اس نے کہا کہ اسے آسمان پر چڑھایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس سے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دے۔" بعدازاں اسے زمین پر اتار دیا گیا اس نے یہ بھی کہا کہ: "وہ آسمان سے گرنے والا ٹکڑا ہے جس کا قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے: "اگر وہ لوگ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بھی جما ہوا بادل ہے (القرآن، سورۂ طور، آیت ۴۴)"[2]

**المنصوریہ کے عقائد:**

اس گروہ نے قیامت، جنت اور دوزخ کا انکار کیا ہے اور یہ تاویل کی ہے کہ جنت دنیا کی نعمتوں کا نام ہے اور دوزخ دنیا میں لوگوں کی آزمائشوں اور پریشانیوں سے عبارت ہے۔ اپنی اس گمراہی کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں اپنے مخالفوں کو گلہ گھونٹ کر مار ڈالنا جائز و مباح ہے۔

المنصور کا خاتمہ:

ان لوگوں کا فتنہ حسب معمول پھلتا پھولتا رہا تا آنکہ (عراق کے اموی گورنر) یوسف بن عمر ثقفی [۳] نے اس فرقہ المنصوریہ کے درپردہ اغراض و مقاصد کو بھانپ لیا۔ اس نے اس فتنہ کے بانی مبانی ابو منصور العجلی کو گرفتار کر کے تختہ، دار پر لٹکا دیا۔

یہ فرقہ بھی اسلامی فرقوں میں شمار نہیں کیا جاتا، کیونکہ یہ قیامت، جنت اور دوزخ کے وجود کا منکر ہے۔

## حواشی ............ باب چہارم۔ فصل پنجم

(۱) ابومنصور عجلی، قبیلہ بنی عبدالقیس سے تھا۔ کوفہ کا صاحب جائداد شخص تھا۔ وہ امی محض اور بدو تھا۔ اس نے امام محمد الباقر کے بعد ان کی جانشینی اور پھر نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کے پاس جبرئیل وحی لے کر آتے ہیں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تنزیل (قرآن کریم) کے ساتھ اور اسے تاویل (قرآن کریم کی تشریح و تاویل) کی غرض سے مبعوث کیا ہے۔ اس کی گمراہی کے سبب عراق کے گورنر یوسف بن عمر ثقفی نے اسے پھانسی دیدی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے حسین بن ابی منصور نے نبوت کا دعویٰ کیا اسے عباسی خلیفہ المہدیٰ کے حکم سے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی قتل کروا دیا گیا۔

(۲) شہرستانی کے بیان کے مطابق ابومنصور کہتا تھا کہ آسمان کا گرنے والا ٹکڑا حضرت علیؓ ہیں۔ کبھی کبھی یہ دعویٰ بھی کرتا تھا کہ گرنے والا آسمانی ٹکڑا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر اشعری نے جو بات کہی ہے وہ بغدادی کے مندرجہ کے مطابق ہے۔ تفصیل کے لئے الملل والنحل اور مقالات الاسلامیین دیکھئے۔

(۳) یوسف بن عمر ثقفی حجاج کا چچازاد بھائی، فصیح مگر احمق شخص تھا۔ ہشام کے عہد میں عراق کا گورنر رہا۔ مگر خلیفہ یزید بن ولید نے اسے ۱۲۷ھ میں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اسی حالت میں وہ قید حیات سے آزاد ہو گیا۔

# غُلاۃ کے فرقہ ''الجناحیہ'' کا اور اس کے اسلام سے خروج کا بیان

## عبداللہ کو امامت کیسے ملی؟:

یہ فرقہ عبداللہ ابن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا پیرو ہے۔ ان لوگوں نے اس شخص کی جو اتباع کی اس کا سبب یہ ہوا کو فرقہ المغیر یہ کے جن لوگوں نے مغیرہ بن سعید عجلی سے، محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے (۱۴۵ھ میں) قتل کے بعد، اظہار برأت کر کے علیحدگی اختیار کر لی، انہوں نے (۱۱۹ھ میں مغیرہ کے قتل کے بعد) کوفہ سے مدینہ کا اس لئے سفر کیا کہ انہیں ایک امام کی تلاش تھی۔ وہاں ان کی عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی امامت کی دعوت دی اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی صلبی اولاد کے بعد وہی امام ہے۔ ان (مغیریہ) نے اس کی امامت کی بیعت کر لی اور کوفہ واپس آ گئے۔ یہاں ان لوگوں نے اپنے ہم خیالوں اور پیرووں سے بیان کیا کہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر یہ کہتا ہے کہ وہ ''رب'' ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی روح آدم میں تھی، ان کے بعد یہ روح شیث میں آئی اور بعد ازاں انبیاء وائمہ میں گردش کرتی ہوئی علی کے جسم میں حلول کر گئی۔ پھر ان کے تینوں بیٹوں (حسن حسین اور محمد بن حنفیہ) میں باری باری سے یہ روح الٰہی در آئی اور ان سب کے بعد یہ روح عبداللہ بن معاویہ کے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ (ان لوگوں نے اپنے کوفہ کے) ساتھیوں سے یہ بھی کہا کہ عبداللہ بن معاویہ نے ان لوگوں سے کہا کہ: ''علم اس کے قلب میں یوں اگتا ہے جیسے خود رو پودے اور گھاس پات اگتی ہیں۔''

## عبداللہ کی گمراہیاں:

اس فرقہ نے جنت و دوزخ کا انکار کیا اور شراب، مردار، زنا، لواطت اور تمام محرمات شرعیہ کو حلال قرار دیا اور عبادات کے وجوب کو ساقط کر دیا۔ ان لوگوں نے عبادات کی یہ تاویل کی کہ وہ اہل بیت کی محبت سے، کنایہ ہیں (یعنی عبادات کا مطلب محبت اہل بیت ہے) اور جن محرمات کا قرآن کریم میں مذکور ہے وہ ان کے نزدیک ان لوگوں سے کنایہ ہے، جن کی دشمنی اور جن سے بغض و کینہ رکھنا واجب ہے، مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) جن سے کینہ رکھنا واجب ہے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ: اس عبداللہ بن معاویہ نے فارس اور اصفہان کے علاقوں میں مسلح بغاوت کی (عباسی داعی) ابومسلم خراسانی نے اس کے مقابلہ پر ایک بڑی فوج بھیجی جس نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ مگر اس کے پیرو اس بات سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قتل نہیں ہوا، بلکہ زندہ ہے۔

اس گروہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب جنت، دوزخ، عذاب وثواب کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، تو اگر تمہارے مخالفین تمہیں قتل کریں اور تمہاری عورتوں کو باندیاں بنالیں، تو انہیں خوف نہ ہوگا اور ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

## حواشی............باب چہارم۔فصل ششم

(۱) عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب نے آخری اموی خلیفہ کے عہد میں کوفہ میں بغاوت کی۔ اور اپنی امامت کا اعلان کیا۔ اموی گورنر سے شکست کھا کر یہ جبال (ایران) بھاگ گیا اور وہاں کے کچھ مقامات پر قابض ہوگیا۔ جب عباسی داعی ابومسلم نے خراسان و جبال پر اپنا تسلط قائم کرلیا تو اس نے عبداللہ کو شکست دے کر مار ڈالا۔ اس کی ہلاکت کے بعد بھی اس کے پیرو تھوڑی تعداد میں جبال و خراسان میں موجود تھے اور ایک مدت تک اس کی رجعت کے منتظر تھے۔ دیکھئے الفخری، المعارف، طبری، ابن اثیر، تاریخ بخاری و طبقات ناصری، ولہا وزن نے اپنی کتاب ''صدر اسلام میں سیاسی و مذہبی احزاب'' (بزبان جرمن) میں اس ابن معاویہ کا ایک مخصوص انداز میں ذکر کیا ہے، (میں نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اس کتاب کا نام ہے ''عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب'' اس کو ادارۂ قرطاس کراچی نے شائع کیا ہے)۔ نیز المواقف، مقالات الاسلامیین، التبصیر، الملل والنحل (اس کا ترجمہ میں نے کیا ہے اور قرطاس نے اسے شائع کیا ہے) اور اعتقادات فرق المسلمین (اس کا ترجمہ بھی میں نے کیا ہے اور فضلی بک کراچی نے شایع کردیا ہے) سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

باب چہارم ............ فصل ہفتم

# الخطابیہ کا ذکر جو ابوالخطاب اسدی[1] کے پیرو ہیں

**خطابیہ کے عقائد:**

الخطابیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ''امامت'' جعفر الصادق تک تھی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ، الہ ہیں۔ مگر ابوالخطاب شروع میں یہ کہتا تھا کہ ائمہ، انبیاء ہیں۔ بعدازاں اس نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ ائمہ اللہ ہیں۔ اور حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد اللہ کے بیٹے (ابناء اللہ) اور اس کے محبوب (احباء اللہ) ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ: ''جعفر اللہ ہیں''۔ جب امام جعفر کو اس کی اطلاع ہوئی، تو انہوں نے اس پر لعنت بھیجی اور اپنے پاس سے اس کو بھگا دیا۔

بعدازاں ابوالخطاب نے اپنی الوہیت کا دعویٰ کیا اور اس کے پیروکاروں نے کہا کہ:

''جعفر اللہ ہیں، لیکن ابوالخطاب ان سے افضل ہے، بلکہ علی سے بھی افضل ہے۔''

الخطابیہ کے ہاں اپنے موافقین کی حمایت میں اپنے مخالفین کے خلاف جھوٹی گواہی دینا جائز ہے۔ ابوالخطاب نے شہر کوفہ کے کناسہ (افتادہ میدان) میں خیمہ نصب کیا اور اپنے متبعین کو اس میں جعفر کی عبادت کی دعوت دی۔ پھر اس نے کوفہ کے گورنر کے خلاف (عباسی خلیفہ) المنصور کے عہد میں بغاوت کی۔ اس کی سرکوبی کے لئے المنصور نے (اپنے بھتیجے، ولی عہد اور سپہ سالار) عیسیٰ بن موسیٰ (عباسی) کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا۔ اس فوج نے ابوالخطاب کو گرفتار کر کے کوفہ کے کناسہ میں سولی دیدی۔

امام ناطق اور امام ساکت :

ابوالخطاب کے متبعین کا عقیدہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ''امام ناطق'' اور دوسرا ''امام ساکت'' ہونا چاہئے۔ ائمہ اللہ ہوتے ہیں اور غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک علیؓ، نبی اکرم علیہ السلام کے زمانہ میں ''صامت'' (ساکت) تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''ناطق'' تھے۔ ان کے بعد علیؓ ''ناطق'' ہوگئے۔ یہ لوگ ائمہ کے متعلق اسی طرح کہتے ہیں تا آنکہ بات جناب جعفر تک پہنچی (وہ امام ہوئے) ابوالخطاب ان کے زمانہ میں ''امام صامت'' تھا اور ان کے بعد ''امام ناطق'' ہوگیا۔

خطابیہ کا انتشار :

ابوالخطاب کے مصلوب ہونے کے بعد اس کے متبعین پانچ گروہوں بنٹ گئے۔ ان سب کا عقیدہ ہے کہ ائمہ، اللہ ہیں۔ وہ غیب جانتے ہیں اور جو ہونے والا ہے، اس کے ہونے سے پہلے ہی اسے جانتے ہیں۔ یہ سبھی کافر اور دین اسلام سے خارج ہیں۔

المعمریہ :

۱۔ الخطابیہ کے پہلے فرقہ کا نام ''المعمریہ'' ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ابوالخطاب کے بعد معمر نامی شخص امام ہوا۔ یہ لوگ جیسے ابوالخطاب کی پہلے پرستش کرتے تھے۔ اس کی بھی پرستش کرتے تھے۔ ان لوگوں کے خیال میں دنیا فانی نہیں ہے، جنت اس اچھائی، نعمت اور عافیت کا نام ہے جو لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور دوزخ سے مراد وہ برائی، مشقت اور بلا ہے جو انسان کو بھگتنی پڑتی ہیں۔ ان لوگوں نے محرمات (شرعیہ) کو حلال ومباح ٹھہرایا اور ترک فرائض کے قائل ہوگئے۔ اسی طرح انہوں نے قیامت کے برپا ہونے کا انکار کیا اور تناسخ کا عقیدہ اختیار کرلیا۔

۲۔ البزیغیہ :

۲۔ الخطابیہ کا دوسرا فرقہ ''البزیغیہ'' کہلاتا ہے۔ یہ لوگ بزیغ نامی شخص کے پیرو ہیں۔ اس شخص کا یہ عقیدہ تھا کہ امام جعفر (الصادق) اللہ تھے، اور جعفر وہ نہ تھے۔ جسے لوگ دیکھتے تھے۔

بلکہ وہ لوگوں کو اس صورت میں نظر آتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ عقیدہ بھی پیش کیا کہ: ہر مومن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کی: ''کوئی نفس صرف اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی مرتی ہے (القرآن، سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۵)''۔ یہاں ان کے خیال میں ''اِذْنِ اللہِ'' سے مراد یہ ہے کہ اس پر اللہ کی جانب سے وحی نازل ہوتی ہے۔ انہوں نے اس ارشاد الٰہی سے بھی استدلال کیا: ''اور جب میں نے حواریوں کو ایمان لانے کا حکم دیا (القرآن، سورۂ المائدہ، آیت ۱۱۱)''۔ اس گروہ نے اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہی ''حواری'' ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بھی حوالہ دیا کہ: ''اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو بتایا۔ (القرآن، سورۂ النمل، آیت ۶۸)''۔ ان لوگوں نے کہا جب شہد کی مکھی پر نزول وحی درست ہے، تو ہم تو اس سے زیادہ وحی کے نزول کے مستحق ہیں (ان تینوں آیتوں میں لفظ ''وحی'' کے غلط معنی لے کر اس فرقہ نے غلط استدلال کیا ہے اور قرآن مجید میں تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے، جو اپنی جگہ پر کفر ہے)۔

اس گروہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو جبرئیل، میکائیل اور محمد ﷺ سے افضل ہیں (نعوذ باللہ)۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ وہ کبھی نہیں مریں گے۔ اور جب ان میں سے کوئی اپنے میں انتہاء کمال کو پہنچ جاتا ہے، تو اسے ''ملکوت'' کی جانب اٹھالیا جاتا ہے۔ وہ لوگ ان اٹھائے جانے والوں کو صبح و شام دیکھتے ہیں۔

### ۳۔ العُمیر یہ:

۳۔ ان کے تیسرے فرقہ کا نام ''العمیر یہ'' ہے۔ یہ لوگ عمیر بن بیان عجلی کے متبع ہیں۔ ان میں سے جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں مریں گے، یہ فرقہ ان کی تکذیب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''ہم مرتے ہیں مگر زمین پر ہمیشہ ہم میں سے ایک جانشین (خلف) ہوتا ہے جو انبیاء کا امام و جانشین ہوتا ہے۔'' ان لوگوں نے بھی جعفر کی پرستش کی اور اسے رب کا نام دیا۔

۴۔ المُفضلیہ :

۴۔ الخطابیہ کے چوتھے فرقہ کا نام ''المُفضلیہ'' ہے۔ یہ لوگ مفضل الصیر فی کی جانب منسوب ہیں۔ یہ لوگ جعفر کی نبوت کے بجائے ان کی الوہیت کے قائل ہیں۔ چونکہ امام جعفر نے ابوالخطاب سے اظہار برأت کیا تھا، یہ لوگ بھی اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

۵۔ الخطابیہ المطلقہ :

۵۔ ان کا پانچواں فرقہ ''الخطابیہ المطلقہ'' کہلاتا ہے۔ یہ لوگ ابوالخطاب کے تمام دعوں میں اس کی حمایت اور سوالات پر ثابت قدم رہے۔ اور اس کے بعد کسی اور کی امامت سے انکار کیا۔

حضرت علیؓ کی تکفیر :

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ باطنیہ، منصوریہ، جناحیہ و خطابیہ نے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اس بناء پر تکفیر کی ہے اور انہیں کافر قرار دیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں حضرت علیؓ کو امامت سے خارج کر دیا تھا۔ مگر خود ان فرقوں نے بھی اپنے زعماء کے زمانوں میں اولاد علیؓ کو امامت سے خارج کر دیا، تو ان پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ: اگر حضرت علیؓ اپنے زمانہ میں تمام دوسرے صحابہؓ سے امامت کے زیادہ حق دار تھے، تو اُن کی اولاد تمہارے زعماء سے ان کے زمانوں میں، بڑھ کر امامت کی کیوں مستحق نہیں ہے؟ مگر ان گمراہیوں سے ان کی گمراہی پر اتنی حیرت نہیں ہے، جتنی حیرت ان علویوں (اولاد علی) پر ہے جنہوں نے ان کو درجہ قبولیت بخشا اور پسند کیا، حالانکہ ان لوگوں نے خود امامت پر قبضہ جمالیا تھا۔

## حواشی ............ باب چہارم ۔ فصل ہفتم

(۱) ابوالخطاب اسدی کا نام محمد بن ابی زینب تھا۔ اس کی دوسری کنیت ابواسحاق تھی ۔ یہ شخص بنی اسد کا مولیٰ تھا۔ اسے ۱۴۳ھ میں بدعقیدگی کے جرم میں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اس کے فرقہ سے متعلق مزید معلومات کے لئے مقالات الاسلامیین ۱:۷۵، التبصیر ص ۷۳، الملل والنحل ۱:۱۷۹ سے رجوع کیجئے۔

باب چہارم ........... فصل ہشتم

# الغُرابیَّہ، المُفَوضہ والذَّمیّہ کا ذکر اور اسلامی فرقوں سے اُن کے خارج ہونے کا بیان

### الغُرابیہ ........... جبرئیل سے غلطی ہوگئی:

ا۔ الغرابیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبوت کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ راستہ میں ان سے غلطی ہوگئی اور وہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلے گئے۔ کیونکہ وہ علی کی شکل کے مشابہ اور ان کے ہم صورت تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) سے ایسے مشابہ تھے، جیسے کوا (غراب) کوے سے اور مکھی (ذباب) مکھی سے مشابہ ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ رسول تھے۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد رسول ہوئی۔ یہ فرقہ اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ: ''پروں والے پر لعنت بھیجو''۔ اس سے ان کی مراد اور ان کا اشارہ جبرئیل علیہ السلام کی جانب ہے۔

### الغُرابیّہ کافر ہیں:

اس فرقہ کا کفر یہود کے کفر سے بڑھ کر ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: ''آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے کون وحی لے کر آتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبرئیلؑ ''۔ اس پر یہود نے کہا: ''ہم جبرئیل کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ وہ عذاب لے کر

نازل ہوتے ہیں، اگر آپ ﷺ کے پاس میکائیل وحی لے کر آتے، جو رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں، تو آپ ﷺ پر ہم ضرور ایمان لاتے۔" یہود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے اور جرائیل علیہ السلام سے عداوت رکھتے تھے، حضرت جبرئیل پر لعنت نہ بھیجتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ وہ عذاب کے فرشتے ہیں، رحمت کے فرشتے نہیں ہیں۔ مگر روافض میں سے الغرابیہ حضرت جبرئیل اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) لعنت بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "جو اللہ تعالیٰ کا، اس کے ملائکہ کا، اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے، تو بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔ (القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۹۸)"۔ اس آیت میں بعض ملائکہ سے بغض رکھنے والوں کو کافر کا نام دیا گیا ہے، اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے کافر کہا ہے انہیں اسلامی فرقوں میں شامل کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔

اَلْمُفَوَّضَہ :

۲۔ اَلْمُفَوَّضَہ ۲؎ روافض کا وہ گروہ ہے جس کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کیا اور انہیں عالم کی تخلیق و تدبیر کا کام سپرد کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بجائے انہوں نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تدبیر و انتظام کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دی۔ سو وہی "مدبر ثانی" ہیں۔

یہ فرقہ (اَلْمُفَوَّضَہ) مجوس سے بھی زیادہ بُرا ہے، جن کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا کیا پھر شیطان نے شرور (برائیوں) کو پیدا کیا۔ یہ فرقہ نصاریٰ سے بھی بدتر ہے، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "مدبر ثانی" کا نام دیا ہے۔ اس بناء پر جو لوگ روافض کے فرقہ اَلْمُفَوَّضَہ کو اسلامی فرقوں میں شمار کریں، وہ ایسے ہی ہیں جیسے مجوس اور نصاریٰ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتے ہوں۔

الذَّمیّہ :

۳۔ الذمیہ ۳؎ ایک ایسا فرقہ ہے جو (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو "اللہ" مانتا ہے،

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتا ہے۔ (نعوذ باللہ) اور کہتا ہے کہ علی نے ان کو اپنی نبوت کا پیغام اور اس کی خبر دینے کی غرض سے بھیجا تھا، لیکن انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو اس کی جانب بلانا شروع کیا۔

یہ فرقہ بھی اسلامی فرقوں سے خارج ہے، کیونکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کرتا ہے۔

## حواشی ............ باب چہارم۔ فصل ہشتم

(۱) الغرابیہ کے لئے اشعری، اسفرائینی، شہرستانی، رازی اور نوبختی کی کتابوں سے رجوع کیجئے۔

(۲) المفوّضہ کے لئے التبصیر ص ۷۵ دیکھئے۔

(۳) الذمیّہ کے لئے بھی التبصیر ص ۷۵ دیکھئے۔

# الشریعیّہ اور النُّمیریّہ نامی روافض کے فرقوں کا بیان!

## ا۔الشریعیہ :

ا۔الشریعیہ، ایک آدمی کے، جس کی عرفیت شریعی ہے، پیروکار ہیں۔اس نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ پانچ اشخاص کے جسموں میں حلول کرگیا۔وہ ہیں نبی،علی، فاطمہ،حسن اور حسین۔اور یہ پانچوں اشخاص ''اللہ'' ہیں۔اور اُن کے پانچ اضداد (ضد،ند،مخالف ) بھی ہیں۔ ان ''اضداد'' کے نیک و بد ہونے کے بارے میں ان لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔اُن میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ یہ ''اضداد'' ''محمود'' ( قابل ستائش ) ہیں۔کیونکہ وہ اشخاص جن میں الوہیت حلول کئے ہوئے ہے۔ان کی بڑائی اور فضیلت کو ان کی اضداد ہی سے جانا جاسکتا ہے۔ مگر ان کے ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ یہ ''اضداد'' مذموم (بُرے، ناپسندیدہ) ہیں۔ روایت ہے کہ اس شریعی نے ایک دن لوگوں سے کہا کہ: اس کے جسم میں اللہ حلول کرآیا ہے۔

## ۲۔النمیریہ :

شریعی کے بعد اس کے پیروؤں میں النمیری نامی ایک شخص ہوا۔اس نے بھی اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں حلول کرگیا ہے۔

## غُلاۃ مسلمان نہیں ہیں :

یہ غالی (غلاۃ) روافض کے آٹھ (۸) فرقے ہیں جو تمام اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔

کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے علاوہ الٰہ کے بھی قائل ہیں۔ (صحیح تعداد بارہ (۱۲) ہے)۔

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ الخطابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امام جعفر الصادق نے ایک کھال دی ہے جس میں ان تمام امور غیب کا ذکر موجود ہے، جن کی ان لوگوں کو ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ ان لوگوں نے اس کھال کا نام ''جفر'' رکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کھال پر جو کچھ لکھا ہوا ہے اسے صرف وہی پڑھ سکتا ہے جو ان میں سے ہو۔ ہارون بن سعد عجلی نے اس کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے، وہ کہتا ہے۔

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ روافض متفرق ہو گئے اور ان میں سے سبھی نے جعفر کے بارے میں غلط اور منکر بات کہی۔

ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ وہ ''اللہ'' ہیں۔ جبکہ ان میں ایسے گروہ بھی ہیں جنہوں نے ان کو مطہر، پاک صاف نبی کہا۔

ان جعفر کی جانب منسوب کھال پر تعجب ہوتا ہے۔ سو میں ان لوگوں سے جو جعفر کے پیروکار ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب برأت کرتا ہوں۔

یہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں اگر جعفر ان سے راضی وخوش تھے، تو میں اپنے رب سے رجوع کرتا ہوں اور جعفر سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں۔

میں ہر رافضی سے رحمان کی جانب متوجہ ہو کر اظہار برأت کرتا ہوں۔ یہ رافضی کفر کے دروازے کو دیکھتے لیکن دین حق سے اندھے ہیں۔

جب اہل حق کسی بدعت سے رک جائیں تو یہ لوگ اسے اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ان سے حق کی جانب چلنے کو کہا جاتا ہے تو کوتاہی کرتے ہیں۔

اگر ان سے ان کے امام یہ کہیں کہ ہاتھی، گوہ ہے تو یہ لوگ اسے سچ مانیں گے، اور اگر کہا جائے کہ حبشی گورا سرخ وسفید ہو گیا ہے، تو اسے بھی مان لیں گے۔

یہ لوگ اونٹ کے پیشاب سے بھی زیادہ وعدہ خلاف ہیں، کیونکہ جب اسے سامنے کی سمت کیا جاتا ہے تو وہ پیچھے کی طرف پھر جاتا ہے۔

وہ لوگ کیا ہی برے ہیں جنہوں نے امام جعفر پر تہمت لگائی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ پر اتہام و بہتان باندھا۔"

.......❁.......❁.......❁.......

## حواشی ........... باب چہارم۔ فصل نہم

(۱) اشعری ۱:۸۲ و ۸۴، اسفرائینی ص ۷۵، کتاب الفرق بین الفرق باب چہارم کی فصل دہم دیکھئے جہاں اس کا ذکر الحلولیہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

.......❁.......❁.......❁.......

باب چہارم ............ فصل دہم

# مختلف اصناف کے فرقہ الحلولیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں سے ان کے خارج ہونے کا ذکر

حلولی فرقے:

الحلولیہ بحیثیت مجموعی دس (۱۰) فرقوں میں منقسم ہیں۔ یہ سب کے سب اسلامی حکومت میں گزرے ہیں۔ ان سبھوں کا مقصد یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ کے عقیدہ کو نقصان پہنچایا جائے۔ ان لوگوں میں اکثر کا تعلق روافض کے غالی فرقوں سے ہے۔ اور وہ یوں کہ السبئیہ، البیانیہ، الجناحیہ، الخطابیہ اور النمیر یہ کہ روافض غلاہ کے فرقے ہیں، سب کے سب حلولیہ ہیں۔ ان کے بعد دریائے جیحوں کے اس پار (ماوراء النہر) میں فرقہ المقنعیہ کا ظہور ہوا۔ اسی طرح ''مرو'' میں رزامیہ نام کا ایک فرقہ نمودار ہوا۔ اسی طرح برکوکیہ، حلمانیہ اور حلاجیہ کا ظہور ہوا۔ یہ فرقہ الحلاجیہ، حسین بن منصور حلاج ؒ کی جانب منسوب ہے۔ اسی طرح فرقہ الغدافرہ، کہ ابوالغدافر کی جانب منسوب ہے، وجود میں آیا۔ یہ سب کے سب حلولی فرقے تھے، بعد میں ''الخرمیہ'' نے ان کی پیروی کی، انہوں نے محرمات کو مباح وحلال کر لینے میں اور فرائض کے اسقاط میں ان حلولی فرقوں کی ہم نوائی کی اور ان کے شریک کار ہوگئے۔ ہم اختصار کے ساتھ حلولی فرقوں کے عقائد ومسالک کا ذکر کرتے ہیں:۔

السبئیہ:

(۱) السبئیہ اس لئے حلولیہ میں شامل ہیں کہ ان کے ہاں حضرت علیؓ اللہ ہیں، کیونکہ ان

میں روح الٰہی حلول کر آئی ہے۔

البیانیہ:

(۲) البیانیہ کا عقیدہ ہے کہ روح الٰہی انبیاء وائمہ میں گردش کرتی ہوئی حضرت علی میں در آئی، پھر محمد بن حنفیہ میں حلول کرگئی، پھر ان کے بیٹے ابوہاشم میں آئی اور اس کے بعد بیان بن سمعان میں یہ حلول کرگئی۔ اس طرح ان کے ہاں بیان بن سمعان اللہ ہے۔

الجناحیہ:

(۳) الجناحیہ بھی حلولی ہیں، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ روح الٰہی علی اور ان کی اولاد میں گردش کرتی ہوئی عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر میں حلول کرگئی۔ یہ فرقہ اس لئے کافر ہوگیا کہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے زعیم میں روح الاہی حلول کرگئی ہے اور نیز اس لئے بھی یہ لوگ کافر ہوگئے کہ قیامت، جنت اور دوزخ کا انکار کرتے ہیں۔

الخطابیہ:

(۴) الخطابیہ سب کے سب حلولی ہیں کیونکہ اس گروہ کا دعویٰ ہے کہ جعفر صادق میں روح الاہی حلول کرگئی ہے۔ اور ان کے بعد یہ روح ابوالخطاب اسدی میں در آئی ہے۔ سو یہ گروہ اس اعتبار سے کافر ہے۔ اور یہ اس بناء پر بھی کافر ہے کہ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حسن وحسین اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے اپنی ذات میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، وہ تمام خطابیہ سے بھی بڑھ کر کافر ہیں۔

الشریعیہ والنمیریہ:

(۵) روافض کے فرقہ ہائے الشریعیہ اور النمیریہ بھی حلولی ہیں۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ روح الٰہی پانچ اشخاص میں حلول کرگئی ہے۔ وہ پانچ اشخاص ہیں نبی، علی، فاطمہ، حسن وحسین۔ یہ لوگ ان پانچوں کو اللہ مانتے ہیں۔

الرزامیہ :

(٦) مروؔ کے الرزامیہ نے عباسی داعی ابو مسلم (خراسانی) کی محبت میں حد سے تجاوز کیا اور ابو ہاشم کے بعد اس کی امامت کے قائل ہو گئے۔ پھر امامت کو محمد بن علی سے اس کے بھائی عبداللہ بن علی السفاح کی جانب منتقل کیا۔ بعدازاں یہ کہا کہ السفاح کے بعد امامت ابو مسلم کو تفویض ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ان لوگوں نے ابو مسلم کے قتل اور موت کا اقرار کیا۔ مگر ان کے ایک گروہ نے جسے ''ابو مسلمیہ ۳'' کہا جاتا ہے، ابو مسلم کے بارے میں حد درجہ افراط وانتہاء پسندی سے کام لیا اور کہا کہ اس میں روح الٰہی حلول کر گئی، سو وہ اللہ تعالیٰ ہو گیا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ابو مسلم جبرئیل، میکائیل اور تمام ملائکہ سے بہتر ہے۔ ابو مسلم زندہ ہے، مرا نہیں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ ان لوگوں کو ''مرو'' اور ''ہرات'' میں ''برکوکیہ'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اگر ان سے پوچھا جاتا ہے کہ (اگر ابو مسلم زندہ ہے) تو خلیفہ المنصور نے کسے قتل کرایا تھا؟ تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ: ''وہ شیطان تھا جو لوگوں کے سامنے ابو مسلم کی صورت میں ظاہر ہوا تھا''۔

المقنعیہ :

(۷) یہ لوگ دریائے جیحوں کے اُس پار (ماوراء النہر) کے المبیضہ ۴ ہیں۔

مقنع کون تھا؟ :

اس گروہ کا سربراہ مقنع نامی یک چشم شخص تھا۔ پیشہ کے لحاظ سے یہ دھوبی تھا۔ مرو کے ایک گاؤں کا، جس کا نام ''کازہ کیمن وات'' تھا، رہنے والا تھا۔ اس نے ہندسہ (اقلیدس)، حیل اور نیرنجات میں کسی قدر دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ وہ پہلے مرو کے رزامیہ کے مذہب کا پیرو تھا۔ بعدازاں اس نے اپنے اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اپنے (بدنما) چہرے کو ایک ریشمی برقع میں چھپا کر لوگوں سے پردہ کر لیا۔ جبل ابلاق کے باشندے اور صغد قوم کے کچھ لوگ اس کے فریب میں آ گئے۔ اسکا فتنہ مسلمانوں کے خلاف قریباً چودہ (۱۴) سال تک باقی رہا۔ مسلمانوں کے

خلاف غارت گری پر خلجی ترکوں کے کفار نے بھی اس مقنع کی مدد کی اور خلیفہ المہدی بن المنصور (عباسی) کے عہد میں ان لوگوں نے مسلمانوں کے متعدد لشکروں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ مقنع نے اپنے پیروؤں کے لئے محرمات کو مباح و حلال کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے تحریم کی بات اور عقیدہ کو حرام ٹھہرایا تھا۔ اسی طرح اس نے صلوۃ و صیام اور دوسری تمام عبادتوں کو ساقط و فضول قرار دیا۔ اس نے اپنے متبعین سے کہا کہ وہ اللہ ہے، ایک بار آدم کی صورت میں، دوسری بار نوح کی صورت میں اور ایک دوسری بار ابراہیم کی صورت میں وہ لوگوں کے سامنے آیا۔ وہ اسی طرح انبیاء کی صورتوں میں آتا رہا تا آنکہ محمد ﷺ کی صورت میں نمودار ہوا۔ پھر علی اور ان کے بعد ان کی اولاد کے روپ میں آتا رہا۔ بعدازاں وہ ابومسلم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اب اپنے زمانہ میں وہ ہشام بن حکیم کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ ہشام بن حکیم اس کا نام تھا۔ اس نے کہا میں جو صورتیں اختیار کرتا اور روپ دھارتا رہتا ہوں، اس کا سبب یہ ہے کہ میرے بندے مجھے میری اصلی صورت میں دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے، کیونکہ اگر کوئی مجھے اس صورت میں دیکھ لے تو میرے نور سے جل کر خاک ہو جائے گا۔

کش اور نخشب کے اطراف میں مقنع کے پاس ایک نہایت مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا، جس کا نام ''سیام'' تھا۔ اس قلعہ کے شہر پناہ کی دیوار کا عرض ایک سو انیٹ سے زیادہ تھا اور اس کے ساتھ ایک بڑی خندق تھی۔ اس کے ساتھ قوم صغد کے لوگ اور خلجی ترک کی بڑی تعداد تھی۔ اس کے مقابلہ پر (عباسی خلیفہ) المہدی (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) نے اپنے سپہ سالار معاذ بن مسلم کی قیادت میں ستر (۷۰) ہزار لشکر ترتیب دے کر روانہ کیا۔ اس کے عقب میں ایک دوسرے سالار سعید بن عمرو جرشی کو ایک دوسری فوج کے ہمراہ روانہ کیا۔ بعدازاں المہدی نے سعید بن عمرو الجرشی کو مقنع سے جنگ پر مامور کر کے (معاذ بن مسلم کو واپس بلالیا)۔ سعید اس سے دو سال تک جنگ کرتا رہا۔ سعید نے مقنع کے قلعہ کی خندق کو چوڑائی میں عبور کرنے کی غرض سے لوہے اور لکڑی کی دو سو سیڑھیاں بنوائیں۔ اس نے ہندوستان (اب پاکستان) کے شہر ملتان سے بھینسوں کی کھالیں منگوائیں اور انہیں ریت سے بھروا کر مقنع کی خندق کو پٹوا دیا۔ اس خندق کے پیچھے

سے مقنع کی فوج نے لڑائی جاری رکھی۔ آخر عاجز آ کر مقنع کے لشکریوں نے امان طلب کی، چنانچہ تیس (۳۰) ہزار کو امان دی گئی اور باقی کو قتل کرا دیا گیا۔ مقنع نے خود کو اپنے قلعہ میں بنائے ہوئے تنور میں جس میں اس نے تانبا اور چار کول پگھلا رکھا تھا، جلا کر ختم کر لیا۔ اس کی اس حرکت سے اس کے پیروکاروں نے جب اس کا جسم یا راکھ نہ پائی، تو وہ ایک نئے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ کہا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ مقنع کے متبعین اب ابلاق کے پہاڑوں میں رہتے ہیں اور نہایت ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ہر گاؤں میں ایک مسجد ہوتی ہے جس میں وہ نماز نہیں پڑھتے مگر ایک موذن کو کرایہ پر رکھتے ہیں جو وہاں اذان دیتا ہے۔ ان کے ہاں مردار اور سور حلال ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے دوسرے شخص کی بیوی سے تمتع حاصل کرتا ہے (مجامعت کرتا ہے)۔ اگر انہیں کوئی مسلمان مل جائے جسے وہ موذن جو انکی مسجد میں ہوتا ہے نہ دیکھے، تو وہ لوگ اس مسلمان کو مار کر اس کی لاش چھپا دیتے ہیں۔ لیکن مسلمان عوام اپنے علاقوں میں انہیں بہت برا سمجھتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

الحلمانیہ:

(۸) الحلمانیہ، کہ الحلولیہ سے تعلق رکھتے ہیں، ابوحلمان دمشقی کی جانب منسوب ہیں۔ یہ شخص اصلاً فارس کا رہنے والا تھا۔ مگر اس کی نشوونما حلب میں ہوئی۔ اس نے اپنی بدعت کا اظہار دمشق میں کیا، سو وہ دمشق کی نسبت سے منتسب ہو گیا۔

ابوحلمان کافر ہے: یہ شخص دو وجوہ سے کافر ہے:۔

اوّل تو یہ کہ اس کا عقیدہ تھا کہ خوب صورت لوگوں میں اللہ حلول کرتا ہے۔ جب یہ شخص اپنے پیروؤں کے ہمراہ باہر نکلتا اور یہ لوگ کوئی حسین صورت دیکھتے، تو اسے سجدہ کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس میں در آیا ہے۔

دوم یہ کہ یہ اباحت کا قائل تھا۔ اور اس کا دعویٰ تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اس وصف پر جس کا وہ عقیدہ رکھتا ہے، پہچان لیا، اس سے ممانعت اور تحریم کا حکم زائل ہو گیا اور اس کے لئے

ہر وہ چیز جس سے اسے لذت ملے اور جس کی اسے اشتہاء ہو، حلال و مباح ہے۔

## الحلمانیہ کا استدلال باطل :

عبدالقاہر کہتے ہیں کہ میں نے اس فرقہ الحلمانیہ کے بعض (علماء) کو دیکھا کہ وہ جسموں میں اللہ کے حلول کے جواز پر اللہ تعالیٰ کے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرشتوں کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں: ''جب میں نے اس کی تخلیق پوری کرلی اور اسے زندہ کردیا، تو فرشتے اس کے لئے جھک گئے۔ (القرآن، سورۂ حجر، آیت ۲۹)''۔ اس شخص کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آدم کے جسم میں حلول کرگیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ آدم کے جسم میں اس لئے حلول کرگیا تھا کہ اس نے ان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا تھا۔ اس لئے اس کا ارشاد ہے: ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ (القرآن، سورۂ التین، آیت ۴)''۔ میں نے (عبدالقاہر نے) اس (حلمانی) سے کہا: ''قرآنی آیت جو حضرت آدم علیہ اسلام کو فرشتوں کو سجدہ کرنے کے حکم خداوندی سے متعلق ہے اور جس سے تم نے استدلال کیا ہے اور وہ قرآنی آیت جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے، مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ کیا ان دونوں آیتوں سے تمام انسان مراد ہیں، یا کوئی خاص شخص مراد ہے؟'' اس کے جواب میں اس نے یہ سوال کیا: ''اگر میں ان دونوں باتوں میں سے جو بات بھی کہوں اس سے مجھ پر کونسا اعتراض وارد ہوتا ہے یا مجھے کیا لازم آتا ہے؟'' میں نے کہا: ''اگر تم یہ کہتے ہو کہ اس سے تمام انسان علی العموم مراد ہیں، تو تمہارے لئے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ تم ہر شخص کو سجدہ کرو، خواہ وہ بدصورت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تمام انسانوں میں حلول کرگیا ہے، اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ اس سے ایک مخصوص انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، تو تم ان کے علاوہ دوسرے خوب صورت انسانوں کو کیوں سجدہ کرتے ہو؟ اسی طرح تم لوگ خوب صورت گھوڑے کو، پھل دار درخت کو اور خوبصورت پرندوں اور چوپایوں کے حضور کیوں سجدہ ریز ہو جاتے ہو؟ کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے

کہ آگ کے شعلے نہایت خوشنما کھائی دیتے ہیں، اگر تم اس کے آگے سجدہ کرنے کو جائز سمجھتے ہو تو تم الحلولیہ کی گمراہی کے ساتھ ساتھ آتش پرستوں کی ضلالت کے جامع ہوئے، اور اگر تم آگ، پانی، ہوا اور آسمان کو ان کی خوش نمائی کے باوجود سجدہ نہیں کرتے، تو تمہیں خوب صورت اشخاص کو بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔

میں نے اس (حلمانی) سے یہ بھی کہا: دنیا میں اچھی صورتیں بہت ہیں، ان میں بعض کو بعض پر یہ ترجیح نہیں حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض میں حلول کرلے اور بعض میں نہ حلول کرے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اچھی صورتوں میں حلول کیا ہے، تو بتاؤ کہ کیا یہ حلول اس طرح کا ہے جیسے جسم میں اعراض (عرض) ہوتی ہیں یا اس طریق پر ہے کہ جسم اپنے مکان میں ہوتا ہے؟ ایک عرض کا بہت سی جگہوں (محال) میں حلول کرنا محال ہے اسی طرح ایک چیز کا بہت ساری جگہوں (مکان، امکنہ) میں ہونا بھی محال ہے۔ سو اگر یہ محال ہے تو وہ بھی محال ہے، جس کی جانب یہ جاتی ہیں (اگر یہ محال ہے تو اس سے حاصل ہونے والا نتیجہ بھی محال ہے)۔

## الحلاجیہ: حلاج کون تھا:

(۹) الحلاجیہ: یہ لوگ ابوالمغیث حسین بن منصور کی جانب منسوب ہیں۔ یہ شخص ''حلاج'' کے نام سے مشہور ہے، یہ فارس کے شہر ''بیضاء'' کا باشندہ تھا۔ ابتداء میں یہ صوفیاء کے کلام سے شغف رکھتا تھا۔ اور اس کی تحریریں اور اس کی گفتگو اُس قسم کی ہوتی تھیں۔ جنہیں صوفیاء ''شطحیات'' کا نام دیتے ہیں۔ شطحیات سے مراد ایسا کلام ہے، جس سے دو معانی مراد لئے جاسکیں، ایک پسندیدہ اور اچھا ہو، جبکہ دوسرا مکروہ اور برا ہو۔ حلاج طرح طرح کے علوم کی خصوصی اور عمومی مہارت کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے بغداد اور طالقانِ خراسان کے کچھ لوگ فتنہ و فساد کا شکار ہوگئے۔

حلاج کے بارے میں متکلمین، فقہا اور صوفیاء کے درمیان اختلاف آراء ہیں۔ جہاں تک متکلمین کا تعلق ہے، تو ان کی اکثریت اسے کافر قرار دیتی ہے۔ ہر چند کہ وہ حلولیہ کے مذہب کا

پیرو تھا، بصرہ کے گروہ سالمیہ کے متکلمین نے اسے شرف قبول بخشا اور اس کی (شطحیات کو) حقائق معانی صوفیہ کی جانب منسوب کیا۔ قاضی ابوبکر محمد بن طیب اشعری رحمہ اللہ نے اس کو حیلہ سازی اور شعبدہ بازی کی جانب منسوب کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب جس میں معتزلہ کے اپنے اصول کے مطابق دلائل النبوۃ کی تصحیح سے عجز کو واضح کیا ہے، اسے حلاج کے شعبدوں اور حیلوں کے مماثل قرار دیا ہے۔

حلاج کے متعلق فقہاء کے مابین بھی مختلف رائیں ہیں۔ چنانچہ جب ابو العباس بن سریج۵ سے اسے قتل کرنے کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا، تو انہوں نے توقف کیا (فتوی دینے سے رک گئے) جبکہ ابوبکر محمد بن داؤد۶ نے اس کے قتل کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔

اسی طرح مشائخ صوفیاء نے بھی اس کے بارے میں مختلف رائے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ عمرو بن عثمان۷ کی ابویعقوب الاقطع۸ اور صوفیاء کی ایک جماعت نے اس سے اظہار برأت کیا اور عمرو بن عثمان نے کہا: ''میں ایک دن اس کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا میں نے قرآن کی کوئی آیت پڑھی، اس پر حلاّج بولا: 'میرے لئے ایسا کلام کہنا ممکن ہے''۔ روایت ہے کہ ایک دن حلاج، جنیدؒ (بغدادی) کے پاس سے گزرا اور اُن سے کہا: ''انا الحق (میں حق ہوں)''۔ اس پر جنیدؒ (بغدادی) نے کہا: ''معلوم نہیں تو حق کے ساتھ کس لکڑی کو خراب و برباد کرے گا؟'' (یعنی تجھے کس لکڑی پر سولی دی جائے گی) چنانچہ جو کچھ جنیدؒ بغدادی نے کہا تھا وہ اس کے متعلق ثابت و متحقق ہو گیا، کیونکہ اس کے بعد ہی اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے برخلاف صوفیاء کی ایک جماعت نے اسے سند قبول بخشی، انہیں میں سے بغداد میں ابوالعباس بن عطاء۹، فارس میں ابوعبداللہ بن خفیف۱۰، نیشاپور میں ابوالقاسم النصر آبادی۱۱ اور دینور میں فارس الدینوری۱۲ ہیں۔

## حلاج کی تکفیر:

جن لوگوں نے حلاج کو کافر قرار دیا ہے اور اسے حلولیہ کا ہم مذہب کہا ہے، اس کا یہ قول

نقل کیا ہے کہ: ''جس نے اطاعت گزاری میں اپنے نفس کو سنوارا اور لذات و شہوات سے رک گیا، وہ مقربین (بارگاہِ الٰہی) کے مقام پر پہنچ گیا۔ بعدازاں وہ مسلسل صفائے باطن سے ہم کنار ہوتا رہے گا اور صفاء کے درجات میں ترقی کرتا ہوا بشریت کی آلودگی سے پاک صاف ہو جائے گا اور جب بشریت کا کوئی بھی شائبہ اس میں باقی نہ رہ جائے گا، تو اس میں وہ روح الٰہی حلول کر جائے گی، جو عیسیٰ بن مریم میں حلول کر گئی تھی۔ اس وقت اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ جس چیز کا بھی وہ ارادہ کرے گا اس کے حسب دل خواہ، پوری ہو جائے گی اور اس کے تمام افعال، اللہ تعالیٰ کا فعل ہو جائیں گے''۔ ان (مخالفین) کا یہ کہنا ہے کہ حلاج نے اپنی ذات کے لئے اس مرتبہ و مقام کا دعویٰ کیا ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اس کے کچھ خطوط ملے، جنہیں اس نے اپنے پیروکاروں کو لکھا تھا، ان کا عنوان تھا: ''اس کی جانب سے جو رب الارباب (خداؤں کا خدا) ہے اور ہر صورت میں متصور ہے (ہر رنگ اور ہر روپ میں جلوہ نما ہے)۔ اپنے بندے فلاں کی جانب۔'' اسی طرح اس کے متبعین کے اس کے نام خطوط بھی پکڑے گئے، جن میں تحریر تھا: ''یا ذات الذات (ذات اعلیٰ) اور خواہشات کا منتہائے مقصود! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہر زمانے میں ایک نئی صورت میں متصور ہوتا ہے اور ہمارے اس زمانے میں تو حسین بن منصور کی صورت میں متشکل ہوا ہے، ہم تیری حفاظت کے طالب ہیں اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں، اے غیب کی باتوں کے جاننے والے!''۔

بیان کیا گیا ہے کہ حلاج نے بغداد میں خلیفہ وقت کے درباریوں اور اس کے حرم سے وابستہ لوگوں کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ اور ہم خیال بنالیا تھا، جس سے خلیفۂ وقت جعفر المقتدر (باللہ عباسی از ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) کو فتنہ و فساد کے بھڑک اٹھنے کا خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے حلاج کو قید کر دیا۔ اور فقہاء سے اس کے قتل کے متعلق فتویٰ طلب کیا۔ ابوبکر بن داؤد نے اس کے خون کو مباح کرنے (اسے قتل کرنے) کا فتویٰ دیا۔ یہ فتویٰ خلیفہ کو پسند آیا اور (اپنے وزیر) حامد بن عباس کو اسے ایک ہزار کوڑے مارنے، اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور اس

کے بعد بغداد کے پل پر اسے سولی دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ منگل کے دن کہ ماہ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ کے چھ روز ابھی باقی تھے، اس حکم پر عمل کیا گیا (۲۴ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ) تین دن کے بعد جس لکڑی پر اسے سولی دی گئی تھی، اس سے اس کی لاش کو اتار کر جلا دیا گیا اور راکھ دریائے دجلہ میں بہادی گئی۔ مگر حلاج کے بعض معتقدوں کا یہ کہنا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا گیا، بلکہ وہ زندہ ہے اور جسے قتل کیا گیا وہ اس کا ہم شکل تھا۔

## صوفیہ کا حسن ظن :

گروہ صوفیہ میں سے جو لوگ حلاج سے تولاء کرتے اور اس کے متعلق حسن اعتقاد رکھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ: اس پر کرامت کے کچھ احوال کشف کے ذریعہ منکشف کر دیئے گئے تھے، اس نے ان احوال کو لوگوں پر ظاہر کر دیا اور وہ لوگ جو کرامات اولیاء کے منکر تھے اس پر مسلط و چیرہ دست ہو گئے اور اسے اس لئے سزا دی تا کہ اس کا یہ حال ''تدلیس'' (فریب و مکر) پر باقی رہے اور لوگ اس کو مُدلّس (فریبی و مکار) سمجھتے رہیں۔ ان صوفیہ کا خیال ہے کہ تصوف کی حقیقت ایک ایسا حال ہے، جس کا ظاہر تلبیس اور باطن تقدیس ہے (یعنی بظاہر دہ فریب دکھائی دیتا ہے مگر دراصل وہ پاکی و تقدس ہوتا ہے)۔ ان لوگوں نے حلاّج کے باطن کی تقدیس پر اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں پاؤں کے کاٹے جانے کے وقت یہ کہا تھا: ''الواحد (اللہ واحد) کے لئے ایک کو باقی رکھنا کافی ہے (یعنی ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ جانے سے دوئی ختم ہوئی اور وحدت باقی رہی)۔ اس طرح ایک دن اس سے اس کا جرم دریافت کیا گیا تو وہ یہ شعر پڑھنے لگا: اس کے نام (اللہ) کے تین حروف ہیں، جن میں کوئی عجمیت و ابہام نہیں ہے (اور ان میں کوئی حرف منقوط نہیں ہے)۔ اور دو منقوط (نقطہ دار، عجمی) حروف اور یوں کلام ختم ہو گیا (؟؟) اس سے اس نے توحید کی جانب اشارہ کیا۔''

## الغدافرہ :

(۱۰) الغدافرہ:۔ بغداد کے ایک گروہ کا نام ہے جو محمد بن علی الشلمغانی ۳۲۲ھ معروف بہ

ابن ابی الغدافر کے متبع ہیں۔ یہ شخص (عباسی خلیفہ) الراضی (باللہ) بن المقتدر (باللہ) کے عہد خلافت میں ۳۲۲ھ میں ظاہر ہوا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں اللہ کی روح حلول کر گئی ہے۔ اس نے اپنا نام ''روح القدس'' رکھا۔ اس نے اپنے متبعین کے لئے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''الحاستہ الساوستہ'' تھا۔ اس کتاب میں اس نے یہ تصریح کی ہے کہ شریعت (اسلامی) منسوخ ہو چکی ہے اس نے اغلام بازی کو مباح قرار دیا اور کہا کہ وہ ''فاضل کا اپنے نور کو مفضول میں داخل کرنا ہے۔'' اس کے پیروکاروں نے اس کے لئے اپنی عورتوں کو مباح کر دیا تاکہ وہ اپنا نور ان عورتوں میں داخل کر دے (یعنی ان کی نسلیں نوری پیدا ہوں)۔ الراضی نے اسے اور اس کے سرغنہ متبعین کی ایک جماعت کو جس میں حسین بن قاسم بن عبیداللہ بن سلیمان بن وہب اور ابوعمران ابراہیم بن محمد بن احمد بن منجم شامل تھے، تلاش کروا کے گرفتار کر لیا۔ ان دونوں (حسین بن قاسم اور ابراہیم بن محمد) کے (ابن ابی الغدافر) کے نام خطوط پکڑے گئے، جن میں ان دونوں نے اسے ''رب'' (پروردگار) اور ''مولیٰ'' (مالک) کے الفاظ سے خطاب کیا تھا۔ اور اسے ایسی قدرت سے متصف کیا تھا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کا فقہاء کی ایک جماعت کے روبرو اقرار کیا۔ ان فقہاء میں ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج، ابوالفرج مالکی اور ائمہ کا ایک گروہ شامل تھا۔ ان (الغدافرہ) نے تمام الزامات کا اقرار کیا۔ ان میں سے حسین بن قاسم بن عبیداللہ کو ابن ابی الغدافر سے برأت کے اظہار کا یہ حکم دیا گیا کہ وہ اسے تھپڑ اور تمانچے رسید کرے چنانچہ اُس نے اس حکم پر عمل کیا اور توبہ کر لی۔ ابن سریج نے مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق اس شخص کی توبہ کے قبول ہونے کے جائز اور درست ہونے کا فتویٰ دیا۔ مگر مالکی فقہاء نے زندیق کو پکڑے جانے کے بعد اس کی توبہ کو مسترد کرنے کا فتویٰ دیا۔ (قصہ مختصر) خلیفہ الراضی نے ابن ابی الغدافر کو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کی غرض سے، قید میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ بعدازاں خلیفہ نے ابن ابی الغدافر اور اس کے دوسرے ساتھی ابن ابی عون کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ اس وقت اس سے ابن ابی الغدافر نے کہا:

''مجھے تین دنوں کی مہلت دو، اس دوران میں آسمان سے میری برأت اور میرے دشمنوں پر

ہلاکت نازل ہوگی۔“ مگر فقہاء نے الراضی کو مشورہ دیا کہ ان دونوں کو جلد سے جلد قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہیں قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ پھر انہیں جلا کر ان کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔

## حواشی ............ باب چہارم۔ فصل دہم

(۱) ابوالمغیث حسین بن منصور فارس کے شہر ''بیضاء'' کا رہنے والا تھا مگر واسط اور عراق کے دوسرے شہروں میں نشو ونما پائی۔ مشہور صوفی بزرگ جنید بغدادی کے مسترشدین میں تھا۔ حسین بن منصور شروع ہی سے متنازعہ شخصیت کا مالک رہا ہے۔ ایک گروہ نے اسے بزرگ' تو دوسرے گروہ نے شیطان کہا ہے۔ بغدادی نے اس کی اس حیثیت سے بحث کی ہے۔ امام غزالی نے ''مشکاۃ الانوار'' میں اس کا کامیاب دفاع کیا ہے۔ امام الحرمین عبدالملک جوینی نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں حلاج کے قتل کو سیاسی قرار دیا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو حکومت وقت کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ مزید معلومات کے لئے ابن خلکان کی وفیات الاعیان، شعرانی کی الطبقات الکبریٰ اور مستشرق یسین کی کتاب سے رجوع کیجئے۔

(۲) مصنف کی عبارت میں ایک طرح کا ابہام ہے۔ اسفرائینی اور شہرستانی کے ہاں عبارتیں واضح اور صاف ہیں۔ ان کے مطابق امامت، محمد بن حنفیہ کے بعد اس کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ کو، اس سے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو، اس سے اس کے بیٹے ابراہیم بن محمد کو' اس کے بعد اس کے بھائی عبداللہ بن محمد السفاح کو تفویض ہوئی اور السفاح کے بعد اس فرقہ کے خیال میں امامت ابو مسلم خراسانی کے حصہ میں آئی۔

(۳) اس فرقہ کے بارے میں مقالات الاسلامیین ۱:۹۴، اعتقادات فرق المسلمین ص ۶۳ دیکھے۔ وہاں الرزامیہ وابومسلمیہ کو فرقہ راوندیہ کی دو شاخیں قرار دیا گیا ہے۔

(۴) اس فرقہ سے متعلق شہرستانی ۱:۱۵۴، اسفرائینی ص ۷۶، العبر ۱:۲۳۵، اور کتب تاریخ کا مطالعہ (عبدالمہدی) مفید ہوگا۔

(۵) قاضی ابوالعباس احمد بن سریج بغدادی شافعی۔ اپنے عہد کے مشہور فقیہ اور صاحب تصانیف عالم تھے۔ جمادی الاولیٰ ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ حلاج کو ۳۰۹ھ میں سولی دی گئی تھی

اور ابن سریج اس سے تین سال پہلے فوت ہو چکے تھے، اس لئے ان کے فتویٰ کا ذکر محل نظر ہے۔ ہاں علاج کی پہلی گرفتاری جو ۳۰۱ھ میں عمل میں آئی تھی اس کے تعلق سے ابن سریج کے فتویٰ کا ذکر ممکن ہے۔

(۶) ابوبکر محمد داؤد فقیہہ ظاہری نے ۲۹۷ھ میں انتقال کیا، اس لئے حلاج کے سلسلہ میں ان کا نام نہیں آنا چاہئے تھا، مگر یہی نام اسفرائینی اور ذہبی کے ہاں بھی مذکور ہے، غالباً ان کے فتویٰ کا تعلق بھی ان کی وفات سے پہلے کے کسی استفتاء سے ہے۔

(۷) ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی، شیخ الصوفیہ اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ الخراز و جنید بغدادی کے تربیّت یافتہ تھے۔ تصوف کے ساتھ اعلیٰ پایہ کے محدث بھی تھے۔ ۲۹۷ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ وہ حلاج کو سخت ناپسند کرتے تھے، مگر اس کے قتل کے واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ دیکھئے ذہبی کی العبر جلد اول، صفحہ ۱۰۷۔

(۸) ابویعقوب اسحاق بن محمد، جنید بغدادی کے تربیت یافتہ اور اپنے زمانہ میں شیخ الصوفیہ تھے۔ ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء ازدی کا شمار مشائخ صوفیہ میں ہوتا ہے۔ نہایت درجہ زاہد و عابد تھے۔ شب و روز میں دو گھڑی سے زیادہ نہ سوتے تھے اور ہر روز ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ ذی قعدہ ۳۰۹ھ میں وفت پائی اور یہی زمانہ حلاج کے مصلوب ہونے کا بھی ہے۔ دیکھئے العبر ۱: ۱۴۴۔

(۱۰) ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی، فارس کے مشائخ کے سرخیل اور صاحب احوال و مقامات بزرگ تھے۔ کتاب و سنت سے حددرجہ تمسک تھا اور شریعت کی پابندی میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔ ۳؍رمضان ۳۷۱ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

(۱۱) ابوالقاسم ابراہیم بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد یہ نیشاپوری، نصرآبادی، عابد و زاہد اور واعظ تھے۔ اپنے عہد کے بڑے محدث بھی تھے۔ ذوالحجہ ۳۶۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) فارس بن عیسیٰ صوفی، حضرت جنید بغدادی کے مسترشدین میں تھے۔ ۳۴۰ھ کے

قریب انتقال ہوا۔

(۱۴) محمد بن علی الشلمغانی معروف بہ ابن ابی القدافر، عراق کے شہر واسط کے مضافاتی قصبہ شلمغان کا باشندہ تھا۔ بغداد میں سکونت پذیر تھا۔ یہاں اس نے رفض اور شعبدہ بازی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ اس نے حلول اور تناسخ کے فاسد عقائد کی تبلیغ کی۔ وزیر علی ابن مقلہ نے اس کی اطلاع عباسی خلیفہ الراضی کو دی، چنانچہ اس کی تلاش شروع ہوئی، مگر وہ ہاتھ نہ آیا اور بھاگ کر موصل چلا گیا۔ کئی سال کی روپوشی کے بعد شلمغانی پھر بغداد واپس آیا اور اپنے فاسد عقائد کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم ہوگیا۔ اب کے اس نے اپنی خدائی (الوہیت) کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ معجزے دکھا سکتا اور مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ اس کے جال میں بہت سے سرکاری ملازمین اور وزراء بھی پھنس گئے، انہیں میں ابراہیم بن ابی العون نامی سرکاری کاتب بھی تھا، جو اپنی اعلیٰ انشاء پردازی اور ادبی تصانیف کے لئے شہرت رکھتا تھا۔ آخر کار شلمغانی اور اس کے ساتھی حکومت کے ہتھے چڑھ گئے، تلاشی کے دوران شلمغانی کے نام اس کے پیروؤں کے بہت سے خطوط ملے جن میں انہوں نے ایسے الفاظ سے اسے خطاب کیا تھا، جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ بہرکیف اسے اپنی صفائی کا موقع دیا گیا، مگر وہ اس میں ناکام رہا۔ فقہاء وقضاۃ کے فیصلے کے مطابق اسے اور ابن ابی العون کو قتل کرکے ان کی لاشیں جلوادی گئیں۔ یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۲۲ھ کا ہے۔ ابن شلمغانی کے مزید حالات کے لئے ذہبی کی العبر، جلد دوم، صفحہ ۱۹۰، اور ابن الاثیر الجزری کی کتاب الکامل فی التاریخ جلد ششم صفحہ ۲۴۱ وبعد دیکھئے۔

باب چہارم............فصل یازدہم

# الخُرَّمیَّہ میں سے اصحابِ اباحت کا ذکر اور اسلامی فرقوں سے انکے خارج ہونے کا بیان

الخرمیہ[۱] دو طرح کے ہیں:۔

مزدکیہ :

ا۔ان کی ایک قسم اسلام سے پہلے گزری ہے۔انہیں میں مزدک کے پیرو المزدکیہ تھے۔ انہوں نے محرمات کو مباح اور جائز کرلیا تھا۔ان کا خیال تھا کہ تمام انسان اموال اور عورتوں میں برابر کے شریک ہیں۔ان لوگوں کا فتنہ پھلتا پھولتا، رہا' یہاں تک کہ (ساسانی بادشاہ) کسریٰ انوشیروان نے اپنے عہد حکمرانی میں ان سبھوں کو قتل کروادیا۔

خرمدینیہ :

۲۔الخرمیہ کی دوسری قسم ''الخرمدینیہ'' کہلاتی ہے۔یہ لوگ اسلامی اقتدار کے زمانہ میں ظاہر ہوئے۔ان کے بھی دو گروہ ہیں۔ایک ''بابکیہ'' اور دوسرا ''مازیاریہ''۔ یہ دونوں ''المحمرۃ'' کہلاتے ہیں (یعنی گیروے کپڑے پہننے والے)۔

بابکیہ :

(ا) اس دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے ''بابکیہ'' بابک الخرمی[۲] کے پیرو ہیں۔ یہ شخص اذربیجان کے علاقہ میں کوہستان ''البدین'' کے مقام میں نمودار ہوا اور وہیں اس کی شورش نے

سر اٹھایا۔ یہاں بابک کے متبعین کو بڑی اکثریت حاصل ہوگئی۔ انہوں نے تمام ''محرمات'' کو مباح اور حلال کرلیا اور یہاں کی مسلمان آبادی کی بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ بنو عباس کے خلفاء نے بابک کے مقابلہ پر متعدد لشکر افشین الحاجب [۳]، محمد بن یوسف الثغری [۴] اور ابوذاف عجلی [۵] وغیرہ کی قیادت میں بھیجے۔ یہ لشکر بابک کے مقابلہ میں بیس (۲۰) سال کے قریب ڈٹے رہے، آخرکار بابک کو شکست ہوئی، بابک اور اس کا بھائی اسحاق بن ابراہیم گرفتار ہوئے۔ انہیں (عباسی خلیفہ) المعتصم (باللہ) کے زمانہ میں شہر (سامرا) ''سُرّ من رای'' میں سولی دے دی گئی۔ بعد میں افشین حاجب پر جنگ میں بابک کی طرف داری کا الزام لگایا گیا اور اسی جرم کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا۔

مازیاریہ:

(۲) جہاں تک اس گروہ کے فرقہ المازیاریہ کا تعلق ہے، تو یہ لوگ مازیار [۶] کے پیروکار ہیں۔ اس شخص نے جرجان کے علاقے میں ''المحمرہ'' کے دین کو ظاہر کیا (اور حکومت عباسی کے خلاف بغاوت کی)۔

جشن عید:

(اب تک) البابکیہ اپنے پہاڑی ٹھکانوں میں عید رات (جشن) مناتے ہیں۔ یہاں شراب پی جاتی ہے اور بھجن گائے جاتے ہیں۔ (اس عید رات میں) ان کے مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے گھل مل جاتی ہیں۔ جب چراغ گل کر دیئے جاتے ہیں اور آگ بجھا دی جاتی ہے تو اس میں مرد اور عورتیں ٹولیوں میں بنٹ جاتی ہیں، پھر جو جتنا قوی ہوتا ہے اس قدر چھین جھپٹ کر لیتا ہے۔

شیروین:

البابکیہ اپنے مزہب کو شیروین نامی ایک امیر کی جانب منسوب کرتے ہیں، جو اسلام سے پہلے گزرا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ شخص زنگی باپ کا بیٹا تھا اور اس کی ماں فارس کے کسی

بادشاہ کی بیٹی تھی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ (نعوذ باللہ) یہ شیروین (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے تمام انبیاء (علیہم السلام) سے افضل تھا۔ ان الباکبیہ نے اپنے کوہستانوں میں مسلمانوں کے لئے مساجد تعمیر کیں ہیں جن میں مسلمان اذان دیتے ہیں اور یہ لوگ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھواتے ہیں، مگر یہ لوگ تنہائی میں نمازیں نہیں پڑھتے، رمضان کے روزے نہیں رکھتے اور نہ کفار سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔

**مازیار کا خاتمہ:**

مازیار کی فتنہ گری اس کے علاقوں میں بہت بڑھ گئی تھی۔ آخر کار وہ بھی المعتصم کے عہد میں گرفتار ہوا۔ اور سرمن رائی (سامرا) میں بابک خرمی کے برابر میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

آج کل (بزمانہ مصنف) مازیار کے پیرو اپنے کوہستانوں اور ان سے ملحقہ جرجان کے نواحی دیہاتوں میں زمین کی کھدائی کا کام اور محنت مزدوری کرتے ہیں یہ لوگ ظاہر داری کے طور پر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن دل میں اس کے خلاف عقائد و جذبات رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی گمراہوں اور سرکشوں کے خلاف مدد و نصرت کرنے والا ہے۔

## حواشی ......... باب چہارم ۔ فصل یازدہم

(۱) خرمیہ سے متعلق مسعودی کی مروج الذہب جلد ۳ صفحہ ۳۰۵، اسفرائینی کی التبصیر صفحہ ۷۹، شہرستانی کی الملل والنحل، جلد اوّل، صفحہ ۲۴۹، اور ابن حزم کی الفصل فی الملل والنحل جلد اوّل، صفحہ ۳۴، ۳۷، دیکھئے۔

(۲) بابک ایران الاصل مجوسی تھا، اس نے محض دکھاوے کے لئے اسلام قبول کیا اور حسن یا حسین نام اختیار کیا۔ وہ نہایت بہادر اور بلند ہمت شخص تھا۔ ایران کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کی فکر میں لگا رہتا تھا اور موقع کا منتظر رہتا تھا۔ ۲۰۱ھ میں جب جنگِ برادران کی وجہ سے عباسی خلافت میں انتشار پھیلا اور مامون کو عراق، شام ومصر کے بگڑتے ہوئے حالات کی اصلاح کے لئے مرد (خراسان) سے بغداد جانا پڑا، تو بابک کو موقع مل گیا، اور اس نے جبل الران میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ داخلی انتشار سے فارغ ہوکر ۲۱۲ھ میں مامون نے بابک کی سرکوبی کے لئے خصوصی اہتمام کیا، اس سے پہلے متعدد فوج کماندار بابک کے ہاتھوں قتل اور ان کے لشکر شکست کھا چکے تھے۔ یہ عباسی لشکر جرار محمد بن حمید طوسی کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا، اس لشکر کو شکست دے کر بابک نے محمد بن حمید طوسی کو مار ڈالا۔ مامون کے عہد تک بابک کو مسلسل کامیابی ہوتی رہی۔ ان کامیابیوں کا سبب دشوار گزار پہاڑی بستیاں اور بے رحم موسم تھا۔ آخر معتصم نے ۲۲۰ھ میں اپنے سردار افشین کی قیادت میں بابک کی سرکوبی کے لئے بڑی تیاریوں سے لشکر کشی کی۔ افشین کی اعلیٰ مہارت اور عباسی سپاہ کی جاں سپاری کے سبب بابک کو پے در پے ہزیمتوں سے دوچار ہونا پڑا اور آخر کار وہ تن تنہا بھاگ کھڑا ہوا، مگر پھر گرفتار ہوکر عباسی دارالحکومت سرمن رای (سامرا) لایا گیا جہاں اسے ۲۲۳ھ میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ بابک کے مزید حالات کے لئے تاریخ الطبری جلد نہم اور تاریخ ابن اثیر جلد ششم سے رجوع کیجئے۔

(۳) افشین، اشروسنہ (جبال فارس) کا امیرزادہ تھا، معتصم کے معتمد علیہ امراء میں تھا

اور اس نے ایران و روم کے محاذوں پر جاں فشانی کے مظاہرے کئے تھے۔ اس کی ترقی درجات سے درباریوں نے اس کے خلاف معتصم کو ورغلایا اور آخر اسے حکومت سے بے وفائی اور اسلام سے غداری کے جرم میں (جو یقیناً غلط تھا) قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۲۵ھ کا ہے۔ مزید معلومات کے لئے طبری، ابن الاثیر اور المسعودی کی کتابیں دیکھئے۔ مشہور مصری فاضل پروفیسر احمد امین مرحوم کی ضحیٰ الاسلام میں افشین کے مقدمہ پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

(۴) محمد بن یوسف' عباسی خلیفہ المعتصم کے عہد کا مشہور سپہ سالار ہے۔ اس عہد کے مشہور شاعر ابوتمام طائی نے اس کی مدح میں نہایت زوردار قصائد لکھے ہیں۔ مزید حالات کے لئے ذہبی کی العبر ۲: ۳۷۸ و دیوان ابی تمام طائی دیکھئے۔

(۵) ابودُلف قاسم بن عیسیٰ العجلی، اپنے قبیلہ کا سردار اور المعتصم کا نامی گرامی سرعسکر تھا۔ اس کے ساتھ ہی اچھا شاعر بھی تھا۔ ۲۲۶ھ میں انتقال کیا۔ دیکھئے مروج الذہب ج ۴، ص ۶۲، العبر ج ۲، ص ۳۹۴،

(۶) مازیار بن قارن بن بندار عجمی الاصل تھا۔ اسلام قبول کر کے محمد کے نام سے موسوم ہوا۔ طبرستان کے کوہستانی علاقوں کا موروثی حکمران تھا۔ المامون نے اس سے حسن سلوک کیا اور اسے اس کے منصب پر برقرار رکھا۔ معتصم کے زمانہ میں ۲۲۴ھ میں اس نے حکومت کے خلاف سرکشی اختیار کی۔ خراسان کے عباسی گورنر عبداللہ بن طاہر بن حسین نے متعدد جنگوں کے بعد مازیار کو شکست فاش دی اور اسے گرفتار کر کے سامرا (سرمن رای) بھیج دیا۔ جہاں اسے سولی دے دی گئی۔ مزید معلومات کے لئے طبری اور ابن الاثیر کی تاریخوں سے رجوع کیجئے۔

# اہل الاہواء میں سے قائلین تناسخ کا بیان اور تمام اسلامی فرقوں سے ان کے اخراج کا تذکرہ

وہ فرقے جو تناسخ کے قائل ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں، ایک قسم فلاسفہ (یونان) کی ہے، دوسری قسم ''سمنیۂ'' (بت پرستوں) کی ہے۔ یہ دونوں اقسام اسلام سے قبل بھی موجود تھیں۔ ان کی دو اور قسمیں ہیں جو اسلامی حکومت کے زمانے میں خود مسلمانوں میں ظہور پذیر ہوئیں، ان میں ایک کا تعلق القدریہ (معتزلہ) سے ہے اور دوسری قسم غالی (غلاۃ) روافض سے ہے۔

## سمنیۂ :

سمنیۂ (بت پرستوں) سے تعلق رکھنے والے اصحاب التناسخ (قائلین تناسخ) کے ہاں عالم قدیم ہے۔ نظر (غوروفکر) اور استدلال (عقل دلیل و برہان) باطل ہیں اور جو کچھ بھی انسان کو معلوم ہوتا ہے وہ صرف حواس خمسہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اِن میں سے اکثریت معاد (آخرت) اور بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب) کی منکر ہے۔ ان لوگوں کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ روحیں مختلف صورتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے عقیدہ کی رد سے یہ بات ممکن ہے کہ انسان کی روح کسی کتے کے جسم میں اور کتے کی روح (جان) کسی انسان کے جسم میں منتقل ہو جائے۔ فلوطرخس[1] نے بعض (یونانی) فلسفیوں سے یہی بات روایت کی ہے (یعنی ان کا بھی یہی عقیدہ ہے)۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس نے ایک قالب (جسم، ڈھانچہ، سانچہ) میں گناہ کا ارتکاب کیا تو اس گناہ پر اسے دوسرے قالب (جسم)

میں سزا دی جاتی ہے، یہ لوگ ثواب سے متعلق بھی یہی بات کہتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ سمنیہ ایسے تناسخ کے قائل ہیں، جو حواس خمسہ سے نہیں معلوم کیا جا سکتا، حالانکہ ان کے پاس حواس کے سوا کسی اور ذریعہ سے کوئی بات بھی معلوم نہیں جا سکتی (یوں اس تناسخ اور سزا و جزا کا ان کو علم ہو ہی نہیں سکتا)۔

مانویہ:

المانویہ (مانی کے متبعین) بھی تناسخ کے قائل ہیں۔ مانی[۲] نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے: وہ ارواح جو (مرتے وقت) جسم سے علیحدہ ہوتی ہیں، دو طرح کی ہوتی ہیں۔ صدیقین (نیکوکاروں) کی ارواح اور ضالین (بدکاروں) کی ارواح۔ صدیقین کی ارواح جب اپنے اجساد (جسموں) سے الگ ہوتی ہیں، تو صبح کے عمود میں اس نور کی جانب جو آسمان (فلک) کے اوپر ہے، چلی جاتی ہیں۔ جہاں وہ اس عالم میں دائمی سرور و انبساط میں رہتی ہیں اور ضالین کی ارواح، جب اپنے جسموں (اجساد) سے جدا ہوتی ہیں اور ''نور اعلیٰ'' سے ملنا چاہتی ہیں، تو انہیں الٹا نیچے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ ارواح، حیوانات کے اجسام میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ یہ ظلمت و تیرگی کے اثرات سے پاک صاف ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ ''نور اعلیٰ'' سے جا کر مل جاتی ہیں۔

تناسخ کے قائلین:

مصنفین عقائد (مقالات) نے سقراط[۳]، افلاطون[۴] اور ان کے متبع (یونانی) فلاسفہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ لوگ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں بیان کر دی ہے۔

کچھ یہودی بھی تناسخ کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''کتاب دانیال'' میں انہوں نے یہ لکھا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بخت نصر[۵] کو مسخ کر کے سات (۷) درندوں اور چوپایوں کی صورتوں میں منتقل کر دیا ہے اور ان تمام صورتوں میں اس پر عذاب ہوگا۔ اس کے بعد آخر میں

اسے موحد بنا کر اٹھائے گا (دنیا میں بھیجے گا)۔

جہاں تک اسلام میں قائلین تناسخ کا تعلق ہے، تو البیانیہ، الجناحیہ، الخطابیہ اور الراوندیہ کہ یہ سبھی حلولی مسلک کے روافض ہیں، اس بات کے قائل ہیں کہ روح الٰہی اُن کے ائمہ میں تناسخ کے بطور منتقل ہوتی ہے۔

ان روافض میں سب سے پہلے جس فرقہ نے تناسخ کے عقیدہ کو اپنایا وہ السبئیہ ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ میں روح الاہی حلول کرگئی، تو وہ ''الہٰ'' ہو گئے۔

روافض کے فرقہ البیانیہ کا عقیدہ ہے کہ روح الاہی انبیاء میں اور ان کے بعد ائمہ میں گردش کرتی ہوئی (ان کے سربراہ) بیان بن سمعان میں در آئی۔

روافض میں سے الجناحیہ نے اس جیسا دعویٰ (اپنے امام) عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کے متعلق کیا (کہ اس میں روح الاہی حلول کرگئی ہے)۔

الخطابیہ (یکے از فرقہ ہائے روافض) نے (اپنے زعیم) ابوالخطاب کے بارے میں یہی (الوہیت کا) دعویٰ کیا۔ اسی طرح فرقہ الراوندیہ کے ایک گروہ نے عباسی داعی ابومسلم خراسانی کے متعلق یہی دعویٰ کیا (کہ اس میں تناسخ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی روح حلول کر آئی ہے)۔

یہ (فرقہ ہائے روافض) روح الٰہی کے تناسخ کے قائل ہیں، مگر لوگوں کی ارواح کے تناسخ یعنی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس تہمت سے بہت زیادہ بلند و برتر ہے۔

## قدری قائلین تناسخ:

جہاں تک کہ فرقہ القدریہ (المعتزلہ) سے تعلق رکھنے والے قائلین تناسخ کا تعلق ہے، تو وہ بہت سے لوگ ہیں۔ انہیں میں احمد بن خابط بھی تھا۔ یہ شخص معتزلی اور النظام (معتزلی) کا پیرو تھا۔ طفرہ (اوپر کی جانب اچھلنا۔ حرکت سے متعلق ایک فلسفیانہ اصطلاح) کے بارے میں، جزء لایتجزا کی نفی کے بارے میں اور اس بارے میں کہ اہل جنت کی نعمتوں میں اضافہ کرنے اور

اہل دوزخ کے عذاب میں زیادتی کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے، یہ شخص نظام کے بدعات کا حامی تھا۔ اس نے نظام کی گمراہیوں پر تناسخ کا قائل ہو کر اور اضافہ کر دیا۔

انہیں (قدری قائلین تناسخ) میں احمد بن ایوب بن بانوش بھی تھا۔ یہ تناسخ کے مسئلہ میں احمد بن خابط کا شاگرد تھا۔ لیکن اس کے بعد تناسخ کی کیفیت میں ان کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔

انہیں میں احمد بن محمد القحطی بھی تھا۔ جسے اس بات پر فخر تھا کہ وہ معتزلہ میں تناسخ و اعتزال کا قائل ہے۔ انہیں میں عبدالکریم بن ابی العوجاء[۶] بھی تھا۔ یہ شخص (مشہور اموی و عباسی سپہ سالار) معن بن زائدہ[۷] (شیبانی) کا ماموں تھا۔ اس کی ذات میں چار قسم کی گمراہیاں جمع ہو گئی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ در پردہ ثنویہ (دو خداؤں کے ماننے والوں) میں سے مانویہ کے مذہب سے وابستہ تھا۔ دوسری یہ کہ وہ تناسخ کا عقیدہ رکھتا تھا۔ تیسری گمراہی یہ تھی کہ امامت کے مسئلہ میں روافض کی جانب اس کا میلان تھا اور چوتھی گمراہی یہ تھی کہ تعدیل و تجویر کے ابواب میں وہ قدر کا قائل تھا۔ اس شخص نے بکثرت احادیث وضع کی تھیں اور ان کی ایسی جھوٹی سندیں بیان کی تھیں جسے جرح و تعدیل کا علم نہ ہو وہ فریب اور دھوکہ میں مبتلا ہو جائے۔ اس نے جو احادیث وضع کی تھیں وہ سب کی سب تشبیہ و تعطیل سے متعلق گمراہیاں تھیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض جعلی حدیثوں میں اس نے شرعی احکام تک کو بدل دینے کی جرأت کی تھی۔ اسی شخص نے شیعوں کے چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کے طریقہ کو خراب کیا اور اسے چاند کے حساب سے روزہ رکھنے کے بجائے ایک حساب کے طریقہ کی جانب لوٹا دیا جسے ان لوگوں کے لئے اس نے خود وضع کیا تھا اور اسے جناب جعفر صادق کی جانب منسوب کر دیا تھا۔ اس گمراہ شخص کی گمراہیوں سے کوفہ کے (عباسی) گورنر ابو جعفر محمد بن سلیمان کو مطلع کیا گیا۔ اس نے اس کے قتل کا حکم دیا جس پر اس (ابن ابی العوجاء) نے کہا: ''تم لوگ مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکتے، میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں، جن میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا ہے اور شیعوں کو روزے کے دنوں میں روزے تڑوائے ہیں اور جن دنوں میں روزے نہیں رکھے جاتے، ان میں ان سے روزے رکھوائے ہیں۔

## تناسخ سے متعلق انکی آراء:

### ابن خابط کا خیال:

تناسخ کے مسئلہ میں ان لوگوں کی رائے کی تفصیل یہ ہے کہ احمد بن خابط کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لوگوں کی تخلیق یوں کی کہ وہ تمام نقائص سے محفوظ تھے، صاحبانِ عقل تھے، بالغ و ذی ہوش تھے اور ان کی تخلیق ایسے ''دار'' (گھر) میں کی جو اس دنیا کے جس میں وہ آج ہیں، علاوہ اور اس سے مختلف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں کو مکمل اور کامل بنایا، ان میں اپنی معرفت اور اس کا علم پیدا کیا، اور انہیں اپنی نعمتوں سے ڈھانپ دیا۔

اس (ابن خابط) نے یہ کہا کہ وہ انسان جسے حکم دیا جاتا ہے۔ کسی کام سے روکا جاتا ہے اور جس پر نعمتیں اتاری جاتی ہیں' وہ روح ہے جو جسم میں رہتی ہے اور اجسام کی حیثیت صرف روح کے قالب کی ہے۔ اُس نے کہا کہ روح حی ہے' قادر ہے' عالم ہے اور تمام حیوانات ایک ہی جنس سے ہیں۔

اس (ابن) خابط نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ حیوانات کی تمام انواع مکلف ہیں اور امر و نہی کا ان پر اطلاق ان کی صورتوں اور زبانوں کے اختلاف سے مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان حیوانات کو اس ''دار'' میں' جس میں کہ اس نے انہیں پیدا کیا، مکلف ٹھہرایا تو انہوں نے ان نعمتوں پر اور ان احسانات پر جو ان کے اوپر کیا ہے اس کا شکر ادا کیا۔ سو بعض حیوانات نے اللہ تعالیٰ کی ان تمام امور میں اطاعت کی جن کا اس نے انہیں حکم دیا اور بعض نے تمام امور میں اس کی نافرمانی کی۔ چنانچہ جس نے تمام مامور بہ امور میں اس کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو اس ''دار النعیم'' میں جہاں وہ شروع میں تھا، باقی رکھا اور جس نے سارے مامور بہ امور میں اس کی نافرمانی کی، اسے ''دار النعیم'' سے نکال کر ''دار العذاب الدائم'' (ہمیشہ رہنے والے عذاب کے گھر) میں ڈال دیا اور یہ دوزخ ہے۔ اس طرح جس نے اللہ تعالیٰ کی بعض امور میں اطاعت کی اور بعض میں نافرمانی کی، اسے دنیا کی طرف

نکال دیا اور اسے بعض وہ اجسام جو کثیف قالب ہیں پہنا دیئے اور اسے بھوک اور نقصان کی، شدت و سہولت کی، لذت اور آلام کی اذیتوں میں مبتلا کر کے انسانوں، پرندوں، چوپایوں، درندوں، کیڑوں مکوڑوں کی مختلف صورتوں میں متشکل کر دیا۔ ایسا ان کے ان گناہوں اور نافرمانیوں کے بقدر کیا گیا، جن کا انہوں نے اس سے پہلے گھر میں ارتکاب کیا تھا، جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ چنانچہ اُس گھر (دار) میں جس کے معاصی کم اور اطاعتیں زیادہ تھیں، اس کی صورت دنیا میں زیادہ اچھی بنائی گئی۔ مگر اُس گھر (دار) میں جس کی طاعات کم اور معاصی زیادہ تھیں، اس کا قالب اس دنیا میں مکروہ اور قبیح بنایا گیا۔

اس کے بعد (ابن خابط) نے اس خیال کا اظہار کیا کہ روح اس دنیا میں اس وقت تک مسلسل مختلف قالبوں اور صورتوں میں آتی جاتی رہے گی جب تک کہ اس کی فرماں برداری (طاعات) اس کے گناہوں سے آلودہ رہیں گی، اور اس کی طاعات اور اس کے گناہوں کے بقدر اس کے قوالب (قالب) کے انسانیت اور بہیمت میں مدارج و منازل متعین ہوں گے۔ اس کے بعد حیوانات کی ہر نوع (انسان، ہاتھی، شیر، گھوڑے، چڑیا، سانپ وغیرہ) کی جانب ایک ''رسول'' بھیجا جائے گا۔ ان حیوانات کو اس وقت تک مکلّف رکھا جائے گا، جب تک کہ ان کے اعمال خالص طاعات و فرماں برداری نہ ہو جائیں۔ اس وقت انہیں ''دار النعیم الدائم'' (جنت) میں واپس بھیج دیا جائے گا اور یہ وہی ''دار'' ہے جہاں یہ حیوانات پیدا کیے گئے تھے۔ یا پھر (ان حیوانات کے) اعمال سارے معاصی اور گناہ ہو جائیں گے۔ اس صورت میں انہیں (النار الدائم عذابها) اس دوزخ کی جانب منتقل کر دیا جائے گا جس کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور دائمی ہوگا۔ یہ ہے تناسخ ارواح سے متعلق احمد بن خابط کا بیان اور عقیدہ۔

ابن بانوش:

احمد بن ایوب بن بانوش نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ایک دفعہ میں پیدا کیا۔ اس (ابن بانوش) کے بعض ساتھیوں نے اس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: اللہ

تعالیٰ نے پہلے ''اجزاء مقدرہ'' کو پیدا کیا کہ ان میں سے ہر ایک ''جزء لاتجزاء'' تھا۔ اس کے خیال میں یہ ''اجزاء'' زندہ اور عاقل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے درمیان تمام امور میں برابری اور مساوات اپنائی، کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر کوئی برتری اور فضیلت نہ تھی۔ اور نہ ان میں سے کسی سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کو دوسرے سے موخر اور پیچھے کیا جاتا۔ (ابن بانوش) نے بیان کیا کہ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات کو ان دو باتوں میں سے ایک کو انتخاب کرنے کا اختیار دیا کہ یا تو ان کو انعامات اور نوازشات کے بعد اطاعت گزاری کی آزمائش سے دوچار کرے کہ اس کے سبب وہ ثواب کے حق دار ٹھہریں، کیونکہ استحقاق کا مرتبہ تفضّل (احسان) کے مرتبہ سے اشرف و اعلیٰ ہوتا ہے، یا پھر انہیں اس ''دار'' میں ان پر احسان کر کے چھوڑ دے کہ وہ وہیں مقیم رہیں۔ چنانچہ بعض مخلوقات نے اس آزمائش اور امتحان کو اختیار کیا اور کچھ نے اس امتحان میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ سو جن مخلوقات نے امتحان میں پڑنے سے انکار کر دیا، انہیں اسی ''دار'' میں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن جنہوں نے امتحان کو اختیار کیا، انہیں دنیا میں آزمائش میں مبتلا کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا امتحان لیا جنھوں نے امتحان کو اختیار کیا تھا، تو کچھ نے اس کی اطاعت کی اور کچھ نے اسکی نافرمانی کی۔ سو جن مخلوقات نے اس کی نافرمانی کی انہیں اس مرتبہ سے جس میں انہیں پیدا کیا تھا، نیچے کے درجہ میں گرا دیا۔ اور جنہوں نے اس کی اطاعت کی تھی، انہیں اس مرتبہ سے جس میں انہیں پیدا کیا تھا، اعلیٰ و ارفع مرتبہ پر فائز کر دیا۔ بعدازاں ان مخلوقات کو مختلف اشخاص اور قوالب میں بار بار منتقل کیا، جس سے ایک گروہ انسان بن گیا۔ جبکہ دوسری مخلوقات اپنے گناہوں کے باعث بہائیم یا درندے ہوگئیں، ان میں سے جو مخلوقات بہائیم ہوگئیں، ان سے ''تکلیف'' اٹھالی گئی۔ ابن بانوش، ابن خابط سے بہائیم کے مکلّف ہونے کے متعلق مختلف رائے رکھتا تھا۔ بعدازاں اس نے بہائیم کے بارے میں یہ خیال پیش کیا کہ: وہ برابر بری صورتوں میں پھرتے رہیں گے اور ذبح کیے جانے اور سدھائے جانے کی تکلیفیں یوں ہی برداشت کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کی پوری سزا بھگت لیں گے۔ پھر انہیں پہلی حالت کی جانب لوٹا دیا جائے گا۔ اور اُن سے اللہ تعالیٰ امتحان و

آزمائش کے بارے میں دوبارہ دریافت کرے گا اور اس کا اختیار دے گا۔ سو اگر وہ امتحان کو اختیار کریں گے تو ان کو اسی حالت پر پھر مکلف کیا جائے گا جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور اگر وہ آزمائش میں پڑنے سے انکار کر دیں گے تو ان کے حال پر ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کی پابندی اور تکلیف نہ ہوگی، بلکہ وہ غیر مکلف ہوں گے۔ (ابن بانوش نے یہ بھی) کہا کہ مکلفین میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے اطاعت گزاری کے اعمال کے سبب نبی یا فرشتہ ہونے کا استحقاق حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں ایسا بنا بھی دیتا ہے۔

## الحطی:

الحطی کا خیال ہے کہ (تخلیق کے بعد) شروع میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو مکلّف نہیں بنایا تھا، بلکہ خود انہوں نے اس سے بلندی، درجات اور آپس میں ایک دوسرے سے برتری کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ انہیں یہ برتری و فضیلت صرف اس وقت عطاء کی جاسکتی ہے جب تک کہ انہیں آزمائش اور امتحان سے نہ گزرنا پڑے۔ اور اگر انہیں مکلّف کیا گیا اور انہوں نے گناہ کیے، تو عذاب کے سزاوار ٹھہریں گے۔ یہ سن کر انہوں نے امتحان اور آزمائش میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی کا ذکر ہے کہ: ''ہم نے امانت کو آسمانوں پر، زمین پر، پہاڑوں پر پیش کیا، مگر انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، پھر انسان نے اس کو اٹھا لیا، بیشک اس نے ایسا کر کے اپنے پر بڑا ظلم کیا اور نادانی کی (القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت ۷۲)''۔

## ابو مسلم خراسانی:

ابو مسلم خراسانی نے یہ کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کر کے انہیں مکلّف بنایا۔ ان میں کچھ ایسی ارواح تھیں جن کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں گی اور ان میں سے کچھ ایسی تھیں جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ اس کی نافرمانی کریں گی۔ اور نافرمان ارواح نے ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، تو انہیں نسخ (جسم بدلنا) اور مسخ (شکل بدلنے) کی

سزا دے کر ان کے جرائم کے بقدر انہیں مختلف اجساد میں منتقل کر دیا گیا۔

قائلین تناسخ کے عقائد و اقوال کی یہ تفصیل ہے۔ ہم نے ان لوگوں کے دلائل کی اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں تردید کی ہے۔ اس میں جو بیان کیا گیا ہے وہ کافی ہے۔

## حواشی ............باب چہارم۔فصل دوازدہم

(۱) فلوخرطس نامی یونانی فلسفی متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔قفطی نے اس کی کتاب طبیعات کا ذکر کیا ہے جو پانچ مقالات پر مشتمل ہے۔اسی طرح علم النفس میں بھی ایک کتاب کا ذکر آتا ہے۔( کتاب اخبار الحکماء، مختصر الزوزنی صفحہ ۲۵۷،مطبوعہ لیپزک ۱۹۰۳ء)۔

(۲) مانی پسر ماش، ثنوی تھا۔دو خداؤں یعنی اہرمن اور یزداں کا قائل تھا۔اس کا ظہور شاہ پور بن اردشیر ساسانی کے عہد میں ہوا۔بکثرت مجوسی اس کے پیرو ہو گئے تھے، جو اسے نبی مانتے تھے۔آخر شاہ پور بن بہرام کے عہد میں قتل ہوا۔دیکھئے سرح العیون ص ۱۵۵، الملل و النحل ۱:۲۴۴۔

(۳) مشہور یونانی فلسفی فیثاغورس کا شاگرد اور فلسفہ میں علوم الٰہیہ کا ماہر تھا، اس کے ساتھ ہی وہ تارک الدنیا اور زاہد مرتاض تھا۔اس نے بت پرستی اور دوسرے یونانی عادات کی مخالفت کی۔دشمنوں نے اسے گرفتار کرا کر زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کیا، جسے پی کر اس نے جان دیدی، دیکھئے قفطی کی تاریخ الحکماء صفحہ ۱۹۸۔

(۴) افلاطون، یونانی فلاسفہ کے اساطین میں شمار ہوتا ہے۔فیثاغورس کا شاگرد اور سقراط کا ہم جماعت تھا۔اسے سقراط کی موت کے بعد شہرت ملی۔وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے جو بعد کے فلاسفہ کے لئے اساس کا کام دیتی ہیں۔(تاریخ الحکماء صفحہ ۱۷)۔

(۵) بخت نصر، ایرانی بادشاہ لہراسپ کا سپہ سالار تھا۔اس نے بیت المقدس کو برباد کرکے، یہودیوں کو عراق جلاء وطن کر دیا تھا۔یہود کی بربادی اور بیت المقدس کی تباہی کے لئے اسے بڑی شہرت حاصل ہے۔یہودیوں کی کتابوں میں اس کی برائی اور رسوائی کی متعدد داستانیں مذکور ہیں۔دیکھئے تاریخ طبری، جلد دوم، صفحہ ۵۴۱۔

(٦) عبدالکریم بن ابی العوجاء، ملحد، زندیق اور وضّاع حدیث تھا۔دیکھئے ذہبی کی

میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۶۴۴۔

(۷) معن بن زائدہ، ربیعہ کے قبیلہ بنو بکر بن وائل کی شاخ بنو شیبان سے تعلق رکھتا تھا۔ عراق کے آخری اموی گورنر ابن ہبیرہ کے معتمد علیہ سپہ سالاروں میں تھا۔ بنی امیہ کی حمایت میں سرفروشانہ کارنامے انجام دیئے۔ ابن ہبیرہ کے قتل کے بعد المنصور عباسی نے اس کی تلاش شروع کی مگر یہ روپوش ہوگیا۔ ۱۴۱ھ میں ہاشمیہ مدائن میں جب راوندیہ نے منصور کے خلاف بغاوت کی اور اسے بے خبری میں گھیر لیا، تو منصور کی ہلاکت میں چند لمحوں کا وقفہ رہ گیا تھا۔ معن ابن زائدہ نے روپوشی سے باہر نکل کر منصور کی حمایت میں جاں سپاری کا مظاہرہ کیا اور اس کی جان بچائی۔ اس پر خوش ہوکر منصور نے اسے ''اسدالرجال (شیر مرداں) کا خطاب دیا، اس کے جرم کو معاف کیا اور اعلیٰ عہدوں پر اسے اور اس کے خاندان کے دوسرے لوگوں کو فائز کیا۔ معن خراسان کا گورنر تھا کہ ۱۵۱ھ میں اسے خوارج نے دھوکہ سے قتل کر دیا۔ دیکھئے ابن قتیبہ کی المعارف، تاریخ طبری و ابن اثیر بضمن واقعات ۱۳۳ھ، ۱۴۱ھ اور ۱۵۱ھ۔

باب چہارم ............ فصل سیزدہم

# القدریہ کے فرقہ الخابطیہ کی گمراہیوں کا ذکر اور دائرۂ اسلام سے ان کے خارج ہونے کا بیان

**الخابطیہ :**

(الخابطیہ) احمد بن خابط القدری کے پیرو ہیں۔ یہ شخص اعتزال میں النظام کے ساتھیوں میں تھا۔ اس سے پہلے ہم تناسخ کے بارے میں اس کے عقائد کا (فصل دوازدہم میں) ذکر کر چکے ہیں۔ اس فصل میں ہم توحید باری تعالیٰ کے متعلق اس کی گمراہیوں کو بیان کریں گے۔

یہ (احمد بن) خابط اور فضل حدثی[1] یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مخلوقات کے دو ''رب'' اور دو ''خالق'' ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک قدیم ہے اور وہ اللہ سبحانہ ہے۔ جبکہ دوسرا رب اور خالق، مخلوق ہے اور وہ عیسیٰ بن مریم ہے۔ ان دونوں کے خیال میں مسیح، اللہ تعالیٰ کے اس مفہوم ومعنی میں بیٹے ہیں جس کا ولادت سے تعلق نہیں ہے۔ ان دونوں نے یہ بھی کہا کہ مسیح ہی آخرت میں لوگوں کا حساب کتاب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں انہیں کو مراد لیا ہے:

''اور تمہارا رب اور فرشتے صف در صف آئیں گے۔ (قرآن، سورۃ الفجر آیت ۲۲)''۔ اور یہ مسیح ہی ہیں جو آئیں گے: ''بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے آئیں گے اور حکم صادر ہو چکا اور تمام امور تیرے رب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے (القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۰)''۔ ان دونوں کے خیال میں: ''یہ مسیح ہی تھے جنہوں نے (حضرت) آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا''۔ یہ ان کے نزدیک اس روایت کی تاویل ہے: ''کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔''

اس کے زعم باطل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں انہیں (مسیح) کو مراد لیا ہے: ''کہ تم لوگ اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسا کہ چاند کو چودہویں کی رات میں دیکھتے ہو۔'' و نیز انہیں کو اپنے اس قول سے مراد لیا ہے: ''کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا، پھر اس سے کہا سامنے آ، تو وہ سامنے آ گئی، پھر اس سے کہا پیچھے پھر، تو وہ پیچھے پھر گئی۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھ سے بڑھ کر بزرگ و شریف کوئی اور چیز پیدا نہ کی، میں تیرے ذریعہ سے لوگوں کو دوں گا اور تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں سے لوں گا''۔ ان دونوں (ابن خابط اور فضل حدثی) نے کہا کہ: ''مسیح نے جسد کا لبادہ اوڑھ لیا، اس سے پہلے وہ عقل تھے۔''

## یہ فرقہ مجوس سے بدتر ہے:

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ ان دونوں کافروں نے ثنویہ اور مجوس کے دو خداؤں کے ماننے کے دعویٰ میں ان کی ہم مذہبی اختیار کی اور ان کے ساتھ اس میں شریک ہو گئے۔ مگر ان دونوں کا عقیدہ مجوس اور ثنویہ کے عقیدہ سے زیادہ بُرا اور گمراہ کن ہے۔ کیونکہ ثنویہ اور مجوس نے تمام نیکیوں اور امور خیر کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ (یزداں) کی جانب منسوب کیا ہے اور برائیوں اور امور شر کی تخلیق کو ظلمت اور شیطان (اہرمن) کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ ابن خابط اور فضل حدثی نے تمام نیکیوں اور افعال خیر کو جناب عیسیٰ بن مریمؑ سے منسوب کر دیا ہے یہاں تک کہ آخرت میں مخلوقات کے محاسبہ کو بھی انہیں سے وابستہ کر دیا ہے۔ ان دونوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے، حد درجہ مضحکہ خیز اور حیرت زا ہے کہ فرع (شاخ) اپنی اصل (جڑ) کو جنم دے رہی ہے۔

ان دونوں (ابن خابط اور فضل حدثی) کو جو شخص مسلمان سمجھتا ہے، وہ ایسا ہی ہے کہ نصاریٰ کے فرقوں کو اسلامی فرقوں میں شمار کرے اور انہیں مسلمان قرار دے۔

## حواشی ............ باب چہارم ۔ فصل سیزدہم

(۱) فضل ابتداء میں معتزلی عقیدہ کا حامل اور احمد بن خابط کی طرح النظام کا شاگرد تھا۔ لیکن اس کے فاسد عقائد کی وجہ سے النظام نے اسے اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ یہ شخص ملحد و زندیق تھا۔ یہ حدث کے شہر کا رہنے والا تھا جو دریائے فرات کے ساحل پر رومی سرحد سے قریب واقع تھا۔ فضل یہیں نصاریٰ کے عقائد سے متاثر ہوا، کیونکہ یہاں رومیوں سے اسلامی افواج کی اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

باب چہارم.........فصل چہاردہم

# القدریہ کے فرقہ الحماریہ اور امت مسلمہ سے اس کے خروج کا ذکر

الحماریہ:

الحماریہ شہر عسکر مکرم کے معتزلی ہیں۔ ان لوگوں نے القدریہ کی بدعات میں سے مخصوص ضلالات اور گمراہیوں کو اختیار کر رکھا ہے۔

فاسد عقائد:

انہوں نے ابن خابط سے اجساد (جسد) اور قوالب (قالب) میں ارواح کے تناسخ کا عقیدہ اپنالیا ہے اور تناسخ کے قائل ہیں۔

اسی طرح عباد بن سلیمان ضمری سے اس کا یہ عقیدہ اخذ کرلیا کہ جن لوگوں کو مسخ کر کے اللہ تعالیٰ نے بندر، سور بنادیا تھا، مسخ کئے جانے سے پہلے وہ انسان اور کافر تھے۔

ان لوگوں نے جعد بن درہم سے، جس کو (عراق کے اموی گورنر) خالد بن عبداللہ القسری نے عید الاضحیٰ کے دن (کوفہ میں) قتل کرادیا تھا، یہ عقیدہ لے لیا کہ وہ نظر جس سے معرفت واجب ہوجاتی ہے، یہ معرفت ایسا فعل ہے جس کا کوئی فاعل نہیں ہے۔

بعدازاں ان لوگوں نے یہ کہا کہ: شراب بنانا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے، بلکہ وہ شراب ساز کا فعل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ چیز نہیں کرتا جو معصیت اور گناہ کا سبب ہو۔

ان لوگوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ: انسان مختلف انواع کے حیوانات کو پیدا کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر آدمی گوشت کو مٹی میں گاڑ دے یا اسے دھوپ میں رکھ دے، تو اس میں

کیڑے پیدا ہو جائیں گے۔ ان کے خیال میں یہ کیڑے انسان کی تخلیقات میں سے ہیں۔ اسی طرح جو بچھو پکی اینٹ کے نیچے پڑے ہوئے بھوسہ سے نکلتا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس شخص کی تخلیق ہے جس نے پکی اینٹ اور بھوسہ کو اکٹھا کیا ہے۔

یہ لوگ مجوس سے بھی بدتر ہیں جن کے نزدیک سانپ، کیڑے مکوڑے اور بادسموم شیطان (اہرمن) کی پیدا کردہ ہیں۔ جنہوں نے ان لوگوں کو مسلمان قرار دیا، وہ اس شخص کی طرح ہیں جو مجوس کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتا ہے۔

# خوارج کے فرقہ الیزیدیہ کا تذکرہ اور اسلامی فرقوں سے اس کے خروج کا بیان

**یزید خارجی تھا:**

فرقہ الیزیدیہ، یزید بن انیسہ خارجی کے پیروؤں کا گروہ ہے۔ یہ شخص بصرہ کا رہنے والا تھا، مگر سرزمین فارس کے شہر "جور" منتقل ہوگیا تھا۔ یہ خوارج الاباضیہ کا سرغنہ تھا۔ پھر تمام اُمت سے اس عقیدہ کی وجہ سے خارج ہوگیا کہ: اللہ تعالیٰ اہل عجم میں سے ایک رسول مبعوث کرے گا، اس پر آسمان سے ایک کتاب نازل کرے گا اور اس کی شریعت سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کردے گا (نعوذ باللہ) اس کے خیال میں (عجمی) نبیٔ منتظر کے پیروکار وہ "صابیٔ" ہوں گے، جن کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ لیکن واسط اور حران کے علاقوں میں جو لوگ الصابئہ کہلاتے ہیں، وہ لوگ وہ صابیٔ نہیں ہیں، جن کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

**اہل کتاب سے تولاء کرتا تھا:**

یہ (یزید بن ابی انیسہ) اپنی اس گمراہی اور ضلالت کے باوجود، ان اہل کتاب سے، جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے تھے، خواہ یہ لوگ اسلام میں داخل نہ ہی ہوئے ہوں، ان سے تولاء اور محبت ظاہر کرتا تھا۔ اور اس شہادت کے سبب وہ ان (اہل

کتاب) کو "مومن" کا نام دیتا تھا۔ اس اعتقاد کی بنیاد پر یہ امر لازم آتا ہے کہ یہود کے فرقے العیسویہ اور الموشکانیہ کو مومنین میں شمار کیا جائے، کیونکہ وہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے دین میں داخل نہیں ہیں (بلکہ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عرب کے نبی تھے، یہود کے نبی نہیں تھے)۔

جو لوگ یہود کو مسلمانوں میں شامل سمجھتے ہیں، انہیں اسلامی فرقہ میں شمار کرنا، جائز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ شریعت اسلام منسوخ ہو جائے گی، انہیں مسلمان فرقوں میں کیسے محسوب کیا جا سکتا ہے؟

## حواشی ........... باب چہارم۔ فصل پانزدہم

(۱) الیزیدیہ کے لئے مقالات الاسلامیین ۱:۱۰۷، التبصیر ص ۸۳، والملل والنحل، ۱: ۱۳۶، سے رجوع کیجئے۔

# خوارج کے فرقہ ''المیمونیہ'' کا بیان اور اسلامی فرقوں سے اس کے خروج کا ذکر

فرقہ المیمونیہ کا بانی میمون نامی شخص تھا۔ یہ خوارج کی شاخ العجاردہ سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس نے ارادہ، قدر اور استطاعت کے مسائل میں عجاردہ سے اختلاف کیا اور ان تینوں ابواب میں القدریہ، المعتزلہ کے مذہب پر عمل پیرا ہوگیا۔ مگر اس کے باوجود (قدریہ معتزلہ کے برخلاف) وہ اس بات کا قائل تھا کہ مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے۔

## المیمونیہ کی بدعتیں:

اگر یہ میمون انہیں بدعات پر قائم رہتا، جنہیں ہم نے بیان کیا ہے اور ان پر مزید گمراہیوں کا اضافہ نہ کرتا، تو (حضرات علی، طلحہ، زبیر، عایشہ اور عثمان رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور اصحابِ ذنوب (گناہ گاروں) کو کافر سمجھنے کی وجہ سے، اس کو فرقہ خوارج میں شمار کرتے اور ارادہ، قدر و استطاعت کے ابواب میں معتزلہ، قدریہ کی ہم خیالی کے سبب اسے قدری سمجھتے، مگر اس نے القدریہ اور الخوارج پر اپنی ان گمراہیوں کا اضافہ کیا جنہیں اس نے مجوسیوں کے دین سے اخذ کیا ہے۔ اور وہ (ضلالات و بدعات) یہ ہیں کہ اس نے پوتیوں کی داداؤں سے، بھتیجیوں اور بھانجوں کی بیٹیوں سے نکاح کو حلال اور مباح ٹھہرایا ہے۔ اس نے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے وہ نسب کے سبب سے ہے، یعنی مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے

نواسیوں، پوتیوں، بھتیجیوں کی بیٹیوں، بھانجوں کی بیٹیوں کا ذکر نہیں کیا ہے (سوان سے نکاح کرنا جائز ہے)۔اس کے اس استدلال کی رو سے نانیوں، دادیوں اور داداوں سے نکاح جائز و مباح ہوگا (کیونکہ قرآن کریم میں ان کا ذکر بھی نہیں آیا ہے) اور اس عقیدہ کی وجہ سے وہ مجوسیت میں داخل ہوگیا۔ اگر اس کے خیال میں نانیوں سے اس لئے نکاح جائز نہیں ہے کہ نانیاں، ماؤں کے بمنزلہ ہیں، تو اس پر لازم آئے گا کہ وہ پوتیوں کو صلبی بیٹیوں کی طرح سمجھے اور انہیں بیٹیوں پر قیاس کرے۔ اور اگر اس ضمن میں وہ قیاس کو وسیع نہیں کرتا تو اس کا استدلال خود بخود ٹوٹ جائے گا۔

## بعض قرآن کریم کا انکار:

الکرابیسی نے خوارج کے فرقہ المیمونیہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ سورۂ یوسف کو قرآن کریم میں شامل نہیں سمجھتے چنانچہ بعض قرآن کریم کا منکر پورے قرآن کریم کا منکر سمجھا جائے گا، اور جو بعض محرمات سے نکاح حلال سمجھے وہ مجوس کے حکم میں ہے اور مجوس کو اسلامی فرقوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

# الباطنیہ[1] کا ذکر اور تمام اسلامی فرقوں سے اُن کے خارج ہونے کا بیان

**اسلام کو باطنیہ نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا:**

اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند بنائے، یہ بات تمہیں معلوم ہونی چاہئے کہ اسلامی فرقوں کو الباطنیہ نے جس قدر نقصان پہنچایا ہے وہ یہودیوں، نصاریٰ اور مجوس کے پہنچائے ہوئے نقصانات سے کہیں زیادہ ہے۔ بلکہ دہریہ اور تمام اصناف کے کافروں نے مسلمانوں کو جتنا ضرر پہنچایا ہے، اس سے بھی بڑھ کر ان باطنیہ کا ضرر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے پہنچائے گئے نقصانات دجال کی مضرت سے بھی جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا، بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ جو لوگ باطنیہ کی دعوت کے سبب اُن کے ظہور سے اب تک (بزمانہ مصنف) دین سے بھٹک گئے ہیں، ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو دجال کے نمودار ہونے کے وقت گمراہ ہوں گے۔ اور وہ اس لئے کہ دجال کے فتنہ کی مدت چالیس دنوں سے زیادہ نہ ہوگی، جبکہ الباطنیہ کے رزائل و فضائح (رسوائیاں) ریت کے ذروں اور پانی کے قطروں سے زیادہ ہیں۔

**میمون بن دیصان:**

اصحاب القالات (مصنفین عقائد) نے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے الباطنیہ کی دعوت کی بنیاد رکھی ہے وہ لوگوں کی ایک جماعت تھی، ان میں میمون بن دیصان، معروف بہ القداح

(معالج چشم) تھا۔ وہ امام جعفر الصادق بن امام محمد الباقر کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) اور اہواز کا باشندہ تھا۔ (الباطنیہ کے انہیں بانیوں میں) محمد بن حسین ملقب بہ دندان تھا۔ یہ سب لوگ جنہیں والی عراق نے قید کر رکھا تھا، قید خانہ میں میمون بن دیصان سے ملے اور انہوں نے قید خانہ میں مذہب الباطنیہ کی بنیاد رکھی۔ قید سے رہائی کے بعد دندان نے دعوت باطنیہ کو ظاہر کیا اور اس کا آغاز ''توز'' کے علاقہ میں تبلیغ سے کیا۔ سو اس کی جماعت میں پہاڑی علاقوں کے کرد اور البدین کے کوہستانی شامل ہو گئے۔ بعد میں میمون بن دیصان، المغرب (شمالی افریقہ) چلا گیا، اور وہاں یہ دعویٰ کیا کہ وہ عقیل بن ابی طالب کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ جب اس کی دعوت میں روافض کے فرقہ غلاۃ کے لوگ شامل ہو گئے، تو اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق کا بیٹا ہے۔ بے وقوف اور احمق لوگوں نے اس کے اس دعویٰ کو قبول کر لیا، کیونکہ انہیں یہ بات معلوم نہ تھی کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر لاولد مرا تھا اور علماء انساب کے بیان کے مطابق اس کی نسل نہ چلی۔

حمدان قرمط:

اس کے بعد دعوت باطنیہ لے کر ایک شخص اٹھا جس کا نام حمدان قرمط تھا۔ اس کا قرمط (چھوٹا) لقب اس لئے پڑا کہ یا تو اس کا قد چھوٹا تھا یا چلنے میں اس کے قدم چھوٹے اٹھتے تھے۔ یہ حمدان شروع میں کوفہ کے سواد (نواح) کا کھیت مزدور تھا۔ اس شخص کی طرف ''قرامطہ'' منسوب ہیں۔

ابوسعید جنّابی:

اس کے بعد اس مبتدعانہ دعوت میں ابوسعید الجنابی کا کہ حمدان قرمط کا متبع تھا، ظہور ہوا۔ یہ شخص بحرین کے علاقے پر مستولی ہو گیا اور بنو سنبر نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔

عبیداللہ کا ظہور:

جب ایک عرصہ گزر گیا تو وہ شخص ظاہر ہوا جو ان لوگوں میں سعید بن حسین بن احمد بن

عبداللہ بن میمون بن دیصان القداح کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ اس نے اپنا نام اور نسب تبدیل کر دیا اور اپنے پیروؤں سے کہا: ''میں عبیداللہ بن حسین بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق ہوں۔ اس کے فتنہ کو المغرب میں فروغ ہوا اور اس کی اولاد آج کل مصر کے علاقہ پر قابض ومستولی ہیں (اس کی اولاد ۲۹۶ھ سے ۵۶۷ھ تک حکمران رہی۔ مصنف نے ۴۲۹ھ میں انتقال کیا، اس لئے اس کے زمانہ تک یہی مصر، شام ویمن وغیرہ پر قابض رہے)۔

ابن ذکرویہ:

انہی الباطنیہ میں وہ شخص ظاہر ہوا، جو ابن ذکرویہ بن مہرویہ الدندانی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ یہ حمدان قرمط کے شاگردوں میں تھا۔

مامون:

مامون، کہ حمدان قرمط کا بھائی تھا، دعوت باطنیہ کے ساتھ سرزمین فارس میں نمودار ہوا۔ اسی لئے فارس کے قرامطہ کو المامونیہ کہا جاتا ہے۔

ابوحاتم:

ابوحاتم نامی ایک باطنی سرزمین دیلم میں اپنی دعوت کی تبلیغ کے لئے گیا۔ وہاں دیلم کی ایک جماعت اس کی ہم خیال ہوگئی۔ انہیں میں اسفار بن شیرویہ بھی تھا۔

شعرانی:

باطنیہ کا ایک داعی معروف بہ شعرانی نیشاپور میں ظاہر ہوا مگر وہ ابوبکر بن حجاج کی گورنری کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس شعرانی نے حسین بن علی المروزی کو اپنی دعوت میں شامل کر لیا تھا۔ شعرانی کے بعد اس کی دعوت کا انصرام محمد بن احمد النسفی، داعی اہل ماوراء النہر، اور ابو یعقوب السجزی معروف بہ بندانہ کے سپرد ہوا۔ النسفی نے اپنے متبعین کے لئے ''کتاب المحصول'' تصنیف کی اور ابو یعقوب نے ان کے لئے ''کتاب اساس الدعوۃ'' ''کتاب تاویل الشرائع'' اور ''کتاب کشف الاسرار'' تحریر کیں۔ النسفی اور بندانہ اپنی ضلالت وگمراہی کے سبب سے قتل کر دیئے گئے۔

## دعوت باطنیہ کی اشاعت:

مورخین نے بیان کیا ہے کہ باطنیہ کی دعوت کے سب سے پہلے (عباسی خلیفہ) المامون کے زمانہ میں ظاہر ہوئی۔ اور (اس کے جانشین) المعتصم کے عہد میں پھلی پھولی۔ ان مورخین نے لکھا ہے کہ باطنیہ کی دعوت میں معتصم کا سپہ سالار افشین شامل ہو گیا تھا۔ (یہ افشین پر تہمت ہے۔ مترجم)۔

## بابک:

اس افشین نے بابک الخرمی سے ساز باز کر رکھی تھی، یہ بابک البدین کے کوہستانی خطہ میں حکومت سے باغی ہو گیا تھا۔ اور اس کے کوہستانی باشندے مزدک کے مذہب کے ماننے والے خُرَّمِیَّہ تھے۔ یوں الخرمیہ اور الباطنیہ ایک دوسرے کے حامی و ناصر بن گئے۔ بابک کے ساتھ البدین کے باشندے اور دیلم کے لوگ تین لاکھ کی تعداد میں اکٹھا ہو گئے تھے۔ اس لئے خلیفہ المعتصم نے افشین کو مسلمانوں کا ہمدرد و حامی سمجھ کر بابک سے جنگ کرنے کی غرض سے روانہ کیا۔ حالانکہ افشین ابتدا سے بابک سے ملا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ جنگ میں اس کا طرف دار تھا اور اسے مسلمان لشکر کی کمزوریوں سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد جنگ میں کام آئی۔ بعدازاں افیشن کے پاس خلیفہ کی جانب سے امدادی افواج پہنچیں اور محمد بن یوسف الثغری وابودلف القاسم بن عیسیٰ العجلی جیسے نامی گرامی سپہ سالاران عباسیہ اس کی مدد کو پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ہی (خراسان کے عباسی گورنر) عبداللہ بن طاہر کے فوجی سالار بھی اپنی اپنی سپاہ کے ہمراہ وہاں آ پہنچے۔ مگر البابکیہ اور القرامطہ کو مسلمانوں پر برتری و غلبہ رہا۔ چنانچہ مسلمانوں نے البابکیہ کے حملوں کے خوف سے اپنی حفاظت کے لئے برزند نامی شہر تعمیر کر لیا۔ فریقین کے درمیان کئی برسوں تک لڑائی جاری رہی اور آخر کار مسلمانوں کو البابکیہ پر فتح حاصل ہوئی۔ بابک کو گرفتار کر کے (دارالحکومت) سرمن رائی لایا گیا اور ۲۲۳ھ میں اسے وہاں سولی دیدی گئی۔ بعد میں اس کا بھائی اسحاق گرفتار ہوا اور اسے مازیار کے ہمراہ کہ

طبرستان وجرجان کے المحمرہ کا سردار تھا، پھانسی دیدی گئی۔ بابک کے مارے جانے کے بعد خلیفہ المعتصم پر افشین کی غداری اور مسلمانوں کے ساتھ اس کی بے ایمانی کا انکشاف ہوا، چنانچہ اسے قتل کر کے سولی پر چڑھانے کا حکم صادر ہوا اور اسے کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا۔ (مولف نے اپنی ہوائے نفس کی خاطر اس عہد کی تاریخ کو مسخ کر دیا ہے۔ طبری جلد ہشتم و نہم کا مطالعہ کرنا چاہئے تا کہ صحیح صورت حال واضح ہو جائے۔ مترجم)۔

باطنی مجوسی ہیں:

اصحاب التواریخ نے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے باطنیہ کے دین کی بنیاد رکھی تھی، وہ مجوس کی اولاد تھے۔ اور اپنے باپ دادا کے دین کی جانب مائل تھے، مگر مسلمانوں کی تلواروں کے خوف سے اس کے علی الاعلان اظہار کی جسارت نہ کر سکتے تھے، اس لئے ان لوگوں کے دھوکہ باز جاہلوں نے ایسی بنیادیں وضع کیں کہ ان میں سے جس نے انہیں قبول کر لیا، وہ باطن (اندر ہی اندر) مجوس کے دین کی فضیلت و برتری کے قائل ہو گئے۔ ان لوگوں نے قرآن کریم کی آیات کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی، اپنی قائم کردہ بنیادوں کے موافق تاویلات کیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ:

ثنویہ (دو خداؤں کے ماننے والے) یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نور اور ظلمت دو صانع (خالق) ہیں اور دونوں ہی قدیم ہیں۔ ان دونوں میں سے نور فاعل خیرات اور منافع (فائدہ) ہے اور ظلمت فاعل شرور و مضار (نقصان) ہے۔ اور اجسام نور اور ظلمت سے مل کر بنے ہیں۔ ان دونوں (فاعل خیر و فاعل شر) میں سے ہر ایک چار طبائع (مزاج) پر مشتمل ہے اور وہ ہیں حرارت (گرمی)، برودت (ٹھنڈک)، رطوبت (تری) اور یبوست (خشکی)۔ اور دونوں پہلی اصلیں (نور و ظلمت) چاروں طبائع کے ساتھ مل کر اس عالم کی مدبر و منتظم ہیں۔ مجوس ان باطنیہ کے ساتھ دو صانع (خالق) کے اعتقاد میں شریک ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ان کے عقیدہ کی رو سے دونوں صانعوں میں سے ایک قدیم ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ جو فاعل خیر ہے اور

دوسرا صانع شیطان ہے کہ محدث (حادث) ہے اور فاعل شر ہے۔ باطنیہ کے رؤساء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "نفس" کو پیدا کیا، سو "اللہ" "اول" ہے اور "نفس" "ثانی" ہے۔ اور یہ دونوں (اللہ تعالیٰ اور نفس) اس عالم کے مدبر و منتظم ہیں۔ ان لوگوں نے ان دونوں کو الاول و الثانی کا نام دے رکھا ہے۔ کبھی انہیں العقل اور النفس بھی کہتے ہیں۔ بعدازاں ان باطنیہ نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ یہ دونوں اس عالم کی تدبیر و انتظام کو ایک سبعہ (سیارہ گان سبعہ) اور پہلی طبائع کی تدبیر سے کرتے ہیں۔ ان کا یہ قول کہ الاول و الثانی عالم کی تدبیر و انتظام کرتے ہیں، بعینہ دونوں صانعوں کے لئے حوادث کے اضافہ کے ساتھ مجوس کا قول ہے، اور ان دونوں صانعوں میں سے ایک قدیم اور دوسرا حادث (محدث) ہے۔ مگر باطنیہ نے دونوں صانعوں کو الاول و الثانی کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور مجوس نے ان دونوں صانعوں کو یزدان اور اہرمن کے ناموں سے موسوم کیا ہے (گویا صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے ورنہ جوہری اعتبار سے دونوں عقیدے یکساں ہیں) سو یہ وہ عقیدہ ہے جو باطنیہ کے دلوں میں گردش کرتا رہتا ہے اور انہیں کی طرف لوٹ کر جانے والی اساس بھی انہوں نے گھڑی ہے۔

ان باطنیہ کے لئے آتش پرستی کا اظہار ممکن نہ تھا، سو انہوں نے اس کے لئے حیلہ سازی کی اور مسلمانوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمام مسجدوں میں دھونی دی جائے (خوشبو سلگائی جائے) اور ہر مسجد میں انگیٹھی رکھی جائے، جس میں اگر بتی اور عود کو ہر حال میں جلانے کے لئے رکھا جائے۔ برامکہ نے (عباسی خلیفہ ہارون) الرشید کو یہ مشورہ دیا تھا کہ کعبہ کے بیچوں بیچ ایک انگیٹھی رکھی جائے، جس میں ہر وقت عود سلگائی جائے۔ الرشید نے یہ بات جان لی کہ اس سے برامکہ کا مقصد یہ ہے کہ کعبہ میں آگ کی پوجا کی جائے اور کعبہ آتش کدہ ہو جائے، یہ بات ان اسباب میں سے ایک تھی جن کی وجہ سے رشید نے برامکہ کو اقتدار سے ہٹا کر انہیں گرفتار کرا لیا تھا۔ (برامکہ پر یہ الزام لچر اور بے بنیاد ہے۔ مترجم)۔

جب باطنیہ اصول دین کی شرک کے موافق تاویل کر چکے تو انہوں نے احکام شریعت کی ان طریقوں سے تاویل کرنے کی سازش کی جن سے احکام شریعت یا تو بے اثر ہو جائیں اور

انہیں اٹھا لیا جائے یا پھر وہ مجوس کے احکام جیسے ہو جائیں۔ یہ کہ احکام شریعت کی تاویل سے ان کا یہی مقصد ہے، اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیروؤں کے لئے بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کو مباح قرار دیا ہے اور شراب نوشی و تمام لذات کو حلال کر دیا ہے۔

اس کی تائید مزید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ باطنیہ کا وہ نوجوان غلام جس نے سلیمان بن حسن القرمطی کے بعد بحرین اور الاحساء پر غلبہ حاصل کر لیا تھا، اس نے اپنے متبعین کے لئے لواطت کو قانونی شکل دیدی تھی اور جو لڑکا اس شخص سے جو اس کے ساتھ حرام کرنا چاہے، لواطت کرانے سے انکار کر دے، اسے واجب القتل ٹھہرا دیا تھا۔ اس طرح جو شخص اپنے ہاتھ سے آگ بجھا دے اس کے ہاتھ کاٹنے اور جو پھونک مار کر آگ کو گل کر دے اس کی زبان کے کاٹ لینے کا حکم دیا تھا۔ یہ غلام ابن ابی ذکریا الطائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا فتنہ ۳۱۹ھ میں شروع ہوا اور اس فتنے کو بڑا طول ہوا تا آنکہ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مسلط کر دیا جس نے اسے اس کے بستر پر ذبح کر ڈالا۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ باطنیہ کا میلان مجوس کے دین کی طرف ہے، اسے اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ ہمیں روئے زمین پر ایک مجوسی بھی ایسا نہ ملے گا جو ان باطنیہ سے محبت نہ کرتا ہو اور ممالک پر ان کے غلبہ کا منتظر نہ ہو۔ ان کا خیال ہے کہ انکی بادشاہی انہی باطنیہ کے ذریعہ سے واپس آئے گی۔ کبھی کبھی ان کے نادان لوگ مجوس کی بادشاہی کی واپسی پر زرداشت سے ان کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کی رو سے اس نے گشتاسپ سے کہا تھا کہ اہل فارس کے ملک کو یونان اور روم کے ہاتھوں تباہی کا سامنا ہوگا، پھر بادشاہی اہل فارس کے پاس لوٹ آئے گی، بعد ازاں اہل فارس سے چھن کر اہل عرب کو مل جائے گی اور آخر آخر اہل فارس کے پاس ان کی بادشاہی پھر لوٹ آئے گی۔ جاماسپ نجومی نے اس پیش گوئی میں اس کی حمایت کی اور کہا کہ اہل عجم کی بادشاہی، زرداشت کے ظہور کے پندرہ سو سال پورے ہو جانے کے بعد، ان کے پاس لوٹ آئے گی۔

باطنیہ میں ایک شخص ابو عبداللہ العردی نامی تھا۔ اسے علم نجوم جاننے کا دعویٰ تھا، وہ مجوس کی

بے جا طرفداری کرتا تھا۔ اس نے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی اٹھارہویں صدی، دسویں ہزار سال کے مطابق ہوگی اور وہ مشتری اور قوس کی نوبت (باری) ہوگی۔ اس وقت ایک شخص ظاہر ہوگا جو مجوس کی حکومت کو دوبارہ لائے گا اور تمام دنیا پر مستولی و قابض ہو جائے گا۔ اس کے خیال میں یہ شخص سات صدیوں تک حکمراں رہے گا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ زرادشت اور جاماسپ نے جو یہ پیش گوئی کی تھی کہ اہل فارس کی بادشاہی رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھوں ختم ہو جائے گی، وہ اسکندر کے ہاتھوں پوری ہو چکی۔ اور یہ بادشاہی تین سو سال کے بعد پھر اہل فارس کو مل گئی۔ اس کے بعد اس پیشین کی رو سے ملک فارس عربوں کو منتقل ہو گیا اور اس مدت کے پورے ہو جانے کے بعد جس کا جاماسپ نے تعین کیا ہے یہ بادشاہی اہل عجم کو لوٹ آئے گی۔ ان لوگوں نے جس مدت کا ذکر کیا وہ (عباسی خلفاء) مکتفی اور مقتدر کے ایام میں پوری ہو گئی۔ مگر ان کا وعدہ پورا نہ ہوا۔ اور بادشاہی اہل عجم کے پاس لوٹ کر نہ آئی۔ اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے قرامطہ آپس میں ساتویں صدی (بحساب مجوس) میں شخص منتظر کے ظہور کا ذکر کرتے تھے کہ وہ ''المثلثیۃ الناریۃ'' میں ظاہر ہوگا۔

قرامطہ سے تعلق رکھنے والا سلیمان بن حسن الاحساء سے یہی دعویٰ لے کر اٹھا اور حاجیوں سے تعرض کر کے نہایت کثرت سے انہیں قتل کیا۔ پھر مکہ میں داخل ہو کر اُن حاجیوں کو جو طواف کعبہ میں مشغول تھے، جان سے مار ڈالا، اس نے کعبہ کے پردوں کو لوٹ لیا، مقتولین کو چاہ زمزم میں پھینک دیا اور مسلمانوں کے بہت سے لشکروں کو شکست دے کر برباد کر دیا۔ اسے ایک ایسی ہی جنگ میں شکست کھا کر (اپنے دارالحکومت) ''ہجر'' بھاگ جانا پڑا تھا وہاں سے اس نے مسلمانوں کے نام ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا جس میں یہ اشعار بھی تھے:۔

''تم لوگ میرے ہجر لوٹ آنے کی وجہ سے غرور میں مبتلا ہو گئے ہو۔ مگر جلد ہی تمہیں ہمارے حملہ کی خبر ملے گی۔

جب سرزمین بابل میں مریخ ستارہ طلوع ہوگا اور اس سے دونوں ستارے (زحل و

مشتری) آ کر مل جائیں گے۔

کیا میرا تمام کتابوں میں ذکر نہیں ہے؟ اور کیا میں سورۃ الزمر میں مبعوث نہیں کیا گیا ہوں؟

وہ زمانہ جلد آنے والا ہے، جب میں مشرق و مغرب کی تمام سرزمینوں کا مالک ہوں گا۔

روم کے شہروں کا، ترکوں کا اور خزر کا بادشاہ ہو جاؤں گا"۔

"نجمین" (دوستاروں) سے اس کی مراد زحل اور مشتری نامی دو سیارے ہیں۔ ان ستاروں کا مریخ کے ساتھ اس کے ظہور کے ساتھ "قران" ہوا تھا۔ (منجمین اس قران کو نحس اکبر خیال کرتے ہیں، چنانچہ اس شخص کے خروج سے مسلمانوں پر عموماً اور حجاج پر خصوصاً بڑا ستم ٹوٹا اور خانہ کعبہ کی بڑی بے حرمتی ہوئی تھی) یہ شخص، اس شہر (ہجر) کے علاوہ جہاں اس کا ظہور ہوا، زمین کے کسی خطہ کا حاکم نہ ہوا۔ اسے یہ حرص دامن گیر ہوئی کہ وہ سات سو سال حکومت کرے، لیکن سات سال بھی اسے حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ بلکہ (عراق کے شہر) ہیت میں اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑا، (جب وہ اپنی فوج کے ساتھ بغداد پر غارت گری کے لئے) ہیت کے شہر سے گزر رہا تھا، تو ایک مسلمان عورت نے اپنے مکان کی چھت سے اس کے سر پر ایک اینٹ ماری، جس سے اس کا بھیجہ باہر نکل آیا اور وہ واصل جہنم ہو گیا۔ اور جسے عورت جان سے مار ڈالے وہ بڑا گھٹیا اور سستا مقتول ہے۔

حملہ سکندر کے بارہ سو چالیس (۱۲۴۰) کے اختتام پر زرادشت کی تاریخ کے پندرہ سو سال (۱۵۰۰) پورے ہو گئے۔ مگر اس مدت میں دنیا کی بادشاہی مجوس کو واپس نہ ملی۔ بلکہ اس کے بعد دنیا میں اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمانوں نے اس کے بعد "بلا ساغون" ملک تبت اور چین کے اطراف کے اکثر شہروں کو زیر نگین کر لیا (مصنف کی مراد چینی ترکستان کے ممالک سے ہے)۔ بعدازاں مسلمانوں نے لمغات سے قنوج تک کے ہندوستان کے تمام علاقوں کو مسخر کر لیا۔ اور یوں تمام سرزمین ہند اس کے سمندر تک اسلامی مملکت کا جزو بن گئی۔ اور ایسا یمین الدولہ امین الملت محمود بن سبکتگین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہوا۔ اس میں باطنیہ اور جاماسپ کے پیرو مجوس کی رسوائی و ذلت ہے کہ ان کے

برخلاف اسلام کا دائرہ وسیع ہوا کیونکہ ان کے بیان کے مطابق حکومت اور بادشاہی انہیں واپس ملنے والی تھی۔ سوانہوں نے اپنے اعمال کی برائی کا مزہ چکھ لیا اور ان کی آرزوؤں کا انجام تباہی و بربادی ہوا۔ یہ امر باعث شکر ہے۔

## عبیداللہ کا شمالی افریقہ پر قبضہ:

بعدازاں باطنیہ میں سے عبیداللہ بن حسین ھ نے (شمالی افریقہ کے شہر) قیروان میں خروج کیا۔ اس نے حیلے اور نیرنجات مثلاً رات کے وقت پردہ اور ازار کے پیچھے سے خیالی شبیہیں دکھلا کر کتامہ اور معامدہ کے ایک بڑے گروہ اور بربر قبائل کے جاہلوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو دھوکہ سے اپنا حامی بنالیا۔ ان حیلہ سازیوں اور نیرنجات کو نادان لوگ اس کا معجزہ سمجھ کر اس کے مبتدعانہ خیالات میں اس کے متبع ہوگئے۔ وہ ان لوگوں کی مدد سے بلاد مغرب (شمالی افریقہ) پر قابض ہوگیا۔

## مسلمانوں کا قتل عام:

پھر ان کے گروہ سے ابوسعید حسن بن بہرام نے اہل احساء قطیف و بحرین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس نے اپنے متبعین کی مدد سے اپنے دشمنوں کو شکست دے کر ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنالیا اور قرآن کریم و مساجد کو نذر آتش کر دیا۔ بعد ازاں اس نے شہر ہجر پر قبضہ کر کے وہاں کے مردوں کو تہہ تیغ کر دیا اور بچوں اور عورتوں کو غلام اور باندی بنالیا۔

اس کے بعد باطنیہ میں سے صنادیقی نامی شخص نے یمن میں بغاوت کی۔ وہاں کے لوگوں کو بڑی تعداد میں قتل کیا، حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کرنے سے نہ چوکا۔ ابن الفضل نامی شخص بھی اس کے پیروؤں میں شامل ہوگیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اور ان کے پیروؤں پر خارش اور طاعون کی بیماریاں مسلط کر دیں، جن سے وہ سب کے سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔

پس ازاں شام میں میمون بن دیصان کے پوتے ابوالقاسم بن مہرویہ ھ نے علم بغاوت

بلند کیا۔ اس نے اپنے متبعین سے کہا: ''یہ ہمارے برسر اقتدار آنے کا زمانہ ہے۔'' یہ وقعہ ۲۸۹ھ کا ہے۔ اس کے مقابلہ پر (عباسی خلیفہ) المعتضد کا سالار سبک آیا، لیکن باطنیہ نے اسے جنگ میں مار ڈالا اور شہر ''رُصافہ'' میں گھس آئے اور اس کی جامع مسجد کو جلا دیا۔ اس کے بعد باطنیہ نے دمشق کا رخ کیا۔ یہاں ان کا مقابلہ ابن طیلون (ابن طولون) کے غلام الحمامی سے ہوا۔ اس نے ان باطنیہ کو شکست دے کر شہر الرقہ تک بھگا دیا۔ یہاں (عباسی خلیفہ) المکتفی کے کاتب محمد بن سلیمان سے جو عباسی افواج کے ساتھ ان کے مقابلہ پر آیا، باطنیہ کا مقابلہ ہوا۔ اس نے انہیں شکست دے کر ان کے ہزاروں آدمی مار ڈالے۔ حسن بن زکریا بن مہرد یہ یہاں سے بھاگ کر الرملہ پہنچا۔ الرملہ کے گورنر نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کو اور اس کے متبعین کی ایک جماعت کو (خلیفہ) المکتفی کے پاس بھیج دیا۔ اس نے ان سب کو بغداد کی سڑکوں پر سخت عذاب دے کر قتل کروا دیا۔ ان لوگوں کے مارے جانے کے بعد ۳۱۰ھ تک قرامطہ (باطنیہ) کی کمر ٹوٹ گئی اور ان میں بغاوت کرنے کی سکت نہ رہی۔

اس کے بعد ۳۱۱ھ میں سلیمان بن حسن برسر فتنہ وعناد آیا۔ اس نے دھوکہ سے بصرہ کو لوٹ لیا اور اس کے حاکم سبک المفلحی کو مار ڈالا۔ اور لوٹ کا مال بصرہ سے (اپنے مرکز) بحرین پہنچا دیا۔

## حجاج کا قتل عام:

۳۱۲ھ میں ۲۰ محرم الحرام کو باطنیوں نے حجاج کو لوٹ کر ان کی بڑی تعداد کو مار ڈالا۔ اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا۔ بعد ازاں یہ باطنی (سلیمان بن حسن) ۳۱۳ھ میں کوفہ میں داخل ہو گیا اور وہاں لوگوں کو قتل کیا اور مال واسباب لوٹ لئے۔ اس طرح ۳۱۵ھ میں اس نے ابن ابی الساج ؒ سے جنگ کر کے اسے شکست دی اور اسے گرفتار کر لیا۔ پھر ۳۱۷ھ میں وہ مکہ میں داخل ہو گیا، اور جسے بھی خانہ کعبہ کا طواف کرتے پایا، قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ: اس نے مکہ میں تین ہزار آدمیوں کو قتل کر دیا اور وہاں سے سات سو کنواری لڑکیوں کو نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ کر بحرین لے گیا۔ بعد میں (ایک مدت کے بعد) اسے کوفہ لوٹا دیا گیا اور

پھر کوفہ سے ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی النیساپوری ؒ کے ہاتھوں ۳۲۹ھ میں مکہ واپس لا کر دوبارہ نصب کیا گیا۔

## باطنیہ کی بربادی:

۳۱۸ھ میں سلیمان بن حسن نے بغداد پر پیش قدمی کی۔ جب وہ ''ہیت'' پہنچا تو ایک خاتون نے اپنے بالا خانہ سے اسے ایک اینٹ ماری جس سے اس کی موت واقع ہوگئی (اور اس کا لشکر پسپا ہوگیا) اس کے بعد قرامطہ کی قوت پاش پاش ہوگئی۔ اور وہ لوگ سلیمان بن حسن کے مارے جانے کے بعد کوفہ اور بصرہ سے مکہ تک ننگے پاؤں حاجیوں کے سامنے پھرتے رہتے تھے، تاکہ انہیں اس طرح کچھ مال مل جائے، مگر جب اصغر العقیلی ان لوگوں کے بعض علاقوں پر قابض ہوگیا، تو یہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔

## باطنیہ کا مصر پر قبضہ:

مصر اور اس کے متعلقات کی گورنری اخشیدیوں کے پاس تھی۔ ان کے حامیوں میں سے کچھ لوگ ابن عبیداللہ الباطنی سے، جو قیروان پر قابض ہوگیا تھا۔ مل گئے، چنانچہ یہ باطنی ۳۶۲ھ میں مصر میں داخل ہوگئے۔ وہاں انہوں نے القاہرہ نامی شہر آباد کیا، جہاں ان کے بدعتی حامی رہتے ہیں۔[۸] مگر مصر کے مسلمان مسلک اہل السنّت والجماعت پر اب تک (بعہد مصنف) ثابت قدم ہیں، ہرچند کہ وہ قاہرہ کے اس حکمراں کی خراج کی ادائیگی میں اطاعت کرتے ہیں۔

## ابوشجاع کی ہلاکت:

ابوشجاع فناخسرو بن بویہ[۹] نے مصر پر حملہ کر کے اسے باطنیہ کے قبضہ سے آزاد کرانے کی تیاریاں شروع کردی تھیں اور اپنے علموں (جھنڈوں) پر سیاہی سے یہ الفاظ لکھوا دیے تھے:

''اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام اہل عالم کا پروردگار ہے، اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ وسلام ہو محمد ﷺ پر جو خاتم النبیین ہی اور (عباسی خلیفہ)

الطائع لِلّٰہ امیرالمومنین ہیں۔ داخل ہو جاؤ مصر میں، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، امن وسلامتی کے ساتھ''۔اس سلسلہ میں اس نے ایک قصیدہ بھی کہا تھا جس کے ابتدائی اشعار یہ تھے:۔

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ تقدیر میری مطیع ہے۔میرے لئے علانیہ خبروں کی طرح فیصلے کرتی ہے۔

دنیا میرے بارے میں گواہی دیتی ہے کہ میں، وہی ہوں جس کی آمد کی توقع کی جارہی ہے اور جس کا انتظار کیا جارہا ہے۔

اسلام کی مدد ونصرت کے لئے اور میں داعی ہوں (لوگوں کو بلانے والا ہوں) قابل افتخار امام کی (اطاعت کی) جانب۔''

جب فناخسرو مصر کی جانب پیش قدمی کی غرض سے اپنے لشکر گاہ میں آیا تو وہ اچانک مرگیا (اور مصر پر اس کی فوج کشی کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا)

## مشرق میں دعوت باطنیہ کی ناکامی:

اس کی موت کے بعد مصر کے (باطنی حکمراں العزیز) نے مشرق کے اطراف وگردونواح کے حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملالینے کی کوشش شروع کی۔اور انہیں اپنی بیعت (خلافت) کے لئے خطوط ارسال کیے۔قابوس بن دشمگیر[۱۰] نے اس کے خط کا جواب ان الفاظ میں دیا:''میں تم کو صرف پاخانہ میں یاد کروں گا''۔ناصرالدولہ ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن سیجور نے اس کے خط کے جواب میں اس کی پشت پر سورۂ الکافرون لکھ کر خط لوٹا دیا۔(یعنی تم کافر ہو، تمہیں تمہارا دین مبارک اور مجھے میرا مذہب) اسی طرح خراسان (وماوراء النہر) کے (سامانی) حکمران نوح بن منصور[۱۱] نے اس کے داعیوں کو قتل کروادیا۔مگر خوارزم کے علاقے کے بعض والیانِ ''جرجانیہ'' نے (مصری باطنی کی) دعوت قبول کرلی۔چنانچہ باطنی دعوت میں اس کی شمولیت اس کے لئے منحوس ثابت ہوئی، اس کا ملک چھین گیا اور اس کے ساتھی مارے گئے۔بعد میں یمین الدولہ و امین الملت محمود بن سبکتگین نے ان کے ملک پر قبضہ کرلیا اور وہاں جو باطنی داعی ملے، انہیں قتل کروادیا۔ابوعلی بن سیجور[۱۲] نے خفیہ طریقہ سے باطنیہ کی دعوت قبول کرلی تھی، اسے اپنے اس

کرتوت کا مزا چکھنا پڑا، حاکم خراسان (وماوراء النہر) نوح بن منصور (سامانی) نے اسے گرفتار کر کے امیر سبکتگین کے ہاں بھجوادیا جہاں غزنہ میں اسے قتل کرادیا گیا۔

ابوالقاسم حسن بن علی ملقب بہ دانش مند، نے ابوعلی بن سیمجور کو الباطنیہ کے مذہب کی دعوت دی تھی۔ اسے سامانیوں کے سپہ سالار بکتوزدن نے نیشاپور میں گرفتار کر کے مروادیا۔ اس کے مدفن کا کوئی پتا نہیں۔

امیرک طوسی ''تارودیہ'' کے نواح کا امیر، الباطنیہ کی دعوت میں شامل ہوگیا تھا۔ اسے گرفتار کر کے غزنہ لایا گیا، اسے اسی رات میں قتل کر دیا گیا، جس رات کو ابوعلی بن سیمجور کو قتل کیا گیا تھا۔

ہندستان (اب پاکستان) کے علاقہ میں واقع مولتان (ملتان) کے لوگ الباطنیہ کی دعوت میں داخل تھے، (سلطان) محمود (غزنوی) نے ان پر فوج کشی کر کے، ہزاروں باطنیوں کو قتل کر دیا اور ان کے ایک ہزار آدمیوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ اس طور سے اس خطہ سے باطنیوں کے حامیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اس سے الباطنیہ کی نحوست و بدبختی ان کے بانیوں پر واضح ہوگئی ہے۔ اس سے عبرت پذیروں کو عبرت پکڑنی چاہیئے۔

## باطنیہ کا مقصد:

اپنی اس مبتدعانہ دعوت میں الباطنیہ کی غرض اور اس سے ان کا مقصد کیا ہے، اس بارے میں متکلمین کے مابین اختلاف رائے ہے۔ اکثر متکلمین کی رائے یہ ہے کہ باطنیہ کا اصلی مقصد مجوس کے دین کی دعوت دینا ہے اور وہ ایسا قرآن وسنت کی فاسد تاویلات کے ذریعہ کرتے ہیں۔ ان متکلمین نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ الباطنیہ کا زعیم اول میمون بن ویصان مجوسی تھا اور اہواز میں جو اسیران جنگ ہاتھ آئے تھے اُن کا تعلق انہیں سے تھا۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن

میمون نے لوگوں کو اپنے باپ کے اس دین کی دعوت دی ہے۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ الباطنیہ کے داعی نے جو البزدوی کی نسبت سے مشہور ہے، اپنی کتاب ''المحصول'' میں لکھا ہے کہ مبدع (خالق) اول نے نفس کو ایجاد کیا (اور وہ ثانی ہے)، پھر اول اور ثانی، اس عالم کے مدبر و منتظم ہیں، جو اس وظیفہ کو کواکب ہفت گانہ اور طبائع چہار گانہ کے ذریعہ انجام دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ درحقیقت مجوس کے اس عقیدہ کا مفاد و مطلوب ہے کہ: یزدان نے اہرمن کو پیدا کیا اور وہ اہرمن کے ساتھ مل کر اس عالم کا مدبر و منتظم ہے۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ مجوس کے ہاں یزداں فاعل الخیرات ہے اور اہرمن فاعل الشرور ہے۔''

**باطنیہ صابئین سے متاثر ہیں:**

کچھ متکلمین نے الباطنیہ کو حران کے صابین کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس پر اُن کا استدلال یہ ہے کہ: میمون بن دیصان کے بعد حمدان قرمط، جو الباطنیہ کا داعی ہوا، وہ حران کے صابین سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کی اس موقف پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ: حران کے صابین اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور انہیں صرف ان لوگوں پر افشاء کرتے ہیں، جو اُن کے ہم مذہب ہوں۔ اسی طرح الباطنیہ بھی اپنے دین کو صرف انہیں لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دین پر قائم ہوں اور وہ بھی اس قسم کے بعد کہ وہ ان کے دین کے اسرار و رموز کو غیروں پر افشاء و فاش نہیں کریں گے۔

**باطنیہ دہریہ ہیں:**

(مصنف کتاب) عبدالقاہر کہتے ہیں کہ ہمارے خیال میں جو بات صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ الباطنیہ اپنے دین میں دہریہ، زنادقہ ہیں۔ یہ لوگ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور اس

لئے رسولوں اور تمام شریعتوں کے انکاری ہیں، تا کہ تمام وہ امور جن کی جانب انسانی طبائع مائل ہوں وہ سب ان کے لئے حلال و مباح ٹھہریں۔

ہم نے الباطنیہ کے متعلق جو یہ بات کہی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی کتاب موسوم بہ "السیاست و البلاغ الاکید والناموس الاعظم" میں جو دراصل ایک مراسلہ ہے جسے عبید اللہ بن حسین قیروانی نے سلیمان بن حسن بن سعید جنابی ۱۳ے کے نام لکھا تھا میں نے یہ پڑھا ہے کہ (عبید اللہ نے سلیمان کو) یہ نصیحت کی تھی کہ: "لوگوں کو ان کی قربت حاصل کرنے کی غرض سے اس بات کی دعوت دو جس کی جانب ان کا میلان طبع ہو۔ ان میں سے ہر ایک کو اس وہم میں مبتلا رکھو کہ تم اس میں سے ہو۔ سو ان میں سے جس سے بھلائی کی توقع نظر آئے، اس کے لئے اپنے مذہب سے پردہ اٹھادو۔ اور اگر تمہیں کوئی فلسفی مل جائے تو اس کا بڑا خیال رکھو، کیونکہ انہیں فلاسفہ پر ہمارے مذہب کا دارومدار ہے اور ہم اور وہ انبیاء کے نوامیس کے مسترد کرنے پر اور عالم کے قدیم ہونے کے عقیدہ پر متفق ہیں۔ ہر چند کہ ان فلاسفہ میں سے بعض اس بارے میں کہ عالم کا ایک مدبر ہے، ہم سے اختلاف رکھتے ہیں جبکہ اس مدبر عالم کو ہم نہیں جانتے اور نہ مانتے ہی ہیں۔"

## عقیدۂ آخرت کا ابطال:

(عبید اللہ نے) اس مکتوب میں معاد (آخرت) اور عقاب (عذاب) کے عقائد کا ابطال کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ: "جنت دنیا کی نعمتوں کا نام ہے اور عذاب عبارت ہے اصحاب شرائع (پابند شرع حضرات) کے صلوٰۃ، صیام، حج اور جہاد میں مشغول ہونے سے۔" اس نے اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ: "اہل الشرائع ایسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے۔ اور اس سے ان کو ایک ایسے نام کے سوا جس کا کوئی جسم اور وجود نہیں ہے، کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

(عبید اللہ نے) اس رسالہ میں یہ بھی تحریر کیا ہے: "دہریہ کی عزت کرو کیونکہ وہ ہم میں

سے ہیں اور ہم ان میں سے ہیں۔'' اس سے باطنیہ کا تعلق دہریہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی تاکید مزید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ مجوس اس بات کے مدعی ہیں کہ زرادشت نبی تھا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس طرح صابئین، ہرمس، والیس، زردشیوس، افلاطن اور اور فلاسفہ کی ایک جماعت کی نبوت کے قائل ہیں۔ اور اصحاب شرائع کی تمام اصناف اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ وہ جن کی نبوت کے قائل ہیں ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی اور یہ وحی امر و نہی، موت کے بعد عاقبت کی خبر، ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ جن میں گزشتہ اعمال کا بدلہ ملے گا، جیسے موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں اور انہیں پر مشتمل ہیں۔ اس کے برعکس باطنیہ معجزات کو نہیں مانتے، آسمان سے وحی، امر و نہی لے کر فرشتوں کے نزول کے منکر ہیں، بلکہ وہ اس بات سے ہی انکار کرتے ہیں کہ آسمان میں کوئی فرشتہ ہے بھی۔ وہ ''ملائکہ'' کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ ان کے بدعت پھیلانے والے ''داعی'' ہیں۔ اور شیطان و ابلیس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ ان کے مخالفین ہیں۔

انبیاء کی توہین:

باطنیہ یہ کہتے ہیں کہ: انبیاء ایسے لوگ ہیں، جو سرداری اور زعامت چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی اس سرداری کے حصول کے لئے نبوت اور امامت کا دعویٰ کیا اور عوام الناس پر ناموس (نوامیس فرشتوں، وحی) اور حیلہ سازی (معجزات) کے ذریعہ اپنی زعامت قائم کی۔ ان انبیاء میں سے ہر ایک سات دور (ادوار) والا ہے، جب سات کا دور پورا ہو جائے گا، تو دوسرا دور شروع ہوگا۔ جب یہ باطنیہ نبی اور وحی کا ذکر کرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ: نبی ناطق ہے اور وحی اس کی اساس خارق (پھاڑنے والی بنیاد اور اصل) ہے۔ یہی حارق، ناطق کے نطق کی تاویل اپنی خواہش نفسانی کے مطابق کرتا ہے۔ چنانچہ جو اس کی باطنی تاویل پر عمل کرتا ہے، وہ نیکوکار فرشتوں میں شامل ہے اور جو شخص اس کے ظاہر پر عمل پیرا ہوتا ہے، اس کا شمار کافر شیطانوں میں ہوتا ہے۔

## شریعت کی باطل تاویلات:

بعدازاں ان باطنیہ نے شریعت کے تمام ارکان کی ایسی تاویلیں کیں جن سے گمراہی کو فروغ ملتا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں صلوٰۃ کے معنی اپنے اماموں کی موالات ومحبت ہے۔ حج کی تاویل یہ ہے کہ وہ عبارت ہے امام کی زیارت اوراس کی خدمت میں مشغولیت سے۔ صوم سے مراد امام کے راز کو افشاء کرنے سے رکنا ہے، کھانے پینے سے باز رہنا نہیں ہے۔ اسی طرح باطنیہ کے نزدیک زنا کی تاویل یہ ہے کہ وہ کسی عہد وپیمان کے بغیر ان لوگوں کے راز کو فاش کرنا ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ جس کسی نے عبادت کے مفہوم کو پالیا، اس سے اس کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ اس ضمن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کی کہ: ''اور عبادت کرو اپنے رب کی یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین یعنی موت آ جائے۔ (القرآن سروۃ الحجرات آیت ۹۹)''۔ یقین سے ان کی مراد تاویل کی معرفت ہے۔

## تشکیک پھیلانا:

قیروانی نے سلیمان بن حسن کے نام اپنے مکتوب میں یہ بھی لکھا ہے: ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ لوگوں کو قرآن کریم، تورات، زبور اور انجیل کے متعلق شک وشبہ میں مبتلا کرو۔ ان کو شریعت کے ابطال کی دعوت دو، قیامت اور قبر سے اٹھائے جانے کے عقیدہ کے بطلان کی تبلیغ کرو اور آسمان میں ملائکہ کے وجود اور زمین میں جنات کے وجود کے باطل ہونے کی دعوت دو۔ میں تم کو یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ لوگوں کو یہ باور کراؤ کہ آدمؑ سے قبل بہت سے بشر اور آدمی ہو گزرے ہیں، کیونکہ اس سے تمہیں عالم کے قدیم ہونے کے عقیدہ کی ترویج میں مدد ملے گی۔''

## شریعت محمدی ﷺ کا ابطال:

اس سے ہمارے اس دعویٰ کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے کہ باطنیہ دراصل دہریہ ہیں، عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور صانع (اللہ تعالیٰ) کا انکار کرتے ہیں۔ اور ہم جو یہ کہتے ہیں

کہ باطنیہ کے خیال میں شریعت (محمدی ﷺ) باطل ہو چکی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قیروانی نے اسی خط میں جو اس نے سلیمان بن حسن کو لکھا' یہ بھی لکھا ہے: ''تمہیں یہ بھی لازم ہے کہ انبیاء کی شعبدہ بازیوں اور ان کی متضاد باتوں کا پورا علم رکھو۔ مثلاً عیسیٰ بن مریمؑ نے یہود سے کہا: ''میں موسیٰ کی شریعت کو منسوخ نہیں کروں گا''۔ بعد میں انہوں نے اسے منسوخ کر کے ''سبت'' کے بجائے ''احد'' کو محترم دن قرار دیا۔ اور ''سبت'' کے دن کام کاج کرنے کو مباح و جائز ٹھہرایا۔ اسی طرح انہوں نے موسیٰ کے قبلہ کو اس کے مخالف سمت میں تبدیل کر دیا۔ جب ان کی یوں تبدیلی ہونے لگی اور ان میں تضاد پیدا ہونے لگا، تو یہودیوں نے انہیں قتل کر دیا۔''

## انبیاء کی تذلیل:

(اس کے بعد قیروانی نے اسی خط میں سلیمان بن حسن سے یہ بھی) کہا: ''ذلیل اور عاجز امت کے نبی جیسا نہ ہو کہ جب ان لوگوں نے اس سے روح کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا: ''روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ (القرآن سورۃ الاسراء، آیت ۸۵)''۔ چونکہ وہ یہ بات نہ جانتا تھا اور اسے اس سوال کا جواب نہ معلوم تھا (اس لئے گول مول جواب دیا، قیروانی کا اشارہ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے)۔ اور نہ موسیٰ جیسا ہی ہونا، جس کے پاس اپنے دعویٰ کی سوائے شعبدہ بازی اور حیلہ سازی کے کوئی دلیل و برہان نہ تھی اور جب اس زمانہ کے محقق و عالم (فرعون) نے موسیٰ کے پاس کوئی دلیل و برہان نہ پائی تو کہا: ''اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو الٰہ بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔ (القرآن سورۃ الشعراء آیت ۲۹)''۔ اور اس (فرعون) نے اپنی قوم سے کہا: میں تم لوگوں کا رب اعلیٰ ہوں (القرآن سورۃ النازعات آیت ۲۴)'' یہ باتیں فرعون نے اس لئے کہیں کہ وہ اپنے وقت میں ''صاحب الزمان'' تھا۔

## فحاشی کی تلقین:

(قیروانی نے) اپنے اس مکتوب کے آخر میں لکھا ہے: ''مجھے کسی بات سے اتنا تعجب نہیں

ہوتا جتنا تعجب اس شخص پر ہوتا ہے، جو اپنے عقل مند ہونے کا بھی مدعی ہے اور اس کی ایک خوب صورت بہن یا بیٹی ہو اور اس کے پاس کوئی بیوی ان دونوں جیسی حسین وجمیل نہ ہو، اور وہ انہیں اپنے اوپر حرام کر کے کسی اجنبی اور نووارد سے ان کی شادی کر دے۔ اگر اس نادان کے پاس عقل ہوتی تو اسے معلوم ہوتا کہ وہ کسی اجنبی سے زیادہ اپنی بہن یا بیٹی (سے نکاح کرنے کا) حق دار ہے۔ اس حماقت کی صرف یہ وجہ ہے کہ ان کے صاحب (جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان پر ان پاکیزہ اشیاء کو حرام کر دیا ہے اور انہیں ایسے غائب سے ڈرا دیا ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔ اور یہ غائب ان کا اللہ ہے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور (ان پاک اشیاء سے عدم استفادہ کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے صاحب نے) انہیں قبروں سے اٹھائے جانے، حساب کتاب، جنت، دوزخ کی جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوسکتی، خبریں دی ہیں، اس نے ان کو جلد ہی غلام بنالیا اور انہیں اپنی زندگی میں خادم اور ان کے بعد ان کی اولاد کو بندۂ بے دام بنالیا ہے۔ یوں اس (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کے مال کو یہ کہہ کر اپنے لئے جائز ٹھہرالیا ہے کہ: ''میں اس تبلیغ دین پر تم (کفار قریش) سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر قرابت داری کا تو تم کو لحاظ رکھنا ضروری ہے (القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۳)''۔ اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ نقد کا تھا (نعوذ باللہ یعنی رسول اکرم علیہ السلام نے اپنا معاوضہ مسلمانوں سے نقد وصول کرلیا) اور ان لوگوں کا اس کے ساتھ معاملہ ادھار کا رہا (یعنی نعوذ باللہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ادھار پر ٹرخا دیا) اسی طرح اس نے ان لوگوں سے اپنی جانوں اور مالوں کے خرچ کرنے میں ایسی چیز کے وعدہ پر جو کبھی نہیں ہوگی، عجلت اور جلدی کی خواہش کی۔ کیا جنت اس دنیا کی نعمتوں کا نام نہیں ہے؟ اور کیا دوزخ ان اذیتوں اور تکلیفوں کا نام نہیں ہے جن میں شریعت کے عاملین صلوٰۃ، صیام، جہاد اور حج کر کے مبتلا ہیں؟''

بعدازاں سلیمان بن حسن کے نام اسی خط میں قیروانی نے کہا ہے کہ: ''تم اور تمہارے

دینی بھائی ہی وارث ہیں کہ فردوس کو میراث میں پائیں گے اور تم نے اس دنیا میں جنت کی نعمتوں اور لذتوں کو ورثہ میں پایا ہے، جن کو اصحاب النوامیس (انبیاء) کی شریعت کے پابند لوگوں نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے، سو تم کو مبارک ہو کہ تم نے ان کے امور سے راحت و آرام پایا (یعنی محرمات شرعیہ کی پابندی سے تمہیں نجات مل گئی اور ارتکاب محارم سے تمہیں لذت دنیوی سے بہرۂ وافر ملا)''۔

## محرمات شرعیہ کی اباحت:

ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ الباطنیہ کا مطمح نظر یہ ہے کہ دہریہ کے مذاہب کی ترویج کی جائے، محرمات شرعیہ کو مباح و حلال کرلیا جائے اور عبادت کو یکسر ترک کر دیا جائے۔

## ابلہ فریبی کے مدارج:

الباطنیہ نے عوام کو شکار کرنے اور انہیں اپنے مذہب کی دعوت دینے کی غرض سے حیلے اور بہانے کے مختلف مدارج وضع کر رکھے ہیں اور انہیں تفرس، تانیس، تشکیک، تعلیق، ربط، تدلیس، تاسیس، المواثیق بالایمان والعہود اور خلع و سلخ کے مدارج و مراتب میں تقسیم کر رکھا ہے۔

### درجہ تفرُّس:

''تفرس'' سے یہ مراد ہے کہ: داعی کو تلبیس (مکروفریب) میں قوی ہونا چاہیئے۔ اسے (نصوص کے) ظاہری تاویلات سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے، تاکہ انہیں (معنی و تاویل) باطن کی طرف لوٹا سکے۔ اسی کے ساتھ اسے اس شخص کے جسے گمراہ کرنے کی توقع ہو اور اس کے درمیان جسے بہکانے اور فریب دینے کی کوئی امید نہ ہو، تمیز اور فرق کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیئے۔ اس بناء پر باطنیہ نے اپنے داعیوں کے لئے جو وصایا (ہدایات) تحریر کی ہیں، ان میں کہا گیا ہے: جس گھر میں ''سراج'' (چراغ) ہو وہاں اپنے مذہب کی باتیں نہ کرنا''۔ سراج سے

ان کی مراد ایسا شخص ہے جو علم کلام سے واقف اور دین میں نظر و قیاس کے اصول سے آگاہ ہو۔ انہوں نے اپنے داعیوں کو یہ بھی ہدایت دی ہے کہ: "اپنے بیج کو بنجر زمین میں نہ پھینکو"۔ اس جملہ سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے داعیوں کو اس شخص کے سامنے نہ ظاہر کریں جس پر ان کے مبتدعانہ خیالات کچھ اثر نہ کریں جیسے کہ بنجر زمین میں تخم پھینکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ان لوگوں نے اپنے بے عقل متبعین کے دلوں کو زرخیز زمین کا نام دیا ہے کیونکہ وہ ان کی بدعات کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مثال اگر الٹ دی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اور وہ یہ کہ صاف و پاک قلوب ہی صحیح دین اور سیدھے راستے کو قبول کرتے ہیں اور گمراہوں کے شک و شبہ پیدا کرنے سے بالکل متاثر نہیں ہوتے۔ ان کی مثال زر خالص کی ہے جو پانی میں زنگ آلود نہیں ہوتا، مٹی میں گرنے سے بوسیدہ نہیں اور آگ میں ڈالے جانے سے کم نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف بنجر زمین باطنیوں کے قلوب اور تمام زنادقہ کی طرح ہے، جن میں نہ عقل روکتی ہے اور نہ شرع باز رکھتی ہے، سو وہ گندگیوں اور ناپاکیوں کا ڈھیر ہیں، مردے ہیں، زندہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یہ لوگ چوپایوں کی طرح، بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔ (القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۴۴)"۔ انہیں روزی میں اس ذات نے حصہ دیا ہے، جو سوروں کو ان کی چراگاہوں میں روزی مہیا کرتا ہے اور جنگلوں میں جڑی بوٹیاں فراہم کرتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے): "اللہ جو کچھ کرتا ہے، اس پر اس سے کوئی پوچھ نہیں کر سکتا، بلکہ بندے جو کچھ کرتے ہیں، ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (القرآن، سورۃ الانبیاء، آیت ۲۳)"۔

باطنیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ان کے مذہب کے داعی کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ تمام طریقوں سے آگاہ ہو جن سے مختلف اصناف کے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے، کیونکہ ہر قسم کے لوگوں کو ایک ہی انداز میں دعوت نہیں دی جا سکتی، بلکہ ہر قسم کے لوگوں کو الگ الگ انداز سے مذہب باطنیہ کی دعوت دینی چاہئے۔ چنانچہ داعی جس شخص کو دیکھے کہ وہ عبادت گزاری کی جانب مائل ہے، تو اسے زہد اور عبادت پر آمادہ کرے گا۔ پھر عبادات کے معانی اور فرائض کے اسباب سے متعلق اس سے دریافت کر کے اس کے بارے میں اسے شک و شبہ میں مبتلا کر دے گا۔ اسی

طرح جسے بے شرم اور مسخرہ پائے گا، اس سے کہے گا: ''عبادت بے وقوفی اور حماقت ہے اور عقل مندی لذات کے حصول میں مضمر ہے''۔ اور اسے شاعر کا یہ شعر سنائے گا:

''جو شخص لوگوں سے ڈرے گا وہ غم و رنج سے مر جائے گا۔ مگر جو دلیر اور ہمت والا ہے، وہ لذتوں کو پا لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

اسی طرح (باطنی داعی) جس کو دین میں شک کرنے والا پائے گا، یا اسے آخرت (معاد)، ثواب و عذاب سے متعلق مذبذب دیکھے گا تو ان چیزوں کی نفی و بے حقیقتی کی اس کے سامنے تصریح و وضاحت کرے گا۔ اسے محرمات کے جائز و مباح کر لینے پر اکسائے گا اور اس کے ساتھ شاعر ظریف کے ان شعروں سے سکون حاصل کرے گا۔

''کیا میں شراب کے مزے کو مفت میں، اس گوشت و شربت کی خاطر چھوڑ دوں جس کا کہ لوگ وعدہ کر رہے ہیں؟

زندگی، پھر موت اس کے بعد دوبارہ حساب کتاب کے لئے اٹھایا جانا، جانِ من! یہ بے سرو پا بات ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔''

اگر (باطنی داعی کو) ایسا شخص مل جائے جو غالی رافضی ہے، مثلاً سبئیہ، بیانیہ، مغیریہ، منصوریہ یا خطابیہ کے گروہوں سے تعلق رکھتا ہے، تو اس کے ساتھ اسے آیات قرآنی یا اخبار کی تاویل کی کوئی ضرورت نہ پیش آئے گی، کیونکہ وہ انہیں باطنیہ کے گمراہ کن انداز میں ان کی باطل تاویلیں کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی زیدی یا امامی شیعہ ٹکرا جائے جو جلیل القدر صحابہ کرامؓ پر طعن کرتا ہو اور الزام لگاتا ہو، تو صحابہ کو گالی بک کر اس کے دل میں جگہ بنائے گا اور اس کے لئے (قریش کے) بنی تیم، کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے ہے اور (قریش کے) بنی عدی، جس سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نسبی تعلق ہے، کے بارے میں بغض وعناد کی باتیں کرے گا اور اس کے دل میں بنوامیہ کی کینہ توزی و عداوت کو ہوا دے گا، کہ حضرت عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہما کا نسلی تعلق اسی قبیلہ سے ہے۔ ہمارے زمانہ میں باطنی، اسماعیل بن عباد کے ان شعروں سے بڑی طمانیت و سکون محسوس کرتا ہے۔

”وصی (علی) کی محبت میں اور اولاد وصی کی افضلیت کی پاداش میں، میرے لئے دوزخ میں پھونک دیا جانا،

اس بہشت سے زیادہ پسندیدہ اور من پسند ہے، جس میں بنو تیم اور بنی عدی کے ساتھ میں ہمیشہ ہمیشہ رکھا جاؤں۔“

عبدالقاہر کہتے ہیں کہ اس شاعر (اسماعیل بن عباد) کو میں نے ان اشعار میں جواب دیا ہے۔

”کیا تم باغ بہشت میں جانے کی طمع کرتے ہو؟ حالانکہ تم بنوتیم اور بنوعدی کے دشمن ہو (کہ ان کے دشمنوں پر جنت حرام ہے)۔

انہوں نے تمہیں بنوثمود سے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہوئے، زیادہ بدبخت بنا کر چھوڑا ہے اور تمہیں مجہول النسب شخص سے بڑھ کر رسوا کر دیا ہے۔

کل روز قیامت میں تم آتش دوزخ میں جلو گے، کیونکہ نبی اکرم علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے (صدیق) تم سے سخت نفرت کرتے ہیں۔“

اسی طرح (باطنی داعیوں میں سے کسی) داعی نے اگر کسی ایسے شخص کو دیکھا جو حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے حسن عقیدت رکھتا ہے، تو وہ ان دونوں اصحاب کی تعریف کرے گا اور کہے گا کہ ان دونوں حضرات کو شریعت کی تاویل کا حق حاصل ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غار (ثور) میں اپنے ساتھ رکھا، پھر اپنے ساتھ مدینہ لے گئے اور غار میں قیام کے دوران میں انہیں اپنی شریعت کی تاویل کی ذمہ داری تفویض کی۔

اب اگر حضرات ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما سے عقیدت رکھنے والا شخص، اسی باطنی داعی سے اس تاویل کے متعلق جوان دونوں حضرات کو تفویض کی گئی، دریافت کرے گا، تو داعی مذکور اس شخص سے اس بات کے پوشیدہ رکھنے کا، جسے وہ اس پر ظاہر کرنے جا رہا ہے، طرح طرح کے عہد و پیمان لے گا اور پھر بتدریج اس پر بعض تاویلات کو افشاء کرے گا۔ اگر وہ شخص ان تاویلوں کو قبول کرے گا تو باقی تاویلوں کو بھی اس پر فاش کر دے گا، اگر وہ اس کی پہلی تاویل کو نہ مانے گا، تو باقی تاویلات اس سے روک لے گا اور انہیں اس سے چھپا لے گا۔ اس سے

نادان شخص ارکانِ شریعت کے متعلق شک وشبہ کا شکار ہو جائے گا۔

جن لوگوں میں باطنیہ کے مذہب کو رواج ملتا اور اسے فروغ حاصل ہوتا ہے، کئی اصناف کے ہیں:۔

اول:۔عوام الناس جنھیں اصول علم ونظر میں بصیرت حاصل نہیں ہے، مثلاً نبطی (عراق کے بیوپاری اور اہل حرفہ)، کرد (پہاڑی باشندے، محنت مزدوری کرنے والے اور حمال) اور مجوس کی اولاد (آتش پرست، دو خداؤں کے پوجنے والے اور زنادقہ)۔

دوم:۔شعوبی مسلک سے وابستہ عجمی جو عربوں پر عجمیوں کی برتری کے قائل ہیں اور یہ تمنا رکھتے ہیں کہ کاش اہل عجم کی حکومت دوبارلوٹ آئے (اور ان کا مذہب، ان کی ثقافت اور تہذیب پھر عربوں پر چیرہ دست وغالب ہو جائے)۔

سوم: (عربوں کے قبیلہ) بنوربیعہ کے جہال جو (عربوں کے قبیلہ) مضر سے اس لئے عداوت رکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے عبداللہ بن خازم سلمی نے خراسان میں خطبہ دیتے ہوئے کہا تھا:''جب سے اللہ تعالیٰ نے مضر میں اپنے نبی کو مبعوث کیا ہے، بنوربیعہ اللہ تعالیٰ سے سخت ناراض ہیں۔مضر سے ربیعہ کے اس حسد ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ (ان کی شاخ) بنوحنیفہ نے اس طمع میں مسیلمہ کذاب کی نبوت کی بیعت کرلی کہ جس طرح مضر کے قبیلے میں نبی ہوئے ہیں، شاید ربیعہ میں بھی کوئی نبی ہو گزرے۔'' جب فریب خوردہ عجمی یا حاسد وکینہ توز ربعی' باطنی داعی سے مانوس ہو جائے گا تو وہ اس سے کہے گا:''تمہاری قوم مضر سے زیادہ حکومت کرنے کی مستحق ہے۔'' اب وہ (عجمی یا ربعی) اس (باطنی) سے دریافت کرے گا کہ کس طرح بادشاہی اس کی قوم کو واپس مل سکتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں باطنی داعی اس سے کہے گا:''مضر کی شریعت کی ایک انتہاء ہے اور اس کے ختم ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور اس کے خاتمہ کے بعد بادشاہی تمہیں واپس مل جائے گی۔ اس کے بعد (باطنی داعی) اس شخص سے اسلامی شریعت کے انکار کی تاویل بتدریج بیان کرے گا۔ اور جب وہ (عجمی یا ربعی) اس کی اس بات کو مان لے گا، تو صریح ملحد ہو جائے گا، عبادات کی ادائیگی

اُسے گراں گزرے گی اور محرمات کی حلت واباحت اس کے لئے بڑی لذت دہ بن جائے گی۔ باطنیہ کے ''درجہ تفرس'' کی یہ تفصیل ہے۔

روح، تانیس اور تشکیک:

باطنیہ کے ہاں ''درجہ تانیس'' ''درجہ تفرس'' سے قریب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا اپنا جو مذہب ہو، اسے اس کی نگاہ میں آراستہ پیراستہ کر کے دکھایا جائے، پھر (داعی) اس سے اس کے اعتقادات کی تاویل کے متعلق پوچھے گا اور اس کے دین کے اصول کے بارے میں اس میں شک وشبہ پیدا کرے گا۔ اب اگر جسے دعوت دی جارہی ہے، وہ اس باطنی داعی سے اس کا سبب دریافت کرے، تو وہ کہے گا کہ اس کا علم ''امام'' کے پاس ہے۔ اس طور سے اس شخص کو تشکیک کے درجہ میں پہنچا کر اسے شک میں مبتلا کر دے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص کو دعوت دی جا رہی ہے، وہ یہ اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو جائے گا کہ ''ظواہر'' اور ''سنن'' کے وہ معانی ومطالب نہیں ہیں جو لغت کی کتابوں میں درج ہیں، بلکہ ان سے مراد (ان لغوی معانی ومفاہیم) کے سوا کچھ اور ہیں۔ اس کی وجہ سے اس شخص کے لئے (جسے باطنی داعی اپنے مذہب کی دعوت دے رہا ہے) ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب اور عبادات کا ترک حد درجہ آسان ہو جائے گا۔

الربط:

باطنیہ کے نزدیک ''الربط'' کے معنی مدعو (جسے دعوت دی جارہی ہے) کے نفس کو شریعت کے ارکان کی تاویل کی طلب کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے۔ (یعنی وہ ارکان شریعت کی تاویل کے لئے مضطرب رہے گا' اور داعی سے اسے طلب کرے گا)۔ اب یا تو وہ شخص باطنی کی کی ہوئی تاویل کو قبول کرلے گا (اور گمراہ ہو جائے گا) یا پھر شک وشبہ میں عمر بھر مبتلا رہیگا (اور یوں گمراہی کا شکار ہو جائے گا)۔

درجہ تدلیس:

باطنیہ کے ہاں ''درجہ تدلیس'' کے یہ معنی ہیں کہ وہ فریب خوردہ اور اصول نظر واستدلال

سے ناواقف آدمی سے کہیں گے کہ (شریعت کے) ظواہر (ظاہری مفاہیم) عذاب ہیں اور ان کے باطن میں رحمت ہے۔ بعدازاں اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کریں گے کہ: ''حساب کتاب کے بعد منافقین اور مومنین میں دوزخ اور جنت کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا جس کا اندرونی حصہ (کہ جنت ہے) رحمت ہوگا اور بیرونی حصہ (کہ جہنم ہے) عذاب ہوگا (القرآن، سورۃ الحدید، آیت ۱۳)''۔ اب اگر وہ فریب خوردہ جاہل ان باطنیہ سے ''باطن باب'' کی تاویل کے بارے میں دریافت کرے گا تو یہ لوگ کہیں گے: ''اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے رسولوں سے عہد و میثاق لیتا ہے۔ اسی لئے اس نے کہا ہے: ''اور جب ہم نے انبیاء سے اور آپ ﷺ سے میثاق و پیمان باندھا اور نوح سے' ابراهیم سے' موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے پیمان باندھا اور ان سے بڑا سخت عہد لیا (القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت ۷)''۔ اور یہ باطنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد دلائیں گے: ''اور نہ توڑ دقسموں کو انہیں موکد و پابند بنانے کے بعد اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ذمہ دار اور ضامن بنایا ہے۔ بیشک تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اسے اللہ جانتا ہے۔ (القرآن، سورۃ النحل، آیت ۹۱)''۔ چنانچہ اگر وہ فریب خوردہ ناواقف شخص ان سے، طلاق اور عتاق (غلاموں اور باندیوں کے آزاد کرنے) اور اپنے تمام اموال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی سخت قسمیں کھالیتا ہے، تو وہ لوگ اسے ان پیمانوں سے باندھ دیں گے اور اسے ایسی تاویلات سے آگاہ کریں گے جن سے ان کے خیال میں ظاہری شریعت کا عمل دخل جاتا رہے گا۔ اگر وہ احمق ان کی اس بات کو مان لے گا، تو وہ باطنی طور پر ان زنادقہ کے دین میں داخل ہو جائے گا اور ظاہری طور سے اپنے کو اسلام میں چھپائے رہے گا اور اگر یہ قسم کھانے والا باطنی زندیقوں کی ان تاویلات سے نفرت و کراہت محسوس کرے گا، تو وہ اسے ان لوگوں سے چھپائے گا، کیونکہ اس نے ان سے ان کے ان اسرار کے پوشیدہ رکھنے کا جنہیں انہوں نے اس پر ظاہر کیا ہے، عہد و پیمان کیا ہے۔ جب وہ شخص باطنیہ کے ان اقوال کو قبول کرلے گا تو وہ لوگ اس سے حلف لیں گے اور اسے دین اسلام سے کھینچ کر نکال لیں گے۔ اور اس وقت اس سے کہیں گے: ''کہ (شریعت کا) ظاہر چھلکا ہے

اور اس کا باطن اس کا گودا ہے۔ ظاہر ہے کہ گودا، چھلکے سے بہر حال اچھا ہوتا ہے۔"

## باطنیہ کا طریق فریب:

عبدالقاہر کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے جو باطنیہ کی دعوت میں داخل ہوگیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے راہ راست کی توفیق عطاء کی اور اسے ان کی قسموں کو توڑنے کی ہدایت کی، یہ بات بتائی کہ جب باطنیہ کو اس کی قسموں پر پورا وثوق ہوگیا، تو اس سے کہا: "کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ و محمد اور تمام مدعیان نبوت پر ایمان لانے والے لوگ (برسر ضلالت ہیں کیونکہ) یہ لوگ فرشتوں کی آمد کا اور خارق عادات امور کا دعویٰ کرنے والے تھے اور چاہتے تھے کہ عوام الناس کی انہیں زعامت و ریاست حاصل ہو جائے، چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو نیرنجات، شعبدہ بازیوں اور معجزات سے فریب میں مبتلا کیا اور اپنی شریعتوں کے ذریعہ انہیں غلام بنالیا۔ (عبدالقاہر کہتے ہیں کہ) اس کے بعد اس شخص نے مجھے بتایا کہ: "جس باطنی نے مجھ پر یہ راز فاش کیا تھا، اپنی ہی بات کی یہ کہہ کر تردید کردی کہ: "تمہیں یہ جان لینا چاہئے کہ یہ محمد بن اسماعیل بن جعفر تھا، جس نے موسیٰ بن عمران کو "شجرہ" (درخت طور) سے یہ کہہ کر پکارا تھا: "بیشک میں تیرا رب ہوں، سو اپنے جوتے اتار دے، کہ تو طویٰ کی پاک وادی میں ہے (القرآن، سورۂ طہ، آیت ۱۲)"۔ اس پر اس بیان کرنے والے نے اسی باطنی سے کہا: "تو مجھے رب قدیم سے کفر کی جانب بلا رہا ہے جس نے اس عالم کو پیدا کیا ہے اس کے بعد تو مجھے ایک مخلوق شخص کی ربوبیت کی دعوت دے رہا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنی پیدائش سے بھی پہلے اللہ تھا اور موسیٰ کو رسول بنا کر بھیج رہا تھا؟ سو اگر تیرے خیال میں موسیٰ شعبدہ باز اور جادوگر تھے تو جس نے انہیں رسول بنا کر بھیجا تھا وہ ان سے زیادہ جھوٹا ہوا۔" یہ سن کر اس باطنی نے مجھ سے (بیان کرنے والے سے) کہا: "تو کبھی فلاح نہیں پا سکتا"۔ اور وہ مجھ پر اپنے اسرار فاش کر کے پشیمان ہوا اور میں نے ان باطنیہ کی بدعتوں سے توبہ کر لی۔"

یہ بیان اور تفصیل ہے ان حیلوں اور بہانوں کی جو باطنیہ اپنے پیروؤں کے ساتھ کرتے

ہیں۔ جہاں تک ان کے ایمان (یمین، قسم، حلف) کا تعلق ہے، تو وہ یہ ہیں کہ باطنی داعی حلف اٹھانے والے سے کہتا ہے:۔

باطنیہ کا حلف:

''تم نے اپنی ذات پر، اللہ کے عہد و پیمان اور اس کی ضمانت، اس کے رسولوں کی ضمانت اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر جو عہد و پیمان باندھا ہے اس کی پابندی کو لازم کیا ہے اور تم پر ان سبھی کی ذمہ داری و پابندی ہے کہ تم جو کچھ مجھ سے سنو گے، جو میرے امور کو جانو گے، جو امام سے متعلق جانو گے کہ وہی ''صاحب زمان'' ہے اور اس کے متبعین کے بارے میں جو اس شہر میں ہیں اور تمام ممالک میں ہیں اور اس کے مرد و زن اطاعت گزاروں کے بارے میں جو کچھ بھی سنو گے، ان سب کو پوشیدہ رکھو گے۔ ان تمام میں سے نہ کم کو اور نہ زیادہ کو ظاہر کرو گے اسی طرح کسی کنایہ و اشارے سے بھی ایسی بات نہ ظاہر کرو گے جس سے ان کا پتا چلے۔ ماسوا ان باتوں کے جن کے اظہار کی صاحب زمان نے اجازت دی ہو یا ان کے ظاہر کرنے کی امام کے ماذون (اجازت یافتہ، ایجنٹ) داعی نے اجازت دی ہو۔ تم اس وقت ان امور میں اسی حد تک عمل کرو گے جس حد تک تمہیں اس کی اجازت دی گئی ہو۔ تم نے اپنی ذات پر اس پیمان کی پابندی اور اسے پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہے۔ تم رضا و غضب، رغبت و رہبت (خوف) دونوں حالتوں میں اس کے پابند رہو گے۔'' یہ سب سن کر حلف اٹھانے والا ''ہاں'' کہے گا۔ جب وہ ''ہاں'' کہے گا تو داعی کہے گا: ''تم نے اپنی ذات پر یہ پابندی بھی قبول کر لی ہے کہ تم میری اور تمام ان لوگوں کی جن کے میں نام لوں گا، اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح کہ تم اپنی ذات کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر اللہ کے عہد و پیمان، اس کا ذمہ، اس کے رسولوں کا ذمہ ہے اور تم ان کے پابند رہو گے۔ تم اس بات کے بھی پابند ہو گے کہ ان لوگوں کے ظاہری و باطنی طور سے ہمدرد و بہی خواہ ہو گے۔ تم امام کی، اس کے اولیاء (دوستوں) کی اور اس کے اہل دعوت کے ساتھ نہ ان کی جانوں میں اور نہ ان کے مالوں میں خیانت کرو گے۔ تم ان عہد و پیمان کی کوئی تاویل نہ

کرو گے اور نہ انہیں توڑنے کا سوچو گے اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی کی، تو تم اللہ سے، اس کے رسولوں سے، اس کے ملائکہ سے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں سے بَری اور لاتعلق ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے بھی خلاف کرو گے جنھیں ہم نے تمہارے سامنے ذکر کیا ہے تو تم پر اللہ کی جانب سے یہ لازم آئے گا کہ تم بطور نذر واجب کے بیت اللہ کے سوحج پیدل کرو۔ اور اس وقت تمہارے تمام اموال فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات ہو جائیں گے، جس دن تم اس عہد کی خلاف ورزی کرو گے اور اس کے بعد تمہارے تمام لونڈی غلام آزاد متصور ہوں گے۔ تمام عورتیں جو اس وقت یا خلاف ورزی والے دن یا اس کے بعد تمہارے نکاح میں آئیں گی ان سب کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس حلف سے متعلق اللہ تمہاری نیت اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اس پر شاہد و گواہ ہے۔'' اس پر حلف اٹھانے والا اگر ''ہاں'' کہے گا تو داعی اس سے کہے گا: ''ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کے کافی ہے۔''

## باطنی حلف کی حقیقت:

اگر نادان و بے علم شخص یہ حلف اٹھالے گا تو یہ گمان کرے گا کہ اسے توڑنا ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ اس نادان کو یہ نہیں معلوم کہ اس کے اس عہد و پیمان کی باطنیہ کے نزدیک کوئی حیثیت اور کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک انہیں توڑ دینے میں کوئی گناہ، کوئی کفارہ، کوئی شرم اور آخرت میں کوئی سزا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی قسم کھانے کی ان کے ہاں کوئی حرمت و عزت کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ وہ لوگ اللہ قدیم کے بلکہ عالم کے حادث ہونے کے اقراری نہیں ہیں، نہ وہ یہ مانتے ہیں کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب نازل ہوئی ہے اور نہ کوئی رسول ہے جس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ پھر مسلمانوں کی قسموں کی ان کی نگاہوں میں کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ کیونکہ ان کا دین انہیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان کا وہ زعیم جس کی یہ دعوت دیتے ہیں، وہی ان کے عقیدہ میں اللہ رحمان و رحیم ہے۔ اور ان میں سے

جس کا جھکاؤ مجوس کے دین کی جانب ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جس کے بالمقابل شیطان ہے جو اس پر غالب آ گیا ہے اور اس کی بادشاہی پر اس سے لڑائی لڑی ہے۔ اسی طرح حج اور عمرہ کی منت و نذر ماننے کی ان کے نزدیک کیا حیثیت ہوگی، جبکہ وہ لوگ کعبہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں مانتے اور نہ اس کی کوئی عزت کرتے ہیں، بلکہ جو لوگ حج و عمرہ کرتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں (اور ان کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں، انہیں قتل کر دیتے، خانہ کعبہ کو غارت کرتے اور حجر اسود کو اٹھا لے جاتے ہیں)؟ یہی حال طلاق کا ہے۔ ان لوگوں کے عقیدہ کی رو سے طلاق کی کیا حرمت و عزت ہے؟ وہ تو ہر عورت کے ساتھ مباشرت کو کسی عقد نکاح کے بغیر ہی حلال و جائز سمجھتے ہیں۔ یہ تفصیل ہے ان قسموں، عہدوں اور پیمانوں کی جو باطنیہ کے ہاں ہیں اور یہ ہے ان کے حکم کا بیان۔

جہاں تک اہل اسلام کے نزدیک قسموں کا حکم اور حیثیت ہے، تو ہم کہتے ہیں: ہر حلف اور قسم جو حلف بردار ابتداء میں اپنی مرضی سے اٹھاتا ہے، اس کا مدار اس کی نیت پر ہوتا ہے۔ مگر ہر وہ حلف جو وہ قاضی یا حاکم کے سامنے اٹھاتا ہے، اس پر غور کیا جائے گا۔ اگر اس حلف کا تعلق کسی مدعی کے اس دعوی سے ہو جس کا مدعی علیہ انکاری ہے اور مدعی، مدعیٰ علیہ پر ظلم کر رہا ہو تو ایسی صورت میں حلف بردار کی قسم اور اس کے حلف کا انحصار و مدار اس کی نیت پر ہوگا۔ لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ مدعی سچا ہو اور مدعا علیہ کہ انکاری ہے مدعی پر ظلم کر رہا ہو، تو منکر (انکاری) کی قسم و حلف کا انحصار اس قاضی یا حاکم کی نیت پر ہوگا جس نے اس سے حلف اٹھوایا ہے اور یہ حلف اٹھانے والا شخص اپنی قسم و حلف میں جھوٹا ٹھہرے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

جب یہ مقدمہ صحیح و درست ٹھہرا تو باطنیہ کے دین سے بحث و تمحیص کرنے والا شخص (اور ان کے اخفاء پر حلف لینے والا) جب لوگوں پر باطنیہ کی بدعات کے ظاہر کرنے کا قصد کرے گا یا ان کے عہد کو توڑنے کا ارادہ کرے گا، تو اسے اس کی قسم میں (پابندی کے لئے) معذور سمجھا جائے گا اور اس کی اس قسم کا انحصار اس کی نیت پر ہوگا۔ اگر اس میں مشیئت الٰہی کا اس نے استثناء (انشاء اللہ) کر دیا ہو تو اس پر اس کے عہد و حلف کی پابندی نہ ہوگی اور باطنیہ کے اسرار

لوگوں پر فاش کر کے وہ اس قسم میں حانث (قسم توڑنے والا) نہ ہوگا، نہ اس کی عورتوں کو طلاق ہوگی، نہ اس کے غلام اور باندی آزاد ہو جائیں گے اور نہ اس پر مال کا صدقہ واجب ہوگا۔ پھر باطنیہ کا ''رئیس'' مسلمانوں کے نزدیک ''امام'' نہیں ہے اور جس کسی نے اس کے اسرار فاش کیے اس نے کسی امام کے راز افشاء نہیں کیے بلکہ اس نے ایک کافر اور زندیق کے اسرار کو افشاء کیا۔ حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہوا ہے: ''فاسق کو اسی نام سے یاد کرو جس سے وہ لوگوں کو ڈراتا ہے''۔ یہ تفصیل ہے باطنیہ کے قسم وحلف سے متعلق ناواقفوں کو فریب دینے کی۔

### باطنیہ کی عیاریاں:

جہاں تک باطنیہ کے ان حیلوں کا تعلق ہے جن کے ذریعہ وہ ناواقفوں اور جاہلوں کے دلوں میں شک وشبہہ پیدا کرتے ہیں، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ان ناواقفوں اور جاہلوں سے احکام شریعت کے مسائل کے بارے میں ایسے سوال کرتے ہیں جن سے انہیں وہ ان کے ظاہری معانی ومفاہم کے خلاف وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

### محسوسات کے متعلق:

زیادہ تر وہ لوگ محسوسات سے تعلق رکھنے والے مسائل کے متعلق سوال کر کے انہیں اس وہم وشک میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ان میں ایسی معلومات وعلوم ہیں جنھیں صرف اُن کا رئیس ہی جانتا ہے۔ ان مسائل میں سے داعی کا اس ناواقف وجاہل شخص سے یہ قول ہے کہ: ''انسان کے دو کان اور ایک زبان کیوں ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ مرد کا ایک آلہ تناسل اور دو خصیے ہوتے ہیں؟ پٹھے (اعصاب) دماغ سے متصل کیوں ہیں؟ گردن کی رگیں جگر سے متصل کیوں ہیں؟ اور شرائین قلب سے متصل کیوں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ انسان کے بالائی اور زیرین پپوٹوں پر بال اگتے ہیں جبکہ دوسرے تمام حیوانات کے زیرین پپوٹوں کے بجائے صرف بالائی پپوٹوں پر بال اگتے ہیں؟ انسان کی پستان اس کی چھاتی پر کیوں ہوتی ہے، جبکہ چوپایوں کی پستانیں ان کے پیٹوں میں ہوتی ہیں؟ کیا سبب ہے کہ گھوڑے کے نہ تو گلٹیاں ہوتی ہیں، نہ جگالی کی اوجھ ہوتی ہے اور نہ

ابھری ہوئی پستانیں ہی ہوتی ہیں؟ ان جانوروں میں جو انڈے دیتے ہیں اور ان جانوروں میں جو بچے جنتے ہیں اور انڈے نہیں دیتے کیا فرق ہے؟ دریائی اور سمندری مچھلیوں میں کیسے تمیز کی جاتی ہے؟ ایسے بہت سے سوالات ہیں، جن سے یہ باطنیہ ناواقفوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ان سب کا علم صرف ان کے ''رئیس'' (زعیم) کو حاصل ہے (عہد حاضر کے تجربات اور سائنسی انکشافات کے بعد ان مغالطہ آمیز سوالوں کی رکاکت الم نشرح ہوگئی ہے۔ (مترجم)

## قرآن کریم کے متعلق سوالات:

قرآن کریم سے متعلق یہ لوگ جو سوالات کرتے ہیں، ان میں حروف مقطعات کے بارے میں، جو سورتوں کے آغاز میں ہیں، مثلاً الم، حم، طس، یس، طہ، کھیعص (وغیرہ) یہ پوچھتے ہیں: ''کہ ان کے معانی کیا ہیں؟'' کبھی (یہ باطنی داعی اُن ناواقفوں سے) یہ بھی سوال کرتے ہیں کہ: ''حروف تہجی میں سے ہر ایک کے کیا معنی ہیں اور حروف تہجی کے انتیس (۲۹) حروف کیوں ہیں؟ کیا سبب ہے کہ بعض حروف پر نقطے لگے ہوئے ہیں اور بعض نقطوں سے خالی ہیں؟ اور ان حروف میں سے کچھ کیوں اپنے بعد والے حرف سے مل جاتے ہیں (وصل)؟'' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ (یہ باطنی داعی) مرد ناواقف و نادان سے یہ سوال پوچھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ: ''اٹھائے ہونگے تیرے رب کے عرش کو اپنے اوپر اس روز آٹھ فرشتے (القرآن، سورۃ الحاقہ، آیت ۱۷) کیا معنی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جنت کے آٹھ اور دوزخ کے سات دروازے کیوں بنائے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ: ''اس کے نگراں انیس ۱۹ فرشتے ہوں گے (القرآن سورۃ المدثر، آیت ۳۰)'' اس عدد کا آخر فائدہ کیا ہے؟'' کبھی کبھی وہ ان آیات کے بارے میں سوال کریں گے جن میں ان کے وہم (فاسد) کے مطابق تضاد و تناقض ہے اور ان کے خیال میں اسی تناقض کی تاویل صرف ان کے رئیس ہی کو معلوم ہے (حالانکہ ان آیتوں میں کسی قسم کا تناقض نہیں ہے، بلکہ یہ ان غلط معنوں کا اثر ہے جو

باطنیہ نے انہیں پہنا (رکھے ہیں) مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ''پس قیامت کے دن (لوگوں کے اعمال ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے)۔ کسی انسان یا فرشتے سے اس کے گناہ کے بارے میں دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی (القرآن، سورۃ الرحمان، آیت ۳۹)''۔ اور ایک دوسرے مقام پر اس کا یہ فرمان کہ: ''پس تیرے رب کی قسم ہم ان سبھوں سے ان کے اعمال کے متعلق پوچھیں گے۔ (القرآن، سورۃ الحجر، آیت ۹۲)''۔

مسائل فقہی کے بارے میں سوالات:

جس قسم کے سوال (یہ باطنی داعی) پوچھتے ہیں، ان میں احکام فقہی کے بارے میں ان کے سوالات ہیں کہ: ''آخر کیا سبب ہے کہ صلوٰۃ فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں؟ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کیوں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ وضو میں چار اعضاء کا دھونا فرض ہے جبکہ تیمّم میں صرف دو اعضاء پر تیمم کرنا فرض ہے؟ منی خارج ہونے پر غسل کیوں واجب ہے، حالانکہ وہ اکثر مسلمانوں کے نزدیک طاہر ہے اور پیشاب نکلنے پر غسل واجب نہیں ہے، جبکہ وہ سب ہی کے ہاں نجس اور ناپاک ہے؟ کیا وجہ ہے کہ حیض والی عورت کو حیض کے زمانہ کے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضاء کرنی ضروری ہے جبکہ اس دوران میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء واجب نہیں ہے؟ ذرا یہ بتاؤ کہ کیوں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور زنا کی سزا کوڑا مارنا ہے؟ چاہئے تو یہ تھا کہ زنا کے ارتکاب پر ''شرم گاہ'' کاٹ دی جاتی جس سے زانی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ جیسا کہ ہاتھ جس سے چور چوری کرتا ہے، کاٹ دیا جاتا ہے۔''

جب مرد نادان اس قسم کے سوالوں کو سنتا ہے تو ان لوگوں سے ان کی تاویل کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ باطنیہ کہتے ہیں کہ ان تاویلوں کا علم ہمارے امام کے پاس یا اس شخص کے پاس ہے جسے امام نے ہمارے اسرار کے افشاء کی اجازت دی ہے (ماذون)۔ یوں جب اس مرد نادان وفریب خوردہ پر یہ امر واضح ہوگیا کہ صرف ان کے امام یا اس کے ماذون کو ان کی تاویل کا علم حاصل ہے، تو اسے اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ قرآن وسنت کے ظاہری

الفاظ کے وہ معانی و مفاہم نہیں ہیں جو بظاہر دکھائی دیتے اور معلوم ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ باطنیہ اس حیلہ و بہانہ سے اس شخص کو احکام شریعت پر عمل کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ اور جب وہ شخص عبادات ترک کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور محرمات کو حلال و مباح سمجھنے لگتا ہے، تو اپنے اصل مذہب کے چہرے سے اس کے لئے پردہ اٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں: ''اگر ہمارا کوئی قدیم اور ہر شئی سے بے نیاز اللہ ہوتا، تو اسے بندوں کے رکوع وسجود سے اور پتھر کے بنے ہوئے مکان کے ارد گرد چکر لگانے (طواف) سے اور دو پہاڑوں (صفا و مروہ) کے درمیان سعی (دوڑ لگانے) سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔'' جب وہ مرد نادان و کم عقل باطنیہ کی ان باتوں کو قبول کرلے گا تو توحید باری تعالیٰ سے کھینچ کر علیحدہ ہو جائے گا اور توحید کا منکر اور زندیق (بے دین) ہو جائے گا (یوں باطنیہ کے داعیوں کا مقصد پورا ہو جائے گا)۔

## باطنیہ پر اعتراضات:

عبدالقاہر (مصنف کتاب) کہتے ہیں کہ باطنیہ مردان نادان سے سوالات کر کے اصول دین کے بارے میں ان کے دلوں میں جو شک وشبہہ پیدا کرتے ہیں، ان کے تعلق سے دو طرح سے ان پر اعتراض کیا جاسکتا ہے:۔

## پہلا اعتراض:

اوّل یہ کہ باطنیہ سے یہ کہا جائے کہ تمہیں دو باتوں میں سے ایک بات کو ماننا ہوگا۔ یا تو اس بات کا اقرار کرو کہ عالم حادث ہے، اس کا ایک صانع و خالق ہے جو قدیم ہے، عالم ہے اور حکیم ہے اور اسے اس بات کا اختیار ہے کہ اپنے بندوں کو جن چیزوں سے اور جن طریقوں سے چاہے مکلّف ٹھہرائے۔ یا پھر اس بات کا انکار کر دو اور کہو کہ عالم قدیم ہے اس کا کوئی صانع و خالق نہیں ہے۔ اب اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس کا کوئی صانع و خالق نہیں ہے، تو تمہارا یہ قول بے معنی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں فرض کیا؟'' ''اسے کیوں حرام کیا؟'' ''اس طرح پیدا کیوں کیا؟'' اور ''ایسا اتنی مقدار پر کیوں کیا؟'' کیونکہ تم لوگ ایسے اللہ تعالیٰ کا

اقرار ہی نہیں کرتے جس نے کسی شئی کو فرض کیا، یا اسے حرام کیا، یا اسے پیدا کیا یا اس کی اتنی مقدار متعین کی۔ اور ہمارے اور تمہارے (باطنیہ) کے درمیان ویسے ہی گفتگو ہوگی جیسی ہمارے اور ''دہریہ'' کے مابین حدوث عالم سے متعلق ہوتی ہے۔ بصورت دیگر اگر تم حدوث عالم کا اقرار کرتے ہو اور اس کے صانع و خالق کی توحید کے قائل ہو، تو تم نے از خود اسے اس بات کا مجاز ٹھہرایا کہ وہ اپنے بندوں کو جن اعمال کے کرنے کی تکلیف دینا چاہے دے سکتا ہے۔ اس امر کا جواز ہی تمہاری اس بات کا جواب ہوگا کہ: ''اس نے یہ فرض کیوں کیا اور اسے حرام کیوں کیا؟'' اور ایسا اس لئے ہے کہ تم نے اس اللہ قدیم کا اقرار کیا ہے اور اسے اپنے بندوں کو مکلّف ٹھہرانے کا مجاز مانا ہے۔ یہی حال تم (باطنیوں کے) ان سوالات کا ہے جن کا تعلق محسوسات کی خاصیتوں سے ہے۔ اگر تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ کوئی صانع و خالق ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، تو تمہارے یہ سوالات خود بخود باطل ہو جائیں گے۔ اور اگر تم کسی صانع و خالق کے وجود کا انکار کرتے ہو، تو تمہارے اس قول کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے: کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے، کیونکہ تم لوگ تو اس امر کے منکر ہو کہ ان کا کوئی صانع و خالق قدیم ہے بھی۔

دوسرا اعتراض:

دوم یہ کہ باطنیہ حیوانات کی عجیب و غریب تخلیق کے متعلق جو سوالات کرتے ہیں، اس ضمن میں ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ باطنیہ کے زعما (روساء) ان سب کی علت و سبب کے جاننے میں منفرد و مخصوص کیسے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ان کے متعلق اطباء اور فلاسفہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل بیان کی ہے (مشہور فلسفی) ارسطا طالیس [۱۴] (ارسطو) نے حیوانات کے طبائع کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس نوعیت کی جو باتیں بھی فلاسفہ نے تحریر کی ہیں وہ حکماء عرب کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔ یہ حکماء عرب، فلاسفہ سے پہلے گزرے ہیں اور ان کا تعلق قحطانی، جرہمی، طسمی اور تمام حمیری نسلوں سے تھا۔ عربوں نے اپنے شعروں اور مثلوں میں، ان حیوانات کی تمام طبائع کا ذکر کیا ہے۔ ان کے زمانہ میں نہ کوئی باطنی موجود تھا

اور نہ انکا زعیم (رئیس) ہی پیدا ہوا تھا۔ بچے دینے والے اور انڈے دینے والوں کے فرق کو ارسطاطالیس نے عربوں کی کہاوتوں (امثال) سے لیا ہے کہ: ”ہر لانبے اور پیچ سے پھٹے ہوئے کانوں والا جانور بچے جنتا ہے اور چپکے ہوئے بند کانوں والا جانور انڈے دیتا ہے“۔ اسی طرح چمگادڑ گو کہ پرندہ ہے بچے دیتا ہے، انڈے نہیں دیتا، کیونکہ اس کے لانبے اور پھٹے ہوئے کان ہوتے ہیں، اور ہر چپکے ہوئے بند کانوں والا جانور انڈے دیتا ہے، جیسے سانپ، گوہ اور انڈے دینے والے پرندے۔

## حیوانات کے بارے میں عربوں کے مشاہدات:

ابوعبید معمر بن مثنیٰ ۱۵ اور عبدالملک بن قُریب اصمعی ۱۶ نے بیان کیا ہے کہ عرب زمانہ جاہلیت میں اپنے تجربہ سے کہتے تھے: ”ہر حیوان کی آنکھوں کی پلکیں بالائی پپوٹوں پر ہوتی ہیں، زیریں پپوٹوں پر نہیں ہوتیں، مگر انسان کی پلکیں بالائی اور نہ زیریں، دونوں پپوٹوں پر ہوتی ہیں۔“ عرب کہتے ہیں: ”ہر جانور جسے پانی میں پھینک دیا جائے وہ اس میں تیرے گا مگر انسان، بندر اور کھبا گھوڑا پانی میں ڈوب جائے گا، ہاں یہ کہ اگر انسان تیراکی سیکھ لے (تو وہ تیر سکتا ہے)۔“

عرب انسان کے متعلق کہتے ہیں: ”اگر اس کا سر کاٹ کر اسے پانی میں پھینک دیا جائے، تو وہ پانی کے بیچ میں سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔“ عرب کہتے ہیں کہ: ”ہر پرندہ کی ہتھیلی اس کے دونوں پاؤں میں ہوتی ہے مگر انسان اور بندر کی ہتھیلی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ہر چوپائے کے گھٹنے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، جبکہ آدمی کے دونوں گھٹنے اس کی ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ گھوڑے کے نہ گلٹیاں (غدود) ہوتے ہیں، نہ جگالی کرنے کی تھیلی ہوتی ہے، نہ تلی ہوتی ہے اور نہ ابھری ہوئی پستانیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح اونٹ کا پتہ نہیں ہوتا، نر شترمرغ کی ہڈیوں میں گودا نہیں ہوتا، اسی طرح آبی پرندوں اور سمندری سانپوں کی زبانیں اور بھیجے نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی دریائی مچھلی کی زبان اور بھیجے ہوتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ: مچھلیوں کے پھیپھڑے نہیں ہوتے، اسی لئے وہ سانس نہیں لیتیں۔ عرب اپنے تجربات کی بنیاد پر کہتے

ہیں کہ: بھیڑ سال میں ایک دفعہ بچہ دیتی ہے، یہ بچہ ایک ہوتا ہے، جوڑا نہیں ہوتا۔ جبکہ بکری سال میں دو بار بچہ دیتی ہے اور (ایک جھول میں) ایک دو اور تین بچے جنتی ہے۔ تعداد، بڑھوتی اور برکت بھیڑ میں بکری سے زیادہ ہے۔ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ: جب کسی پودے کو بھیڑ چرتی ہے تو وہ بڑھتا ہے، مگر جسے بکری کھاتی ہے وہ نہیں بڑھتا ہے اور نہ پھلتا پھولتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پودوں کو بھیڑ اپنے دانتوں سے کاٹ لیتی ہے جبکہ بکری انہیں جڑے سے اکھاڑ کر ختم کر دیتی ہے۔ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ: جب بکری گابھن ہوتی ہے تو حمل کے شروع ہی میں دودھ اس کے تھن میں اتر آتا ہے مگر بھیڑ کے تھن میں دودھ بچے کی پیدائش کے وقت اترتا ہے۔ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ: ہر جنس کے حیوانات میں نر کی آواز مادے سے زیادہ اونچی ہوتی ہے، لیکن بکریوں میں مادیان کی آوازیں نروں سے زیادہ اونچی ہوتی ہیں۔

## عربوں کے ضرب الامثال:

حیوانات کے بارے میں عربوں کی جو کہاوتیں مشہور ہیں، ان میں سے یہ کہاوتیں کہ: ہر بیل کی ناک چپٹی ہوتی ہے، ہر اونٹ کے اوپر کے ہونٹ پھٹے ہوتے ہیں، اور ہر درندہ بڑے خصیوں والا ہوتا ہے۔ عرب اپنے تجربہ سے کہتے ہیں: شیر کوئی کڑوی کسیلی چیز نہیں کھاتا، آگ کے پاس نہیں جاتا، حاملہ کے قریب نہیں جاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ: کتے کے حمل کی مدت ساٹھ (۶۰) دن ہوتی ہے، اگر اس سے کم مدت میں وضع حمل ہو تو اس کے بچے نہیں جیتے وہ کہتے ہیں کہ کتیا سات ماہ میں (بالغ ہو جاتی ہے) اور اس کے حیض آنے لگتا ہے، پھر کتیا کو ہر سات دن میں ایک بار حیض آتا ہے اور اس کے حیض کی علامت یہ ہے کہ اس کی پلکوں کی جڑیں سوج جاتی ہیں۔ کتے کے بارے میں عرب کہتے ہیں کہ: کتا سب سے پہلے اپنے چوکے دونوں دانت نکالتا ہے۔ اسی طرح عرب بھیڑیئے کے متعلق کہتے ہیں کہ: وہ اپنی ایک آنکھ سے سوتا اور دوسری آنکھ سے حفاظت کرتا ہے۔ بھیڑیئے کے بارے میں حمید بن ثور (شاعر) کہتا ہے:۔

''وہ اپنی ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسری آنکھ سے موت سے اپنی حفاظت کرتا ہے، سو

وہ جاگتا سوتا ہے۔"

خرگوش سوتا ہے تو اس کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ: جانوروں میں ہاتھی کے سوا کسی جانور کی زبان الٹی نہیں ہے۔ چوپایوں میں بجز ہاتھی کے کسی کے پستان اس کے سینے پر نہیں ہوتے۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہاتھی کے وضع حمل کی مدت سات (۷) سال ہے، گدھے کی ایک سال اور گائے کی مدت حمل عورت جیسی (یعنی نو ماہ) ہوتی ہے۔ خرگوش اور لومڑی کے آلہ تناسل کے متعلق عرب کہتے ہیں کہ وہ ہڈی ہے۔ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ: ہر دو ٹانگوں والا حیوان، اگر اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ جائے وہ دوسری ٹانگ پر کھڑا ہو جائے گا اور لنگڑا ہو جائے گا، لیکن اگر نر شتر مرغ کی ایک ٹانگ ٹوٹ جائے تو وہ پیٹ کے بل زمین پر گر جائے گا۔ اسی لئے شاعر نے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کہا ہے:

"میں اور وہ شتر مرغ کی دو ٹانگوں کی طرح ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بے کار ہیں اور کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔" مادہ شتر مرغ کے متعلق عرب کہتے ہیں کہ: وہ تیس ۳۰ سے چالیس ۴۰ انڈے تک دیتی ہے، مگر وہ جن انڈوں کو سیتی ہے، اُن میں سے تیس انڈوں کو سیدھے پھیلے ہوئے دھاگے کی طرح نکال دیتی ہے، کبھی کبھی وہ اپنے انڈوں کو چھوڑ کر دوسروں کے انڈے سیتی ہے۔ اسی لئے اس کے متعلق ابن ہرمہ نے یہ شعر کہا ہے:۔

"وہ اس مادہ شتر مرغ کی طرح ہے جو اپنے انڈوں کو جنگل میں چھوڑ دیتی ہے اور بھولے سے دوسرے کے انڈوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتی ہے۔"

عرب چڑیا اور مرغی کے چوزوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ: وہ سفیدی سے پیدا ہوتے ہیں اور زردی ان کی غذا ہے۔ اسی طرح وہ قطا (بھٹ تیتر) کے متعلق کہتے ہیں کہ: وہ صرف ایک انڈا دیتی ہے، مادہ عقاب تین انڈے دیتی ہے، دو انڈوں کو نکال کر ایک کو پھینک دیتی ہے، اسے "کاسر العظام" (ہڈی توڑنے والا، ایک شکاری پرندہ، شکرہ) نامی پرندہ نکال لے جاتا ہے، اس لئے یہ کہاوت مشہور ہے کہ: "کاسر العظام سے بھی زیادہ باوفا" گوہ (ضب) ستر (۷۰) انڈے دیتی ہے، لیکن انڈوں سے جو بچے نکلتے ہیں، بجز اس بچے کے جو دوڑ کر اس کے پاس

سے بھاگ جائے، سب کو کھا جاتی ہے۔ اسی لئے عربوں کے ہاں یہ کہاوت ہے: ''گوہ سے بھی بڑھ کر احسان فراموش و محسن کش''۔ گوہ کبھی پانی نہیں پیتی، چنانچہ یہ مثل ہے: ''گوہ سے بھی زیادہ سیراب۔'' گوہ کے متعلق عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ نر کے دو آلہ تناسل اور مادہ کی سامنے دو شرم گاہیں ہوتی ہیں۔ عربوں کے ہاں سانپ کے دو زبانیں ہوتی ہیں اور خواہ سانپوں کی جلد کا کوئی بھی رنگ ہو، یہ زبانیں کالی ہوتی ہیں۔ سانپ کی تمام قسمیں سذاب (ایک بدبودار پودا) اور بنفشہ کی مہک کو ناپسند کرتی ہیں اور سیب، تربوز، خربوزہ، گاجر، رائی، دودھ اور شراب کی مہک سے بہت خوش ہوتی ہیں۔ اسی طرح عرب مینڈکوں کے متعلق کہتے ہیں کہ: وہ اسی وقت ٹراتے ہیں جب ان کے منہ میں پانی ہوتا ہے۔ وہ دریائے دجلہ میں کسی حالت میں نہیں ٹرٹراتے جبکہ فرات اور تمام دوسرے دریاؤں میں وہ ٹرٹریا کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے مینڈک کے بارے میں یہ شعر کہا ہے:۔

''وہ اپنے گلپھڑوں میں وہ کچھ ڈال لیتا ہے جس سے ٹراٹرانے لگتا ہے اور اس کی یہی ٹراہٹ اس کی فنا کی راہ ہموار کر دیتی ہے۔''

یعنی اس کی ٹراہٹ سن کر سانپ کو اس کا پتا چل جاتا ہے، چنانچہ وہ اسے شکار کر کے کھا جاتا ہے۔

عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ: مینڈک کے ہڈیاں نہیں ہوتیں۔ بھنورے کے بارے میں عرب کہتے ہیں اگر اسے گلاب کی جڑ میں گاڑ دیا جائے، تو مردہ کی طرح اس میں پڑا رہتا ہے۔ لیکن اسے وہاں سے نکال کر اگر لید میں ڈال دیا جائے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ ہلنے لگتا ہے۔

سو یہ اور ان جیسی دوسری باتیں جن کا تعلق حیوانات کی خاصیتوں وغیرہ سے ہے، عربوں کو زمانہ جاہلیت میں بھی تجربہ اور مشاہدہ سے ان کا علم تھا اور انہیں ان معلومات کے لئے باطنیہ کے زعماء سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہ پیش آئی۔ بلکہ وہ لوگ باطنیہ کے وجود میں آنے سے ہزاروں نسلیں پہلے بھی ان باتوں سے بخوبی آگاہ تھے۔

### باطنیہ کی تکذیب:

یہ تفصیل تھی باطنیہ کے اس جھوٹے دعویٰ اور اس کی تکذیب کی کہ ان کے زعماء اشیاء کی خاصیتوں اور ان کے اسرار سے خصوصی واقفیت رکھتے ہیں۔ ہم نے ان باطنیہ کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے متعلق جو باتیں بیان کر دی ہیں وہ کافی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔

## حواشی ......... باب چہارم۔ فصل ہفدہم

(۱) باطنیہ کی دعوت قدیمہ کے لئے دیکھئے التبصیر ص ۸۳، وفیات الاعیان ۱: ۴۰۹، تاریخ ابن اثیر واقعات سنین ۲۷۸، ۲۸۶، ۲۸۹، ۳۰۱، ۳۱۱، ۳۱۷، فرق المسلمین والمشرکین ص ۷۶، مقریزی، الخطط ۲: ۳۵۷، الملل والنحل جلد اول، باطنیہ کی دعوت جدیدہ کے لئے دیکھئے شہرستانی کی الملل والنحل (میرے اردو ترجمہ کے ساتھ) اور جوینی کی جہاں گشاہی جلد سوم مطبوعہ بریل ۱۹۳۷ء (میرے ترجمہ کے ساتھ) اس کے علاوہ ڈی اولیری کی "خلافت فاطمین (انگریزی)، حسن ابراہیم کی الفاطمیون (عربی) اورزاہد علی کی تاریخ فاطمین مصر (اردو) بھی دیکھئے۔

(۲) مطبوعہ نسخوں میں "بنوسنبر" ہے، مگر درست نام ابن سنبر ہے۔ یہ شخص ابوسعید جنابی کے معتمد علیہ امراء میں تھا۔ باطنیوں نے حجر اسود کو اپنے ہاں بائیس سال تک رکھ کر اسی ابن سنبر کے ذریعہ کوفہ لاکر واپس کیا تھا۔ دیکھئے ابن خلکان ۱: ۴۱۱ وابن اثیر برموقع۔

(۳) یمین الدولہ امین الملۃ سلطان غازی محمود غزنوی خراسان، افغانستان، ترکستان، طبرستان، سیستان، پاکستان و ہندوستان کا عظیم فاتح اور اپنے عہد کا سب سے عظیم حکمران تھا۔ ذی علم اور علم پرور تھا۔ اسلام کی حفاظت میں مدت العمر جہاد میں رہا۔ ۳۶۰ھ میں پیدا ہوا ۳۸۷ھ میں تخت نشین ہوا اور ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔ قدیم کتابوں کے علاوہ سلطان غازی کے حالات کے لئے ڈاکٹر محمد ناظم کی کتاب محمود آف غزنہ (انگریزی) سے رجوع کیجئے۔ اسی نام کی کتاب پروفیسر حبیب کی بھی ہے۔

(۴) عبید اللہ المہدی مصر کے عبیدی حکمرانوں کا جدِ اعلیٰ ہے۔ شام کے شہر سلمیہ میں پیدا ہوا۔ ۲۹۷ھ میں شمالی افریقہ میں اپنے خاندان کی حکومت قائم کی اور المہدی کا لقب اختیار کیا۔ ۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔ اس کے حالات کے لئے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب تاریخ فاطمین مصر (اردو) دیکھئے۔

(۵) ذہبی (العبر جلد دوم صفحہ ۸۴، ۸۵) کے بیان کے مطابق ۲۸۹ھ میں یحییٰ بن زکرویہ قرمطی نے خروج کیا، بڑی تباہی پھیلانے کے بعد ۲۹۰ھ میں مارا گیا۔ اس کا بھائی حسین صاحب الشامہ اس کا جانشین ہوا اور عباسی خلیفہ المکتفی اور اس کے مصری نائب ابن طولون سے شام میں اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اور فریقین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ شام کے بڑے علاقوں کو قتل و غارت گری کے ذریعہ قرامطہ نے برباد کر دیا۔ مزید واقعات اور تفصیلات کے لئے ابن اثیر، ابن خلدون اور ابن تغری بردی کی تاریخوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۶) قرامطہ کے حملوں اور ان کے ہاتھوں عراق، شام و عرب کی بربادی اور حجاج کی زبوں حالی کے لئے کتب تاریخ سے رجوع کیجئے۔

(۷) ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ، نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ عابد و زاہد اور محدث وفقیہ تھے، علماء وفقراء پر کافی رقم خرچ کرتے تھے۔ سالہا سال تک درس حدیث میں مشغول رہے۔ ۳۶۲ھ میں انتقال کیا۔ ان کا جسد خاکی عراق سے نیشاپور لاکر دفن کیا گیا۔ (العبر ۲: ۳۲۷)۔

(۸) عبیدیوں کی حکومت ۲۹۷ھ میں شمالی افریقہ میں قائم ہوئی۔ اس خاندان کا چوتھا حکمراں المعز ہوا ہے۔ اسی کے عہد میں ۳۵۸ھ میں مصر پر ان کا قبضہ ہوا، قاہرہ معزیہ تعمیر ہوا۔ اور وہی آخر تک ان کا دارالحکمت رہا۔ مصنف (عبدالقاہر) نے ۴۲۹ھ میں انتقال کیا، اس وقت بنو عبید کی حکومت قائم تھی۔ شمالی افریقہ، مصر، شام و یمن ان کے زیر نگیں تھے اور ان کا آٹھواں حکمراں المستنصر برسر حکومت تھا۔ ۵۶۷ھ میں سلطان مصر و شام نورالدین محمود غازی کے حکم سے ان کے سپہ سالار غازی صلاح الدین یوسف نے اس خاندان کی حکومت ختم کر کے عباسی خلفاء کی سنی خلافت پھر قائم کر دی۔ تفصیل کے لئے عام کتب تاریخ کے علاوہ ڈی اولیری کی تاریخ فاطمین مصر (انگریزی) اور زاہد علی کی تاریخ فاطمین مصر (اردو) دیکھئے۔

(۹) عضد الدولہ ابوشجاع فنا خسرو ابن رکن الدولہ حسن بن بویہ دیلمی، بنو بویہ کا حکمراں اور عراق و جزیرہ کا نائب تھا۔ بغداد میں عباسی خلفاء کے نائب کی حیثیت سے مستبدانہ

حکومت کرتا تھا۔ مذہباً آل بویہ شیعہ تھے اور انہوں نے بغداد و عراق میں شیعت کو بہت فروغ دیا، مگر مصری حکمرانوں سے سیاسی محاذ پر ان کے مناقشات جاری رہے۔ شوال ۳۷۲ھ میں ۴۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ذہبی کی العبر، جلد دوم، صفحہ ۳۶۳، ابن خلکان کی وفیات الاعیان و کتب تاریخ سے رجوع کیجئے۔

(۱۰) شمس المعالی قابوس بن وشمگیر (معجم الادباء ۶: ۲۱۹ و ابن خلکان برموقع) قابوس اپنے بھائی بیستوں کے بعد ۳۶۶ھ میں جرجان و طبرستان کا خود مختار حاکم ہوا۔ اس کا تعلق بنو زیار سے ہے۔ ۴۰۳ھ میں اس کی سخت گیری کے سبب اس کے امراء نے اس کے خلافت بغاوت کر دی، چنانچہ اس نے اپنے بیٹے منوچہر کے حق میں حکومت چھوڑ دی اور زاہدانہ زندگی گزارنے کا تہیہ کر لیا، لیکن اس کے امراء نے اسے نہ چھوڑا اور سخت سردی میں موسم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، جس سے وہ مر گیا۔ قابوس، عظیم حکمراں و مدبر تھا۔ ساتھ ہی عالم و فاضل بھی تھا۔ عربی میں شعر بھی کہتا تھا۔ (دیکھئے الکامل لابن اثیر جلد ہفتم ص ۸۷، ۲۶۶ و ۲۶۷)۔

(۱۱) ابوالقاسم نوح بن منصور سامانی، بائیس (۲۲) سال تک بخاری، خراسان و ماوراء النہر کا حکمراں رہا۔ ۳۸۷ھ میں انتقال کیا اور اس کے ساتھ ہی سامانی حکومت ختم ہو گئی (دیکھئے تاریخ ابن خلدون (اردو ترجمہ) جلد ششم و تاریخ بخاری از ویمبرے (اردو)۔

(۱۲) ابوعلی محمد بن ابوالحسن بن سیمجور اپنے باپ کے بعد سپہ سالار ہوا۔ ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔ (شرح تاریخ عتبی ۱: ۳۰۱)۔

(۱۳) ابوطاہر سلیمان بن حسن جنابی قرمطی نے ۳۱۱ھ میں بصرہ کو لوٹا، ۳۱۲ھ میں عراقیوں کے قافلہ حجاج کو لوٹ کر عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا اور مردوں کو جان سے مار ڈالا، اسی طرح سال کے سال وہ مکہ پر غارت گری کرتا، حجاج کے قافلوں کو تاخت و تاراج کرتا رہتا تھا، ۳۱۷ھ میں مکہ پر حملہ کر کے حاجیوں کا قتل عام کیا، امیر مکہ اور حفاظتی دستوں کو جان سے مار ڈالا۔ کعبہ کے دروازے کو اکھاڑ پھینکا، حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے دارالحکومت ہجر لے گیا۔ اس کے بعد بھی ۳۲۷ھ تک اس کی سالانہ غارت گری اور مسجد حرام کی بے حرمتی و حجاج کے قتل کا سلسلہ جاری

رہا۔ آخر اس نے ۳۳۲ھ میں انتقال کیا۔ دیکھئے العبر ۲: ۱۶۷، ۲۲۹، نیز کتب تاریخ۔

(۱۴) ارسطو بن نیقو ماخس، فیثا غورس، افلاطون کا شاگرد اور اس کا جانشین تھا۔ فلسفہ یونان اسی کے ہاتھوں اوج کمال کو پہنچا۔ حکماء یونان کا خاتم رہی ہے۔ فلسفہ کی ہر شاخ میں اس کی تصانیف موجود ہیں۔ حکماء اسلام نے اس کی تصانیف سے دوسرے فلاسفہ کے مقابلے میں زیادہ اعتناء کیا اور فائدہ اٹھایا ہے۔ حیوانات پر اس کی کتاب کہ انیس ۱۹ مقالات پر مشتمل ہے، عربی میں ابن بطریق کے ہاتھوں ترجمہ ہوئی۔ (تاریخ الحکماء صفحہ ۲۷ ۔ ۵۳ و فہرست ابن الندیم ۳۵۹)۔

(۱۵) ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی بصری، ماہر لغت عربی و صاحب تصانیف کثیرہ تھا۔ ۲۰۹ھ، ۲۱۰ھ یا ۲۱۱ھ اس کا سال وفات ہے۔

(۱۶) ابوسعید عبدالملک بن قریب اصمعی، باہلی، بصری مشہور عربی ماہر لسانیات، اخباری وادیب ہے۔ عباسی خلفاء کا ہم جلیس اور متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ ۲۱۶ھ میں مامون عباسی کے عہد میں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اصمعی اور ابوعبیدہ کے مزید حالات کے لئے ابن قتیبہ کی المعارف، ذہبی کی العبر جلد اول، ابن خلکان کی وفیات الاعیان دیکھئے)۔

باب پنجم (صفحہ ۳۱۲ _ ۳۶۶)

# فرقہ ناجیہ کے اوصاف، ان کی نجات کا اثبات اور ان کے محاسن کا بیان

ترتیب فصول:

یہ باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے۔ ان فصلوں کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فصل اول: فرقہ ہائے السنۃ الجماعۃ کے اصناف کے بیان میں (یعنی کون کون سے لوگ ان میں شامل ہیں)۔

۲۔ فصل دوم: اہل السنۃ والجماعت کے لئے نجات کے اثبات کا بیان۔

۳۔ فصل سوم: ان اصول کا بیان جن پر اہل السنّت والجماعت کا اجماع واتفاق ہے۔

۴۔ فصل چہارم: امت کے اسلاف صالحین کے متعلق اہل السنّت والجماعت کے اقوال کا بیان۔

۵۔ فصل پنجم: اہل السنّت والجماعت آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر سے مصون ومامون ہیں۔

۶۔ فصل ششم: اہل السنّت کے فضائل، ان کے علوم کی انواع اور ان کے ائمہ کے بیان میں۔

۷۔ فصل ہفتم: دین ودنیا میں اہل السنّت کے مآثر اور اُن کے مفاخر کے بیان میں۔

اس باب (پنجم) کی یہ (سات) فصلیں ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے احسان وتوفیق سے ہر فصل میں اس کے عنوانات کے اقتضاء کے مطابق ضروری امور کا ذکر کریں گے۔

باب پنجم ...... فصل اول

# اہل السنّت والجماعت کے اصناف کے بیان میں

## اہل السنّت کون ہیں؟:

جان لو، اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند بنائے، کہ انسانوں میں سے اہل السنّت والجماعت کی آٹھ اصناف ہیں، یعنی آٹھ قسم کے لوگ اہل السنّت والجماعت میں شامل ہیں (ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے):۔

## علماء:

۱۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے توحید، نبوت، احکام وعدو وعید، ثواب و عذاب، شرائط اجتہاد، امامت و زعامت سے متعلق علوم کا احاطہ کرلیا ہے۔ علم کی اس قسم میں انہوں نے متکلمین کے گروہ ''صفاتیہ'' کا مسلک اختیار کیا ہے کہ تشبیہ و تعطیل، روافض، خوارج، جہمیہ، نجاریہ اور تمام گمراہ کن ہوائے نفسانی کے متبعین کی بدعتوں سے لاتعلقی و برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

## فقہاء:

۲۔ دوسری قسم ائمہ فقہ کی ہے، کہ اہل الرائی واہل الحدیث کے دونوں گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں، اصول دین میں ''صفاتیہ'' کے ہم عقیدہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اور اس کی ازلی صفات کے حوالہ سے ان کے ہم مذہب ہیں۔ اور قدر واعتزال کے عقائد سے بری ہیں، بغیر کسی تشبیہ و تعطیل کے آنکھوں سے رویت باری کا اثبات کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ (ائمہ فقہ)

قبروں سے اٹھائے جانے، اکٹھا کیے جانے اور قبر میں فرشتوں کے سوال کیے جانے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ حوض (کوثر) صراط، شفاعت اور شرک کے علاوہ گناہوں کی مغفرت کو درست سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اہل جنت کی نعمتوں کے دوامی اور کفار پر عذاب دوزخ کے دوامی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ امت کے گزشتہ صالح ونیکوکار حضرات کے مداح ومعترف ہیں۔ صلوٰۃ جمعہ کو ان اماموں کی اقتداء میں، جو گمراہ کن خواہشِ نفسانی کے پیرووں سے اظہار برأت ولاتعلقی کرتے ہیں، واجب جانتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم، سنت اور اجماع صحابہؓ سے احکام شرعیہ کے استنباط کو واجب قرار دیتے ہیں۔ (مسائل فروعیہ میں) موزوں پر ''مسح'' کو جائز سمجھتے ہیں، تین طلاقوں کو نافذ قرار دیتے ہیں، اور متعہ کو حرام گردانتے ہیں۔ اس طرح جن امور میں معصیت وگناہ نہ ہو ان میں حکمران وقت (سلطان) کی اطاعت کو ضروری سمجھتے ہیں۔

لوگوں کی اس جماعت میں امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام ثوری، امام ابوحنیفہ ۱، قاضی ابن ابی لیلیٰ ۲، ابوثور ۳، امام احمد بن حنبل ۴ و اہل الظاہر ۵ کے پیرو شامل ہیں۔ اور دوسرے تمام فقہاء کے متبعین بھی اسی زمرے میں آتے ہیں، جو عقلیت کے مسائل میں ''صفاتیہ'' کے اصول پر اعتقاد رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی ''فقہ'' کو گمراہ کن متبعین ہوائے نفسانی کی بدعتوں سے آلودہ وملوث نہیں کیا ہے۔

## محدثین:

۳۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اخبار واحادیث کے اسناد وطرق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے علوم کا احاطہ کرلیا اور ان کی واقفیت بہم پہنچالی ہے۔ انہیں ان اخبار واحادیث کی صحیح اور سقیم اقسام میں تمیز کرنے کی استعداد حاصل ہے، اور یہ لوگ جرح و تعدیل کے اسباب سے واقف ہیں۔ انہوں نے اپنے ان علوم کو اہل الاہواء الضالہ کی کسی بدعت سے آلودہ نہیں کیا ہے۔

ادباء:

۴۔ چوتھی قسم ان فضلاء کی ہے جنہوں نے ادب (عربی)، نحو و صرف (قواعد عربی) اور لغت (عربی) کے اماموں کے طریقے پر، ان علوم میں کمال بہم پہنچایا ہے، مثلاً خلیل بن احمد ۶، ابوعمر بن علاء ۷، سیبویہ ۸، فراء ۹، اخفش ۱۰، اصمعی ۱۱، مازنی ۱۲، ابوعبید ۱۳ اور کوفہ و بصرہ کے تمام ائمہ نحو جنہوں نے ان علوم سے متعلق اپنے علم کو قدریہ، یا رافضہ یا خوارج کی بدعات سے خلط ملط نہیں کیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص گمراہ کن خواہشات کی جانب ذرا بھی میلان رکھتا ہو، تو اسے اہل السنت میں شمار نہ کیا جائے گا اور لغت ونحو میں اس کی بات حجت و دلیل نہ سمجھی جائے گی۔

قُرّاء:

۵۔ پانچویں قسم ان علماء پر مشتمل ہے جنہوں نے قرآن کریم کی قرأت، قرآن کریم کی آیات کے وجوہ واسباب کے علم کا احاطہ کیا ہے اور اہل السنت کے مذاہب کے مطابق ان کی تاویلات سے بہرہ مند ہوئے ہیں اور اہل الاہواء الضالۃ کی تاویلات سے مبرا ہیں۔

صوفیہ:

۶۔ چھٹی قسم ہے ان زاہدوں کی کہ ارباب تصوف ہیں۔ انہوں نے حقیقت کو دیکھ لیا، سو اس پر اکتفاء کی، آزمائش میں پڑے، سو اس سے عبرت پکڑی، تقدیر پر راضی ہوئے، جو کچھ آسانی سے ملا اس پر بس کی، یہ جان لیا کہ کان، آنکھ اور دل میں سے ہر ایک سے خیر وشر کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی، ان سے ذرہ بھر بھی عمل کا محاسبہ کیا جائے گا، اور انہوں نے قیامت کے دن کے لئے اچھا توشہ بہم پہنچایا، ان کا کلام عبارت واشارت دونوں اسالیب سے، اہل حدیث کے انداز میں جاری ہوا، ان لوگوں کے مسلک پر نہیں جو بے کار باتوں کا سودا کرتے ہیں، یہ لوگ بھلائی دکھاوے کے لئے نہیں کرتے، اور اسے لوگوں کی شرم سے نہیں چھوڑ دیتے، ان بزرگوں کا دین توحید خالص ہے، تشبیہ سے پاک صاف ہے، ان کا مذہب ہے، اللہ تعالیٰ کو کامل سپردگی، اس پر بھرپور توکل، اس کے حکم کے

آگے سر تسلیم خم کر دینا، جو اللہ تعالیٰ نے دیا اس پر قناعت کرنا، اور اس پر اعتراض کرنے سے رکنا۔ ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے بہرہ مند کرتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (القرآن، سورۃ الحدید، آیت ۲۱، وسورۃ الجمعہ آیت ۴)''۔

## مجاہدین:

۷۔ اہل السنّت کی ساتویں قسم کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو کفار کے بالمقابل اسلامی سرحدوں پر فوجی چھاؤنیوں میں مقیم ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں۔ ان کے محفوظ مقامات کی حفاظت کرتے ہیں، ان کے بال بچوں اور گھروں کا دشمنوں سے دفاع کرتے ہیں، اپنی سرحدوں میں اہل السنّت والجماعت کے مذاہب کو غالب کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا، ہم انہیں ضرور اپنا سیدھا راستہ دکھائیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (القرآن، سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹)''۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے انہیں اپنے فرائض کی انجام دہی کی توفیق مزید عطاء فرمائے۔

## عوام:

۸۔ آٹھویں قسم اہل السنّت والجماعت کی ان بستیوں، آبادیوں، شہروں اور ملکوں کے، عام مسلمان ہیں، جہاں شعائر اسلام کو اور مسلک اہل السنّت کو غلبہ حاصل ہے، نہ ان علاقوں کے لوگ جہاں اہل الاہوا الضالۃ کے شعار کو برتری حاصل ہو۔ عوام الناس کی اس صنف سے ہماری مراد، ان لوگوں سے ہے جو عدل وتوحید اور وعدو وعید کے موضوعات میں علماء سنت و جماعت کو برسر حق اور ان کے عقائد کو درست سمجھتے ہیں، اپنی دینی معلومات کے لئے انہیں سے رجوع کرتے ہیں اور حلال وحرام کے فروعی مسائل میں ان کی تقلید کرتے ہیں، اور گمراہ خواہشات کے بندوں اور پیروکاروں کی بدعات میں سے کسی چیز کا بھی اعتقاد نہیں رکھتے، یہی لوگ ہیں جن کو صوفیۂ کرام ''حشو الجنۃ'' (جنت کے بھرت کے لوگ، عوام الناس، جنت کی

اکثریت، سواد اعظم اہل الجنۃ ) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اہل السنت والجماعت مشتمل ہیں اور یہی ان کا مجموعہ اور کل ہیں۔ یہی لوگ سیدھے دین کے ماننے والے اور صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دنیا اور آخرت میں درست و مستحکم عقیدہ پر ثابت قدم رکھے۔ دعاء کو قبول کرنے کے وہی شایاں اور اس پر وہی قادر ہے۔

## حواشی ............ باب پنجم۔ فصل اول

(۱) امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہم کے سوانحی حواشی باب دوم، فصل دوم میں درج کئے گئے ہیں۔

(۲) ابوعبدالرحمان محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ انصاری، فقیہ و محدث تھے۔ ایک مدت تک کوفہ کے قاضی و مفتی رہے۔ ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی بغدادی، محدث وفقیہہ تھے۔ امام شافعی کے شاگرد تھے مگر کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔

(۴) ابوعبداللہ احمد بن حنبل شیبانی، اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے۔ اہل السنت کے معمول بہ چار مسالک میں سے ایک مسلک حنبلی کے امام ہیں۔ حق کی حمایت کی پاداش میں عباسی خلفاء المامون، المعتصم اور الواثق کے ادوار میں قید و بند کی سخت اذیتیں برداشت کیں، لیکن اپنے موقف سے ذرہ برابر نہ ہٹے، ان کی مدون کی ہوئی کتاب حدیث ''مسند امام احمد بن حنبل'' کے نام سے مشہور اور متداول ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں بغداد میں واصل بحق ہوئے۔

(۵) فقہ ظاہریہ کے امام داؤد بن علی بن خلف اصبہانی، امام شافعی کے شاگرد اور مستقل فقہی مسلک کے بانی تھے۔ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی فقہ کو شمالی افریقہ، اندلس اور عراق و ایران میں قبول عام حاصل ہوا، مگر وقت کے ظالم ہاتھوں نے آخرکار اس کے متبعین کو تقریباً فنا کر دیا۔

(۶) ابوعبدالرحمان خلیل بن احمد فراہیدی، الازدی، البصری، عربی نحو و ادب کے امام تھے۔ عربی علم عروض کے مرتب و بانی وہی ہیں۔ نہایت متواضع، عابد و زاہد اور پارسا تھے۔ عربی لغت کی مشہور کتاب ''العین'' کے یہی مصنف ہیں۔ ۱۷۵ھ میں انتقال کیا۔

(۷) ابوعمرو بن علاء مازنی، قرآن کریم کے سات قُرّاء میں سے ایک ہیں۔ قرآن کریم، عربیت، شعر، ایام عرب واخبار کے امام وقت تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔

۱۵۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(۸) سیبویہ کا نام ابوبشر عمرو بن عثمان تھا۔ عربی زبان کی قابل فخر و بے مثال کتاب موسوم بہ ''الکتاب'' کے یہی مصنف ہیں۔ خلیل بن احمد کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابھی زندگی کی تیس سے اوپر چند بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ ۱۸۰ھ میں گلشن ہستی سے رخت سفر باندھنا پڑا۔

(۹) ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الدیلمی الفراء، کوفہ کے بہت بڑے لغوی و ماہر عربیت تھے، کسائی کے نمایاں تلامذہ میں سے تھے۔ ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوالحسن سعید بن مسعدہ المجاشعی معروف بہ اخفش، سیبویہ کے شاگرد تھے، خلیل ابن احمد سے بھی استفادہ کیا تھا۔ کسائی ان کے شاگرد تھے۔ ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوسعید عبدالملک بن قریب اصمعی کے لئے حاشیہ فصل ہفدہم از باب چہارم دیکھئے۔

(۱۲) ابوعثمان بکر بن محمد بن عثمان مازنی شیبانی، اخفش کے شاگرد تھے۔ عربیت ولغت کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوعبید قاسم بن سلام، فقیہہ، محدث، نحوی اور عالم کتاب وسنت تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں کتاب طبقات الشعراء کو شرف تقدم حاصل ہے۔ اپنے عہد میں امام احمد و امام شافعی کے ہمسر سمجھے جاتے تھے۔ قبیلہ ازد کے مولیٰ اور خراسانی الاصل تھے۔ الجزیرہ کے شہر طرسوس کے قاضی رہے۔ ۲۲۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

باب پنجم ...... فصل دوم

# اہل السنّت والجماعت کے نجات یافتہ ہونے کا بیان

## اہل سنت نجات یافتہ ہیں:

ہم نے اس کتاب کے پہلے باب میں بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنی امت کے تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جانے کا ذکر فرمایا اور یہ کہا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ فرقہ) اور اس کے اوصاف کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقے پر ہوں گے (وہی فرقہ ناجیہ میں شامل ہیں)۔ ہم اہل السنّت والجماعت کے سوا امت اسلامیہ کے کسی فرقہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک کے موافق و متبع نہیں پاتے۔ ان میں امت کے فقہاء و متکلمین شامل ہیں۔ روافض، قدریہ، خوارج، جہمیہ، نجاریہ، مشبہہ، غلاۃ اور حلولیہ کا (مسلک صحابہؓ سے) کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

## القدریہ نجات یافتہ نہیں ہیں:

جہاں تک ''القدریہ'' کا تعلق ہے، تو وہ لوگ صحابہؓ کے ہم مسلک و موافق کیسے ہو سکتے ہیں، ان کے زعیم (رئیس) نظام نے اکثر صحابہؓ پر طعن کیا ہے اور (حضرت عبداللہ) بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی ''عدالت'' (ایمانداری) کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت کرنے کی وجہ سے کہ: ''سعید (نکوکار) وہ ہے کہ اپنی ماں کے شکم میں سعید و نیکوکار ہوا اور شقی (بدبخت) وہ ہے جو شکم مادر میں شقی و بدبخت ہوا'' اور معجزہ شق القمر کی روایت کی وجہ سے،

گمراہ اور ضال کہا ہے۔ اور اس نے ایسا اس لئے کیا کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے معجزوں کا منکر تھا۔ اسی طرح نظام نے (سیدنا) عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) کے فتاویٰ پر طعنہ زنی کی ہے اور انہیں غلط کہا ہے کہ انہوں نے شراب خوری کی سزا میں شرابی کو اسی (۸۰) کوڑے مارے اور نصر بن حجاج نامی شخص کو مدینہ سے جلاء وطن کر کے اس وجہ سے بصرہ میں بھیج دیا تھا کہ اس کی وجہ سے مدینہ کی عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا۔ نظام کے اس طعن کا سبب اس میں خواتین کے سلسلہ میں غیرت کی کمی کے سوا کچھ اور نہیں۔ اسی طرح اس نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے ''امہات الاولاد'' کے بارے میں فتویٰ پر اعتراض کیا بعدازاں (حضرت علیؓ) کے اس قول پر کہ: ''میری رائے ہے کہ انہیں بیچ دینا چاہئے''۔ اس نے کہا: ''وہ کون ہوتا ہے کہ اپنی رائے سے فیصلہ کرے؟'' نظام نے (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) پر ان کے اس فیصلہ کی وجہ سے سب وشتم کی کہ انہوں نے جد (دادا) ماں اور بہن کے درمیان میراث کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے (حضرت) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو اس بناء پر کذاب (جھوٹا) کہا کہ ان کی اکثر روایتیں قدریہ کے مذہب کے خلاف ہیں۔ اس نے صحابی کے اپنے اجتہاد سے دیئے گئے فتویٰ پر طعن کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ: یہ فتویٰ جو انہوں نے دیا اس کے دو سبب ہیں، یا تو اس بات سے جاہل ولاعلم تھے کہ فتویٰ دینا ان کے لئے جائز وحلال نہ تھا (اور وہ اس کے مجاز نہ تھے) یا پھر وہ لوگ زعیم وسربراہ بننے کی غرض سے ایسا کرنے پر آمادہ ہوئے کہ وہ ایک مستقل مذہب کے بانی کہلائیں جو ان کی جانب منسوب کیا جائے۔ یوں نظام نے اخیار واجلہ صحابہ کی جانب جہل ونفاق کی نسبت کی حالانکہ جو شخص احکام دین سے جاہل ہو، وہ نظام کے نزدیک کافر ہے اور جو شخص جان بوجھ کر اس کی مخالفت کرے اس کے مسلک کی رو سے منافق وکافر ہے یا پھر ایسا شخص فاسق فاجر ہے۔ اور یہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ اس طرح نظام نے مشاہیر صحابہ کو واجب الخلو دفی النار (ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلنے والا) قرار دیا، حالانکہ اس خلود فی النار کا وہ دوسروں سے بڑھ کر مستحق ہے۔ بعدازاں اس نظام نے اجماع صحابہؓ کا ابطال کیا اور اسے حجت شرعی نہیں جانا، اور اس بات کو جائز گردانا کہ امت محمدیہ ﷺ ضلالت وگمراہی پر اکٹھا ہوسکتی ہے۔ اب بھلا

ایسا شخص جو تمام صحابہ کرامؓ کی مخالفت کو اگر وہ اس کی رائے کے برخلاف ہو، واجب قرار دیتا ہو، اسے صحابہ کا مقتدی اور ان کا پیرو کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ (یہ خیال صرف نظام اور اس کے پیرووں کا نہیں ہے بلکہ دوسرے قدریہ کا بھی ہے)۔

اسی طرح القدریہ (معتزلہ) کا زعیم دسرغنہ واصل بن عطاء الغزال (حضرات) علیؓ، آپؓ کے دونوں صاحبزادوں، ابن عباسؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور جنگ جمل کے دونوں فریقوں کی عدالت میں شک کرتا تھا۔ اسی لئے وہ کہتا تھا کہ: ''اگر میرے روبرو کسی مقدمہ میں علی وطلحہؓ ایک گھٹہ سبزی پر بھی گواہی دیں تو میں ان کی گواہی پر فیصلہ نہیں کروں گا، کیونکہ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ ان دونوں میں سے ایک فاسق ہے (نعوذ باللہ) اور مجھے اس کا اس تعین کے ساتھ علم نہیں ہے کہ وہ فاسق کون ہے؟'' واصل کے اس اصول سے یہ بات جائز ٹھہرتی ہے کہ حضرت علیؓ اور آپؓ کے تمام ساتھی فاسق تھے جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ فریق ثانی کہ اصحاب الجمل تھے، بھی فاسق ہوں اور مخلدین فی النار ہوں، یوں واصل نے حضرات علی، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی عدالت پر شبہہ ظاہر کیا، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں اصحاب کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان تینوں کے ''بیعت رضوان'' میں شامل ہونے اور ان لوگوں میں ہونے کے سبب سے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''تحقیق کہ اللہ مومنین سے راضی ہوا جب وہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، سو اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اسے جان لیا، سو ان سب پر سکینت، طمانیت ووقار نازل فرمایا اور جلد ہونے والی فتح سے ہم کنار کیا۔ (القرآن، سورۃ الفتح، آیت ۱۸)''۔ اس کی رو سے بھی یہ تینوں جنتی ہوئے (مگر واصل انہیں فاسق وفاجر قرار دیتا ہے)۔

عمرو بن عبید (معتزلی، قدری) جنگ جمل کے فریقین کے متعلق واصل ہی جیسی بات کہتا تھا۔ مگر اس نے اس پر اس بات کا اضافہ کیا کہ: دونوں فریق قطعی طور پر فاسق تھے۔ اور وہ یوں کہ واصل نے فریقین میں سے ایک فریق کو قطعیت کے ساتھ فاسق قرار دیا مگر اس امر میں کہ وہ

کونسا فریق ہے، وہ مشکوک رہا اسی لئے اس نے ایسے دو اشخاص کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جن میں سے ایک حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ہو اور دوسرا اصحاب جمل میں سے ہو، مگر اصحاب علیؓ میں سے دو آدمیوں اور اصحاب جمل میں سے دو آدمیوں کی شہادت کو اس نے قبول کیا۔ اس کے برخلاف عمرو بن عبید نے یہ کہا کہ: میں ان لوگوں میں سبھی کی گواہی کو قبول نہیں کرتا، خواہ ان کا تعلق فریقین میں سے ایک فریق سے ہو یا پھر ان میں سے کچھ حضرت علیؓ کے ساتھی ہوں اور کچھ اصحاب جمل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس طرح سے اس کے نزدیک تمام کے تمام فریقین فاسق تھے۔

اس اصول کی بناء پر یہ امر لازم آتا ہے کہ حضرات علی رضی اللہ عنہ آپ کے دونوں صاحب زادے، عبداللہؓ بن عباسؓ، عمارؓ، ابوایوب انصاریؓ اور خزیمہ بن ثابت انصاریؓ جن کی گواہی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو (۲) شاہدان عادل کے برابر قرار دیا تھا، اور حضرت علیؓ کے تمام ساتھی و نیز حضرات طلحہؓ، زبیرؓ عائشہؓ اور تمام اصحاب جمل، فاسق ہوں اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلیں گے، حالانکہ ان میں ہزاروں صحابہ شریک تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ پچیس (۲۵) بدری صحابہؓ اور اکثر شرکاء احد، چھ سو (۶۰۰) انصار اور مہاجرین اولین کی ایک جماعت (جنگ جمل میں) موجود تھی۔

اس مسئلہ میں ابوہذیل علاف، جاحظ اور فرقہ القدریہ (معتزلہ) کی اکثریت واصل بن عطاء کی رائے سے متفق ہے۔ اس صورت میں وہ لوگ جو اکثر صحابہ کو فاسق گردانتے ہوں اور انہیں جہنمی سمجھتے ہوں، صحابہ کرام کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو لوگ ان کی گواہی کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں، وہ ان کی روایتوں کو کیسے قبول کریں گے؟ اور جو ان کی روایتوں کو مسترد کرتا ہو اور ان کی گواہی کو رد کر دیتا ہو، وہ ان سے اور ان کی اتباع سے خارج ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو ان کی روایتوں پر عمل کرتے ہیں اور ان کی شہادت کو درجۂ قبول بخشتے ہیں، یہی اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے۔

## خوارج نجات یافتہ نہیں ہیں:

اب رہا فرقہ خوارج کا معاملہ تو ان لوگوں نے (حد ہی کردی) حضرات علیؓ، آپؑ کے دونوں صاحبزادوں، ابنؓ عباسؓ، ابوایوبؓ انصاری کو کافر ٹھہرایا۔ نیز حضرات عثمانؓ، عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ کی تکفیر کی اور واقعہ تحکیم کے بعد جن لوگوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا ساتھ نہ چھوڑ دیا ان سب کو بھی کافر قرار دیا۔ اسی طرح امت مسلمہ کے ہر گناہ گار شخص کی تکفیر کی۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پیروکار وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو ان کی اکثریت کو کافر سمجھتے ہیں۔

## روافض ناجی نہیں ہیں:

جہاں تک روافض میں سے غلاۃ، مثلاً السبئیہ، البیانیہ، المغیریہ، المنصوریہ، الجناحیہ، الخطابیہ اور تمام حلولیہ کا تعلق ہے، تو ہم ان سب کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ان کا شمار بت پرستوں، یا نصاریٰ کے گروہ حلولیہ میں ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ بُت پرستوں اور نصاریٰ و نیز تمام کافروں کا صحابہ کرامؓ کے اسوہ یا ان کی اقتداء سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہو سکتا۔

شیعوں میں سے فرقہ الزیدیہ کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں شامل الجارودیہ حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق و عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہ کرامؓ کو کافر سمجھتے ہیں۔ جو گروہ صحابہؓ کی اکثریت کو کافر کہتا ہو، وہ ان کا مقتدی و متبع کیسے ہو سکتا ہے؟ ان الزیدیہ میں سلیمانیہ و بتریہ یا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں یا پھر (ان پر کفر یا ایمان کا حکم لگانے میں) توقف کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ان کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا ناصر و حامی فاسق ہے اور اصحاب الجمل کی اکثریت کافر ہے۔

روافض میں سے جہاں تک الامامیہ کا تعلق ہے، ان کی بھاری اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ کی اکثریت، حضرات علیؓ، ان کے دونوں بیٹوں اور دوسرے تیرہ (۱۳) اصحاب کے علاوہ دین اسلام سے پھر کر مرتد ہوگئی۔ الامامیہ کے

فرقہ الکاملیہ نے تو یہاں تک کہا کہ خود حضرت علیؓ صحابہؓ سے جنگ نہ کر کے دین اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ صحابہؓ کو کافر قرار دیتے ہوں، وہ ان کی روش پر چلنے والے اور ان کے پیروکار کیسے ہو سکتے ہیں؟

## اہل سنت کے سوا کوئی فرقہ ناجی نہیں ہے:

اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ: روافض، خوارج، قدریہ، جہمیہ، نجاریہ، بکریہ، اور ضراریہ کو کس طرح صحابہ کرامؓ کے موافق وہم خیال کہا جا سکتا ہے، جبکہ وہ سب احکام شریعیہ سے متعلق صحابہؓ کی کوئی روایت قبول نہیں کرتے، کیونکہ وہ سب کے سب حدیث، سیر و مغاوزی کی روایات کو قبول نہیں کرتے، اور ان اصحاب حدیث کو کافر ٹھہراتے ہیں، جو اخبار و آثار کے ناقلین اور تاریخ و سیر کے راوی ہیں۔ اس طرح وہ سب فقہاء امت کو جنہوں نے آثار و فتاوائے صحابہؓ کو مدون و منضبط کیا ہے اور صحابہؓ کے فتاویٰ پر مسائل فروعیہ کو قیاس کیا ہے، کافر اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ خوارج، روافض، جہمیہ، قدریہ، مجسمہ اور تمام اہل الاہواء الضالۃ میں کوئی بھی فقہ کا امام نہیں ہوا، نہ روایت حدیث میں کوئی امام گزرا، نہ لغت و نحو (عربی) میں کوئی امام ہوا، نہ کوئی شخص ہوا جس پر مغازی، سیر و تاریخ کی روایات میں اعتماد کیا جا سکے، نہ وعظ و تذکیر میں ان کے ہاں کوئی امام پیدا ہوا، نہ تاویل و تفسیر میں ان کا کوئی امام ہوا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان علوم کے خصوصاً و عموماً ائمہ کا تعلق اہل السنّت والجماعت ہی سے ہے۔ چونکہ اہل الاہواء الضالہ نے صحابہؓ سے مروی روایات کو جن کا تعلق احکام و سیر سے ہے، مسترد کر دیا ہے، سو یہ بات درست نہیں کہ وہ صحابہ کی اقتداء اور پیروی کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان کی شہادت کو قبول نہیں کرتے اور راویوں اور محدثین کی ان روایتوں کو جو ان صحابہؓ سے مروی و منقول ہیں مستند نہیں مانتے۔

## اہل السنّت ہی ناجی ہیں:

ان باتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابہ کرامؓ کے مقتدی و متبع وہی لوگ ہیں جو احکام و سیر میں ان سے مروی صحیح و مستند احادیث و اخبار پر عمل کرتے ہیں اور یہ لوگ اہل السنّت ہیں، بدعتی مقتدین صحابہ نہیں ہیں۔ ہم نے جو باتیں بیان کیں ان کی صحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اہل السنّت والجماعت ہی گروہ نجات یافتہ ہیں کہ وہی پیروان صحابہ ہیں۔ الحمدللہ۔

باب پنجم ............ فصل سوم

# ان اصول کا بیان جن پر اہل السنّت متفق ہیں

## متفق علیہ ارکان:

جمہورِ اہل السنّت والجماعت کا ارکانِ دین کے چند اصول پر اتفاق ہے، کہ ہر عاقل بالغ پر ان میں سے ہر رکن کی حقیقت کو جاننا واجب ہے۔ ان میں سے ہر رکن کی متعدد شاخیں ہیں اور ان شاخوں سے ایسے مسائل منسلک ہیں جن پر اہل السنّت نے ایک قول پر باہم اتفاق کیا ہے اور جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے، انہیں گمراہ ٹھہرایا ہے۔

۱۔ رکن اول: جسے اہل السنّت اصول دین میں خیال کرتے ہیں، وہ علی الخصوص اور علی العلوم حقائق وعلوم کا اثبات ہے۔

۲۔ رکن دوم: حدوث عالم سے متعلق اعراض واجسام کی مختلف اقسام کا علم۔

۳۔ رکن سوم: صانع عالم (اللہ) کی صفات وذات کی معرفت۔

۴۔ رکن چہارم: (صانع) کی صفات ازلی کا علم۔

۵۔ رکن پنجم: (صانع) کے اسماء واوصاف کا علم۔

۶۔ رکن ششم: (صانع) کے عدل وحکمت کی معرفت۔

۷۔ رکن ہفتم: (صانع) کے رسولوں اور نبیوں کی معرفت۔

۸۔ رکن ہشتم: انبیاء کے معجزوں اور اولیاء کی کرامات کی معرفت۔

۹۔ رکن نہم: شریعت اسلام کے امت کے نزدیک متفق علیہ ارکان کی معرفت۔

۱۰۔ رکن دہم: امر و نہی سے متعلق احکام اور تکلیف کی معرفت۔

۱۱۔ رکن یاز دہم: (بندوں کے فناء ہونے اور ان کے آخرت میں احکام کی معرفت)

۱۲۔ رکن دواز دہم: خلافت و امامت اور زعامت کے شرائط۔

۱۳۔ رکن سیز دہم: ایمان و اسلام کے اجمالی احکام۔

۱۴۔ رکن چہار دہم: اولیاء کے احکام اور ائمہ اتقیاء کے مراتب و مدارج کی معرفت۔

۱۵۔ رکن پانز دہم: اعداء یعنی کفار و اہل الاہواء کے متعلق احکام کی معرفت۔

یہ وہ اصول ہیں جن کے قواعد و اساس پر اہل السنّت نے اتفاق کیا ہے اور جن لوگوں نے ان میں اُن سے اختلاف کیا ہے، انہیں گمراہ قرار دیا ہے۔ ان ارکان میں سے ہر ایک میں متعدد اصولی و فروعی مسائل ہیں، ان کے اصول پر اہل السنّت متفق ہیں، مگر کبھی کبھی ان کے فروع سے متعلق ان میں اختلاف رائے پیدا ہوا ہے لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کی تضلیل و تفسیق کی ہو، یعنی ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق قرار دیا ہو۔

## حقائق وعلوم ............ ۱۔ رکن اوّل:

اثباتِ حقائق و علوم سے عبارت ہے۔ اہل السنّت کا اس پر اجماع ہے کہ علوم ایسے ''معانی'' ہیں جو اہل علم کے ساتھ قائم ہیں۔ اور وہ علم اور تمام اعراض کی نفی کرنے والوں کو گمراہ ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح اہل السنّت ''سوفسطائیہ'' کو بھی گمراہ کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ علم اور حقائق اشیاء کی نفی کرتے اور اُن کے انکاری ہیں۔ اور ان امور کا جنہیں وہ ضرورت کے تحت جانتے ہیں، (سوفسطائیہ کو) معاند و مخالف شمار کرتے ہیں۔ ایسے ہی (گمراہ) وہ سوفسطائیہ ہیں جو حقائق کے وجود میں شک کرتے ہیں۔ نیز اس طرح (گمراہ) وہ سوفسطائیہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حقائق اشیاء، اعتقاد کے تابع ہیں، اور تمام اعتقادات کو اپنے تضاد و تناقض کے باوجود صحیح و

درست مانتے ہیں۔ چنانچہ (سوفسطائیہ کے) یہ تینوں فرقے (یعنی عنادیہ، لاادریہ وعندیہ) سب کے سب کافر ہیں اور موجبات ضروریہ جو عقل سے ثابت ہیں، ان کے معاند ومخالف ہیں۔

علوم کے اقسام:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: انسانوں اور تمام حیوانات کے علم کی تین قسمیں ہیں، یعنی ''علم بدیہی''، ''علم حسی'' اور ''علم استدلالی''۔ وہ کہتے ہیں کہ جس نے ''علوم بدیہیہ'' کا انکار کیا یا ''علوم حسیہ'' کا جو حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، انکار کیا، تو وہ ''معاند'' ہے۔ اور جو ''علوم نظریہ'' کا، جو غور وفکر واستدلال سے حاصل ہوتے ہیں، انکار کرتا ہے، تو اس کے حال پر غور کیا جائے گا۔ اگر ایسا شخص گروہ ''السمینہ'' سے تعلق رکھتا ہے اور ''علوم عقلیہ'' میں غور وفکر کا منکر ہے، تو وہ کافر وملحد ہے۔ اس کا حکم ''دہریہ'' کا حکم ہے (اس کی حالت دہریہ جیسی اور اس کی حیثیت انہیں کی ہوگی)۔ کیونکہ ایسا شخص دہریہ کے ساتھ عالم کے قدیم ہونے کا قائل اور صانع و خالق کا منکر ہے اور ان عقائد پر یہ اضافہ بھی اس نے کیا ہے کہ تمام ادیان باطل ہیں۔ اگر ایسا شخص عقلیات میں غور وفکر کا قائل ہے اور احکام کی فروع کا ''اہل الظاہر'' کی طرح انکاری ہے تو وہ قیاس شرعی کے انکار سے کافر نہ ہوگا۔

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: وہ حواس جن کے ذریعہ محسوسات کا ادراک کیا جاتا ہے، پانچ ہیں اور یہ حاسۃ البصر، (باصرہ) دیکھی جانے والی اشیاء (المرئیات) کے ادراک کے لئے، حاسۃ السمع (سامعہ) سنی جانے والی چیزوں کے ادراک کے لئے، حاسۃ الذوق (ذائقہ) مزے اور کھائی جانے والی اشیاء کے ادراک کے لئے، حاسۃ الشم (شامہ) سونگھی جانے والی مہک کے ادراک کے لئے اور حاسۃ اللمس (لامسہ) گرمی، سردی، نمی، خشکی، نرمی اور سختی والی اشیاء کے ادراک کے لئے ہیں۔

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: ان حواس سے جو ادراکات واقع ہوتے ہیں، وہ ''معانی'' ہیں اور ان آلات کے ساتھ جو ''حواس'' کہلاتے ہیں قائم ہیں۔ اسی لئے انہوں نے (معتزلی عالم)

ابو ہاشم الجبائی کو اس عقیدہ میں برسر ضلالت ٹھہرایا ہے کہ: ادراک نہ ''معانی'' ہے، نہ ''عرض'' ہے اور ''مدرک'' (جو چیز ادراک سے جانی پہچانی جائے) کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

خبر متواتر:

اہل السنت اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ: ''خبر متواتر'' علم ضروری کا اس بناء پر کہ اس سے متعلق متواتر خبر دی گئی ہے، ایک ذریعہ ہے، بشرطیکہ جن چیزوں کی خبر دی گئی ہے ان کا مشاہدہ کیا جا سکے، حس اور ضرورت سے ان کا ادراک کیا جا سکے۔ مثلاً ان شہروں کے وجود کی خبر کی صحت کا علم جہاں اس کا سامع کبھی نہ گیا ہو اور وہ علم متواتر خبروں سے حاصل ہوا ہو۔ اور مثلاً ان انبیاء اور بادشاہوں کے متعلق ہمارا علم، جو ہم سے پہلے گزرے ہیں۔ ہاں جہاں تک ان انبیاء کے دعوۂ نبوت کی صحت کا تعلق ہے، تو ہمیں ان کا علم نظری براہین وحجج سے حاصل ہوتا ہے۔

فرقہ السمنیہ جو تواتر سے علم کے وقوع کے انکاری ہیں، اہل السنت انہیں کافر سمجھتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ جن خبروں (اخبار) پر عمل کرنا ہمارے لئے لازمی ہے ان کی تین اقسام ہیں، تواتر، آحاد اور مستفیض کہ تواتر اور آحاد کے درمیانی درجہ میں ہے۔

خبر متواتر جس کے وضعی وجعلی ہونے پر ناقلین کا جمع ہو جانا محال ہو، اپنے مخبر کی صحت و وثوق کے باعث وہ علم ضروری کی موجب ہوتی ہے۔ اس قسم کے اخبار میں ہمارا وہ علم ہے جو ہم کو ان شہروں اور ملکوں کے متعلق حاصل ہوتا ہے جہاں ہم کبھی نہ گئے ہوں۔ اسی قسم کی خبر سے ہم نے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے بادشاہوں، نبیوں اور صدیوں کو جانا پہچانا ہے۔ اسی نوع کے علوم اخبار سے انسان کو اپنے ماں باپ کا جن کی جانب وہ منسوب ہے، پتا چلتا ہے۔

اخبار آحاد:

جہاں تک اخبار آحاد کا تعلق ہے جب ان کی سندیں صحیح ہوں اور ان کا متن عقلاً محال نہ ہو، تو ان پر عمل کرنا نہ کہ انہیں صرف جان لینا، واجب وضروری ہو جاتا ہے۔ ان کی حیثیت عادل شاہدوں کی حاکم کے روبرو شہادت کی ہے، کہ ان پر ظاہری اعتبار سے حکم عائد کیا جاتا ہے،

ہر چند کہ ان شاہدین کی شہادت میں سچائی کا علم نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی خبر کی بنیاد پر فقہاء نے احکام شرعیہ کے اکثر فروعی مسائل کا، از قسم عبادات، معاملات و ابواب حلال و حرام، اثبات کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے روافض، خوارج اور اہل الاہواء میں سے اخبار آحاد کا علی الاجمال انکار کیا ہے، ان کی تضلیل و تفسیق کی ہے۔

خبر مستفیض:

خبر مستفیض، کہ متواتر اور آحاد کے درمیانی درجہ میں ہے، علم و عمل کو واجب ٹھہرانے میں متواتر جیسی ہے (اس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے) مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خبر مستفیض سے حاصل ہونے والا علم، مکتسب اور نظری ہوتا ہے جبکہ خبر متواتر سے حاصل ہونے والا علم ضروری اور غیر مکتسب ہوتا ہے۔ اس قسم کی خبر کی کئی قسمیں ہیں:۔

۱۔ انبیاء کی اپنی ذات سے متعلق خبریں۔ اس میں وہ خبریں بھی شامل ہیں جو ان کے صدق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس کے "صدق" کا علم مکتسب ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اخبار جو بعض اشخاص کی جانب سے دی جائیں، اگر اتنے لوگوں کے سامنے ان کو ظاہر کیا جائے جن کا جھوٹ پر متفق ہونا صحیح نہ ہو اور اس نے اپنی اس خبر کے ان لوگوں کے روبرو واقع ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور ان وجوہ و حاضر لوگوں میں سے کسی نے اس کی تردید و انکار نہ کیا ہو، تو ہم اس خبر میں کہنے والے کی سچائی اور اس کے "صدق" کو جان لیں گے اور ہمیں اس کا علم ہو جائے گا۔ اس قسم کی خبروں کے ذریعہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ "شق القمر"، تسبیح الحصا (آپ ﷺ کے ہاتھ میں کنکریوں کا اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا)، حنین جذع نخل (کھجور کے تنہ کا جس سے ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیتے تھے، آپ ﷺ کی جدائی سے اس کا رونا)، طعام قلیل سے اشباع الکثیر (تھوڑے سے کھانے میں اتنی برکت کا ہونا کہ اس سے بہت سے لوگ سیر ہو جائیں) وغیرہ وغیرہ معجزات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم حاصل ہوا ہے۔ اس میں معجزۂ قرآن کریم شامل نہیں ہے۔ جس کے نظم و ترتیب میں معجزہ ہے، کیونکہ قرآن کریم

کا ثبوت، اس کا غلبہ، اس کے جواب سے عرب وعجم کا عجز خبر متواتر سے معلوم ہے جو علم ضروری کی موجب وسبب ہے۔

۳۔ ان کی ایک قسم وہ حدیثیں ہیں جو ائمہ حدیث وفقہ کے نزدیک اخبار مستفیضہ کے زمرہ میں ہیں۔ اور محدثین وفقہاء کا ان سب کی صحت پر اجماع ہے۔ مثلاً (روز قیامت میں) شفاعت، حساب، حوضِ کوثر، صراط، میزان، عذاب قبر اور قبر میں مردہ سے منکر نکیر (دو فرشتوں) کا سوال (ان سب سے متعلق احادیث نبویہ)۔ اسی طرح احکام فقہ میں اخبار مستفیضہ بکثرت ہیں، مثلاً نصاب زکوٰۃ، حدِ خمر، مسح علی الخفین، رجم اور ان جیسے احکام جن میں اخبار مستفیضہ کو قبول کرنے اور ان پر عمل کے متعلق فقہاء کا اجماع ہے۔

اخبار مستفیضہ کے متعلق اہل الاہواء میں سے جن لوگوں نے اہل السنّت سے اختلاف کیا، وہ انہیں گمراہ ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً خوارج نے سزائے رجم کا انکار کیا ہے، اس لئے اہل السنّت ان کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح (خوارج کا گروہ) النجدات جو حد خمر کا انکاری ہے اور وہ لوگ جو مسح علی الخفین کے منکر ہیں، اہل السنّت کے نزدیک گمراہ ہیں۔ اسی طرح جو لوگ (روز قیامت میں) روئیت باری، حوض (کوثر کے برپا ہونے)، (گناہ گاروں کے لئے) شفاعت اور عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں، وہ سب اہل السنّت کے ہاں کافر ہیں۔

اسی طرح اُن کے نزدیک خوارج اس لئے بھی گمراہ ہیں کہ وہ چوری کے ارتکاب پر چور کا ہاتھ کاٹنے کے قائل ہیں، خواہ چوری کا مال کم ہو یا زیادہ اور حفاظت میں رکھا ہوا ہو یا کہ کھلے عام پھیلا ہوا ہو، کیونکہ وہ لوگ اس ضمن میں ''قطع ید'' کے لئے نصاب (مال کی مقررہ حد) اور حرز (حفاظت میں رکھا ہوا مال) کے متعلق اخبار صحیحہ کو نہیں مانتے اور انہیں مسترد کر دیتے ہیں۔ اہل السنّت جس طرح خبر مستفیض کو رد کرنے والوں کو گمراہ سمجھتے ہیں، اسی طرح وہ ان لوگوں کی بھی تضلیل کرتے ہیں جو ایسی خبر کے حکم پر عمل کرتے ہیں، جس کے منسوخ ہونے پر فقہاء اہل الرائے اور اہل الحدیث دونوں متفق ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ وہ روافض کو اس بناء پر گمراہ سمجھتے ہیں کہ وہ ''متعہ'' کو مباح وجائز سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کی اباحت منسوخ ہو چکی ہے اور

وہ حرام ہے۔

## انسان معرفت الٰہی کا مکلّف ہے:

اہل السنّت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی معرفت کا مکلّف ٹھہرایا ہے اور انہیں اس معرفت کے حصول کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اس نے بندوں کو اپنے رسولوں اور اپنی کتاب کی معرفت کا اور کتاب وسنت کے مدلول پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی بناء پر ان کے نزدیک القدریہ، الرافضہ کافر ہیں کہ انکا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی معرفت (پہچان) کا مکلّف نہیں کیا ہے۔ یہ عقیدہ (القدریہ میں سے) ثمامہ دجاحظ اور روافض کے ایک گروہ کا ہے۔

## علم کسبی نظری:

اس عقیدہ پر بھی اہل السنّت متفق ہیں کہ ہر کسبی نظری علم کے ضمن میں یہ بات جائز ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اُس کے معلومات کے جاننے پر مجبور کرے۔ انہوں نے اسی لئے معتزلہ میں سے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آخرت میں اللہ عزوجل کی معرفت مکتسبہ ہے مگر اس کی معرفت کے لئے بندوں کو مجبور نہیں کیا گیا ہے (مکتسبہ ہے مگر غیر مفطر الیہا ہے)۔

## اصول احکام شرعیہ:

اس عقیدہ پر اہل السنّت کا اتفاق ہے کہ: احکام شرعیہ کے اصول قرآن کریم، سنت اور اجماع سلف ہیں۔ اسی وجہ سے روافض میں سے جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اب قرآن وسنت حجت شرعیہ نہیں ہیں، کیونکہ صحابہؓ نے قرآن کریم کے بعض حصوں کو بدل دیا ہے اور بعض میں تحریف کر دی ہے، ان کے نزدیک کافر ہیں۔ اسی طرح خوارج بھی کافر ہیں، کیونکہ انہوں نے ان تمام احادیث کو جنہیں راویان حدیث نے روایت کیا ہے، اسی وجہ سے مسترد کر دیا ہے کہ یہ راویان اخبار واحادیث کافر ہیں۔ اسی طرح اہل السنّت کے نزدیک النظام (المعتزلی) بھی کافر ہے، اس لئے کہ اس کے خیال میں اجماع سلف حجت شرعی نہیں ہے، وہ تواتر کو بھی حجت شرعی ماننے سے انکاری ہے اور اس

بات کا قائل ہے کہ امت محمدی ﷺ، ضلالت و گمراہی پر متفق ہوسکتی ہے اور اہل التواتر (اخبار متواترہ کے ناقلین) جھوٹ وضع کرنے اور جعلی خبریں گھڑنے پر اکٹھا ہوسکتے ہیں۔

''رکن اول'' کے جو مسائل اہل السنّت والجماعت کے ہاں متفق علیہا ہیں یہ تھی ان کی تفصیل۔

## حدوث عالم...........۲۔رکن دوم:

عالم کے حادث وفانی ہونے پر گفتگو کا موضوع ہے۔ اہل السنّت کا اس امر پر اجماع ہے کہ عالم، اللہ عزوجل کے سوا ہر شئی سے عبارت ہے، اور ہر وہ شئی جو غیر اللہ اور اس کی ازلی صفات کے علاوہ ہے، وہ مخلوق و مصنوع ہے، اس عالم کا صانع (اللہ) نہ مخلوق ہے اور نہ مصنوع ہے، اور وہ نہ عالم کی اور نہ اس کے کسی جزء کی جنس سے ہے۔ اہل السنّت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اجزاء عالم دو طرح کے ہیں، جواہر اور اعراض، یہ بات ان لوگوں کے برخلاف ہے جو اعراض کی نفی کرتے ہیں۔ اہل السنّت اس پر بھی متفق ہیں کہ ہر جوہر ایک ''جزء لاتجزاء'' ہے، اس لئے وہ نظام اور ان فلاسفہ کی تکفیر کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہر جزء کی ایسے اجزا میں تقسیم ہوتی ہے جن کی کوئی انتہاء نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے اجزاء کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی گنتی اور ان کا کوئی شمار نہ ہوگا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تردید ہوتی ہے کہ:

''اور اس نے ہر شئی کی گنتی کی ہے۔ (القرآن، سورۃ الجن، آیت ۲۸)''۔

### ملائکہ وجن وشیاطین:

اسی طرح اہل السنّت ملائکہ، جن وشیاطین کو عالم کے حیوانات کی جنس سے مانتے ہیں اور ''ان'' کے وجود کے قائل ہیں۔ اور فلاسفہ و باطنیہ کو جو ان کے منکر ہیں، کافر قرار دیتے ہیں۔

## تجانس اجسام:

اہل السنت ''تجانسِ اجسام'' (تمام جسموں کے ہم جنس اور یکساں ہونے) کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو ان کے درمیان صورتوں، رنگوں، مزوں، مہکوں وغیرہ کا فرق ہے، وہ ان اعراض کے سبب سے ہے جو ان اجسام کے ساتھ قائم ہیں، جو لوگ اختلاف طبائع کی وجہ سے اختلاف اجسام کے قائل ہیں، اہل السنت کے نزدیک گمراہ ہیں۔ یہ لوگ ان فلاسفہ کو بھی بر سر ضلالت سمجھتے ہیں جو طبائع خمسہ (پانچ طبیعتوں) کو مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''فلک'' کی طبیعت خامسہ (پانچویں طبیعت) ہے اور وہ ''کون'' اور ''فساد'' کو قبول نہیں کرتی۔ یہی رائے ارسطا طالیس کی بھی ہے۔

## ثنویہ گمراہ ہیں:

الثنویہ میں سے جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ: اجسام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ''نور'' اور ''ظلمت''۔ ''خیر'' کا تعلق ''نور'' سے اور ''شر'' کا تعلق ''ظلمت'' سے ہے۔ اور فاعل (خالق) خیر وصدق، اس امر پر قادر نہیں ہے کہ شر وکذب کرے، اسی طرح فاعل شر وکذب کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ خیر وصدق کا اس سے صدور ہو۔ یہ لوگ بھی اہل السنت کے نزدیک گمراہ ہیں۔

## ثنویہ پر اعتراض:

(مولف کتاب عبدالقاہر کہتے ہیں کہ) ہم نے (ثنویہ) سے اُس شخص کے بارے میں، جو یہ کہتا ہے کہ: ''میں شر اور ظلمت ہوں'' ﴿أَنَا شَرٌّ وَ ظُلْمَةٌ﴾ دریافت کیا کہ اس بات (قول) کا کہنے والا (قائل) کون ہے؟ اگر ان کا جواب یہ ہے کہ وہ کہنے والا ''نور'' ہے۔ تو یہ ''کذب'' (جھوٹ) ہوا۔ (کیونکہ نور شر وظلمت ہو ہی نہیں سکتا)۔ اگر وہ لوگ یہ جواب دیں کہ یہ کہنے والا ''ظلمت'' ہے، تو یہ جواب ''صدق'' (سچ) ہوگا۔ یوں ان لوگوں کا یہ کہنا کہ نور سے کذب کا اور ظلمت سے صدق کا صدور نہیں ہوسکتا، باطل ٹھہرتا ہے (کیونکہ اس صورت میں ایسا ہوا ہے)۔ ان کے اس اصول پر ان پر یہ الزامی اعتراض وارد ہوتا ہے، جہاں تک ہمارا (اہل

السنّت کا) معاملہ ہے تو ہم نور و ظلمت کو دو فاعل قدیم مانتے ہی نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نور و ظلمت دونوں مخلوق ہیں اور ان کا کوئی فعل نہیں ہے۔

اعراض:

اعراض کے اجناس کے مختلف ہونے پر اہل السنّت کا اتفاق ہے، اسی لئے نظام اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے کافر قرار پایا کہ: ''تمام اعراض ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ تمام کی تمام ''حرکات'' ہیں۔'' کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایمان اور کفر کی ایک ہی جنس ہو، علم، جہل کی جنس سے ہو اور قول (بولنا) سکوت (چپ رہنا) کی جنس سے ہو۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل شیطان مردود کے فعل کی جنس سے ہو۔ اس کے ساتھ ہی اگر کوئی شخص نظام پر لعنت بھیجے اور اسے گالیاں دے تو اسے ایسے شخص پر غصہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کہنے والے کی یہ بات کہ ''اللہ نظام پر لعنت بھیجے'' اس کے نزدیک گویا ایسی ہی ہے کہ وہ کہہ رہا ہو''اللہ نظام پر رحم کرے''۔

اہل السنّت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ''اعراض'' اجسام میں پیدا ہوتی ہیں، اور دہریہ یہ کہتے ہیں کہ اعراض، اجسام میں پوشیدہ اور سدا سے موجود ہیں اور اُن کی جگہ پر اُن کی ''ضد'' کے درآنے کے سبب سے وہ ظاہر ہوتی ہیں، دہریہ کا یہ خیال غلط ہے اور اس بناء پر وہ کافر ہیں۔

اس بات پر بھی اہل السنّت باہم متفق ہیں کہ ہر ''عرض'' ایک ''محل'' میں ''حادث'' ہوتی ہے اور وہ قائم بالذات نہیں ہوتی۔ اسی لئے انہوں نے بصرہ کے گروہ معتزلہ میں سے اُن لوگوں کی تکفیر کی ہے جو اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا ارادہ کسی محل میں حادث نہیں ہوتا اور فناء اجسام کا حدوث کسی محل میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح انہوں نے ابو ہذیل کے اس قول کی وجہ سے اسے کافر ٹھہرایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا قول ''کن'' عرض ہے جو ''لا فی محل'' (کسی محل میں نہیں) میں حادث ہے۔

اجسام کا خلو محال ہے:

اس امر پر بھی اہل السنّت باہم متفق الخیال ہیں کہ اجسام نہ کبھی خالی تھے اور نہ خالی ہو ہی

سکتے ہیں ان اعراض سے جو ان پر پے در پے طاری ہوتی اور ان میں در آتی رہتی ہیں۔ اسی لئے وہ ''اصحاب الھیولیٰ'' میں سے ان لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ہیولیٰ ازل میں اعراض سے خالی تھا، پھر اس میں اعراض پیدا ہوئیں یہاں تک کہ ''عالم'' کی صورت میں متصور ہوگئیں۔ یہ بات نہایت درجہ محال ہے، کیونکہ جوہر میں عرض کے حلول (در آنا) سے اس کی صفت میں تغیر آ جائے گا مگر اس کی تعداد نہ بڑھے گی، سو اگر عالم کا ہیولیٰ، جوہر واحد تھا تو اس میں اعراض کے حلول کے باعث وہ جواہر کثیرہ نہیں ہوسکتا (یعنی جوہر واحد، اعراض کے در آنے سے جواہر کثیرہ نہیں بن سکتا اور اس کی وحدت کثرت میں متبدل نہیں ہوسکتی)۔

زمین:

اسی طرح اہل السنّت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین ایک مقام پر ٹھہری ہوئی اور ساکن ہے۔ اور یہ کہ اس کی حرکت ان عوارض واسباب کے باعث ہوتی ہے جو اسے زلزلہ یا اسی قسم کی کسی دوسری علت سے لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ بات دہریہ کے اس مزعومہ کے خلاف ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ زمین ہمیشہ نشیب میں گرتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ پتھر جسے ہم اپنے ہاتھوں سے نیچے ڈالتے ہیں، کبھی زمین سے نہ مل پاتا، کیونکہ نیچے اترنے اور گرنے میں کوئی ہلکی چیز اپنے سے بھاری چیز سے ملحق نہیں ہوتی۔

اس بات پر بھی اہل السنّت متحد الخیال ہیں کہ زمین ہر جہت وسمت سے متناہی ہے (یعنی ہر جانب اس کا کنارا موجود ہے) اور اسی طرح آسمان بھی چھ سمتوں سے متناہی ہے۔ یہ بات دہریہ کے اس قول کے برخلاف ہے کہ زمین کی کوئی نہایت (حد، انتہاء) نشیب، دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے سے نہیں ہے اور اس کی نہایت وحد بالائی سمت سے ہے جہاں وہ فضاء سے مل جاتی ہے۔ دہریہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آسمان، نشیب کی سمت سے متناہی ہے اور جہت اسفل کے سوا پانچ جہات سے اس کی کوئی انتہاء وحد نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اس قول کا باطل ہونا اسی بات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ سورج اپنے مقام طلوع (مشرق) کی جانب ہر روز لوٹ آتا ہے اور

آسمان و بالائے زمین کے اجرام کو ایک شب و روز میں وہ طے کر لیتا ہے۔ حالانکہ جس کی کوئی نہایت نہ ہو ایک متناہی زمانہ میں اس کے مکان کی مسافت کو طے کر لینا درست نہیں (سو قطع مسافت کے امکان سے اس کے غیر متناہی ہونے کی نفی ہوتی ہے)۔

سماوات:

اس امر پر بھی اہل السنّت کا اتفاق ہے کہ سماوات (آسمان) کے سات طبقے ہیں۔ یہ بات فلاسفہ اور منجمین کے اس گروہ کی رائے کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آسمان کے نو (۹) طبقے ہیں۔ وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ سماوات کروی (گیند کی شکل کے) نہیں ہیں جو زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے خیال کے برخلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سماوات گیندوں کی شکل میں ہیں۔ کہ ان میں سے بعض، بعض دوسرے کے پیٹ میں ہیں اور زمین ان کے وسط میں، ان کے پیٹ میں گیند کے مرکز کی طرح ہے۔ جو لوگ اس بات کے قائل، وہ سماوات کے اوپر عرش کا اثبات نہیں کرتے، اسی طرح ملائکہ اور ان تمام چیزوں کا آسمان کے اوپر وہ اثبات نہیں کرتے حالانکہ ہم ان چیزوں کا بالائے سموات ہونا مانتے اور انہیں ثابت کرتے ہیں۔

فناء عالم جائز ہے:

اہل السنّت کا اس عقیدہ پر بھی اجماع ہے کہ عالم کا فناء ہو جانا بطریق قدرت و امکان جائز و درست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت، جہنم و عذاب جہنم شریعت کی رو سے ابدی ہیں اور فناء ناپذیر ہیں۔ ان کے نزدیک بعض اجسام کا فناء ہو جانا اور بعض کا فناء نہ ہونا جائز ہے۔ انہوں نے اسی لئے ابوہذیل (معتزلی) کی تکفیر کی ہے کیونکہ وہ اس بات کا قائل تھا کہ جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی اذیتیں ختم ہو جائیں گی اور وہ ابدی نہیں ہیں۔ انہوں نے جہمیہ میں سے یہ عقیدہ رکھنے والوں کو بھی کہ جنت و دوزخ فناء ہو جائیں گی، کافر ٹھہرایا ہے۔ انہوں نے الجبائی اور اس کے بیٹے ابوہاشم کی بھی تکفیر کی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ بعض اجسام کو فناء کر دے اور بعض اجسام کو باقی

رکھے۔ ہاں وہ اس پر ضرور قادر ہے کہ تمام عالم کو ایسے فناء کے ذریعہ جسے وہ ''لا فی محل'' میں تخلیق کرے، فناء و برباد کر دے۔

## ذات وصفات صانع.........۳۔ رکن سوم:

اس رکن کا تعلق صانع عالم اور اس کی ذاتی صفات سے ہے، یہ صفات وہ ہیں جن کا وہ اپنی ذات کے لئے مستحق ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ تمام حوادث (حادث ہونے والی اشیاء) کے لئے ایک محدث (حادث کرنے والا) صانع ضروری ہے۔ انہوں نے (معتزلہ میں سے) ثمامہ اور اس کے قدری متبعین کو ان کے اس عقیدہ کی وجہ سے کہ: افعال متولدہ کا کوئی فاعل نہیں ہے، کافر قرار دیا ہے۔

### صانع عالم اعراض واجسام کا خالق ہے:

اہل السنّت کے نزدیک صانع عالم، اعراض واجسام کا خالق ہے، اس لئے انہوں نے معمر اور اس کے قدری پیرووں کی تکفیر کی گئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اعراض میں سے کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا ہے، اس نے صرف اجسام کی تخلیق کی ہے اور یہ اجسام ہیں جنہوں نے اپنے انفاس میں اعراض کی تخلیق کی ہے۔

### حوادث:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ حوادث اپنے حدوث سے قبل نہ اشیاء ہوتے، نہ اعیان ہوتے، نہ جواہر ہوتے اور نہ اعراض ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف القدریہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معدومات، معدوم ہونے کی حالت میں بھی اشیاء ہوتی ہیں۔ ان (قدریوں) میں سے بصرہ والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جواہر اور اعراض اپنے حدوث (وجود میں آنا) سے پہلے بھی جواہر اور اعراض تھے۔ اِن لوگوں کے اس عقیدہ سے عالم کے قدیم ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اور جس عقیدہ سے کفر کی جانب رہنمائی ہو، وہ خود کفر ہے۔

## صانع عالم قدیم ہے:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ صانع عالم قدیم ہے اور ہمیشہ سے موجود ہے۔ یہ عقیدہ مجوس کے خلاف ہے جو دو صانعوں کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک شیطان (اہرمن) محدث (فناء پذیر اور حادث) ہے۔ یہ عقیدہ روافض کے فرقہ غلاۃ کے بھی عقیدہ کے برخلاف ہے، جو حضرت علیؓ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ جوہر مخلوق محدث ہیں، لیکن وہ اس لئے الاہِ صانع ہوگئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی روح حلول کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اس بدگوئی سے بہت بلند ہے۔

## صانع عالم لانہایۃ ہے:

اہل السنّت کے عقیدہ کی رو سے صانع عالم کی نہ کوئی نہایت ہے اور نہ کوئی حد ہے۔ یہ ہشام بن حکم رافضی کے اس عقیدہ کے علی الرغم ہے کہ اس کا معبود اپنے بالشت سے سات (۷) بالشت کا ہے۔ یہ عقیدہ کرامیہ کے اس زعم باطل کے بھی خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سمت سے جدھر سے اس سے عرش ملتا ہے، نہایت وحد رکھتا ہے (محدود اور منتہی ہے)۔ ہاں اس جہت کے سوا پانچوں سمتوں سے اس کی کوئی نہایت وحد نہیں ہے۔

## صانع عالم صورت واعضاء سے پاک ہے:

اہل السنّت کا اس امر پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صورت واعضاء سے متصف کرنا محال ہے۔ یہ عقیدہ فرقہ روافض کے غلاۃ اور داؤد الجوار بی کے متبعین کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان جیسی صورت رکھتا ہے۔ ہشام بن سالم الجوالیقی اور اس کے رافضی متبعین کا عقیدہ ہے کہ ان کے معبود کی صورت انسان جیسی ہے، اس کے سر پر سیاہ گیسو ہیں، وہ ''نورِ اسود'' (روشنی، سیاہ وتار) ہے، اس کا آدھا اوپر کا دھڑ کھوکھلا (مجوف) ہے اور نچلا آدھا دھڑ ٹھوس (مصمت) ہے۔ (اہل السنّت کا یہ عقیدہ ہشام بن سالم الجوالیقی کے مزعومہ کے خلاف ہے)۔ اسی طرح (یہ عقیدہ) روافض کے فرقہ المغیر یہ کے اس دعویٰ کے بھی علی الرغم ہے کہ ان کے معبود کے اعضاء

حروف تہجی کی شکل کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت اعلیٰ ہے۔

## صانع عالم قید زمان و مکان سے آزاد ہے:

اس پر بھی اہل السنت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو کوئی مکان گھیرے ہوئے اور اکھٹا کئے ہوئے ہے اور نہ اس پر وقت جاری ہوتا ہے (وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے)۔ ہشامیہ اور کرامیہ کے اس عقیدہ کے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے مماس (متصل، محیط) ہے، اہل السنت کا یہ عقیدہ خلاف ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی قدرت کے اظہار کے لئے نہ کہ اپنی ذات کے لئے مکان کے بطور پیدا کیا ہے۔'' انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی مکان نہ تھا، اور وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے۔''

## صانع عالم پر آفات طاری نہیں ہوتیں:

اہل السنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آفات، رنج و غم، آلام اور لذات واقع و طاری نہیں ہوتیں، اسی طرح وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حرکت و سکون کا اللہ تعالیٰ سے صدور نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ روافض کے فرقہ ہاشمیہ کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ پر حرکت کا غلبہ جائز ہے اور یہ کہ اس کا مکان (مقام استقرار) اس کی حرکت کے سبب سے پیدا (حادث) ہوا ہے۔ یہ عقیدہ ان لوگوں کے مزعومات کے بھی خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر تعب، راحت، غم، سرور و ملال کے جذبات طاری ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کا حامل ابوشعیب ناسک تھا۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی بدعقیدگی سے نہایت درجہ اعلیٰ وارفع ہے۔

## صانع عالم بے نیاز ہے:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے غنی اور بے نیاز ہے، وہ اپنی مخلوقات سے کسی قسم کا نفع نہیں حاصل کرتا اور نہ ان کی مدد سے اپنی ذات سے کسی نقصان کا دفاع کرتا ہے۔ اہل السنّت کا یہ متفق علیہ عقیدہ مجوس کے اس ادعاء کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے ذریعہ سے وہ اپنی ذات سے شیطان اور اس کے اعوان وانصار کی تکالیف کو روک سکے۔

### صانع عالم واحد ہے:

صانع عالم واحد (ایک) ہے، اس پر اہل السنّت کا اجماع ہے۔ اس عقیدہ کے برخلاف ثنویہ دوقدیم صانع (اللہ) کے قائل ہیں، جن میں سے ایک نور اور دوسرا ظلمت ہے۔ اس کے برخلاف مجوس دوصانعوں کے عقیدہ کے قائل ہیں کہ ان میں سے ایک الٰہ قدیم ہے جس کا ان کے ہاں ''یزدان'' نام ہے اور دوسرا شیطان رجیم ہے کہ اس کا نام ''اہرمن'' ہے۔ اہل السنّت کا عقیدہ توحید صانع، روافض کے فرقہ غلاۃ کے گروہ المفوضہ کے عقیدہ کے خلاف ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے عالم کی تدبیر و تنظیم کے امور علیؓ کو تفویض کر دیئے ہیں، چنانچہ وہ خالق ثانی ہیں۔ اہل السنّت کا یہ عقیدۂ توحید، القدریہ کے فرقہ الخابطیہ کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے، جو احمد بن خابط کے متبعین پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے عالم تدبیر و تنظیم کے امور عیسیٰ بن مریم کو سونپ دیئے ہیں اور وہی خالق ثانی ہیں۔ ہم نے موحدین کے توحید صانع پر دلائل کو اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں بڑی شرح وبسط سے بیان کر دیا ہے۔

## ازلی صفات صانع: ۴۔ رکن چہارم:

اس میں ہم ان صفات پر کلام کریں گے جو اللہ عزوجل کے ساتھ قائم ہیں۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی قدرت، اس کی حیات، اس کا ارادہ، اس کی سمع، اس کی بصر اس کا کلام، اس کی ازلی صفات اور اس کے ابدی اوصاف (نعوت، نعت) ہیں۔

فرقہ معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی تمام ازلی صفات کی نفی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ: نہ اس کو قدرت ہے، نہ علم ہے، نہ حیات ہے، نہ رؤیت ہے، نہ مسموعات (سنی جانے والی باتوں) کو ادراک کرنے کی صلاحیت ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے کلام کا اثبات کیا ہے جو محدث

(حادث، پیدا کردہ مخلوق، فانی) ہے۔ معتزلہ کے مدرسہ بغداد کے متبعین نے اللہ تعالیٰ سے ارادہ کی نفی کی ہے، مگر بصرہ کے مدرسہ اعتزل سے تعلق رکھنے والے متکلمین نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ارادہ کا اثبات کیا ہے جو "لافی محل" (کسی محل و مقام میں نہیں) میں حدوث پذیر ہوتا ہے۔

## نفی صفت سے موصوف کی نفی ہوتی ہے:

ہم (اہل السنّت) ان معتزلہ سے کہتے ہیں کہ: صفت کی نفی کرنے سے موصوف کی نفی ہوتی ہے، یہ ایسا ہے کہ فعل کی نفی کرنے سے فاعل کی نفی لازم آتی ہے اور کلام کی نفی سے متکلم کی نفی ہوتی ہے۔

## قدرت صانع:

اہل السنّت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مقدورات پر قدرت ایک قدرت (قدرۃٌ واحدۃٌ) ہے، جس سے اس کو تمام مقدورات پر اختراع (ایجاد، تخلیق) کے طریقہ پر، نہ کہ اکتساب کے طریقہ پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ عقیدہ کرامیہ کے اس ادعاء کے خلاف ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان "حوادث" پر قادر ہوتا ہے جو اس کی ذات میں حدوث پاتے ہیں۔ جہاں تک ان "حوادث" کا تعلق ہے جو عالم میں موجود ہیں، تو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے "اقوال" سے حادث و تخلیق کیا ہے، اپنی قدرت سے نہیں۔ یہ عقیدہ القدریہ (المعتزلہ) کے مدرسہ بصرہ کے اس عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے مقدورات پر کسی قسم کی قدرت حاصل نہیں ہے۔ اور نہ اسے تمام حیوانات کے مقدورات پر ہی کوئی قدرت حاصل ہے۔

## مقدورات صانع فناناپذیر ہیں:

اہل السنّت کا اجماع ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے "مقدورات" فنا ناپذیر ہیں۔ یہ عقیدہ ابوہذیل اور اس کے معتزلی متبعین کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسے حال کو پہنچ جاتی ہے جس میں وہ اپنے مقدورات کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کسی شئی پر

قادر نہیں رہ جاتا اور اس وقت نہ وہ کسی کو کوئی نقصان پہنچانے اور نہ کسی قسم کا نفع پہنچانے پر قادر رہ جاتا ہے اور اس کے زعم میں اہل الجنت واہل دوزخ اس حال میں جامد ہو کر سکون دائم میں باقی رہیں گے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے عقائد سے بہت بلند و برتر ہے۔

## الاسواری معتزلی کی رائے:

الاسواری اور اس کے معتزلی پیروؤں کا کہنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اسی چیز کے کرنے پر قادر ہے جس کے متعلق اسے یہ علم ہوتا ہے کہ وہ اس کو کر سکتا ہے، لیکن جس چیز کے بارے میں اس کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے نہیں کرے گا یا اسے اپنے نفس کے متعلق یہ خبر ہو گئی کہ وہ اسے نہیں کرے گا تو وہ اس کو کرنے پر قادر نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اس قول سے اعلیٰ وارفع ہے۔

## علم صانع ایک ہے:

اہل السنّت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایک ہے (علمہ' واحد)۔ اس کے ذریعہ سے وہ تمام معلومات کو تفصیل سے جانتا ہے اور یہ علم کسی حس، کسی بدیہ اور اس پر کسی استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔ القدریہ میں سے معمر اور اس کے پیروکار یہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ: وہ اپنی ذات کا عالم ہے۔'' یہ بات نہایت تعجب خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ''غیر'' کا تو جاننے والا (عالم) ہے، لیکن وہ اپنے ''نفس'' کو جاننے والا (عالم) نہیں ہے۔ اسی طرح روافض کے ایک گروہ کا یہ زعم ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کسی شئ کو اس کے ہونے (کون) سے پہلے نہیں جانتا''۔ روافض میں سے زُرارہ بن اعین اور اس کے متبعین کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی قدرت، اس کی حیات اور اس کی تمام صفات، حوادث ہیں۔ اور یہ کہ اللہ حی (زندہ)، قادر (صاحب قدرت) اور عالم (صاحب علم) اس وقت تک نہ تھا جب تک کہ اس نے اپنی ذات کے لئے حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع اور بصر نہ پیدا کی۔''

## سمع و بصر:

اس عقیدہ پر بھی اہل السنّت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر تمام مسموعات اور

مرئیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ ازل سے اپنے نفس کو دیکھنے والا اور اپنے نفس کے کلام کا سننے والا ہے۔ یہ عقیدہ بغداد کے قدریہ کے خلاف ہے جن کا یہ ادعاء ہے کہ: اللہ تعالیٰ درحقیقت دیکھنے والا یا سننے والا نہیں ہے۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''دیکھتا ہے'' اور ''وہ سنتا ہے'' تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مرئی اور مسموع (اشیاء) کو جانتا ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ المعتزلہ کے اس عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے غیر کو دیکھتا ہے مگر خود اپنے نفس کو نہیں دیکھتا''۔ یہ عقیدہ جبائی کے اس قول کے بھی خلاف ہے جس کے ذریعہ وہ سمیع اور سامع میں اور بصیر و مبصر میں خط امتیاز کھینچتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ ازل میں سمیع و بصیر تھا لیکن ازل میں وہ سامع اور مبصر نہ تھا''۔ اس فرق کو الٹا بھی جا سکتا ہے اور اس کے عکس کے لزوم سے جبائی کے لئے کوئی مفر و جائے گریز نہ ملے گی۔

رویت باری:

اہل السنّت کا اجماع ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ مومنین کو دکھائی دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رویئت کے ہر حال میں اور ہر حیّ (زندہ) کے بطریق عقل جواز کے قائل ہیں اور آخرت میں اہل ایمان کے لئے خصوصاً اس کی رویت، بطریق جزو حدیث واجب ہے۔ یہ بات القدریہ و الجہمیہ کے خلاف ہے جو رؤیت باری کو محال جانتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے عقیدہ کے بھی برخلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت میں چھٹی حس (حاسہ سادسہ) سے دکھائی دے گا۔ یہ عقیدہ ضرار بن عمرو کا ہے۔ یہ عقیدۂ اہل السنّت ان لوگوں کے مزعومہ کے بھی خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفار بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اس مزعومہ میں ابن سالم بصری ؒ بھی شریک ہے۔ ہم نے رؤیت باری سے متعلق مسائل کو ایک علیحدہ کتاب میں بالاستیعاب سپرد قلم کیا ہے۔

ارادۂ باری:

اس عقیدہ پر بھی اہل السنّت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی مشیئت و اختیار سے

عبارت ہے اور یہ کہ اس کا کسی چیز کا ارادہ کرنا، اُس چیز کے عدم و نابود کرنے سے اس کی کراہیت و ناپسندیدگی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے کرنے کا حکم اس کے ترک اور چھوڑ دینے کی ممانعت اور نہی ہے۔ اہل السنّت یہ بھی کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی تمام مرادات (جن چیزوں کا وہ ارادہ کرے) میں ان سے متعلق اس کے علم کے مطابق نافذ و جاری ہوتا ہے۔ چنانچہ جس چیز کے ''کون'' (وجود میں آنے) کا اُسے علم ہوتا ہے، وہ اس کے ''کون'' کا اس وقت میں ارادہ کرتا ہے جس کے اندر اس کے وقوع پذیر ہونے کا اس کو علم ہوتا ہے۔ اور جس چیز کے متعلق وہ یہ جان جاتا ہے کہ وہ نہ ہوگی، تو وہ اس کے نہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: عالم میں کوئی چیز اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ نہ کرے۔ چنانچہ وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ مگر بصرہ کے قدری یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس چیز کے حدوث کو چاہتا ہے جو حدوث پذیر ہونی ہی نہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسے اس نے نہ چاہا وہ وجود میں آ گئی۔ القدریہ کے اس عقیدہ سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو حدوث (تخلیق) کرنے میں مغلوب ومقصود اور مجبور ہے (کہ جسے پیدا کرنا چاہتا ہے، پیدا نہیں کر پاتا اور جسے پیدا کرنا نہیں چاہتا اسے پیدا کرنے پر مجبور ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اس سے بدرجہا بلند ہے۔

## حیات صانع:

اہل السنّت کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حیات بلا روح اور کسی غذاء کے بغیر ہے، اور تمام ارواح مخلوق ہیں۔ (یہ عقیدہ) نصاریٰ کے اس ادعاء کے خلاف ہے کہ ''باپ، بیٹا اور روح قدیم ہیں۔''

اہل السنّت کے ہاں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ علم، قدرت، ارادہ، رؤیت اور سمع کے لئے حیات ایک شرط لازمی ہے۔ اور جو حَیّ (زندہ) نہیں ہے، اس کا عالم، قادر، مرید (صاحب ارادہ)، سامع و مبصر ہونا درست اور صحیح نہیں ہے۔ یہ عقیدہ الصالحی اور اس کے قدری متبعین کے

اس دعویٰ کے خلاف ہے کہ: علم، قدرت، رؤیت وارادہ کا میت میں ہونا بھی جائز ہے۔

## کلام صفت ازلی ہے:

اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کا کلام اس کی ''ازلی صفت'' ہے۔ اور یہ کہ (اس کا کلام) غیر مخلوق، لامحدث اور لاحادث ہے۔ اس کے برخلاف القدریہ کا یہ ادعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو اجسام میں سے ایک جسم میں پیدا ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ الکرامیہ کے اس مزعومہ کے بھی خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اقوال اس کی ذات میں حادث ہیں۔ یہ عقیدہ ابوہذیل کے اس دعویٰ کے بھی خلاف ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا کسی شئی کو یہ کہنا کہ ''کن'' (ہوجا) کسی محل میں نہیں ہے (لافی محل) اور اس کا تمام کلام، اجسام میں محدث ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا اس کی ذات میں حدوث جائز و درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ حوادث کا محل (ومقام) نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے کلام کا اس کے غیر میں بھی حدوث جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا غیر اس کی جانب سے متکلم، آمر وناہی ہو (جو محال ہے)۔ (اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام) غیر محل میں حادث ہو، اس لئے کہ صفت قائم بالذات نہیں ہوتی (بلکہ موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے) اس بناء پر کلام الٰہی کا حادث ہونا باطل ہے اور یہ بات صحیح ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے۔

## اسماء واوصاف الٰہی ............ ۵۔ رکن پنجم:

اللہ تعالیٰ کے اسماء واوصاف سے متعلق کلام سے عبارت ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اسماء الٰہی کا ماخذ ''توقیفی'' ہے۔ یہ اسماء خواہ قرآن کریم سے، خواہ سنت صحیحہ سے یا خواہ

اجماع امت سے متحقق ہیں۔ اور قیاس کے طریقہ سے اللہ تعالیٰ پر کسی نام کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس بصرہ کے مدرسہ اعتزال سے وابستہ معتزلہ نے بطریق قیاس اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کو جائز ٹھہرایا ہے۔ الجبائی نے اس موضوع پر نہایت افراط سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو مطیع بندہ (مطیعاً لعبادہ) کا نام اس لئے دیدیا کہ وہ اسکی مراد و مقصود کو پورا کرتا ہے، اسے محبل النساء (عورتوں کو حاملہ کرنے والا) اسی وجہ سے کہا ہے کہ اس نے اُن عورتوں میں حمل (حبل) کی تخلیق کی ہے۔ اس جسارت پر امت مسلمہ نے الجبائی کو گمراہ ٹھہرایا ہے اور اس جسارت سے خسارہ کے سوا کچھ اور حاصل نہ ہوگا۔

اسماء حسنیٰ:

اہل السنت کہتے ہیں: سنت صحیحہ کی رو سے اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام (اسماء حسنیٰ) ہیں۔ اور جس نے ان کا اِحصاء (شمار، احاطہ، وِرد) کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا، یہاں اِحصاء سے مراد ان کی گنتی کا ذکر نہیں ہے نہ ہی اس سے مقصود ان اسماء کا اعادہ ہے، کیونکہ کبھی کبھی کوئی کافر انکا بیان واقعہ کی غرض سے ذکر کرسکتا ہے مگر وہ جنت کا حقدار نہ ہوگا۔ اس لئے ان اسماء کے احصاء سے یہ مراد ہے کہ ان کا علم بہم پہنچایا جائے، ان کے معانی و مطالب پر اعتقاد رکھا جائے۔ عربی زبان میں کہتے ہیں: فلانٌ ذو حصاۃٍ واحصاءٍ، یعنی فلاں علم و عقل والا ہے (سو اسماء الٰہی کے مفاہیم کو جاننا، انہیں برتنا اور انہیں سمجھنا، انسان کی فلاح و فوز کا سبب ہے)۔

اسماء الٰہی کی تین اقسام:

اہل السنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ ایک قسم ان اسماء کی ہے جو اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً واحد، غنی، اول، آخر، جلیل، جمیل، اور تمام وہ اوصاف جن کی اس کی ذات مستحق ہے۔

۲۔ اسماء الٰہیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اس کی صفات ازلیہ کو جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، مفید ہے مثلاً حی، قادر، عالم، مرید، سمیع، بصیر اور تمام وہ اوصاف جو اللہ تعالیٰ کی صفات

قائمہ بذاتہ سے مشتق ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی یہ قسم، اس قسم کے ساتھ جس کا مذکور اس سے قبل ہوا (پہلی اور دوسری اقسام اسماء الٰہیہ)، اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں وہ ہمیشہ سے ان سے متصف ہے۔ اسماء کی یہ دونوں اقسام اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات سے متعلق ہیں۔

۳۔ اسماء الٰہیہ کی تیسری قسم اس کے افعال سے مشتق ہے، مثلا خالق، رازق، عادل وغیرہ۔ اور ہر نام جو اللہ تعالیٰ کے فعل سے مشتق ہے، ان افعال کے وجود وصدور سے قبل اللہ تعالیٰ سے موصوف نہ تھا۔

کبھی کبھی اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم دو معنوں کا متحمل ہوتا ہے یعنی اس سے اس کی ازلی صفت بھی مراد ہوتی ہے اور وہ اس فعل سے بھی مشتق ہوتا ہے۔ مثلا ''حکیم'' اگر ہم اسے ''حکمت'' سے ماخوذ مراد لیں جو ''علم'' ہے، تو یہ اس کی ازلی صفت ہے اور وہ نام ہے جس سے صفات ازلیہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اگر ہم ''حکمت'' کو افعال الٰہی کے اِحکام (استحکام) اور اتقان کے معنوں میں لیں، تو وہ اس کے فعل سے مشتق ہوگا، اور اس کے اوصاف ازلی سے نہ ہوگا۔

## عدل وحکمت الٰہی ............۶۔ رکن ششم:

عدلِ الٰہی اور اس کی حکمت سے متعلق ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اجسام و اعراض اور ان کے خیر وشر کا خالق ہے، وہ عباد (بندوں) کے اکساب کا بھی خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق نہیں ہے۔ یہ عقیدہ القدریہ سے وابستہ ان لوگوں کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اکساب میں سے کوئی چیز بھی تخلیق نہیں کی ہے۔ یہ عقیدہ الجہمیہ کے مزعومہ کے بھی خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: بندے نہ تو مکتسب ہیں اور نہ اپنے اکساب پر قادر ہیں۔ سو جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بندے اپنے اکساب کے خالق ہیں، وہ قدری ہے کہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی طرح اعراض کی تخلیق

کرتے ہیں، جو معلومات، ارادات، اقوال و اصوات میں حرکات و سکون سے عبارت ہیں۔ اس قول کے ماننے والوں کی مذمت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا انہوں نے اللہ کے شرکاء بنا لئے ہیں جو اس کی تخلیق جیسی تخلیق کرتے ہیں کہ ان پر حق مشتبہ ہو گیا۔ کہہ دیجئے کہ اللہ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور وہ واحد وقہار ہے۔ (القرآن، سورۃ الرعد، آیت ۱۹)۔'' اسی طرح (جہمیہ جبریہ میں سے) جو یہ کہتا ہے کہ بندے کو کسب کی استطاعت نہیں ہے، وہ نہ فاعل ہے اور نہ مکتسب ہی ہے، ایسا شخص جبری ہے۔ اور عدل جبر وقدر سے خارج ہے۔ اس کے برعکس جو یہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے عمل کا مکتسب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے کسب کا خالق ہے، ایسا شخص سنی عدلی ہے اور جبر وقدر سے منزہ و پاک ہے۔

## اصحاب تولد کا ابطال:

اہل السنّت کا ''اصحاب التولد'' کے اس عقیدہ کے ابطال پر اجماع ہے کہ ''کبھی انسان اپنے نفس میں کوئی چیز کرتا ہے جس سے اس کے غیر میں ایک فعل پیدا ہوتا ہے۔'' یہ عقیدہ اکثر القدریہ کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ: ''انسان کبھی اپنے غیر میں افعال کرتا ہے جو ان اسباب سے متولد (پیدا) ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے نفس میں کرتا ہے۔'' اسی طرح یہ عقیدہ ان لوگوں کے اس مزعومہ کے بھی خلاف ہے کہ: ''المتولدات ایسے افعال ہیں جن کا کوئی فاعل نہیں ہوتا۔'' القدریہ میں سے ثمامہ کا یہی مذہب ہے۔

## انسان سے اعراض کا اکتساب صحیح ہے:

اہل السنّت اس امر پر متفق ہیں کہ: انسان سے حرکت، سکون، ارادہ، قول، علم، فکر اور انہیں جیسی دوسری اعراض جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں، ان سب کا اکتساب صحیح اور درست ہے۔ اس پر بھی وہ متفق ہیں کہ الوان، طعوم، روائح اور ادراکات کا انسان سے اکتساب صحیح و درست نہیں ہے۔ یہ بات بشر بن معتمر اور اس کے معتزلی پیرووں کے اس دعویٰ کے خلاف ہے کہ: کبھی کبھی انسان بر سبیل تولد الوان، طعوم اور روائح کو کرتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے آنکھ میں رؤیت اور محل سمع میں مسموع کے ادراک کا فعل بھی کبھی کبھی صحیح و درست ہوتا ہے۔ اس

سے زیادہ مکروہ قول معمر القدری کا یہ کہنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اعراض کی جنس سے کوئی شئی پیدا نہیں کی، بلکہ تمام اعراض، اجسام کے افعال سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ گمراہ کن عقیدہ رسوائی و ذلت کے لئے کافی ہے۔

ہدایت دو وجوہ سے ہوتی ہے:

اہل السنت یہ بھی کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت دو وجوہ سے ہوتی ہے:۔

اول:۔ وہ ہدایت جو حق کے وضوح اور اس کی ابانت سے وہ اس کی جانب بلانے سے اور اس پر دلائل کے قیام سے حاصل ہوتی ہے اس وجہ کی بناء پر ہدایت کی نسبت رسولوں اور اللہ عزوجل کے دین کی طرف ہر داعی کی جانب کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مکلف لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سیدھا راستہ دکھلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد کی یہی تاویل ہے کہ: "بیشک آپ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں (القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت ۵۲)۔" یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب بلاتے اور اس کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔

وجہ دوم:۔ اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا مفہوم یہ ہے کہ: بندوں کے قلوب میں رہ راست پر قدم زنی کی خواہش پیدا کر دی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اللہ جسے سیدھا راستہ دکھانا اور اس پر چلانا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔ (القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۲۵)۔" اس نوع کی ہدایت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور قادر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلی ہدایت تمام مکلفین کو شامل ہے اور دوسری ہدایت خواص مہتدین کے لئے ہے۔ اس کی تحقیق کی غرض سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا: "اللہ تعالیٰ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھا راستہ دکھاتا ہے (القرآن، سورۃ یونس، آیت ۲۵)"۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہ کئے جانے (اضلال) کا اہل السنت کے نزدیک یہ مفہوم ہے کہ وہ گمراہوں کے قلوب میں گمراہی (الضلال) کو پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے (القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۲۵)۔

### ضلالت و ہدایت عدل ہے:

اللہ تعالیٰ جس شخص کو گمراہ کرتا ہے، اہل السنت کے خیال میں وہ ایسا اپنے عدل سے کرتا ہے۔ اسی طرح جسے وہ ہدایت دیتا ہے وہ ایسا اپنے فضل (مہربانی) سے کرتا ہے۔ یہ بات القدریہ کے اس قول کے خلاف ہے کہ: ہدایت الٰہی کے یہ معنی ہیں کہ لوگوں کو حق کی طرف بلایا جائے اور اس کی جانب لوگوں کی رہ نمائی کی جائے اور دلوں کو ہدایت کرنے کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ المعتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جانب سے ''اضلال'' (گمراہ کرنا) دو طریقوں سے ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ گمراہوں کو گمراہ کے نام سے پکارتا ہے۔ اور دوسرے اس مفہوم میں کہ وہ اہل الضلال کو ان کی گمراہی کا بدلہ دیتا ہے۔ اگر معتزلہ کی یہ بات درست مان لی جائے تو لازم آتا ہے کہ یہ کہا جائے: ''اس نے کافروں کو اس لئے گمراہ کیا کہ اس نے ''ضالین'' (گمراہوں) کا انہیں نام دیا ہے۔'' اور یہ کہنا بھی لازم آئے گا کہ: ''ابلیس نے انبیاء و مومنین کو گمراہ کیا کیونکہ اس نے انہیں گمراہوں کے نام سے موسوم کیا تھا۔'' اسی طرح یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ: ''جو شخص زانیوں، چوروں اور مرتدین پر حد جاری کرتا ہے، وہ ان سب کو گمراہ کرنے والا ہو، کیونکہ اسی نے ان لوگوں کو ان کی گمراہی پر سزا دی ہے۔'' یہ بات فاسد اور باطل ہے اور جو باتیں فساد کی جانب رہنمائی کرتی ہیں وہ بھی فاسد ہی ہوتی ہیں۔

### موت سے متعلق عقیدہ:

اہل السنت کا آجال (اجل، موت، مرگ، مدت، وقت) کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ: جو بھی موت سے یا قتل سے مرا وہ اس اجل سے مرا جو اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کے لئے مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو زندہ رکھنے اور اس کی عمر میں اضافہ کرنے پر قادر ہے مگر جب وہ آدمی کو ایک خاص مدت تک باقی نہ رکھے تو وہ موت جس تک اس نے آدمی کو باقی نہ رکھا،

وہ اس کی اجل نہ ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ آدمی نے اپنی موت سے پہلے اگر کسی عورت سے نکاح نہ کیا، تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں کہلا سکتی، ہر چند کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر تھا کہ اس عورت کا اس شخص سے اس کی موت کے پہلے نکاح کرا دیتا۔ یہ بات القدریہ میں سے ان لوگوں کے عقیدہ کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: ''جسے قتل کر دیا جاتا ہے اس کی اجل (مدت حیات) کاٹ دی جاتی اور کم کر دی جاتی ہے۔'' اسی طرح یہ بات ان القدریہ میں سے ان لوگوں کے مزعومہ کے بھی خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: ''مقتول، میت نہیں ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے انکار کرتے ہیں کہ: ''ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا پڑے گا (القرآن، سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۵)۔'' یہ بدعت ہے اور کعبی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور رسوائی کے لئے اسے یہی کافی ہے۔

## رزق سے متعلق عقیدہ:

اہل السنت کا ارزاق (رزق، رزوی، معاش) سے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ بندوں کی ارزاق وہی ہیں، جو انہیں میسر ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ جس نے کوئی شئی (چیز) کھائی یا پی، اس نے اپنی روزی کھائی، خواہ وہ حلال ہو یا حرام (جائز یا ناجائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو)۔ یہ بات القدریہ کے اس قول کے خلاف ہے کہ: ''کبھی کبھی دوسرے کی روزی بھی آدمی کھاتا ہے۔''

## تکلیف سے متعلق عقیدہ:

ابتدائے تکلیف (بندہ کے مکلف ہونے کی ابتداء) کے بارے میں اہل السنت کہتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی چیز کا مکلف نہ کرتا تو اس کا عدل ہوتا۔ یہ بات القدریہ کے اس مزعومہ کے خلاف ہے کہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی چیز کا مکلف نہ کرتا، تو وہ ''حکیم'' نہ ہوتا۔ اسی طرح اہل السنت کہتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سے زیادہ مکلف کرے جس کا اس نے ان کو مکلف کیا ہے اور اس نے انہیں جن چیزوں کا مکلف کیا ہے، ان میں سے کچھ کم کر دے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ عقیدہ القدریہ میں سے کچھ لوگوں کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اسی

طرح اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا ہی نہ کیا ہوتا، تو وہ ایسا کر کے حکمت سے خارج نہ ہوتا کیونکہ اس صورت میں یہ بات پہلے سے اس کے علم میں ہوتی کہ وہ کوئی چیز پیدا نہ کرے گا۔

## تخلیق جمادات:

اہل السنّت کا عقیدہ ہے کہ: اگر اللہ تعالیٰ جمادات کو احیاء (زندوں) کے بجائے پیدا کرتا تو یہ امر جائز ہوتا (اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جمادات میں بھی حیات ہوتی ہے، اب کوئی موات نہیں بلکہ سب ہی احیاء ہیں۔ مترجم)۔ اسی کے برعکس القدریہ کہتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے احیاء (زندوں) کو پیدا نہ کیا ہوتا تو وہ حکیم نہ ہوتا۔

## فضل باری:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو جنت میں پیدا کیا ہوتا تو یہ اس کا فضل ہوتا۔ اس کے برخلاف القدریہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرتا تو وہ حکیم نہ ہوتا۔ یہ بات معتزلہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ سے بدزبانی ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ امر، ناہی و فاعل و حاکم ہے۔

## ۷۔ رکن ہفتم: ............ نبوت و رسالت

رکن ہفتم نبوت و رسالت سے متعلق ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ مخلوقات کی جانب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و رسل بھیجے جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ البراہمہ کے خلاف ہے جو توحید صانع کے تو قائل ہیں، لیکن انبیاء اور رسل کے مبعوث کیے جانے کے منکر ہیں۔

## رسول اور نبی کا فرق:

اہل السنّت کے ہاں رسول اور نبی میں فرق یہ ہے کہ: ہر وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی فرشتہ کے توسط سے وحی نازل ہوتی ہے اور ایسے معجزات کے ذریعہ جو خرقِ عادت ''ہوں اللہ تعالیٰ نے اسے تائید عطاء فرمائی ہو، تو وہ نبی ہے۔ اور جس شخص کو یہ تمام باتیں عطاء

کی گئی ہوں اور ان کے ساتھ ساتھ اسے کوئی نئی شریعت دی گئی ہو یا اسے پہلے سے موجود شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرنے کا حکم دیا گیا ہو تو وہ رسول ہے۔

انبیاء و رسل کی تعداد:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ انبیاء کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر ان میں سے رسول صرف (۳۱۳) ہیں۔ اول الرسل، تمام انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے برعکس مجوس کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام انسانوں کا جد امجد گیومیورث تھا، جس کا لقب ''گل شاہ'' تھا۔ اور آخری رسول زرادشت تھا۔ یہ عقیدہ الخرمیہ کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: رسول برابر آتے رہتے ہیں، ان کا کوئی آخری رسول نہیں ہے۔

نبوت موسوی:

اہل السنّت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُن کے زمانہ میں، نبوت کے قائل ہیں۔ یہ بات حضرت موسیٰ کے منکر براہمہ مانویہ کے خلاف ہے۔ جو ان کی نبوت کے منکر ہیں۔ ہر چند کہ مانویہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں۔

نبوت عیسوی:

اہل السنّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں، یہود و براہمہ کے برخلاف جو ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں۔

قتل عیسیٰ کا انکار:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا اہل السنّت انکار کرتے ہیں۔ اور انہیں آسمان پر اٹھا لئے جانے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دجال کے خروج کے بعد وہ زمین پر اتریں گے، دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ مسکرات کو توڑ کر بہادیں گے، کعبہ کو قبلہ قرار دے کر صلوٰۃ ادا کریں گے،

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقہ کی تائید ونصرت کریں گے اور جن چیزوں کو قرآن کریم نے زندہ کیا ہے، انہیں زندہ کریں گے اور جن باتوں کو قرآن کریم نے مردہ کر دیا اور منسوخ و باطل کر دیا ہے، انہیں مردہ کر دیں گے۔

**متنبّی کافر ہیں:**

اہل السنّت ہر مدعیٔ نبوت (متنبّی) کی تکفیر کرتے ہیں۔ خواہ یہ اسلام سے قبل گزرے ہوں، مثلاً زرادشت، یوراسف (بوذاسف، بدھ)، مانی، دیصان، مرقیون ومزدک (وغیرہ) خواہ وہ اسلام کے بعد پیدا ہوئے ہوں، مثلاً مسیلمہ، سجاح، اسود بن یزید عنسی اور ان کے بعد تمام مدعیان نبوت (مثلاً مرزا قادیانی وغیرہ۔ مترجم)۔

**الوہیت انبیاء کے قائل کافر ہیں:**

اسی طرح اہل السنّت کے نزدیک وہ تمام لوگ کافر ہیں جو انبیاء کی الوہیت (خدائی) کا دعویٰ کرتے ہیں یا ائمہ (اماموں) کو نبی یا اللہ ٹھہراتے ہیں، مثلاً السبعیہ، البیانیہ، المغیریہ، المنصوریہ، الخطابیہ اور ان جیسے دوسرے گروہ یا افراد۔

**انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں:**

اہل السنّت انبیاء کو ملائکہ سے افضل سمجھتے ہیں مگر حسین بن فضل اور اس کے ساتھ اکثر قدریہ کی رائے میں ملائکہ، انبیاء سے افضل ہیں۔

**اولیاء سے انبیاء افضل ہیں:**

اسی طرح اہل السنّت انبیاء کی امتوں کے اولیاء سے انبیاء کو افضل سمجھتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: اولیاء میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو انبیاء سے افضل ہیں۔

**انبیاء معصوم ہیں:**

اہل السنّت کے عقیدہ کی رو سے انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں۔ اور انبیاء کی جن

لغزشوں کا ذکر آتا ہے، وہ ان کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان کا صدور خلعت نبوت سے سرافراز کئے جانے سے قبل ہوا تھا۔ یہ عقیدہ ان لوگوں کے خلاف ہے جن کے نزدیک انبیاء سے گناہ صغیرہ کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ روافض کے فرقہ الہشامیہ کے زعم کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: انبیاء سے گناہوں کا ارتکاب جائز ہے جبکہ ان کے ہاں ائمہ معصوم ہیں اور ان سے گناہیں سرزد نہیں ہو سکتیں۔

## معجزات و کرامات ............ ۸۔ رکن ہشتم:

اس رکن کا تعلق معجزات اور کرامات سے ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: معجزہ ایسی بات ہے جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے کے ہاتھ پر خلاف عادت ظاہر ہوتی ہے، اس سے نبی کی قوم سے مقابلہ مقصود ہوتا ہے اور اس جیسا معجزہ لانے سے اس کی قوم عاجز ہوتی ہے۔ اس کا ظہور زمان تکلیف میں ایسے سبب کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

### معجزہ ضروری ہے:

اہل السنّت کہتے ہیں: نبی کے لئے ایک معجزہ لانا ضروری ہے، جو اس کے دعویٰ نبوت کی سچائی کی دلیل ہو۔ سو جب ایک معجزہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کی صداقت کی دلیل ہوا اور لوگ اس جیسا معجزہ لانے سے عاجز ہوں، لوگوں پر اس نبی کی تصدیق کی حجت واجب ہو جائے گی اور اس کی اطاعت ان پر لازم ٹھہرے گی۔ اگر اس کے بعد بھی اس معجزہ کے علاوہ لوگ کسی اور معجزہ کا مطالبہ کریں، تو یہ امر اللہ عزوجل کے اوپر منحصر ہے، اگر اس کی مشیئت ہوئی تو اس دوسرے معجزہ سے وہ نبی کو قوی دست کرے گا اور اگر اس کا ارادہ ہوگا تو اس دوسرے معجزہ کے طلب کرنے والوں کی گرفت کرے گا اور انہیں اس جرم کی سزا دے گا کہ اس نبی کی سچائی کی جو دلیل ظاہر ہوگئی ہے اس پر وہ ایمان نہ لائے۔ یہ عقیدہ القدریہ کے اس مزعومہ کے خلاف ہے کہ: نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو اپنی شریعت کی استقامت وتنظیم سے زیادہ کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ عقیدہ ثمامہ (القدری المعتزلی) کا ہے۔

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: دعویٰ نبوت میں جو صادق ہوتا ہے، اس کی تصدیق کے لئے اس معجزۂ تصدیق کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن نبوت کے جھوٹے مدعی پر معجزۂ تصدیق ظاہر نہیں ہوسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے کاذب نبی پر ایسا معجزہ ظاہر ہو جس سے اس کے کذب اور جھوٹ پر دلیل قائم ہو مثلاً کوئی درخت یا اس کے جسم کا کوئی عضو زبان حال سے اس کی تکذیب کرنے۔

## کرامات اولیاء:

اہل السنّت کے نزدیک اولیاء سے کرامات کا ظہور جائز ہے۔ یہ کرامات ان کے احوال کی سچائی کی دلیل ہوتی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ معجزات انبیاء کے دعویٰ نبوت کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں (ویسے ہی کرامات سے اولیاء کے احوال کی صداقت ظاہر ہوتی ہے)۔

## کرامات ومعجزات کا فرق:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: صاحب معجزہ (نبی ورسول) پر معجزہ کو ظاہر کرنا اور اس سے مخالفوں سے معارضہ وتحدی کرنا ہے جبکہ صاحب کرامت (ولی) اپنی کرامت سے کسی سے تحدی نہیں کرتا، بلکہ اکثر اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ اسی طرح صاحب المعجزہ کا انجام اور عاقبت مامون ومحفوظ ہوتی ہے (اس کا انجام حسن اختتام اور اس کی عاقبت بخیر ہوتی ہے) لیکن صاحب الکرامت اپنے انجام کے متغیر ہو جانے سے محفوظ ومصون نہیں ہوتا، مثلاً بلعم بن باعوراء سے ظہور کرامات کے بعد اس کے حالات متغیر ہوگئے تھے۔ القدریہ کراماتِ اولیاء کے انکاری ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے فرقہ میں کوئی صاحب کرامت نہیں گزرا ہے۔

## نظم قرآن معجزہ ہے:

اہل السنّت کے ہاں قرآن کریم ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ "نظم قرآن" (اسلوب، انداز، ترتیب) ہے۔ القدریہ اس کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: نظم قرآن کریم میں کوئی اعجاز نہیں

ہے۔ نظام کا یہی مذہب ہے۔

**معجزات محمدی ﷺ:**

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے، معجزہ شق القمر، اپ ﷺ کے ہاتھوں میں کنکریوں کا اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑنا ہے، تھوڑے کھانے سے آپ ﷺ کا بہت سے لوگوں کو سیر کرنا ہے، یہ اوراس جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بکثرت ہیں۔ نظام اوراس کے قدری متبعین نے ان کی مخالفت کی ہے۔

## شریعت اسلام کے ارکان ............ ۹۔ رکن نہم:

شریعت اسلام کے ارکان سے عبارت ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ یہ گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، قیام صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صومِ رمضان اور حج بیت الحرام۔

**ارکان کا سقوط وتاویل کفر ہے:**

وہ (اہل سنت) کہتے ہیں کہ جس کسی نے ان پانچ ارکان میں سے کسی رکن کے وجوب کو ساقط کردیا، کسی قوم کی دوستی اور ان کی موالات کے معانی پر انکی تاویل کی، جیسا کہ غالی اور روافض میں سے المنصوریہ اور النجاجیہ نے ان کی تاویل کی ہے۔ ایسے سبھی لوگ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہیں۔

**صلوٰۃ مفروضہ:**

صلوٰۃ مفروضہ (فرض صلوٰۃ) کے متعلق اہل السنّت کا عقیدہ ہے کہ: وہ پانچ وقت کی ہیں

اور جس نے بھی ان میں سے کسی کو ساقط کیا وہ کافر ہے۔ مسیلمہ، کذاب نے صلوۃ فجر اور صلوٰۃ مغرب کے وجوب کو ساقط کر دیا تھا۔ اور ان کے سقوط کو اس نے جھوٹی نبیہ سجاح سے نکاح کر کے اس کا مہر قرار دیا تھا۔ چنانچہ وہ کافر و ملحد ہو گیا۔ اسی طرح صلاۃ جمعہ کا منعقد کرنا واجب ہے اس لئے ان کے نزدیک خوارج اور روافض کافر ہیں، کیونکہ (روافض) کہتے ہیں کہ: اس زمانے میں جمعہ واجب نہیں ہے کیونکہ کوئی امام نہیں ہے اور جب تک امام منتظر ظاہر نہ ہو جائے جمعہ کی صلوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (اور خوارج، سرے سے صلوٰۃ جمعہ کے منکر ہیں)۔

زکوٰۃ مفروضہ:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ اعیان میں سے سونے، چاندی، اونٹ، گائے بیل (بھینس) اور بھیڑ بکری میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ان جانوروں کا چرنے والا (سائمہ، سوائیم) ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ غذائی اجناس میں، جن کو لوگ کاشت کرتے ہیں اور انھیں غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں واجب ہے۔ کھجور اور انگور کے پھلوں پر بھی زکوٰۃ کو واجب سمجھتے ہیں، جو لوگ اس بات کا عقیدہ رکھیں کہ مذکورہ اشیاء پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، وہ کافر ہیں۔ لیکن جو لوگ اجمالاً زکوٰۃ کے وجوب کا اثبات کرتے ہیں مگر ان میں فقہاء امت کے اختلاف سے ان کے نصاب میں جو اختلافات ہیں، ان کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔

صوم مفروضہ:

اہل السنّت صوم رمضان کے وجوب کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اوقات صیام میں اس کے توڑنے کو کسی عذر کے بغیر یا صغر سنی یا دیوانگی، یا بیماری یا سفر یا ایسی دوسری مجبوریوں کے علاوہ، حرام خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کا اعتبار ہلال رمضان کی رؤیت سے یا ماہ شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے سے ہوتا ہے۔ اور اختتام رمضان پر وہ افطار یا ماہ شوال کا چاند دیکھ کر یا ماہ رمضان کے تیس دن پورے ہو جانے پر کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ روافض کو جو ہلال رمضان سے ایکدن پہلے روزہ رکھتے ہیں اور عید الفطر سے ایک دن قبل افطار کر لیتے ہیں،

گمراہ اور بدعقیدہ سمجھتے ہیں۔

## حج:

اہل السنّت کے ہاں زندگی میں ایک مرتبہ اس آدمی پر حج فرض ہے جس میں مکہ تک جانے کی استطاعت ہو۔ الباطنیہ میں سے جن لوگوں نے حج کو ساقط کر دیا ہے، وہ ان کے نزدیک کافر ہیں۔ لیکن جو لوگ عمرہ کے وجوب کو ساقط کر دیتے ہیں، وہ انہیں کافر نہیں سمجھتے، کیونکہ وجوب عمرہ کے بارے میں امت میں اختلاف رائے ہے۔

## شروط جواز صلوٰۃ:

وہ (اہل سنت) کہتے ہیں کہ: صلوت کے صحیح ہونے کے لئے حسب امکان طہارت، ستر عورت، وقت مقررہ اور قبلہ کی جانب منہ کرنا، شرط ہیں۔ جس نے ان شرائط کو یا اُن میں سے کسی ایک شئ کو بھی بصورت امکان ساقط کر دیا وہ کافر ہے۔

## جہاد:

وہ (اہل سنت) اعداء اسلام کے خلاف جہاد کا عقیدہ رکھتے ہیں جو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ لوگ اسلام قبول نہ کرلیں یا پھر جزیہ ادا کرنے کا اقرار نہ کریں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

## بیع حلال اور رباء حرام ہے:

ان کے نزدیک بیع (خرید و فروخت) جائز و حلال ہے مگر رباء (سود) حرام ہے۔ جو رباء کو مجملاً بھی مباح سمجھتا ہو وہ ان کے خیال میں گمراہ ہے۔

## نکاح:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: شرم گاہ نکاح صحیح یا ملک یمین کے سوا مباح نہیں ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرقہ المبیضہ الخرمیہ اور المحمرہ کی تکفیر کی ہے جو زنا کو مباح و جائز سمجھتے ہیں۔ اسی طرح

اہل السنّت ان لوگوں کو بھی کافر قرار دیتے ہیں جو "محرمات" کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے موالات کرنا حرام ہے (گویا گروہ باطنیہ محرمات کا قائل ہی نہیں ہے)۔

حدود:

اہل السنّت کا عقیدہ ہے کہ: زنا، سرقہ، شراب خواری اور قذف (بہتان طرازی) میں حد شرعی جاری کرنا واجب ہے۔ اور خوارج میں سے جن لوگوں نے شراب خواری اور رجم کے حدود کو ساقط کر دیا ہے، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

## اجماع کے منکر کافر ہیں:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: شرعی احکام کے اصول، کتاب (قرآن کریم)، سنت (نبوی ﷺ) اور اجماعِ سلف (صالحین) ہیں۔ جو لوگ اجماع صحابہؓ کو حجت شرعی نہیں سمجھتے وہ ان کے نزدیک کافر ہیں۔ اسی طرح انہوں نے خوارج کی بھی تکفیر کی ہے جو اجماع اور سنت کو حجت شرعی نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک روافض بھی کافر ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: ان میں سے (سنت واجماع میں سے) کوئی چیز بھی حجت شرعی نہیں ہے، بلکہ حجت شرعی امام کا قول ہے جو غائب ہے اور جس کے ظہور کا وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جو امام غائب کا عبث انتظار کر رہے ہیں، بیابان بے آب و گیاہ میں حیران و سرگرداں ہیں اور یہ حیرانی و سرگرانی ایسی رسوائی و خواری ہے جو ان کے لئے ان کی گمراہی کی سزا کے بطور کافی ہے۔

## افعال مکلفین ............ ا۔ رکن دہم:

یہ رکن امر و نہی سے متعلق ہے۔ اہل السنّت کا عقیدہ ہے کہ مکلفین کے افعال کی پانچ

اقسام ہیں: واجب، محظور، مسنون، مکروہ اور مباح۔

اقسام:

۱۔ واجب: وہ فعل ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے لازمی طور پر حکم دیا ہے اور اسے ترک کرنے والے کو اس پر عتاب وسزا کا مستحق قرار دیا ہے۔

۲۔ محظور: وہ فعل ہے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور اسے کرنے پر اس کے فاعل کو سزا کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

۳۔ مسنون: وہ فعل ہے جس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا مگر اسے ترک کرنے والے کو عتاب نہ ہوگا۔

۴۔ مکروہ: وہ فعل ہے جس کے ترک کرنے والے کو ثواب ملے گا لیکن اسے کرنے والے پر کوئی عتاب نہ ہوگا۔

۵۔ مباح: وہ فعل ہے جس کے کرنے پر نہ کوئی ثواب ہے اور نہ کوئی عقاب، اسی طرح اسے نہ کرنے پر بھی کوئی ثواب وعقاب نہیں ہے۔

ان سب کا تعلق مکلفین کے افعال سے ہے، لیکن بہائم، اطفال اور مجانین (مجنون، پاگل) کے افعال کا اباحت، وجوب اور حظر سے کوئی واسطہ نہیں اور انہیں کسی حال میں ان سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔

تکلیف شرعی من جانب اللہ ہے:

اہل السنت کہتے ہیں کہ: مکلفین پر معرفت، قول یا فعل سے متعلق تمام وہ امور جو واجب ہوتے ہیں، وہ اُن پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوتے ہیں اور ہر وہ امر جس کا کرنا مکلفین کے لئے ممنوع ہے، ایسا اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے باعث ہوتا ہے۔ اگر بندوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر ونہی کا حکم وارد نہ ہوتا، تو ان پر کچھ بھی واجب نہ ہوتا اور نہ ان پر کوئی چیز حرام ہی ہوتی۔

### براہمہ اور قدریہ کی رائے:

یہ عقیدہ براہمہ اور قدریہ کے اس مزعومہ کے برخلاف ہے کہ: تکلیف شرعی عاقل پر دو سمجھداری کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس کے قلب میں پیدا ہوتی ہیں (یعنی آدمی سمجھ بوجھ سے دو طریقوں سے مکلف ٹھہرتا ہے)۔

اول: اللہ تعالیٰ کے توسط سے جس سے اس کو غور وفکر اور استدلال کی تحریک دعوت ہوتی ہے۔

دوم: شیطان کی طرف سے ہوتی ہے جو آدمی کو سرکشی اور نافرمانی کی دعوت دیتا ہے اور پہلی اطاعت سے اسے روکتا ہے۔

### اس رائے پر اعتراض:

اس عقیدہ کی بناء پر (براہمہ اور قدریہ پر) یہ لازم آتا ہے کہ شیطان بھی دو خاطروں (دل میں بات ڈالے جانے اور سمجھنے) سے مکلف ہو۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور دوسری ایک (دوسرے) شیطان کی طرف سے۔ بعدازاں اس دوسرے شیطان کے متعلق بھی وہی بات لازم آئے گی جو پہلے شیطان کے بارے میں کہی گئی ہے۔ یوں شیاطین کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جو امر محال ہے۔ اور جس چیز کا اختتام و سلسلہ محال پر ختم ہو، وہ بھی محال ہوتی ہے۔

## احکام معاد و آخرت ..........۱۱۔ رکن یازدہم:

اس رکن کا موضوع بندوں کا فناء ہو جانا اور معاد میں ان کے احکام سے متعلق ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ تمام عالم کو یک بارگی فناء کر دے۔ اور یہ کہ بعض اجسام کو فناء کر دے اور بعض کو باقی رکھے۔ یہ عقیدہ بصرہ کے مدرسہ اعتزال کے ان قدریوں کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ تمام اجسام کو ایسی فناء سے جو "لا فی محل" میں پیدا کرتا ہے، فناء کرنے پر قادر ہے، لیکن بعض اجسام کو باقی رکھتے ہوئے فنا نہیں کر سکتا۔

### مردے زندہ کئے جائیں گے:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: اللہ عزوجل آخرت میں تمام انسانوں اور حیوانوں کو جو دنیا میں مرے ہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ قول ان لوگوں کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پھر انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا مگر دوسرے جانوروں کو دوبارہ نہ اٹھائے گا۔

### جنت و دوزخ مخلوق ہیں:

وہ (اہل سنت) کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ مخلوق ہیں، یہ ان لوگوں کے عقیدہ کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ مخلوق نہیں ہیں۔

اہل السنّت کے نزدیک جنت کی نعمتیں اہل جنت پر ہمیشہ رہیں گی اور دوزخ کا عذاب مشرکین و منافقین پر ہمیشہ ہمیشہ ہوگا، یہ عقیدہ ان لوگوں کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گی۔ جہم کا یہی خیال ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ ابوہذیل قدری (معتزلی) کے بھی خلاف ہے کہ جنت و دوزخ میں اللہ تعالیٰ کی مقدورات فناء ہو جائیں گی اس طرح ان دونوں کے علاوہ بھی یہ مقدورات فناء ہو جائیں گی۔

### خلود فی النار صرف کفار کیلئے ہے:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: صرف کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے، اس کے برعکس القدریہ اور الخوارج کہتے ہیں کہ جو بھی دوزخ میں ڈالا جائیگا اس میں ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: خوارج اور قدریہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور وہاں سے نہ نکل پائیں گے۔ بھلا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے بخشے گا جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ جو دوزخ میں ڈالدیا جائے اسے معاف کردے یا اسے وہاں سے باہر نکالے۔

### سوال و عذاب قبر برحق ہے:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: قبر میں سوال اور گناہ گاروں پر قبر میں عذاب برحق ہے۔ وہ یہ بات یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو لوگ عذاب قبر کے منکر ہیں، انہیں قبر میں ضرور عذاب دیا جائے گا۔

## حوض، صراط و میزان برحق ہیں:

اہل سنت حوض، صراط اور میزان (کے برپا ہونے) پر یقین رکھتے ہیں اور جو اس بات کا منکر ہے وہ حوض (کوثر) سے شربت پینے سے محروم کر دیا جائے گا اور صراط سے اس کے پاؤں پھسل جائیں گے اور وہ دوزخ کی آگ میں گر جائے گا۔

## شفاعت برحق ہے:

اہل السنّت شفاعت کے قائل ہیں (کہ روز قیامت) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی امت کے علماء مسلمان گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور ان کی بھی شفاعت کریں گے جن کے دلوں میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ ہاں جو لوگ شفاعت کے منکر ہیں وہ یقیناً شفاعت سے محروم ہی رہیں گے۔

## خلافت و امامت ............ ۱۲۔ رکن دوازدہم:

اس رکن کا موضوع خلافت و امامت ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: امامت فرض اور امت پر امام کا تقرر واجب ہے، کہ وہ امام، امامت کے لئے قضاۃ (قاضی) و امناء (امین) کا تقرر کرے، اُن کی سرحدوں کی تنظیم حفاظت کرے، اُن کے عساکر کو غزاء و جہاد کے لئے روانہ کرے، اُن کے درمیان اُن کے فئی کے اموال کو تقسیم کرے اور اُن کے مظلوموں کی اُن کے ظالموں سے دادرسی کرے۔

## انعقاد امامت کا طریقہ:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: اس امت میں امامت کے انعقاد کا طریقہ اجتہاد و کوشش سے صحیح شخص کا اختیار و انتخاب ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص متعین کی امامت پر کوئی نص نہیں کی۔ یہ بات روافض کے اس زعم کے علی الرغم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر نص کی تھی جو نص قطعی وصحیح تھی۔ اگر ان لوگوں کی یہ بات صحیح ہوتی تو لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے اس نص کو بیان کیا ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا، سو یہ ادعاء جھوٹ اور غلط ہے۔ ان میں جنہوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اس قسم کی روایت کا دعویٰ کیا ہے اس پر کوئی تواتر نہیں، یہی کیفیت اُن لوگوں کے اُس ادعاء کی بھی ہے جو اسی طرح کی روایت کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق موجودگی کے قائل ہیں۔

## شرائط امامت:

اہل السنّت کے نزدیک امامت کی شرائط میں سے ایک شرط نسب کی ہے، یعنی اس کا قریش کے قبیلہ سے ہونا ضروری ہے۔ قریش اولاد ہیں نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی۔ یہ بات الضراریہ کے اس قول کے خلاف ہے کہ عربوں کے تمام قبائل، موالی اور عجم کے افراد امامت کی صلاحیت رکھتے اور امام ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات خوارج کے مسلک کے بھی خلاف ہے جو اپنے سرداروں (زعماء) کو جن کا تعلق قبیلہ ربیعہ بن نزار وغیرہ سے تھا، امام مانتے تھے۔ مثلاً نافع بن ازرق الحنفی، نجدہ بن عامر الحنفی، عبداللہ بن وہب الراسبی، حرقوص بن زہیر البجلی، شبیب بن یزید الشیبانی اور ان جیسے دیگر اشخاص۔ یہ لوگ ان زعماء کی امامت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مخالفت وعناد کے سبب قائل تھے کہ: الائمۃ من قریش (یعنی مسلمانوں کے امام قبیلہ قریش سے ہوں گے)۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ: امام کے منصب پر فائز ہونے کی شرائط میں علم، عدالت اور سیاست (رائے بقول الماوردی) ہے۔ علم سے اس قدر علم ضروری ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اور مجتہد ہو۔ عدالت اس قدر واجب اور لازمی ہے کہ حاکم کے ہاں جو لوگ شہادت دینے کے مجاز ہوں، وہ ان میں سے ہو یعنی شاہد عدل ہو اور وہ اپنے دین میں

عادل، اپنے مال اور حال میں مصلح (صالح) ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو، گناہ صغیرہ کے ارتکاب پر مصر نہ ہو اور انکا بار بار مرتکب نہ ہو، اپنے اکثر ونمایاں احباب کے تعلق سے تارکِ مروت نہ ہو۔ امام ہونے کے لئے اس کا تمام گناہوں سے پاک صاف اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے یہ بات الامامیہ کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ امام کو تمام گناہوں سے معصوم ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہی امامیہ تقیہ کی حالت میں اپنے امام کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں اور اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ: ''میں امام نہیں ہوں۔'' حالانکہ وہ امام ہے۔ یوں امامیہ اپنے امام کے لئے جھوٹ بولنا مباح و جائز خیال کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ کذب ومعاصی سے معصوم و پاک ہے۔

### اہل الحل والعقد:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: جو شخص امامت کی صلاحیت رکھتا ہے اس کی امامت اہل الحل و العقد کے انعقاد سے جب وہ اہل الاجتہاد و اہل العدالت ہوں، منعقد ہوتی ہے (یعنی امام کو منتخب کرنے والوں کا اہل الاجتہاد والعدل سے ہونا ضروری ہے)۔

### بیک وقت امام دو بھی ہو سکتے ہیں:

اہل السنّت کے نزدیک تمام سرزمین اسلام میں ایک وقت میں ایک ہی امام کی امامت صحیح ہے۔ ہاں اگر دنیائے اسلام کے دو بڑے خطے ہوں اور ان کے درمیان سمندر حائل ہو یا ایسے دشمن کا ملک ہو جس سے عہدہ برآ ہونے کی مسلمانوں میں طاقت نہ ہو اور ایک خطہ کے مسلمان دوسرے خطے کے مسلمانوں کی نصرت و مدد کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ایسی صورت میں ہر خطہ کے مسلمانوں کے لئے یہ بات جائز ہوگی اور انہیں اجازت ہوگی کہ امامت کے مستحق شخص کو اپنا امام چن لیں۔

### امامت ابوبکر صدیقؓ:

وہ اہل سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ روافض کے اس مزعومہ کے خلاف ہے جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے لئے امامت کا اثبات کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ الراوندیہ کے زعم کے بھی خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ امام ہوئے۔

ترتیب خلافت ہی ترتیب افضلیت ہے:

اہل السنّت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ان کے بعد آنے والے ائمہ سے افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ ہاں حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے کون دوسرے سے افضل ہے، اس میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے (یہ بات درست نہیں ہے، اہل السنّت کے نزدیک حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ افضلیت کی ترتیب ان کے ہاں وہی ہے جو امامت کی ترتیب ہے یعنی پہلے حضرت صدیق اکبر، بعدازاں حضرت فاروق اعظم، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم تمام ائمہ ہی سے نہیں تمام امت محمدی ﷺ سے افضل واشرف ہیں۔ مترجم)۔

مخالفین عثمانؓ و علیؓ سے برائت:

اہل السنّت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے موالات کے قائل ہیں اور ان کی تکفیر کرنے والوں سے اظہار بیزاری و بریت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے قائل ہیں اور حضرت علیؓ کی بصرہ (جنگ جمل) صفین اور نہروان میں جنگوں میں ان کو برسر صواب سمجھتے ہیں۔

اصحاب جمل:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور ان سے قتال سے رجوع کرلیا تھا۔ حضرت زبیرؓ جنگ سے واپسی پر وادی سباع میں عمرو بن جرموز کے ہاتھوں شہید ہوئے اور جب حضرت طلحہؓ نے جنگ سے واپسی کا ارادہ کیا تو انہیں ایک اندھا تیر لگا جس سے وہ شہید ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ

انہیں مروان بن حکم نے جو اصحاب جمل کے ہمراہ تھا تیر مارا تھا جس سے ان کی موت واقع ہوئی تھی۔ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فریقین میں صلح کرانے اور اصلاح کی کوشش کی مگر بنوضبہ اور ازد کے قبیلہ کے لوگ من مانی کر کے لڑتے رہے اور ان کی اجازت کے بغیر حضرت علیؓ سے برسرپیکار رہے۔ (اسی طرح سبائی اور قاتلانِ عثمان جو حضرت علیؓ کے لشکر میں بکثرت موجود تھے، لڑتے رہے اور اصلاح بین المسلمین کی کسی کوشش کو انہوں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کے زعماء یا تو بے اختیار ہو چکے تھے اور اپنے قبائلی سرداروں پر انہیں کوئی قابو حاصل نہ تھا یا پھر انہوں نے قتال ہی کو آخری ذریعہ اصلاح خیال کیا۔ اہل السنّت جنگ جمل میں فریقین کی تصویب کے قائل ہیں اور کسی فریق کو برسر خطاء نہیں سمجھتے۔ مصنف کتاب نے اس ضمن میں اہل السنّت کے مسلک کے بجائے اپنی ذاتی پسند کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت ہے کہ تاریخ کے ایک طالب علم کی نگاہ میں جنگ جمل ہو یا جنگ صفین ایک بے کار اور بے مقصد خوں ریزی سے زیادہ کچھ اور نہ تھیں۔ مگر اہل السنّت کے نزدیک حضرات علی، طلحہ، زبیر، ام المومنین حضرت عائشہ، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سبھی صحابی اور قابل احترام ہیں، اس لئے وہ انہیں مشاجرات صحابہ خیال کرتے، اور احتراماً کسی فریق پر الزام نہیں لگاتے اور نہ بہتان تراشی کرتے ہیں کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ مترجم)۔

### اصحاب صفین:

اسی طرح جنگ صفین میں اہل السنّت حضرت علیؓ کو برسرِ صواب سمجھتے ہیں اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی، مگر اس سے کفر یا ضلالت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح ان کے نزدیک مسئلہ تحکیم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا مگر حکمین نے حضرت علیؓ کو بلا سبب معزول کر کے غلطی کی۔ (حکمین نے کیا فیصلہ کیا، روایات واضح نہیں ہیں، ہماری تاریخ کا یہ بہت بڑا ابہام ہے سو یہ کہنا کہ فلاں نے غلطی کی محض گمان ہے۔ مترجم)

اہل نہروان:

اہل السنّت اہل النہروان (خوارج) کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "مارقین" (دین سے نکل جانے والے) کا نام دیا تھا اور اس لئے بھی کہ وہ لوگ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور تحکیم کے بعد تمام متبعین علیؓ کو کافر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح یہ خوارج تمام گناہ گار مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور جو مسلمانوں اور خیار صحابہ کرامؓ کو کافر کہے وہی ان سب کے بجائے کافر ہے۔

## ایمان واسلام.........۱۳۔ رکن سیزدہم:

ایمان واسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: ایمان کی اصل واساس اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی دل سے تصدیق ہے۔ اقرار (باللسان) اور ظاہری اعضاء کو ایمان کا نام دینے پر اُن میں اختلاف ہے۔ مگر ان میں تمام فرض طاعت کے وجوب اور نوافل شرعیہ کے مستحب ہونے پر اتفاق ہے۔ یہ عقیدہ کرامیہ کے عقیدہ کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ: ایمان اقرار الفرد (تنہا اور منفرد اقرار) کا نام ہے، خواہ اس اقرار کے ساتھ خلوص ہو، خواہ اس کے ساتھ نفاق ہو۔ یہ عقیدہ خوارج اور القدریہ کے اس مزعومہ کے بھی خلاف ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں سے مومن کا نام ختم ہو جاتا ہے (یعنی ارتکاب گناہ سے بندہ صاحب ایمان نہیں رہ جاتا)۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ ایمان کا نام کفر سے کم تر گناہ کے ارتکاب سے ختم نہیں ہوتا اور جس کا گناہ کفر سے کم تر ہو، وہ مومن ہے ہر چند کہ اپنی معصیت کے سبب وہ فاسق ہو گیا۔

قتل اہل ایمان:

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: کسی مسلمان کا قتل صرف تین حالتوں میں جائز ہے، ارتداد سے،

شادی شدہ شخص کے زنا کرنے سے اور اپنے برابر (کفوء) مقتول کے قتل کے قصاص سے۔ یہ امرخوارج کے عقیدہ کے خلاف ہے جو ہر عاصی اور گناہ گار کے قتل کو مباح وحلال سمجھتے ہیں۔

اگر تمام گناہ گار اشخاص ارتکاب گناہ سے کافر ہو جاتے ہوں، تو وہ لوگ مرتدین اسلام میں شامل ہوں گے اور انہیں قتل کر دینا واجب ولازمی ہوگا، ان پر حدود کے اقامت کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوگی اور چور کے ہاتھ کاٹنے، قذف کے مجرم پر حد جاری کرنے اور شادی شدہ زانی کو سنگ سار کرنے سے کوئی بات حاصل نہ ہوگی اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مرتد کے لئے قتل کے سوا کوئی حد شرعی ہے ہی نہیں۔

## ۱۴۔ رکن چہاردہم: اولیاء، ائمہ اور ملائکہ.........

اولیاء وائمہ سے متعلق ہے۔ اہل السنّت کہتے ہیں کہ: ملائکہ گناہوں سے معصوم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دیتا ہے اس میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے (القرآن، سورۂ التحریم، آیت ۶)''۔

### انبیاء اولیاء سے افضل ہیں:

اکثر اہل السنّت کہتے ہیں کہ تمام امتوں کے اولیاء سے انبیاء افضل ہیں۔ یہ ایسے بعض لوگوں کے خلاف ہے جو بعض اولیاء کو بعض انبیاء پر فضیلت دیتے اور ان کی افضلیت کے قائل ہیں۔ یہ خیال فرقہ الکرامیہ کا ہے۔

### امامت مفضول:

اہل السنّت میں مفضول کی امامت سے متعلق اختلاف ہے۔ ہمارے شیخ ابوالحسن اشعری اس سے انکار کرتے ہیں۔ (یعنی فاضل کی موجودگی میں مفضول امام نہیں ہوسکتا)۔ مگر القلانسی

کے خیال میں یہ بات جائز ہے۔

**عشرہ مبشرہ سے موالات:**

اہل السنّت صحابہ کرامؓ میں ''عشرہ مبشرہ'' کی موالات کا عقیدہ رکھتے ہیں اوران کے یقینی جنتی ہونے کے معتقد ہیں۔ یہ عشرہ مبشرہ، خلفاء اربعہ (راشدین)، حضرات طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عبدالرحمان بن عوف اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہیں۔

**صحابہ سے موالات:**

یہ لوگ ان تمام صحابہؓ سے موالات و دوستی کا اظہار کرتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ اور ان کے جنتی ہونے پر قطعیت کے ساتھ یقین رکھتے ہیں۔ وہ یہی عقیدہ شرکاء احد کے متعلق بھی رکھتے ہیں۔ ان میں سے صرف قزمان نامی ایک شخص مستثنیٰ ہے جس نے مشرکین کی ایک جماعت کو قتل کیا، لیکن (زخموں کی اذیت سے) خودکشی کرلی۔ اسے نفاق کی طرف منسوب کیا جاتا تھا (یعنی وہ منافق تھا)۔ اسی طرح تمام وہ صحابہ جو بیعت رضوان کے موقع پر مقام حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اہل السنّت کے نزدیک اہل الجنت ہیں۔

**شفاعت:**

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: صحیح حدیث کی رو سے امت محمدی ﷺ کے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) اشخاص کسی حساب کتاب کے بغیر بخش دیئے جائیں گے اور جنت میں داخل کرلئے جائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک شخص ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) اہل ایمان کی شفاعت کرے گا۔ اس گروہ میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں۔[۲]

اہل السنّت ان تمام لوگوں کی موالات کے قائل ہیں جو مسلمان مرے اور اپنی موت سے پہلے ان میں سے کوئی اہل الاہواء الضالۃ کی بدعت پر قائم اور ان کا معتقد نہ تھا۔

## اعداء اسلام..........۱۵۔رکن پانزدہم:

اعداء دین اسلام کے احکام پر مشتمل ہے۔ اہل السنت کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمنوں کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو اسلام کے غلبہ سے پہلے موجود تھے۔ دوسری قسم اُن دشمنان اسلام کی ہے جو زمانہ اسلام میں ظاہر ہوئے اور اسلام کے غلبہ کی وجہ سے ظاہری طور سے اسلام کے پردہ میں چھپ گئے کہ مسلمانوں کو فریب دے کر اور انہیں غفلت میں رکھ کر گمراہ کرنے کی گھات میں رہیں۔

### اعداء اسلام کے اقسام:

جو اعداء اسلام، اسلام سے قبل گزرے ہیں ان کی مختلف اصناف ہیں اور ان کی خصوصیات جدا ہیں:۔

۱۔ بت پرست (عبدۃ الاوثان والاصنام):۔ وثن اور صنم کے پجاری۔

۲۔ کسی خاص انسان کے پرستار مثلاً وہ لوگ جو جمشید کی پرستش کرتے تھے، وہ جو نمرود بن کنعان کی پوجا کرتے تھے۔ اور جو لوگ فرعون کی عبادت کرتے تھے، اور ان جیسے دوسرے اشخاص واقوام۔

۳۔ وہ لوگ جو ہر حسین اور خوب صورت چیز کو پوجتے ہیں اور حلولیہ کے مذہب کے مطابق یہ زعم باطل رکھتے ہیں کہ اچھی اور حسین صورتوں میں خدا کی روح حلول کر آتی ہے۔

۴۔ وہ لوگ جو سورج یا چاند کی یا سارے ستاروں کی یا کسی خاص ستارے کی پرستش کرتے ہیں۔

۵۔ وہ جو ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں ''خدا کی بیٹیاں'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ایسے ہی لوگوں کے متعلق نازل ہوا ہے: ''وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، فرشتوں کو زنانہ نام دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ (القرآن، سورۃ النجم، آیت ۲۷)۔''

۶۔ ان اعداء اسلام میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو سرکش و باغی شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔

۷۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو ''گوماتا'' کی پوجا کرتے ہیں۔

۸۔ان دشمنانِ اسلام میں آگ کے پجاری بھی ہیں۔

بت پرستوں کے احکام:

تمام بت پرستوں، انسان پرستوں، فرشتہ پرستوں، ستارہ پرستوں، آتش پرستوں کے متعلق یہ حکم ہے کہ ان کے ذبیحے حرام ہیں اور مسلمانوں کے لئے ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ناجائز وحرام ہے۔اس بارے میں کہ ان سے جزیہ لیا جائے یا نہ لیا جائے، اختلاف رائے ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں ان کا جزیہ نہیں قبول کیا جائے گا، کیونکہ صرف اہل کتاب سے یا ان لوگوں سے جو شبہ اہل کتاب ہیں جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ان کفار سے جزیہ قبول کرنا جائز و درست ہے۔مگر امام مالکؒ کے ہاں ان میں اگر کوئی شخص قبیلہ، قریش کا ہو، تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ان کفار میں شامل تمام عربی اس سے مستثنیٰ ہو گے اور اُن کا جزیہ قبول نہ کیا جائے گا۔

السوفسطائیہ:

۱۔اسلام سے پہلے جو کفار گزرے ہیں ان میں السوفسطائیہ کہ منکرین حقائق ہیں، شامل ہیں۔

السمنیہ:

۲۔ان میں السمنیہ بھی شامل ہیں، جو عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں حالانکہ وہ غور و فکر واستدلال کے منکر ہیں اور اس امر کے مدعی ہیں کہ حواس خمسہ کے سوا کسی اور طریقہ سے کسی شے کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

الدہریہ:

۳۔انہیں اعداء اسلام میں الدہریہ بھی ہیں جو عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔

قِدَمِ عالَم کے قائلین:

۴۔اعداء اسلام میں وہ لوگ بھی ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عالم کا ہیولیٰ قدیم ہے اور

اس سے اعراض کے حدوث کے مقر ہیں۔

فلاسفہ:

۵۔قبل از اسلام جو کفار گزرے ہیں، اُن میں وہ فلاسفہ بھی ہیں جو عالم کو قدیم مانتے ہیں اور صانع مطلق کو نہیں مانتے، فیثاغورس اور باذینوس (جیسے فلاسفہ کا) یہی عقیدہ ہے۔

۶۔ان میں وہ فلاسفہ بھی ہیں جو ایک صانع کا جو قدیم ہے اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مصنوع بھی قدیم ہے۔ یہ لوگ صانع اور مصنوع دونوں کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔یہی مذہب ابیذقلیس کا ہے۔

۷۔اسی زمرہ میں وہ فلاسفہ بھی آتے ہیں، جو''طبائع اربعہ'' کی اور''عناصر اربعہ کی، کہ زمین، پانی، آگ اور ہوا سے عبارت ہے،قدامت کے قائل ہیں۔

۸۔انہی لوگوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان (مذکورہ بالا) چاروں اشیاء کے ساتھ ساتھ افلاک اور کواکب بھی قدیم ہیں۔ان کے خیال میں فلک (آسمان) کی طبیعت خامسہ (پانچویں طبیعت) ہے اور وہ کون یا فساد کو قبول نہیں کرتی نہ اجمالاً اور نہ تفصیلاً (اسی لئے افلاک فساد کا شکار نہیں ہوتے اور وہ قدیم ہیں)۔

**مذکورۂ بالا کفار کے احکام:**

اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ مذکورہ بالا کفار کے ذبیحہ کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہے۔مگر ان سے جزیہ قبول کرنے کے بارے میں (ائمہ کی) رائے میں اختلاف ہے۔چنانچہ جو ائمہ بت پرستوں سے جزیہ لینا جائز سمجھتے ہیں (یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ) وہ اِن لوگوں سے بھی جزیہ قبول کر لیتے ہیں، لیکن جو بت پرستوں کا جزیہ قبول نہیں کرتے (مثلاً امام شافعیؒ) وہ اِن لوگوں سے بھی جزیہ نہیں قبول کرتے۔

**مجوس کے احکام:**

اہل السنّت کہتے ہیں کہ: مجوس کے چار فرقے ہیں، زروانیہ، مسخیہ، خرمدینیہ اور بہ

آفریدیہ۔ ان سب کے ذبیحے مسلمانوں کے لئے حرام ہیں، اسی طرح ان کی عورتوں سے نکاح بھی حرام ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کا اس امر پر اجماع ہے کہ زروانیہ اور مسخیہ سے جزیہ قبول کرنا جائز ہے۔ مگر ان کی "دیت" کی مقدار کیا ہوگی، اس بارے میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔ امام شافعیؒ کے بقول مجوسی کی دیت یہودی اور نصرانی کی دیت کا خمس (۱/۵) ہے اور یہودی و نصرانی کی دیت مسلم کی دیت کا ثلث (۱/۳) ہے۔ یوں مجوسی کی دیت مسلم کی دیت کے ثلث کا خمس (۱/۳ کا ۱/۵=۱/۱۵) ہوئی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجوسی، یہودی اور نصرانی کی دیت مسلم کی دیت جیسی اور اس کے مساوی ہے۔ (یعنی اہل الذمہ اور مسلم کی دیت برابر ہے)۔

### مزدکیہ کے احکام:

مجوس کے گروہ مزدکیہ سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے مجوس کے اصلی دین کو چھوڑ دیا ہے اور تمام محرمات کو مباح و حلال کرلیا ہے و نیز اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انسان مال، عورت اور دیگر لذات میں برابر کے شریک ہیں۔

### بہ آفریدیہ کے احکام:

اسی طرح مجوسس کے فرقہ بہافریدیہ سے جزیہ قبول کرنا بھی جائز نہیں ہے، گوکہ وہ عقیدہ میں اصلی مجوس سے بہتر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین کا ظہور ان کے زعیم بہ آفرید کے ذریعہ زمانہ غلبہ السلام میں ہوا ہے اور ہر وہ کفر جو غلبہ اسلام کے بعد ظہور پذیر ہوا اس کے پیروؤں سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے۔

### صابئین کے احکام:

الصابئین ؎ کے بارے میں فقہاء میں اختلاف رائے ہے۔ اکثر کے نزدیک ذبیحہ اور عورتوں سے نکاح کے معاملہ میں ان پر وہی فیصلہ نافذ ہوگا جو ان سب کے جواز میں نصاریٰ پر نافذ العمل ہے۔ بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ صابئین میں سے جو لوگ ہیولیٰ کے قدیم ہونے

کے قائل ہیں، ان کا وہی حکم ہے جو ''اصحاب ہیولیٰ'' کا ہے جسے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔ لیکن ان میں سے جو صابئین حدوث عالم کے قائل ہیں اور ان سے صرف صانع (اللہ) کے صفات میں ہمارا اختلاف ہے، ایسے لوگوں پر وہی فیصلہ نافذ ہوگا جو نصاریٰ پر نافذ ہے۔ اور یہی ہمارا قول ہے۔

براہمہ کے احکام:

امام شافعیؒ کے اصحاب (تلامذہ) کا اس پر اجماع ہے کہ البراہمہ جو تمام انبیاء و رُسل کا انکار کرتے ہیں، اگرچہ یہ لوگ عالم کے حادث ہونے اور صانع عالم کی توحید کے مسائل میں اہل اسلام کے ہم خیال ہیں مگر ان کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ ان لوگوں سے جزیہ قبول کرنے میں ایسا ہی اختلاف ہے، جیسا کہ بت پرستوں سے قبول جزیہ میں اختلاف رائے ہے۔

یہود، نصاریٰ و سامرا کے احکام:

فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہود، سامرا اور نصاریٰ کے ذبیحے حلال ہیں۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور ان سے جزیہ قبول کرنا مباح ہے۔ مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ جزیہ کی مقدار کیا ہو؟ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہر بالغ سے ایک دینار (۱۲ درم) سالانہ لیا جائے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالدار ذمی سے اڑتالیس درم (۴ دینار) سالانہ، درمیانہ درجہ کے ذمی سے چوبیس درم (۲ دینار) سالانہ اور غریب ذمی سے بارہ درم (ا دینار) سالانہ لئے جائیں گے۔

ان پر اجرائے حدود میں ائمہ فقہ میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ان پر مسلمانوں کی طرح حدود جاری کی جائیں گی اور اگر ان میں سے زانی شادی شدہ ہوگا تو اسے رجم (سنگ سار) کر دیا جائے گا۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ذمی کو رجم کی سزا نہیں دی جائے گی۔

ان (یہود، سامرا و نصاریٰ کے اہل الذمہ) کی دیتوں کے تعین میں بھی ائمہ فقہ میں

اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ان کی دیت مسلم کی دیت کی ایک تہائی (ثلث، ۱/۳) ہے، مرد کی بھی اور عورت کی بھی دیتیں مسلم مرد یا عورت کی دیتوں کی ایک تہائی ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہل کتاب ذمی کی دیت مسلم کی دیت کی نصف (۱/۲) ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان لوگوں کی دیت مسلم کی دیت کے مساوی اور برابر ہوگی۔

ان لوگوں کے درمیان قصاص کے اجراء کے بارے میں بھی اختلاف رائے ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کوئی مومن کسی کافر کے قصاص میں کسی حال میں بھی قتل نہیں کیا جائیگا۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ذمی کے قصاص میں مسلم کو قتل کر دیا جائے گا، ہاں مستأمن کے قصاص میں مومن کو قتل نہیں کیا جائے گا (مستأمن وہ ہے جو دارالحرب کا باشندہ ہو اور دارالاسلام میں امان طلب کر کے آیا ہو)۔

شیخ فانی پر جزیہ واجب ہوگا، یا نہیں۔ اس پر فقہاء میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں اس پر جزیہ واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر جزیہ واجب نہیں ہے ہاں مگر یہ کہ وہ شیخ فانی امور جنگ کا ماہر و مدبر ہو۔

ثنویہ کے احکام:

ثنویہ میں سے مانویہ، دیصانیہ اور مرقونیہ، جو نور وظلمت کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جن کے عقیدہ کے مطابق عالم انہیں دونوں سے مرکب ہے اور خیر ونفع نور کی جانب سے اور شر وضرر ظلمت کی جانب سے ہوتے ہیں، ان کے متعلق ائمہ فقہ کے مابین اختلاف رائے ہے۔ بعض فقہاء کا یہ خیال ہے کہ ان کا وہی حکم ہے جو مجوس کا ہے، ان سے جزیہ لینا مباح ہے مگر ان کے ذبیحے کا کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے (یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے)۔ ہمارے نزدیک (امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق) صحیح یہ ہے کہ ان (ثنویہ) کا نکاح، ذبیحہ اور جزیہ میں وہی حکم ہے جو بت پرستوں کا ہے۔ ہم اسے اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں (یعنی ان کا ذبیحہ کھانا حرام، ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ناجائز اور ان کے جزیہ

قبول کرنا حرام ہے)۔

**وہ کفار جو غلبہ اسلام کے زمانہ میں ظاہر ہوئے:**

وہ کفار جو غلبہ اسلام کے زمانہ میں ظاہر ہوئے، مگر انہوں نے اپنے کفر کو اپنے ظاہری اسلام کے پردوں میں چھپا رکھا ہے اور خفیہ طور سے مسلمانوں کو فریب دینے اور نقصان پہنچانے میں لگے رہتے ہیں، مثلاً روافض میں سے غلاۃ سبئیہ، بیانیہ، مغیریہ، منصوریہ، جناحیہ، خطابیہ، حلولیہ، باطنیہ، دریائے جیحوں (ماوراء النہر) کے اُس پار کے مقنعیہ، مبیضہ، اذربیجان کے محمرہ، طبرستان کے محمرہ، ابن ابی العوجاء کے متبعین کہ تناسخ ارواح کے قائل ہیں، احمد بن خابط معتزلی کے ہم عقیدہ، یزیدیہ خوارج جن کا عقیدہ ہے کہ شریعت اسلام کو ایک عجمی نبی اپنی شریعت سے منسوخ کردے گا، میمونیہ خوارج کہ ہم مسلک، جو پوتیوں اور نواسیوں سے نکاح کو حلال سمجھتے ہیں، غدافرہ کے بغدادی ہم مذہب، حلاجیۂ غلاۃ کے حلولی ہم عقیدہ، بابکیہ، رزامیہ، کہ ابو مسلم خراسانی داعی بنی عباس کے انتہاء پسند معتقد ہیں اور کاملیہ کہ تمام صحابہؓ کو اس لئے کافر قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی امامت کی بیعت ترک کردی اور حضرت علیؓ کی اس لئے تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے صحابہؓ سے قتال نہ کیا (یہ وہ کفار ہیں جو غلبۂ اسلام کے زمانہ میں ظاہر ہوئے اور اپنے کفر کو انہوں نے ظاہری اسلام کے لبادہ میں چھپا رکھا ہے) ان تمام گروہوں کا جن کی ہم نے اسم شماری کی (اور ان جیسے بعد میں ظاہر ہونے والے گروہ کا) وہی حکم ہے جو مرتدین اسلام کا حکم ہے۔ ان کے ذبیحے حلال نہیں ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور جزیہ لے کر ان کو دارالاسلام میں قیام کی اجازت دینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ انہیں اپنے کفر سے توبہ کروانا واجب ہے، اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو خیر، ورنہ انہیں قتل کردینا اور ان کے اموال کو مال غنیمت قرار دینا واجب ہے۔ اس بارے میں کہ ان لوگوں کی عورتوں کو باندی اور ان کے بچوں کو غلام بنانا جائز ہے یا نہیں، ائمۂ فقہ کے مابین اختلاف رائے ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے جن میں ابن سریج کے شاگرد ابو اسحاق مروزی بھی شامل ہیں، اسے مباح،

حلال و جائز قرار دیا ہے۔ اس اباحت پر ان لوگوں نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب بنو حنیفہ کے مرتدین سے قتال کیا اور ان کے جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب کے قتل سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے بنو حنیفہ سے سونے، چاندی اور اسیران جنگ میں سے ایک چوتھائی عورتوں اور بچوں کی وصولی پر صلح کر لی اور انہیں (امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں) مدینہ بھیج دیا تھا۔ انہیں میں خولہ نامی عورت بھی تھی (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی اور اس سے انکا بیٹا) محمد بن حنفیہ پیدا ہوا۔

اہل الاہواء کے احکام:

جارودیہ، ہشامیہ، نجاریہ، جہمیہ، امامیہ جو تمام خیارِ صحابہؓ کی تکفیر کرتے ہیں، قدریہ، معتزلہ، بکریہ، کہ عبدالوحد خواہرزادۂ بکر کی جانب منسوب ہیں، ضراریہ، تمام مشبہہ اور خوارج کہ اہل الاہواء میں شمار ہوتے ہیں، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، ہم ان سبھوں کی اسی طرح تکفیر کرتے ہیں جس طرح کہ یہ لوگ اہل السنّت کو کافر ٹھہراتے ہیں۔ ہمارے ہاں ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ان کی اقتداء میں ادائے صلوٰۃ بھی ناجائز ہے۔

ہمارے اصحاب کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان سے ''توارث'' (میراث لینا اور دینا) جائز ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ہم ان کے وارث ہوں گے لیکن وہ ہمارے وارث نہ ہوں گے۔ اس کی بنیاد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ: ''مسلم، کافر سے میراث پائے گا (اس کا وارث ہوگا) مگر کافر کو مسلم کی میراث نہ ملے گی (اس کا وارث نہ ہوگا)''۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے اموال فئی ہوں گے (بیت المال میں جمع کر لئے جائیں گے) اور ان لوگوں اور سنیوں کے درمیان کوئی توارث نہیں ہے۔ یہ مروی ہے کہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ نے اپنے باپ کی میراث سے جو قدری تھا، کچھ بھی نہیں لیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کی صلوٰۃ کو باطل قرار دیا ہے جو ایسے شخص کی اقتداء

میں اسے اداء کرے جو خلق قرآن کریم اور نفی روایت باری کا قائل ہو۔ ہشام بن عبید اللہ رازی [1] نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ [1] (شاگرد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں جو خلق قرآن کریم کے معتقد کی اقتداء میں صلوٰۃ ادا کرے کہا ہے کہ اسے اپنی صلوٰۃ کا اعادہ کرنا چاہئے (کیونکہ قائل خلق قرآن کریم کی امامت میں اداء کی جانے والی صلوۃ باطل ہے)۔ اسی طرح یحییٰ بن اکثم [2] نے روایت کی ہے کہ (امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد قاضی) ابو یوسفؒ [3] سے معتزلہ کے متعلق دریافت کیا گیا، انہوں نے فرمایا: ''وہ لوگ زندیق اور بے دین ہیں۔''

امام شافعی نے ''کتاب الشہادات'' میں اہل الاہواء کی شہادت کے جواز کا اشارہ وعندیہ دیا ہے۔ مگر ان میں سے خطابیہ کو انہوں نے مستثنیٰ کیا ہے جن کے نزدیک اپنے موافقین کے حق میں ان کے مخالفین کے خلاف جھوٹی گواہی دینا جائز ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی ''کتاب القیاس'' سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ انہوں نے معتزلہ اور تمام اہل الاہواء کی گواہی کے جواز کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ اسی طرح اشہب، ابن القاسم اور حارث بن مسکین نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے معتزلہ کے بارے میں کہا ہے: ''یہ لوگ زندیق ہیں، ان سے توبہ نہ کرائی جائے گی، بلکہ ان کو قتل کر دیا جائے گا''۔

جہاں تک ان (اہل الاہواء) کے ساتھ بیع وشراء (خرید وفروخت) کا معاملہ ہے، اہل السنّت کے نزدیک اس کی وہی حیثیت ہے جو سرحدات میں آباد مسلمانوں اور اہل الحرب (حربی کفار) کے مابین باہمی بات چیت اور عام گفتگو کے معاہدہ کی ہے، ہر چند کہ ان اہل الحرب کو قتل کر دینا مباح و جائز ہے (مگر عام کاروباری معاہدے کے تحت ان سے روزمرہ کے کاروباری تعلقات رکھنے پڑتے ہیں)۔ کسی مسلمان کے لئے ان کے ہاتھ قرآن شریف فروخت کرنا اور مسلمان غلام کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی صحیح ومستند مذہب ہے۔

القدریہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا القدریہ المعتزلہ کے معاملہ میں اختلاف ہے۔ بعض

لوگ کہتے ہیں کہ ان کا وہی حکم ہے جو مجوس کا حکم ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریہ کے متعلق فرمایا ہے: ''یہ لوگ اس امت کے مجوس ہیں۔'' اس قول کے مطابق ان سے جزیہ لینا جائز ہے۔ لیکن بعض (اصحاب شافعیؒ) کہتے ہیں کہ: ان کا حکم مرتدین کا حکم ہے۔ اس قول کی بنیاد پر ان لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ ان سے توبہ کرائی جائے گی، اگر انہوں نے توبہ کرلی، تو خیر، ورنہ مسلمانوں پر انہیں قتل کر دینا واجب ہے۔ (مصنف کے انہیں انتہا پسندانہ خیالات کی وجہ سے امام رازی نے ان پر نکیر کی ہے۔ مترجم)

ہم نے اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں ''اہل الاہواء'' سے متعلق احکام کو نہایت تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اس کتاب (الفرق بین الفرق) میں ہم نے اہل السنّت کے نزدیک ان کے احکام کا ایک جزء بیان کیا ہے۔ یہی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

## حواشی ........... باب پنجم فصل سوم

(۱) خبر متواتر کے یقینی ہونے کے لئے چار شرائط ضروری ہیں، اس کے راوی ہر درجہ میں اتنے زیادہ ہوں جن کا کذب پر اتفاق محال ہو، یہ لوگ جس امر کی خبر دے رہے ہوں اس سے بخوبی واقف اور اس کے عالم بھی ہوں، وہ لوگ جس بات کی خبر دے رہے ہوں وہ ممکن الوقوع بھی ہو، وہ لوگ جس بات کی خبر دے رہے ہوں اس کا ادراک حس سے کیا جا سکتا ہو، اس میں نظر و استدلال کی ضرورت نہ پڑے۔

(۲) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں مکہ میں شق القمر کا معجزہ، آپ ﷺ کے ہاتھوں میں کنکریوں کا اللہ کی پاکی بیان کرنا، تھوڑے سے کھانے میں متعدد مواقع پر اتنی برکت ہونا کہ بہت سے لوگ کھا کر سیر ہوئے اور اس کھجور کی شاخ کا آپ ﷺ کے فراق میں زاری کرنا، جس سے ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ ان معجزات اور ان جیسے دوسرے معجزات اور معجزات کی ماہیت وغیرہ کے لئے مفصل و سیر حاصل بحث کے لئے مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرۃ النبی ﷺ'' جلد سوم کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۳) زمین کے سکون یا اس کے حرکت کرنے کا کوئی تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ قرآن کریم و سنت میں اس ضمن میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں ہے، جس سے کسی ایک موقف کی تائید یا دوسرے موقف کی تردید ہوتی ہے۔ سائنسی تجربہ اور تحقیق سے جو باتیں منکشف ہوتی جارہی ہیں وہ بھی حتمی نہیں ہے، بالکل اسی طرح ماضی کے مشاہدات و تجربات بھی یقینی نہ تھے۔ کل کیا سونچا گیا، آج کیا سونچا جارہا ہے اور کل کیا سونچا جائے گا، ان سب کا مشاہدات، تجربات و استدلال سے تعلق ہے مگر مذہب نے ان میں سے نہ کسی کی تائید کی ہے اور نہ کسی کی تردید کی ہے۔ مصنف کا ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اہل السنت کے عقائد ہیں، محض تحکم ہے اور اس کے مزعومہ کے ایک ہزار سال بعد اس پر اعتقاد رکھنا عبث ہے۔

(۴) ابن سالم کے نام سے ایک صاحب اور ان کے بیٹے کا ذکر آتا ہے، باپ ابوعبداللہ محمد بن سالم ہیں ابوسہل تستری کے شاگرد تھے۔ بیٹے کا نام ہے ابوالحسن احمد بن سالم۔ ان دونوں کے پیروکاروں کو "سالمیہ" کہتے ہیں۔ یہ لوگ اہل السنّت اور معتزلہ کے عقائد کا مجموعہ ہیں اور کسی قدر ان کا میلان تشبیہ کی طرف بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی صوفیاء کے مسلک سے بھی قریب ہیں۔ اسی گروہ کی جانب ابوطالب مکی (صاحب قوۃ القلوب) اور ابوالحکم بن برجان بھی منسوب ہیں۔ سراج کی کتاب اللمع ۴۷۳ اور ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ (جلد اول، صفحہ ۲۸)، شذرات الذہب جلد سوم، صفحہ ۳۶ و کتاب العبر جلد دوم، صفحہ ۲۳۰ دیکھئے۔

(۵) بلعم بن باعور: سرزمین کنان پر قابض جبارین کا مرد بزرگ تھا، وہ خدا رسیدہ اور اسم اعظم کا عامل اور عابد و زاہد اور اپنی قوم میں بڑا مقدس تھا۔ جب بنواسرائیل نے حضرت موسیٰ یا حضرت یوشعؑ بن نون کی قیادت میں ارض کنعان پر حملہ کیا، تو اپنی قوم کے ورغلانے سے اس نے بنواسرائیل پر بددعاء کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس کی پاداش میں وہ راندۂ درگاہ ہوکر مرا اور ارض کنعان پر اسرائیل قابض ہوگئے (الکامل لابن اثیر جلد اول، صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴)۔

(۶) حضرت عکاشہ بن محض اسدی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی جو بخاری اور مسلم کی کتابوں میں مذکور ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بنواسد کے کاذب نبی طلیحہ اسدی نے اسلام پر ثابت قدم رہنے کے "جرم" میں شہید کر دیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۱ھ کا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کا سخت صدمہ ہوا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے فتنہ ارتداد کے واقعات طبری وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۷) مجوس کے فرقوں اور ان کے عقائد کے لئے شہرستانی کی الملل والنحل سے رجوع کیجئے۔

(۸) صابئین کے عقائد اور حنفاء سے ان کے مناظرہ کے لئے الملل والنحل کی متعلقہ فصول ملاحظہ کیجئے۔

(۹) ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبیؒ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم، امامِ کلام و

مصنف تصوف تھے۔ وہ اپنے علم و فضل اور تمسک بالشریعہ کے لئے مشہور تھے۔ ان کا شمار ابتدائی مصنفین تصوف میں ہوتا ہے۔ ان کی چند کتابیں دست بردز مانہ سے محفوظ رہی ہیں جن میں الرعایہ لحقوق اللہ اور رسالتہ المستر شدین نمایاں ہیں۔ ۲۴۳ھ میں انتقال کیا، امام المحاسبی کے مزید حالات سلمی کی طبقات الصوفیاء اور الشعرانی کی کتاب طبقات میں ملیں گے۔

(۱۰) ہشام بن عبید اللہ رازی سبستی حنفیؒ، علم کا بحر زخار تھے، حدیث، فقہ اور قرآن کریم سے متعلق علوم میں سند تھے۔ ۲۲۱ھ میں انتقال کیا۔ (تہذیب التہذیب ۲:۴۷، العبر ۱:۳۸۳)۔

(۱۱) امام محمد بن حسن شیبانیؒ، عراق کے شہر واسط میں ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ایران کے شہر ری میں ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ اپنے عہد کے اجلہ علماء سے تحصیل علم کی۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں، جبکہ امام شافعیؒ ان کے شاگرد ہیں۔ امام محمد فقہ حنفی کے اساطین اربعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اصول فقہ کے بانی وہی ہیں۔ فقہ میں جامع صغیر، جامع کبیر، السیر الکبیر والسیر الصغیر اور حدیث میں الموطاء امام محمد ان سے یادگار ہیں۔ ہارون اعظم سے وابستہ اور مملکت اسلامی کے قاضی القضاۃ رہے۔

(۱۲) ابو محمد یحییٰ بن اکثم مروزی بغدادی، مامون کے عہد میں قاضی القضاد، اور نہایت بااثر تھے، حق گوئی کے لئے مشہور تھے۔ امین کے دور میں انہیں بڑا عروج حاصل ہوا۔ معتزلہ کی سازشوں سے اذیت کش رہے۔ المتوکل کے دور میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی (العبر ۱:۴۳۹)۔

(۱۳) قاضی القضاۃ امام ابو یوسف یعقوب انصاریؒ ۱۱۳ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے ممتاز شاگرد تھے، خلیفہ المہدی کے عہد میں قاضی اور ہارون کے دور میں دنیائے اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ فقہ حنفی کے اساطین اربعہ میں ہیں۔، حدیث، فقہ مغازی، وسیر میں ان کا علمی پایہ بہت بلند ہے۔ کتاب الخراج، الرد علی سیر الاوزاعی واختلاف ابی لیلیٰ وغیرہ کتابیں ان سے یادگار ہیں۔

# امتِ اسلامیہ کے اسلافِ صالحین کے متعلق ہمارے عقائد

## صحابہؓ کے متعلق:

صحابہ کرامؓ میں سے مہاجرین اور انصار کے صاحب ایمان ہونے پر اہل السنّت و الجماعت کا اجماع ہے۔ یہ عقیدہ روافض کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ صحابہؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ اسی طرح یہ عقیدہ فرقہ الکاملیہ کے اس مزعومہ کے بھی خلاف ہے کہ حضرت علیؓ نے صحابہ کرامؓ سے قتال نہ کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

اس بات پر بھی اہل السنّت والجماعت کا اجماع ہے کہ قبیلہ ہائے کندہ، حنیفہ، فزارہ، بنی اسد و بنی بکر بن وائل کے لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے، نہ انصار سے اور نہ مہاجرین سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ شریعت میں ''مہاجرین'' کے نام کا اطلاق اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو ''فتح مکہ'' سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ وہ سب کے سب دین قویم اور صراط مستقیم پر ہی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اہل السنّت والجماعت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ جن مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شرکت کی وہ جنتی ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ احد میں شرکت کی، باستثنائے ''قزمان'' جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث کے مطابق جنتی ہونے سے مستثنیٰ کر دیا تھا، وہ سب اہل جنت ہیں۔ اسی طرح وہ تمام مسلمان جو آپ علیہ السلام کے زیر قیادت حدیبیہ کے مقام پر ''بیعت رضوان'' میں شامل تھے جنتی ہیں۔

### شفاعت کنندگان کے متعلق:

اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ امت محمدی ﷺ میں سے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) اشخاص جنت میں بلاحساب داخل کئے جائیں گے۔ انہیں میں حضرت عکاشہؓ بن محصن بھی ہیں۔ اوران حضرات میں ہر شخص ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) مسلمانوں کی شفاعت کرے گا۔

اسی طرح اہل السنت ان مومنین کی موالات ومحبت کے قائل ہیں، جن کے اہل جنت ہونے اور امت کی ایک جماعت کی شفاعت کرنے کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ وارد ہیں۔ انہی میں جناب اویس قرنی بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق احادیث مشہور ہیں۔

### عشرہ مبشرہ:

اہل السنت کے نزدیک ہر وہ شخص کافر ہے جو ''عشرہ مبشرہ'' میں سے، جن کے جنتی ہونے کی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے، کسی ایک صاحب کو بھی کافر سمجھتا ہے۔

### ازواج مطہرات:

آنحضرت ﷺ کی تمام ازدواج مطہرات کی موالات کے اہل السنت قائل ہیں۔ اور جو ان سب کو یا ان میں سے کسی کی تکفیر کرتا ہے۔ اسے کافر قرار دیتے ہیں۔

### اہل بیت:

اسی طرح اہل السنت والجماعت حضرات حسنؓ وحسینؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباط میں سے مشہور لوگوں کی موالات کا عقیدہ رکھتے ہیں، مثلاً حسن بن حسن، عبداللہ بن حسن (بن حسن)، علی بن حسین زین العابدین، محمد بن علی بن حسین المعروف بہ باقر، جعفر بن محمد المعروف بہ صادق، موسیٰ بن جعفر (المعروف بہ کاظم) اورعلی بن موسیٰ الرضاء (رحمۃ اللہ علیہم) اہل السنت کا یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام صلبی اولاد کے متعلق ہے، مثلاً عباس، عمر، محمد بن حنفیہ، اور تمام وہ جو اپنے آباء کی روش پر قائم رہتے ہوئے، فوت ہوئے۔ باستثناء ان لوگوں کے جو ان میں سے اعتزال یا رفض کی جانب مائل ہوگئے۔ ان میں سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ

ہیں جو ظلم و عدوان کے مرتکب ہوئے، مثلاً البرقعی جس نے اہل بصرہ پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ اکثر ماہرین انساب کی رائے ہے کہ اس کا یہ انتساب جعلی تھا اور وہ آل علیؓ میں سے نہیں تھا۔

تابعین:

اہل السنّت مشہور و بزرگ ''تابعین'' سے بھی موالات رکھتے ہیں کیونکہ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور ہمارے ان باایمان بھائیوں کے گناہ جو ہم سے پہلے گزرے ہیں، بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کی طرف سے کینہ وعداوت نہ ڈال! اے ہمارے پالنے والے بیشک تو رؤف و رحیم ہے۔ (القرآن، سورۃ الحشر، آیت ۱۰)''۔

اہل السنّت یہی دعا ان سب کے لئے کرتے ہیں، جو اہل السنّت کے اصول کی پابندی اور ان کا اظہار کرتے ہیں۔

مارقین سے برأت:

اسی طرح اہل السنّت والجماعت ان گروہوں سے جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان خواہش نفسانی کے پیروکاروں سے جو اسلام کی جانب اپنے انتساب کے باوجود گمراہ اور بدعقیدہ ہیں، برأت، بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے گمراہ فرقے ہیں، القدریہ، المرجئہ، الخوارج، الجہمیہ، النجاریہ اور المجسمہ اس اجمال کی تفصیل اس فصل سے قبل فصول میں بیان کی جا چکی ہے۔ اور وہ کافی ہے۔

# اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل السنّت کو ایک دوسرے کی تکفیر سے مصون و مامون رکھا ہے

## السنّت ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے:

اہل السنّت آپس میں ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے۔ ان کے درمیان ایسے اختلافات نہیں ہیں جن سے برأت اور تکفیر لازم آتی ہو۔ چنانچہ یہ لوگ اس جماعت سے وابستہ ہیں جو حق کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ حق اور اہل حق کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ ایک دوسرے کو بُرے الفاظ سے یاد نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کا توڑ کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے مخالف فرقوں میں سے بعض، بعض کی تکفیر کرتے اور باہم دگر اظہار برأت کرتے ہیں۔ مثلاً خوارج ہی کو لیجئے روافض ہی کو دیکھئے یا القدر پر نظر ڈالئے کہ اگر ان کے سات آدمی بھی کسی مجلس میں اکٹھا ہو جائیں تو بھی ایک دوسرے کو کافر قرار دینے میں ان کے درمیان سخت پھوٹ پڑ جائے گی۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح ہیں کہ ان میں سے بعض، بعض کو کافر کہتا ہے۔ یہاں تک ''کہ یہود نے کہا کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں ہے اور نصاریٰ نے کہا یہود کا مذہب کچھ بھی نہیں ہے (القرآن، سورہ البقرہ آیت ۱۱۳)''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے (القرآن، سورۃ النساء، آیت ۸۲)''۔ اللہ تعالیٰ نے اہل السنّت والجماعت کو اس امت کے اسلاف کے بارے میں بری بات کہنے یا ان پر طعن کرنے سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔ یہ لوگ مہاجرین، انصار، مشاہیر

دین، اہل بدر، اہل احد اور اہل بیعت رضوان کے متعلق عمدہ اور اچھی باتیں ہی کہتے ہیں۔ اسی طرح اہل السنّت ان تمام اصحاب کے بارے میں جن کے جنتی ہونے کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، ازواجِ مطہرات کے بارے میں، اصحابؓ کے بارے میں اور ان کے بیٹوں، پوتوں پروتوں کے بارے میں، حسن ظن رکھتے ہیں اور انہیں کلمات خیر سے یاد کرتے ہیں۔ (خاندان رسالت کے) مثلاً حسن، حسین اور ان کے ذریات سے تعلق رکھنے والے مشاہیر جیسے عبداللہ بن حسن، علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر و علی بن موسیٰ رضا اور انہی جیسے راہ حق پر چلنے والوں کے بارے میں جو کسی تبدیلی یا تغیر کے بغیر حق پر قائم رہے، اچھی رائے رکھتے ہیں۔ اسی طرح اہل السنّت خلفاء راشدین، مشاہیر تابعین اور اتباع تابعین سے محبت کرتے اور حسن عقیدت رکھتے ہیں، کیونکہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے بدعات میں ملوث ہونے سے اور منکرات کے اظہار سے محفوظ رکھا ہے۔ اسی طرح اہل السنّت عام مسلمانوں کے متعلق ان کے ظاہری ایمان کی رو سے فیصلہ دیتے ہیں اور ان میں سے کسی کو اس وقت تک کافر نہیں کہتے جب تک کہ ان سے کوئی ایسا فعل ظاہر نہ ہو جو موجب کفر ہے۔

### شفاعت برحق ہے:

اہل السنّت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سچ جانتے اور اس پر عمل پیرا ہیں کہ:

''میری امت کے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) افراد کسی حساب کتاب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جادو ٹونے اور پرندوں سے شگون اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔ اس حدیث کو بخاری نے بیان کیا ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے ان میں ہر شخص اتنے آدمیوں کی قیامت میں شفاعت کرے گا جن کی تعداد ربیعہ اور مضر کے عرب قبایل کے افراد کے مساوی ہوگی۔ اسی طرح اہل السنّت، سلف صالحین کے لئے دعاء کرنے کو اپنے پر واجب جانتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم قرآنی کے مطابق ہے کہ: ''اے ہمارے رب ہمیں اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرما ارد انہیں بخش دے،

ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کینہ اور عداوت کو راہ نہ دے۔ اے ہمارے رب تو رؤف ورحیم ہے۔(القرآن، سورۃ الحشر، یت ۱۰)"۔

## حواشی ......... باب پنجم۔ فصل پنجم

(۱) یہاں سے آخر کتاب تک کے مباحث طبع اوّل میں شامل نہیں تھے۔ بعدازاں علامہ زاہد الکوثری نے اس ساقط شدہ حصے کو اپنے نسخہ "الفرق بین الفرق" میں شائع کیا۔ کتاب کے موجودہ ایڈیشن میں علامہ محمد محی الدین عبدالحمید نے اسے شامل کر کے کتاب مکمل کر دی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اضافہ شدہ حصہ میں فصل پنجم، اس باب کی فصل دوم کا اعادہ ہے۔ فصل ششم جس میں علماء وفضلا کی اسم شماری کی گئی ہے، وہ تشنہ ہے۔ یہی حال باب ہذا کی فصل ہفتم و آخرین کا ہے۔ اس تشنگی کی وجہ یہ ہے کہ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے ۴۲۹ھ میں انتقال کیا تھا اس لئے عہد مابعد کی ترقیات وتعمیرات ومشاہیر فنون وعلوم کا تذکرہ ممکن نہ تھا۔ مترجم اور محشی کو اس اضافہ شدہ حصے کے بعض الفاظ سے اس کے مجعول ہونیکا شبہہ ہوتا ہے، مثلاً یہاں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کا اندراج ہے جبکہ تمام کتاب میں ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کہا گیا ہے۔ اسی طرح کتاب میں جہاں بھی امام ابوالحسن اشعری کا نام آیا ہے انہیں شیخنا (ہمارے شیخ) کا اندراج ہے جبکہ اضافہ شدہ حصے میں ایسا نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح ائمہ شیعہ کا ذکر باب سوم کی فصل اول میں تفصیل سے کیا گیا ہے، لیکن اضافہ شدہ حصے میں ان سے متعدد تصانیف منسوب کی گئی ہیں جن کا پہلے کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً امام جعفر صادق اور امام زید بن علی کی تصانیف بہرکیف یہ محض شبہہ ہے اور اس کی کوئی ٹھوس شہادت مترجم ومحشی کو نہیں مل سکی ہے۔ علی محسن صدیقی)

# اہل السنّت کے فضائل، ان کے متنوع علوم اور ان کے ائمہ کے بیان میں

مفاخر اہل اسلام:

ان خصائل میں سے جنہیں اہل اسلام کے مفاخر میں شمار کیا جائے، یعنی معارف، علوم، انواع اجتہادات، ان سب میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں جس میں اہل السنّت والجماعت کو اس کے میدان میں ساتواں تیر (گوئے سبقت) اور تیر قرع اندازی نہ حاصل ہو (یعنی علوم و فنون کے ہر میدان میں اہل السنّت دوسرے فرقوں سے گوئے سبقت لے گئے ہیں، انہیں ان میں سے حصہ وافر ملا ہے اور کامیابی و فیروزمندی نے انہیں کے قدم چومے ہیں)۔ اہل السنّت کے ائمہ اصول اور علماء کلام میں سے چند نام یہ ہیں:۔ اہل السنّت کے پہلے متکلم عہد صحابہ میں حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تھے۔ انہوں نے خوارج سے الوعد والوعید کے مسائل میں مناظرہ کیا اور القدریہ سے المشیئۃ والاستطاعہ اور القدر سے متعلق مناظرہ کیا۔ بعدازاں (دوسرے متکلم صحابی) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے معبد جہنی سے اس لئے اظہار برائت کیا کہ اس نے "قدر" کی نفی کی تھی۔

القدریہ کی مذمت:

تابعین میں اہل السنّت کے پہلے متکلم حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ ان کا ایک نہایت

ہی بلیغ رسالہ "القدریہ" کے رد وتردید میں موجود ہے۔ بعدازاں زید بن علی زین العابدین متکلم گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی القدریہ کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔ پھر حسن بصری ہیں جن کا مکتوب بنام عمر بن عبدالعزیز القدریہ کی مذمت میں مشہور ومعروف ہے۔ پھر شعبی ہیں جو القدریہ کے سخت ترین مخالف تھے۔ پھر زہری ہیں جنہوں نے عبدالملک کو یہ فتویٰ دیا تھا کہ القدریہ کا خون مباح اور انہیں قتل کر دینا جائز ہے۔

اس طبقہ کے بعد جعفر بن محمد الصادق کا نام آتا ہے، انہوں نے القدریہ کے رد میں ایک کتاب تحریر کی، اسی طرح خوارج کی تردید میں ایک دوسری کتاب تالیف کی اور روافض کے گروہ غلاۃ کے خلاف بھی ایک کتاب لکھی۔

متکلمین اسلام:

فقہاء اور ائمہ مذاہب میں سے اہل السنّت کے پہلے متکلم (امام) ابوحنیفہؒ و (امام) شافعیؒ تھے، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کی کتاب "الفقہ الاکبر" القدریہ کی تردید میں ہے۔ انہوں نے ایک رسالہ اہل السنّت کے اس عقیدہ کی حمایت میں کہ "استطاعت" "فعل" کے ساتھ ہوتی ہے، املا کرایا تھا۔ مگر انہوں نے اس میں جو بات کہی ہے اس سے دونوں باتوں کو مراد لیا جاسکتا ہے۔ (یعنی یہ کہ استطاعت فعل سے قبل ہوتی ہے یا استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے) ہمارے اصحاب کی ایک جماعت بھی یہی موقف رکھتی ہے۔ (امام) شافعیؒ نے علم کلام میں دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کتاب کا موضوع نبوت کی صحت اور براہمہ کی تردید ہے۔ جبکہ دوسری کتاب اہل الاہواء کے رد میں تحریر کی ہے۔

(امام) ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں جہاں تک المریسی کا تعلق ہے، تو انہوں نے مسئلہ خلق قرآن کریم میں معتزلہ کی موافقت کی ہے، لیکن "خلق افعال" کے مسئلہ میں ان کی تکفیر کی ہے۔

(امام) شافعیؒ کے بعد ان کے وہ شاگرد آتے ہیں جو علم فقہ وعلم کلام کے جامع اور دونوں کے ماہر تھے۔ ابوالعباس ابن سریج ان علوم میں اس جماعت میں سب سے نمایاں تھے۔ جو لوگ

''تکافو الادلۃ (مذہب السمنیہ کے پیرو اور براہمہ) کے قائل ہیں اس کی تردید میں انہوں نے کتاب الجاروف تحریر کی تھی۔

ان کے بعد امام ابوالحسن الاشعری[1] کا دور آتا ہے جو القدریہ کی حلق کا کانٹا اور زخم بن گئے تھے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں ابوالحسن الباہلی اور ابوعبداللہ بن مجاہد ہیں۔ یہ دونوں آج تک (امام ابوالحسن الاشعری کے) اہم تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان دونوں نے بہت سے ایسے تلامذہ کو پیدا کیا جو آج تک آفتاب زمانہ وامام عصر ہیں۔ مثلاً ابوبکر محمد بن الطیب (الباقلانی[2])، ابواسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی اور ابن فورک۔

اس طبقہ سے پہلے ابوعلی ثقفی تھے اور ان کے عہد میں امام السنّت ابوالعباس القلانسی تھے، جن کی علم کلام میں تصانیف ڈیڑھ سو کتابوں سے زیادہ ہیں، ہم نے اپنے زمانہ میں ان میں سے ابن مجاہد، ابن الطیب، ابن فورک اور ابراہیم بن محمد کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان سب سے اللہ راضی ہو، یہی لوگ اس علم (کلام) میں قائد وسردار ہیں۔

فقہاء کے کارنامے:

جہاں تک عہد صحابہ، عہد تابعین اور ان کے بعد کے عہد میں گزرنے والے ائمۂ فقہ کا تعلق ہے، تو ان لوگوں نے دنیا کو علم سے مالا مال کر دیا۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو (اہل) السنّت والجماعت کی تائید ونصرت نہ کرتا رہا ہو۔ وہ لوگ اس آگ سے بھی زیادہ روشناس زمانہ ہیں جو علم پر چڑھا کر بلند کی جائے۔ ان کی اسم شماری میں بڑا طول ہے (اس لئے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے)''۔

محدثین کی خدمات:

ائمہ حدیث واسناد اسی سیدھے، درست اور کشادہ راستے (طریق اہل السنّت) پر چلنے والے ہیں۔ ان میں سے کسی کا دامن بھی بدعت سے داغ دار نہیں ہوا۔ ان محدثین کے طبقات میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کی وجہ سے یہ مشہور ہیں اور ان کے نام گنوانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں

ہے۔ان محدثین کے ہمیشہ باقی رہنے والے علمی مآثر ایک مدت تک لوگوں کے درمیان باقی رہیں گے اور لوگ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے رہیں گے۔ یہی حال رشد و ہدایت کے ائمہ اور ارباب تصوف کا بھی ہے، جو صدیوں سے اسی اہل السنّت کے صحیح وراست منہج اور طریقہ پر قائم ہیں۔

## ادباء کی خدمات:

اسی طرح لغت، نحو اور ادب کے علماء کی کثیر تعداد اہل السنّت کے مسلک پر گامزن تھی۔ کوفہ کے علماء لغت، نحو میں اور ماہرین ادب میں سے مفضل الضبی، ابن الاعرابی، الرواسی، الکسائی، الفراء، ابوعبید قاسم بن سلام، علی بن مبارک اللحیانی، ابوعمرو الشیبانی، ابراہیم الحربی، ثعلب، ابن الانباری، ابن مقسم اور احمد بن فارس۔ یہ سبھی اہل السنّت سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح بصرہ کے علماء نحو، لغت اور عربی ادب میں ابوالاسود الدوئلی، یحییٰ بن معمر، عیسیٰ بن عمر الثقفی، عبداللہ بن ابی اسحاق الحضرمی اور ان کے بعد ابوعمرو بن العلاء سبھی اہل السنّت والجماعت سے وابستہ تھے۔ ان ابوعمرو بن العلاء سے (مشہور معتزلی عالم) عمرو بن عبید القدری نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کی جانب سے الوعد اور الوعید وارد ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعد (وعدۂ ثواب) اور وعید (دھمکی، عذاب) کو سچ کر دکھائے گا''۔ (عمرو بن عبید نے) اسی بات سے اپنی اس بدعت کی تائید و نصرت کرنی چاہی کہ اہل ایمان میں سے گناہ گار آتش دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ ابوعمرو بن علاء نے اسے یہ جواب دیا: ''کیا تم نے عربوں کی یہ کہاوت نہیں سنی ہے اور اس سے کیوں بے خبر ہو گئے کہ: کریم جب وعید کرتا اور دھمکی دیتا ہے، تو معاف کر دیتا ہے اور وعدہ کرتا ہے (انعام و اکرام کا) تو اسے وفا کرتا ہے۔ وعید کے موقع پر معاف کر دینے پر فخر کرتا ہوا عربی شاعر کہتا ہے۔

''اور میں جب اسے (وعید) دھمکی دیتا ہوں یا اس سے (کسی انعام کا) وعدہ کرتا ہوں، تو اپنے وعید کی خلاف ورزی اور اپنے وعدہ کا ایفا کرتا ہوں۔''

یوں عربوں کے ہاں وعید پر معافی کرم، فضل و شرف کی علامت ہے اور کوئی بری و قابل

مذمت عادت نہیں ہے"۔ (بصرہ کے علماء نحو، لغت وعربی ادب میں) خلیل بن احمد، خلف الاحمر، یونس بن حبیب، سیبویہ، الاخفش، الاصمعی، ابوزید الانصاری، الزجاج، المازنی، المبرد، ابوحاتم سجستانی، ابن دُرید اور الازہری وغیرہ کہ ائمہ ادب میں محسوب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کو اہل البدعت پر سخت نکیر اور ان سے شدید اختلاف تھا، ان کی بدعتوں سے بعد بعید (بہت دوری) تھا۔ ان کے مشاہیر میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کا دامن روافض، خوارج اور القدریہ کی بدعتوں سے نجس وناپاک ہوا ہو۔

## قراء کی خدمات:

یہی حال ائمہ قرأت قرآن کریم اور مفسرین تفسیر بالروایت کا عہد صحابہ کرام سے محمد بن جریر طبری کے اور ان کے معاصرین ومتاخرین کے زمانوں تک رہا ہے۔ وہ سب اہل السنّت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی حال مفسرین بالدرایت کا چند افراد کو چھوڑ کر رہا ہے۔ یہ چند مستثنیٰ افراد اہل بدعت سے تھے۔

## مشاہیر اسلام اہل سنت تھے:

مشاہیر علماء مغازی، سیر، تاریخ، نقد اخبار اور راویان اخبار بھی اہل السنّت والجماعت ہی کے گروہ سے وابستہ تھے۔

ان باتوں سے یہ ظاہر وواضح ہو جاتا ہے کہ علوم میں فضل وکمال سب کا سب اہل السنّت والجماعت کا حصہ ہے۔ اللہ پاک ہمیں انہیں کے زمرے میں شامل فرمائے اور ہمارا حشر انہیں کے ساتھ ہو۔ آمین

## حواشی ............ باب پنجم ۔ فصل ششم

(۱) امام ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر الاشعری البصری، مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے اخلاف میں تھے۔ اہل السنّت والجماعت کے شیخ اور علم کلام وعقائد میں مسلک اشاعرہ کے بانی ہیں۔ اپنے علم وفضل کے لئے مشہور نزدیک و دور تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مقالات اور السلامیین کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے، بہرکیف ۳۲۴ھ تا ۳۳۰ھ کے درمیان انہوں نے انتقال کیا۔

(۲) قاضی ابوبکر محمد بن طیب باقلانی کو متکلمین اسلام میں بڑی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ بغداد کے قاضی رہے اور یہیں ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔ باقلانی کے مزید حالات خطیب کی تاریخ بغداد ۵: ۳۷۹، ذہبی کی العبر ۳: ۸۶ وغیرہ میں ملیں گے۔

باب پنجم..........فصل ہفتم

# دین و دنیا میں اہل السنّت کے مآثر اور ان میں اُن کے مفاخر کا بیان

## مآثر اہل السنّت:

ہم نے مختلف علوم میں اہل السنّت والجماعت کے بعض ماثر کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر و واضح ہو جاتی ہے کہ اس ضمن میں اُن سے کوئی گوئے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ دینی اور دنیوی علوم میں ان کی تالیفات رہتی دنیا تک باقی و قائم رہنے والی قابل فخر چیزیں ہیں اور ان پر امت محمدیہ ﷺ جتنا ناز کرے وہ کم ہے۔ اب رہا ان کے عمرانی آثار اور معاشرتی یادگاروں کا معاملہ جو ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں، تو وہ نہایت مشہور اور جستجو کرنے والوں کے روبرو موجود ہیں، تواریخ کے صفحات میں جاوداں ہیں کہ کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکتا اور کوئی ان سے لگا نہیں کھاتا۔ ان یادگاروں میں مساجد، مدارس، محلات، خانقاہیں، کارخانے، شفاخانے اور اہل السنّت کے علاقوں کی دوسری تمام تعمیرات، شامل ہیں۔ اور اس ضمن میں اہل السنّت کے سوا کسی اور کا کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں ہے۔

## عہد اموی کے کارنامے:

(اموی خلیفہ) ولید بن عبدالملک نے مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ اور دمشق میں جامع اموی کو نہایت نفیس انداز و اسلوب پر تعمیر کرایا، اور وہ سنی تھا۔ اس کے بھائی مسلمہ نے قسطنطنیہ

میں ( کہ دیارکفرتھا ) مسجد نبوائی، وہ بھی سنی تھا۔ حرمین ( مکہ و مدینہ ) اور تمام شہروں اور آبادیوں میں جو بھی بلند وبالا یادگاریں موجود ہیں، وہ سبھی اہل السنّت کا کام ہیں۔

عبیدین کی تعمیرات :

جہاں تک بعض عبیدین ( مصر کے فاطمی حکم ران ) کی تعمیرات کا تعلق ہے، تو مختلف سنی حکومتوں نے جو تعمیرات کی ہیں، اُن کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ علاوہ بریں اپنی بدعقیدگی اور بدمذہبی کے باوجود انہوں نے جو کچھ تعمیرات کیں ان کا کوئی اعتبار بھی نہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''مشرکین کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں کہ وہ اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دینے والے ہیں۔ (القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ۱۷)''۔ اہل السنّت کی جو قابل صدافتخار یادگاریں دنیا میں ہیں، انہیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حاصل کلام :

اس مختصر گفتگو میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اہل السنّت کے دین و دنیا میں کبھی ختم نہ ہونے والے مآثر و مفاخر کا قدرے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، وہی سزاوار حمد ہے، وہی صاحب فضل وکرم ہے۔ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ وسلام ہو۔ اور اُن کی آل اور تمام صحابہ پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو۔

## تمت

بحمداللہ، اللہ کے آسان کر دینے کے باعث کتاب ''الفرق بین الفرق'' کی تحقیق کہ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی کی تصنیف ہے، اختتام کو پہنچی۔ ہم عظیم المرتبت اللہ تعالیٰ سے دست بدعاء ہیں کہ وہ ہمارے اس عمل کو حسن قبول عطاء فرمائے۔ اور اسے ہمارے دفتر حسنات میں درج فرمائے، بیشک اللہ تعالیٰ ہمارا ولی ہے، وہ اچھا مولیٰ (آقا) اور اچھا مددگار ہے۔ (اسی طرح کتاب کا ترجمہ حسن اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اس کی توفیق بندہ ضعیف کوارزائی فرمائی۔ مترجم)

تمت

www.KitaboSunnat.com

ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد بغدادی (م ۴۲۹ھ/ ۱۰۳۷ء) ایک واسطے سے امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد اور قدیم و جدید علوم کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ان کا تعلق اشاعرہ کے کلامی مکتبہ فکر اور اہل سنت و الجماعت سے ہے۔ انہوں نے اہل سنت و الجماعت کے مخالف فرقوں کے ابطال پر متعدد کتابیں تحریر کیں۔ ان کی کتاب ''اصول الدین'' علم الکلام کی نہایت اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح ''الفرقُ بین الفرق'' اسلامی فرقوں کی تاریخ اور ان کے عقائد پر نہایت مستند کلاسیکی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے مختلف فرقوں کے وجود میں آنے کے اسباب، اور ان کے عقائد وافکار کے بیان کے ساتھ ساتھ ان پر نقد و جرح بھی کی ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ ممتاز محقق، مؤرخ اور مترجم پروفیسر (ر) علی محسن صدیقی صاحب نے کیا ہے۔ کتاب کے فلسفیانہ مباحث کو اردو میں اس طرح ترجمہ کرنا کہ قارئین کو دشواری نہ ہو، ایک مشکل کام تھا، فاضل مترجم اس سے قبل امام رازی کی ''عقائد مسلمین ومشرکین'' ...... امام شہرستانی کی کتاب ''الملل والنحل'' ......اور عطاء ملک جوینی کی ''تاریخ جہاں گشائی'' کے ترجمے اردو زبان میں کر کے، اسلامی تاریخ کے ذخیرہ اردو میں اہم ترین اضافے کر چکے ہیں۔